نمل

نِمرہ احمد

www.facebook.com nemrah.ahmed.official

Read 26th Episode of Naml in Khawateen Digest

27:6

نمل (نمرہ احمد)

چھبیسویں قسط:

"فرزندِ نازنین!"

ایک دفعہ ایک کشتی میں
سوار ہوا ایک بادشاہ'
ساتھ ایک عجمی غلام کے۔
اور غلام نے نہ دیکھا تھا کبھی دریا'
اور نہ کبھی اٹھائی تھی کشتی کی تکلیف۔
لگا وہ رونے دھونے'
اور کانپنے لگا اس کا بدن۔
کرکرا ہو گیا اس سے بادشاہ کا سارا مزہ'
کہ نہیں سہہ سکتی تھی اس کی نازک طبع ایسی باتوں کو۔
لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی کوئی تدبیر۔
تھا اس کشتی میں ایک عقلمند بھی۔
بولا وہ بادشاہ سے اگر ہو حکم....
تو خاموش کراؤں اس کو ایک طریقے سے؟
کہا بادشاہ نے، بڑی مہربانی ہو گی۔
سو مطابق اس دانا آدمی کے حکم کے'
لوگوں نے پھینکا غلام کو دریا میں۔
کھائے غلام نے چند غوطے۔
پھر پکڑا لوگوں نے اس کو سر کے بالوں سے۔

اور لائے کشتی کے آگے۔

وہ غلام لٹک گیا دونوں ہاتھوں سے کشتی کے دنبالے میں

پھر جب نکلا دریا سے تو ایک گوشے میں

بیٹھ گیا اور اس کو سکون ہو گیا۔

ہوا بادشاہ کو تعجب' پوچھا اس نے۔

کیا تھی دانائی اس عمل میں؟

جواب دیا عقلمند نے کہ

غلام نے اس سے پہلے نہ اٹھائی تھی

تکلیف ڈوبنے کی۔

اور وہ ناواقف تھا

کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر سے۔

آرام کی قدر وہی کرتا ہے

جو پھنس جائے کسی مصیبت میں۔

اے پیٹ بھرے تجھے اچھی معلوم نہیں ہوتی

جو کی روٹی۔

جو چیز تجھے بری معلوم ہوتی ہے وہ ہی میرے لئے بھلی ہے

بہشت کی حوروں کے لئے

اعراف دوزخ ہے۔

دوزخیوں سے پوچھ'

کہ اعراف بہشت ہے!

(ایک رائے کے مطابق اعراف جنت اور جہنم کے اس درمیانی مقام کو کہا جاتا ہے جہاں وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہو جائیں گی۔)

(حکایتِ سعدی از کتاب گلستانِ سعدی)

آسمان پہ سورج سنہرے تاروں کا جال بن کر سب کے سروں پہ تانے کھڑا تھا۔ مورچال کی سبز بیلیں اس دھوپ میں جھلس رہی تھیں۔

حالانکہ ابھی صبح بھی پوری طرح باسی نہیں ہوئی تھی۔ کچن کی کھڑکی سے جھانکو تو بلائنڈز کے پٹ کھلے ہوئے گول میز دکھائی دیتی تھی جس کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔زمر سیاہ کوٹ پہنے' گھنگریالے بال آدھے باندھے' چائے کے گھونٹ بھرتی غور سے سعدی کو دیکھ رہی تھی جو قدرے گم صم سا بیٹھا تھا۔گہرے سبز کرتے میں ملبوس گیلے بال برش کیے' وہ تازہ دم اور تیار تھا البتہ آنکھیں اداس تھیں۔غائب دماغی سے کپ کے منہ پہ انگلی دائرے میں پھیر رہا تھا۔زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔"سعدی!" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آج تم کٹہرے میں کھڑے ہو گے اور تم سے جرح کی جائے گی۔تم نروس ہو؟"

"نہیں۔"اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ موقع آنا تھا' جب تم نے اس عدالتی جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کیا تھا میں نے تب ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ موقع آئے گا۔تمہیں کٹہرے میں جانا ہو گا۔پہلے میں تم سے سوال کروں گی' پھر وہ تم سے جرح کرے گا۔تم خود کو کیسے پریزینٹ کرتے ہو' یہ تم پہ منحصر ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔اور میں ٹھیک ہی رہوں گا۔" وہ ذرا سا مسکرایا۔

"کوئی بھی سوال جس کا جواب مشکل لگے تو کہنا' مجھے یاد نہیں۔جس سوال کے جواب میں سچ نہ بولنا ہو تو کہنا' جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا.....اور پھر انٹرویو والی لائن دہرا دینا۔"

"یہ غلط بیانی تو ہو گی نا۔پتہ نہیں مجھ میں اور ہاشم میں کیا فرق رہ جائے گا جب ہم دونوں جھوٹ بولیں گے؟" وہ تلخی سے بولا۔

"محتاط الفاظ کا چناؤ جھوٹ بولنا نہیں ہوتا قانون میں۔اور ہمیں ایک پورے معاشرے کو ایسے لوگوں سے پاک کرنے کے لئے ان چھوٹے موٹے Lesser Evils کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔"

"صحیح! خود کو بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔خیر۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے گہری سانس لی۔"اور اگر اس نے مجھ سے کچھ ایسا پوچھا جو .....جو میں نے آپ کو بھی نہ بتایا ہو' تب؟"

زمر چند لمحے اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔"تم نے مجھے کیا نہیں بتایا؟"

سعدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکائے۔"مجھے یاد نہیں۔" اور وہ دونوں ہنس پڑے۔مگر وہ ذرا فکرمند ہو گئی تھی۔

"وکیل سے کچھ نہیں چھپاتے سعدی! مجھے بتاؤ۔"

وہ آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر کپ رکھ کر بولا۔"جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' مجھے یاد نہیں۔"

"اگر تم سے کچھ ایسا ہوا ہے جو جرم کے زمرے میں آتا ہے تو تم مجھے بتا سکتے ہو۔"

"میں نہیں بتانا چاہتا۔لیکن اگر اس نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تو مجھے کیا کہنا چاہیے؟"

"سچ بولنا۔بالکل سچ۔" وہ تاکید کر کے اٹھ گئی۔

جب وہ بیگ اور فون لئے لاؤنج میں آئی تو سامنے کھلتے ندرت کے کمرے میں کھڑی حنین تیار ہوتی نظر آ رہی تھی۔ فارس بھی قریب میں ندرت کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ زمر چوکھٹ پہ ٹھہری تو حنین نے اسے دیکھا۔ فوراً بولی۔ "میں آج بھی کورٹ جاؤں گی، پلیز کوئی منع نہیں کرے گا۔ جب آپ وہ جعلی ای میل دکھائیں گی تو مجھے ہاشم کا چہرہ دیکھنا ہے۔" اور وہ جانتی تھی وہ اس موقع پہ اپنے ہاتھ پہ کیا لکھ کر اسے دکھائے گی۔ سوچ کر ہی مزا آتا تھا۔ سوچ کر ہی تکلیف ہوتی تھی۔

"ہاں آ جاؤ۔" پھر فارس کو دیکھا۔ "تم نہیں آؤ گے۔"

"موڈ نہیں ہے۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

زمر نے گہری سانس لی۔ "پتہ نہیں تم کب اس ٹرائل کو سنجیدہ لو گے۔"

"جس دن تم لوگ یہ ٹرائل ہار جاؤ گے!" وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ زمر ہونہہ کر کے باہر نکل گئی۔ ندرت نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "منہ سے بدفال نہ نکالا کرو۔ کیوں ہاریں وہ مقدمہ؟ دعا کیا کرو کہ جیت جائیں۔"

"ہاں جی! بالکل۔ ایسا ہی ہوگا۔" وہ برا سا منہ بنا کر چپ ہو گیا۔ ندرت اٹھ گئیں تو بال برش کرتی حنین اس کی طرف گھومی۔ وہ پیر میز پہ رکھے نیم دراز سا آنکھیں چھت پہ مرکوز کیے کسی سوچ میں لگتا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ ہم ہاشم کو عدالت میں کبھی مات نہیں دے سکتے؟" فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے لگتا نہیں ہے، مجھے یقین ہے۔ یہ جو کورٹ میں سارے جج بیٹھے ہوتے ہیں نا، یہ اس بات کا فیصلہ نہیں کرتے کہ کون سچا ہے۔ اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کون زیادہ اچھا جھوٹ بولتا ہے۔"

"مگر بجائے ان کی مخالفت کرنے، ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔"

"تم کرو۔ میں دیر سے آؤں گا۔" اس نے سر جھٹکا۔ باہر کورٹ جانے کی تیاری کا شور مچ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اتنی شہرت بھی کہاں چاہی تھی خود سے میں نے
اپنے ہی شہر کا ہر شخص عدو میرا ہے

قصرِ کاردار کا لان اس صبح بارونق لگ رہا تھا۔ ملازموں کی آمد و رفت لگی ہوئی تھی۔ شہرین گھوم پھر کر ایونٹ آرگنائزر کو سمجھا رہی تھی کہ اسے کون سی چیز کہاں چاہیے۔ اس کے سنہری بال پچھلے سال کی بہ نسبت لمبے ہو گئے تھے اور اونچی پونی کی صورت گردن کی پشت پہ جھول رہے تھے۔ ماتھے پہ بل لئے اور ناک چڑھائے وہ سونیا کی سالگرہ کی دعوت کے تمام انتظامات دیکھ رہی تھی۔

اندر ڈائننگ ہال میں بیٹھی جواہرات چمچ دلیے کے پیالے میں ہلاتی مسکراتی نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اک فاتحانہ نظر اپنے مقابل بیٹھے نوشیرواں پہ ڈالی (ہاشم اب سربراہی کرسی پہ بیٹھتا تھا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں۔) نوشیرواں سوٹ میں ملبوس، بے دلی

سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ جواہرات کو پچھلے برس کے یہ دن یاد آئے۔ تب شہری کے لئے کیسے وہ بے چین رہتا تھا۔ شکر یہ بھوت تو اترا۔

''تو آج سعدی یوسف کٹہرے پہ آئے گا اور اس سے جرح کی جائے گی۔'' اس نے سعدی کا ذکر چھیڑا۔ آج بھی نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہوا مگر وہ اظہار نہیں کر سکا۔ آج اسے گولی مارنے کی خواہش بھی نہیں ہوئی۔ گولی مار کے دیکھ لی تھی۔ کوئی فائدہ نہ تھا۔

''ہاں' آج ہم حکایتِ سعدی سنیں گے۔'' ہاشم نے طنزاً کہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ جھوٹ نہیں بولے گا؟''

''وہ سعدی ہے۔ وہ اسٹینڈ پہ جھوٹ نہیں بولے گا۔'' ہاشم فون دیکھتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔ ''اور اسے ضرورت بھی نہیں ہے۔'' وہ ڈائننگ ہال عبور کر کے لاؤنج تک آیا تھا جب سامنے سے رئیس آتا دکھائی دیا۔ اس کے تاثرات دیکھ کر ہاشم رک گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کرسی پہ بیٹھے لیپ ٹاپ سامنے رکھ کر کام کرتے احمر شفیع کی حسیات بھی ادھر ہی متوجہ ہو گئیں۔

''سر' یہ دیکھیں۔ یہ کولمبو سے ہماری ٹیم کو ملا ہے۔'' ہاشم نے کاغذ پکڑتے ہوئے جیب سے عینک نکالی۔ ''کیا ہے یہ؟''

''فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ گواہوں کے مطابق وہ سعدی یوسف کو قتل کرنے گیا تھا۔ مگر سعدی نے اسے مار ڈالا۔ فصیح اب صرف غائب نہیں ہے' وہ مر چکا ہے۔''

رئیس کی آواز نے جہاں ہاشم کو چونکایا وہاں دلیہ مزے اور اطمینان سے کھاتی جواہرات کے ہاتھوں سے چمچ پھسلا۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔ نوشیرواں بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''ڈس اِز گڈ!'' ہاشم دلچسپی سے کاغذ دیکھ رہا تھا۔ ''لیکن فصیح کو اسے زندہ گرفتار کرنے کا حکم تھا اس نے اسے مارنے کی کوشش کیوں کی؟''

''ہارون صاحب سے بات کی ہے۔ وہ خود شاکڈ ہیں۔ فصیح ان کا دایاں ہاتھ تھا۔ وہ کبھی بھی اس کو موت کی طرف نہیں دھکیلیں گے۔''

''پھر فصیح کیوں مارنا چاہتا تھا سعدی کو؟ سیلف ڈیفنس کے علاوہ تو سعدی اسے کبھی قتل نہیں کرے گا۔'' وہ سر جھکائے کاغذ پڑھتا سوچتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''کوئی ٹھوس ثبوت ہے کہ فصیح کو سعدی نے ہی مارا ہے؟''

''کافی شاپ کی مالکن نے بتایا ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکلا تھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں بھی فصیح اس کو یرغمال بنا کر آگے لے جاتا دکھائی دیا تھا۔ مگر بعد میں سعدی زندہ سلامت واپس آ گیا اور فصیح کی مسخ شدہ لاش کھائی سے ملی۔'' احمر چہرہ اٹھائے ہکا بکا سا دیکھ رہا تھا۔

دور بیٹھی جواہرات بے اختیار اپنی گردن کی پشت ہاتھ سے دبانے لگی۔ پھر اس نے سیل اٹھایا اور آبدار کو میسج لکھا۔ ''مجھے میری امانت آج رات تک مل جانی چاہیے۔''

ہوا کے دوش پہ وہ پیغام اڑتا ہوا.... پہاڑ.... جھیل.... سر سبز میدان عبور کرتا.... ہارون عبید کی رہائش گاہ کی دیواروں کے پار گھسا اور آبدار کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل کو چمکا گیا۔

تھرتھراہٹ سے اس نے لحاف ہٹایا۔ سرخ سلکی بال تکیے پہ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ان کو چہرے سے ہٹاتی اٹھی اور موبائل ہاتھ میں

لے کر دیکھنے لگی۔ پیغام پڑھ کر اس نے کچھ نہیں لکھا۔ جیسے توجہ ہی نہ دی ہو۔ عادتاً کونٹیکٹ لسٹ کھولی۔ اور عادتاً فارس کے نام پہ کلک کیا۔ اس کا last seen دیکھا۔ اندازہ لگایا کہ وہ اب کیا کر رہا ہو گا اور مسکرا کر فون رکھنے لگی۔ یکدم ایک خیال آیا۔ بلی سی آنکھوں میں چمک ابھری۔ لب دانتوں میں دبائے اس نے پیغام لکھا۔

''یاد ہے فارس میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ملکہ نے دونوں قیدیوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ میرے پاس ثبوت ہے۔ اگر چاہیے تو آج ڈنر پہ میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' اور پیغام بھیج دیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اب تو وہ ضرور آئے گا۔ اسے یقین تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اپنے روٹھے ہوئے قبیلے کی سازشوں میں گھرا ہوا ہوں

تم اجنبی ہو تو میرے آنگن کی وحشتوں سے ڈرے نہ رہنا

کورٹ روم میں اواخر اپریل کی دھوپ کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔ سعدی یوسف کٹہرے میں کھڑا تھا اور زمر اس کے سامنے تھی چند قدم نیچے ...اس سے سوالات پوچھ رہی تھی۔

''پلیز ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتایئے۔''

''سعدی ذوالفقار یوسف خان۔''

''آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟'' وہ سنجیدگی سے رسمی کارروائی دہرا رہی تھی۔ ہاشم خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اس کے ساتھ رکھی احمر کی کرسی خالی تھی۔

باہر کچہری کے ہجوم میں ایک راہداری میں احمر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تیز تیز۔ ہجوم میں بالکل گم۔ احتیاط سے آگے پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا۔ پھر تیزی سے ایک موڑ مڑ کر وہ کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ایک خالی کورٹ روم تھا۔ کرسیاں اور میزیں الٹی سیدھی پڑی تھیں۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور پھولے سانس کے ساتھ واپس گھوما۔ سامنے ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے فارس بیٹھا تھا۔ منہ میں مسلسل کچھ چبا رہا تھا۔ سر سے پیر تک ہانپتے ہوئے احمر کا جائزہ لیا۔

''اتنی کیا ایمرجنسی تھی اٹھنی؟ تمہارے مالک آس پاس ہی ہیں۔''

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ بلکہ دو مسئلے۔'' وہ کرسی کو فارس کے سامنے رکھتا اس پہ بیٹھا اور آگے کو جھک کر ہاتھ باہم پھنسائے پریشانی سے بتانے لگا۔

''کیا ہوا ہے؟'' فارس نے گہری سانس لی۔

''ہاشم کے پاس عدالت میں پیش کرنے کے لئے خطرناک مواد ہے۔''

فارس نے ہاتھ جھلا کر گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ ''عدالت کی پرواہ کسے ہے؟''

''غازی تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔ ہاشم کے پاس ثبوت ہے کہ سعدی نے دو قتل کیے ہیں۔ اور کچھ دیر بعد وہ عدالت میں سعدی سے یہ بات پوچھے گا۔''

فارس کا مسلسل ہلتا منہ رکا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''دو قتل؟'' اسے دھچکا لگا تھا۔

''ہارون عبید کے ملازم فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ عینی شاہدین نے سعدی کو اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسے سعدی نے مارا ہے۔''

''ایسا نہیں.....ہو سکتا۔'' وہ شدتِ حیرت سے ہکلایا۔

''ایسا ہو چکا ہے۔ تم لوگوں کو سعدی کو یہ بات بتانی ہو گی تاکہ وہ ذہنی طور پہ تیار رہے۔''

''دو قتل!'' وہ اب بھی بے یقینی سے دہرا رہا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے جانے کے بعد ہوا ہوگا۔ مجھے اسے وہاں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔''

''اور تم نے اسے مشورہ دیا تھا افغانستان کے راستے سے ملک میں آنے کا؟''

فارس بالکل ساکن رہ گیا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟''

کسی نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو بھیجا ہے۔ اس پہ سعدی کا نام حیدر ہمایوں خان ہے۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ افغانستان کے راستے سے آیا ہے واپس۔''

فارس بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''یہ ناممکن ہے۔ سعدی اپنا پاسپورٹ ڈسپوز آف کر چکا ہے۔''

''کسی نے اس کے پاسپورٹ کے ٹکڑے جمع کر کے ہاشم کو بھیج دیے ہیں۔ افغانستان کے ذریعے آنے کا فیصلہ درست تھا' لیکن اب یہ چیز اس کو دہشت گرد بھی ثابت کر سکتی ہے۔ تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بار بار پیشانی چھوتا تھا۔ نفی میں سر ہلاتا تھا۔ ''سعدی کا پاسپورٹ ان کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ سعدی نے خود مجھے بتایا ہے کہ وہ اسے ختم کر چکا ہے۔ سعدی ایسا غیر ذمے دار نہیں ہے۔''

''مگر اب ایسا ہو چکا ہے۔ میں نے خود وہ پھٹا ہوا پاسپورٹ دیکھا ہے۔ اور ہاشم نے مجھے اس کا میسج دکھا کر اسے ٹریس کرنے کا کہا مگر میں نہیں کر سکا۔ اس شخص کا نمبر مکمل طور پہ انکرپٹڈ ہے تمہیں اب کچھ کرنا ہوگا۔ کیونکہ کوئی ہے جو اسے سعدی کے بارے میں معلومات دے رہا ہے۔ اور یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ناگواری سے اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ اسے جیسے برا لگا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی بندہ نہیں ہے جو ہمارے ساتھ یوں دھوکہ کرے۔''

''سب کے قریب دھوکے باز ہوتے ہیں۔ میں بھی تو ہاشم سے اس وقت دھوکہ ہی کر رہا ہوں نا۔''

''نہیں۔'' اس نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ شدید ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی نہیں ہے۔ یہ ہاشم کا کوئی بندہ ہے۔''

''مسز زمر نے مجھے بتایا تھا کہ دو ماہ پہلے تمہاری بھانجی کے کمرے سے وہ میموری کارڈ چوری ہو گیا تھا جس میں میرا اعمال نامہ موجود ہے۔''

''وہ یقیناً کاردارز کا بھیجا ہوا کوئی بندہ ہوگا۔ میں نے بہت ڈھونڈا مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔ لیکن میں نہیں مان سکتا کہ ہمارے گھر میں سے کوئی ایسا کر سکتا ہے۔''

''ہاں ہو سکتا ہے یہ باہر کا کوئی بندہ ہو۔ مگر میں جاننا ہوں کہ اسے کیسے پتہ چلا ہوگا کہ کارڈ تمہاری بھانجی نے کہاں رکھا ہے۔'' احمر نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''حنین نے کارڈ کی فائلز دیکھتے ہی مجھے کال کی تھی۔ کاردارز کے علاوہ بھی یقیناً کوئی تمہارے فون ٹیپ کر رہا ہوگا۔ اس کال کے بعد ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے حنین کے لیپ ٹاپ کو rat کر کے اس کا ویب کیمرہ آن کر لیا ہو۔ آج کل یہ بہت آسان ہے۔ اور اس نے دیکھ لیا ہو کہ حنین اپنے کمرے میں وہ کارڈ کہاں رکھ رہی ہے۔''

اب کے فارس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کہیں یہ سب تم تو نہیں کر رہے۔'' پھر سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''حنین نے کہا تھا اس سرخ مفلر والے آدمی کا قد چھوٹا تھا۔''

''اللہ کو مانو۔ مجھے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' احمر برا مان گیا تھا۔ ''اور اگر میں یہ کرتا تو پھر اپنی جان پہ کھیل کر تمہیں آگاہ کرنے کیوں آتا؟ سعدی کہتا ہے کہ اس کی یو ایس بی کی فائلز ڈیلیٹ کر دی گئیں اب اس میں صرف فروزن پڑی ہے۔ سعدی کا ائیرپورٹ سے پیچھا کیا جاتا ہے اور اس کا پاسپورٹ چوری کیا جاتا ہے۔ حنین کے کمرے سے ایک کارڈ چوری ہو جاتا ہے۔ غازی' یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔'' وہ پر یقین تھا۔

فارس کے کان سرخ ہو گئے اور وہ شدید بے بس اور غصے میں نظر آ رہا تھا۔ ''وہ جو بھی ہے میں اسے ڈھونڈ لوں گا اور میں واقعی اس کی جان لے لوں گا۔''

''اور کیس کا کیا کرو گے؟ نوشیرواں کو سزا دلوانی ہے یا نہیں؟'' فارس چند لمحے چپ رہا پھر گہری سانس لے کر ایک عزم سے بولا۔

''پہلے مجھے اس کیس میں دلچسپی نہیں تھی لیکن اب... اگر ہاشم اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آیا ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم سب مل کر اس کیس میں اس کو ٹف فائٹ دیں گے۔''

''گڈ!'' احمر نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔ فارس نے اپنا کندھا بےزاری سے پیچھے کیا۔

''اب جاؤ۔ تمہاری مالکن تمہیں مس کر رہی ہوگی۔'' احمر جاتے جاتے مڑا اور رک کر اسے دیکھا۔

''ظاہر ہے۔ ملازم پیشہ آدمی ہوں۔ مگر سوری سوری... تم جیسے جاب لیس فارغ لوگ کیا جانیں کہ ملازمت کیا چیز ہوتی ہے۔''

''جا...جا۔دماغ نہ خراب کر میرا۔''اس نے غصے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔وہ شدید مضطرب نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلے جو ذکر تو فرشتوں کی پارسائی کا

تو زیرِ بحث مقامِ بشر بھی آتا ہے

''your witness''زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی اور ہاشم کو اشارہ کیا تھا۔اب گواہ اس کا تھا۔جیسے چاہے جرح کرے۔

جب وہ نیچے آکر بیٹھی تو پیچھے سے کسی نے اسے ٹہوکا دیا۔اس نے مڑ کر دیکھا۔پچھلی نشستوں پہ فارس آ بیٹھا تھا اور اس کے کہنے پہ حنین اٹھ کر جنگلے تک آئی تھی اور پین سے زمر کے کندھے کو چھو کر اس طرف توجہ دلا رہی تھی۔زمر نے فارس کو دیکھا۔وہ قدرے مضطرب سا اسے اشارے میں کچھ بتا رہا تھا۔زمر نے لبوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور واپس گھوم گئی۔

''چڑیل۔''وہ بے بسی سے بڑبڑایا تھا۔زمر پرواہ کیے بغیر سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہی تھی جہاں ہاشم سعدی کے مقابل مگر چند قدم نیچے کھڑا تھا۔مسکراتے ہوئے اس نے چند کاغذ لہرائے۔

''کیا آپ کمار نامی اس سنہالی باشندے کو جانتے ہیں؟یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف؟کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟''

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔حنین بالکل سُن ہو گئی۔اسامہ شل ہو گیا۔احمر نے فکرمندی سے گہری سانس لی۔جواہرات مسکرائی۔نوشیرواں بے چین ہوا۔فارس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ایسے میں زمر نے گردن موڑ کر فارس کو دیکھا اور پلکیں جھپک کر اسے تسلی دی۔صرف وہ پرسکون تھی یا سعدی جو کٹہرے میں گردن تنے کھڑا تھا۔اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔پھر وہ دھیرے سے بولا۔

''کیا آپ اپنا سوال دہرائیں گے کاردار صاحب؟''

کمرہ عدالت میں پھر سے مقدس سا سناٹا چھا گیا۔

''سعدی یوسف'کیا آپ نے ان دو افراد کا قتل کیا ہے؟''ہاشم نے تصاویر پھر سے دکھاتے ہوئے چبا چبا کر پوچھا۔زمر کھڑی ہوئی۔

''آبجیکشن یور آنر۔اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''تعلق ہے یور آنر۔ہمیں عدالت کو دکھانا ہے کہ الزام لگانے والا خود کیسے کردار کا حامل ہے۔''

''یور آنر اگر وکیل دفاع کو سعدی یوسف پہ قتل کا الزام لگانا ہے تو اس کے لئے وہ الگ سے پٹیشن دائر کر سکتے ہیں۔لیکن قانونِ شہادت کے تحت وہ گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لئے اس کے اوپر بغیر ثبوت کے ایسے الزام نہیں لگا سکتے۔''وہ بلند آواز میں بولی تھی۔

جج صاحب نے جواباً ہاشم کو دیکھا۔ وہ فوراً بولا۔

"یور آنر... قانون شہادت کے تحت اگر گواہ کا کردار کیس کی سچائی جاننے کے لئے ضروری ہے تو ایسے سوال پوچھے جا سکتے ہیں۔ مسز زمر کو قانونِ شہادت دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔"

"یور آنر' کیا ہمارا قانون آرٹیکل تیرہ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی شخص سے زبردستی self-incriminating سوال نہیں پوچھا جا سکتا؟" وہ بحث کر رہی تھی۔ (یعنی ایسا سوال جس کے جواب میں اس کو اعتراف جرم کرنا پڑے۔) ہاشم دوبدو بولا۔

"مگر یور آنر' وہ ملزم کی دفعہ ہوتا ہے۔ جیسے نوشیرواں کے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔ سعدی یوسف اس کیس میں ملزم نہیں ہے۔ گواہ ہے۔ اور جہاں تک گواہ کی بات ہے تو قانونِ شہادت آرٹیکل 9 کے تحت کسی گواہ کو self-incrimination کے باوجود خاموشی کا حق نہیں ہے۔ گواہ جواب دے گا۔ بھلے جواب میں اسے اعتراف جرم ہی کرنا پڑے۔ گواہ کو جواب دینا ہے۔"

"مگر یور آنر...." زمر مزید کچھ کہنے لگی تھی کہ جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"سعدی یوسف ملزم نہیں ہے' گواہ ہے' اور گواہ کا کردار جاننا واقعی ضروری ہے۔ اس لئے میں چاہوں گا کہ سعدی یوسف جواب دے۔ اعتراض رد کیا جاتا ہے۔" انہوں نے سعدی کو اشارہ کیا۔ زمر گہری سانس لے کر بیٹھی۔ حنین نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ مٹھی لبوں پہ جمائے وہ فکرمندی سے سامنے کھڑے سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی نے گہری سانس لی اور پھر وہ الفاظ ادا کیے۔

"میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

"اور یہ بات آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں؟" ہاشم نے آواز میں تعجب بھر کے دہرایا۔

"جی ہاں۔ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے ان دونوں آدمیوں کو قتل نہیں کیا۔"

"آپ کو معلوم ہے perjury کیا ہوتی ہے سعدی یوسف؟ کورٹ میں جھوٹ بولنا کتنا بڑا جرم ہے؟" ہاشم اب تاسف سے پوچھ رہا تھا۔

"جی مجھے معلوم ہے۔ پرجری وہ ہوتی ہے جو ہاشم تم اپنے ہر گواہ سے یہاں کرواؤ گے مگر میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" اس نے اسی اعتماد سے چہرہ اٹھا کر جج صاحب کو دیکھا۔ "میں نے اپنی پوری زندگی میں کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔"

ہاشم نفی میں سر ہلاتا کاغذات لے کر جج کے چبوترے کی طرف آیا۔ "یور آنر' یہ دونوں قتل سعدی یوسف نے ہی کیے ہیں اور...." مگر سعدی کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"میں نے ان دو انسانوں کی جان ضرور لی ہے یور آنر! مگر میں نے انہیں قتل نہیں کیا۔"

بہت سی سانسیں ایک دفعہ پھر رکی تھیں۔ چند لمحے کو تو ہاشم بھی سناٹے میں رہ گیا۔ جج صاحب ذرا مزید ترچھے ہو کر بیٹھے۔ وہ اب پوری

طرح سے سعدی کی طرف متوجہ تھے۔

"یور آنر کمار نامی گارڈ نے مجھے قتل کرنا چاہا تھا قید کے دوران۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس کو مارا تھا۔ فصیح بھی مجھے قتل کرنے آیا تھا اور میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس کو مارا۔ یور آنر سیلف ڈیفنس کی عالمی تعریف کے مطابق یہ قتل نہیں ہوتا۔ دین میں یہ گناہ نہیں ہوتا۔ سو میں نے گناہ کیا ہے نہ قتل، میں نے صرف ان کو مارا ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا مگر میں ان کا قاتل نہیں ہوں۔ اپنی جان بچانے کے لئے مجھے ان کو مارنا تھا۔ یہ میرا حق تھا۔"

کمرہ عدالت میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ ہاشم نے بہت بار لب کھولے پھر بند کیے۔ اسے ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ نوشیرواں بالکل سن سا سعدی کا چہرہ ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ (وہ کیسے اتنے لوگوں کے سامنے کسی کو مارنے کا اعتراف کر سکتا ہے؟ اتنا بہادر وہ کیسے تھا؟)

بالآخر ہاشم جج کی طرف متوجہ ہوا۔

"مگر ہم کیسے مان لیں کہ یہ سیلف ڈیفنس ہی تھا۔ یور آنر سعدی یوسف ایک پاکستانی شہری ہے اور وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی جرم کرے گا پاکستان پینل کوڈ کا اطلاق اس پہ ہو گا۔ ملک واپس آنے پہ قانون کے مطابق اس سے تفتیش کی جائے گی اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو سزا بھی سنائی جائے گی۔ یہ سیلف ڈیفنس تھا یا نہیں اس کا فیصلہ بھی عدالت کرے گی۔ یور آنر میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ سعدی یوسف کے اس اعتراف جرم کی بنا پہ ایک جے آئی ٹی تشکیل دی جائے جو اس کے ان جرائم کی تفتیش اور تحقیق کرے اور پھر اسے پراسیکیوٹ کیا جا سکے۔"

"یور آنر!" زمر مسکرا کر کھڑی ہوئی اور چبوترے کی طرف بڑھی۔ "میرا خیال ہے کاردار صاحب کو اپنا کرمنل لاء دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔"

سب کی نگاہیں سعدی سے ہو کر زمر کی طرف اٹھیں۔

"ایکسکیوز می؟" ہاشم نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

زمر نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔ "قانون شہادت کے جس آرٹیکل ۹ کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالت نے گواہ کو خاموش نہ رہنے کا حکم دیا ہے، جناب عالی اسی آرٹیکل ۹ میں لکھا ہے کہ گواہ.... ملزم نہیں گواہ.... کو خاموشی کا حق حاصل نہیں ہے چاہے اس کا بیان اس کے اپنے وجود کو ملوث، جرم ظاہر کرے....." اس نے مسکرا کر ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے وقفہ دیا۔ "بشرطیکہ اس بیان کی بنیاد پہ.... اگر دوسرے کوئی ثبوت یا گواہ نہ ہوں تو.. اس شخص کو prosecute نہیں کیا جا سکتا۔" پھر جج کی طرف چہرہ کر کے فاتحانہ انداز میں بولی۔ "یور آنر ہمارا قانون کہتا ہے کہ گواہ کے اپنے اعتراف جرم پہ اس کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔ ہاشم کاردار یا کسی کے پاس ایسے کوئی ثبوت یا گواہ نہیں ہیں جو سعدی یوسف کو مجرم ظاہر کریں۔ سعدی یوسف کے خلاف کہیں بھی کسی بھی قسم کا کوئی کیس اس ایک اعترافی بیان پہ نہیں کھولا جا سکتا۔ دراصل ہاشم کاردار اس بات کو صرف ایک اسکینڈل بنا کر سعدی کو ڈس کریڈٹ کرنا چاہتے ہیں تو اس لئے میں چاہوں گی کہ معزز عدالت کاردار صاحب

کو یہ یاد دلائے کہ عدالتی حکم نامے کے تحت کئی ہفتے سے اس ٹرائل پہ میڈیا میں بحث منع ہو چکی ہے اس لئے وہ ان باتوں کو میڈیا پہ نہیں اٹھا سکتے۔"

ہاشم کا چہرہ بے بسی بھرے غصے سے متغیر ہو چکا تھا۔"یور آنر ایک آدمی اپنے منہ سے دو بندے مارنے کا اعتراف کر رہا ہے اور....."

"نہ نہ نہ!" جج صاحب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔"مسز زمر کا پوائنٹ ویلڈ ہے۔ گواہ کو پروٹیکشن حاصل ہے' آپ نے اپنے منہ سے کہا ہے کہ سعدی یوسف اس کیس میں گواہ ہے۔ ملزم نہیں۔ اگر نوشیرواں کاردار اپنے منہ سے اعتراف جرم کرتا تو عدالت اس کو پھانسی کی سزا فوراً سنا دیتی کیونکہ وہ اس کیس میں ملزم ہے۔ سعدی یوسف گواہ ہے اور گواہ کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔"

"مگر یور آنر کم از کم....."

"آپ کو کوئی اور سوال پوچھنا ہے کاردار صاحب؟" اب کے جج صاحب نے تلخی سے پوچھا تھا۔ ہاشم چند لمحے غم و غصے سے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گہری سانس لی اور سر جھٹکتا سعدی کے سامنے آیا۔

زمر مسکرا کر مڑی اور ایک چٹ جنگلے کے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی حنین کی طرف بڑھائی۔ حنہ جس کو اب سانس آئی تھی' اس نے وہ چٹ فوراً سے فارس کو پاس کی جو بظاہر تنے تاثرات کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ اس نے کاغذ کھولا۔ اندر زمر نے لکھا تھا۔

"ہزبینڈ ڈیئرسٹ.... یونیورسٹی کلاسز میں ہر وقت مجھے دیکھنے اور میری محبت میں گرفتار رہنے کی بجائے اگر تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا تو آج یہ قانون معلوم ہوتا تمہیں..... چچ چچ!"

فارس نے استغفر اللہ کہہ کر سر جھٹکا تھا۔ منہ کا ذائقہ تک کڑوا ہو گیا تھا۔ بازو بڑھا کر حنین کا قلم اچکا اور نیچے کچھ لکھا۔ پھر کاغذ تہہ کر کے آگے پاس کیا۔ ادھر ہاشم کی آواز گونج رہی تھی۔

"سونیا کی پچھلی سالگرہ پہ یعنی ایک سال پہلے کیا یہ درست ہے کہ آپ سب سے نظر بچا کر میرے کمرے میں گئے تھے؟"

"یہ درست نہیں ہے۔ میں نظر بچا کر نہیں' سب کے سامنے کھلم کھلا گیا تھا۔"

"کیوں؟"

زمر تک کاغذ پہنچا تو اس نے اسے کھولا۔ آدھی توجہ سعدی کی طرف تھی۔

"میں نے قانون پڑھ کے کرنا ہی کیا ہے؟ دنیا جہان کے لوگوں کو انصاف دلانے کے لئے آپ موجود ہیں نا۔ میں تو آرام سے ڈنر کرنے جا رہا ہوں اپنے سے پیچھے بیٹھی خوبصورت لڑکی کے ساتھ۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اسے ایک ثبوت دینا ہے مجھے۔" زمر نے اب کے گردن موڑ کر اسے گھورا تو آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ فارس نے آنکھوں میں سادگی لئے شانے اچکا دیے۔ زمر نے "ہونہہ" کر کے سر واپس پھیر لیا۔ ادھر سعدی کہہ رہا تھا۔

"میں باتھ روم گیا تھا' اور چند منٹ میں واپس آ گیا تھا۔"

''تو آپ میرے گھر سے کچھ چرا کر نہیں نکلے تھے؟''

''میں نے کوئی نیکلیس یا زیور نہیں چرایا تھا۔ نہ کوئی نقدی وغیرہ۔''

''سعدی یوسف خان' مجھے صرف اتنا بتائیں کہ جب آپ نے گھر جا کر اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نکلا یا نہیں؟''

''چونکہ میں نے کوئی نیکلیس نہیں چرایا تھا اس لئے میں نے جب کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نہیں نکلا۔'' اس نے مزے سے دہرا دیا۔ حنین نے گہری سانس لی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا' نیکلیس حنہ نے اس کے کوٹ سے نکالا تھا' خود اس نے نہیں۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ خیر میں کیا کر سکتا ہوں۔ چلئے۔ یہ تصویریں دیکھئے' سعدی۔'' ہاشم اب اس کو پروجیکٹر اسکرین پہ چند شاٹس دکھا رہا تھا۔ ''یہ ہارون عبید کے اس ہوٹل کی بیسمنٹ کی تصاویر ہیں جہاں مبینہ طور پہ آپ کو قید رکھا گیا' بقول آپ کے' لیکن جب میڈیا کے نمائندے وہاں گئے تو یہاں جالے لگے تھے اور برسوں کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ اس بارے میں کیا کہیں گے؟'' سعدی نے ایک نظر اسکرین کو دیکھا۔

''میرے یہاں سے نکلنے کے قریباً ایک ماہ بعد میڈیا کے نمائندے یہاں گئے۔ ایسا سیٹ اَپ کرنے لئے ایک دن بھی بہت ہوتا ہے۔''

''تو آپ ابھی بھی مصر ہیں کہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو یہاں قید رکھا؟''

ہاشم نے مصنوعی تعجب ظاہر کیا۔ وہ انکھیوں سے زمر کو دیکھتا رہا اس کے اٹھ کر objection چلانے کا انتظار کرتا رہا' مگر وہ اطمینان سے بیٹھی قلم دانتوں میں دبائے رہی۔

اس نے اپنا گواہ تیار کر کے بھیجا تھا۔

''ذرا اس تصویر کو زوم کیجئے کاردار صاحب۔ یہ اس طرف سے۔'' سعدی اطمینان سے انگلی اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ ہاشم نے سر کو خم دیا اور متعلقہ جگہ سے زوم کیا۔

''یہ کونے میں دیوار پہ.....'' سعدی اشارہ کر کے بتانے لگا۔ ''جی بالکل ان گندے کاٹھ کباڑ کے ڈبوں کے پیچھے دیوار پہ چند لکیریں نظر آ رہی ہیں۔ عدالت میں جمع کروائی تصاویر میں بھی یہ لکیریں واضح ہیں۔ ہارون عبید کے آدمیوں نے ان کو اس لئے چھوڑ دیا کہ شاید یوں یہ دیوار مزید خستہ لگے مگر یور آنر یہ پوری 247 لکیریں ہیں۔ 21 مئی سے 22 جنوری تک کے دن میں نے گن رکھے تھے۔ میں روز ایک لکیر کا اضافہ کرتا تھا۔ آپ ان کو گنوا کر دیکھ لیں۔ یہ اتفاق نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی اتنی ہی ہوں جتنے دن میں قید میں رہا ہوں۔'' وہ اعتماد اور سکون سے بول رہا تھا۔ ہاشم ایک دم لاجواب ہو گیا تھا۔ جج صاحب اب دلچسپی سے اس تصویر کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے فائل میں ایک نقطہ نوٹ کیا۔

''سعدی یوسف آپ کا کہنا ہے کہ آپ کو کاردارز کے آدمی نے پاسپورٹ دیا اور یوں آپ ملک واپس آ گئے۔'' ہاشم نے موضوع بدلا۔

''جی' کاردارز میں سے ہی کوئی تھا۔''

حنین نے فوراً سے فارس کو دیکھا۔ (آدھا کاردار۔) وہ ڈھٹائی سے سامنے دیکھتا رہا۔

''لیکن آپ کے پاسپورٹ کے مطابق آپ افغانستان میں بھی رکے تھے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہاں آپ کا کیا کام تھا؟'' اور یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی فائلوں کے درمیان سے ایک شفاف پیکٹ نکالا اور اوپر جج صاحب کے سامنے رکھا۔ سعدی بالکل سُن رہ گیا۔ پاسپورٹ ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ یہ وہی تھا جو اس نے پھینکا تھا۔ اب کے ہاشم نے فاتحانہ نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

''کیا آپ کے افغان طالبان گروہوں سے تعلقات ہیں سعدی یوسف اور یہ سارا ڈرامہ آپ فساد پھیلانے کو کر رہے ہیں؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' سعدی بولا تو اس کی آواز غصے سے کانپی تھی۔

''آبجیکشن یور آنر۔ اس بات کا کیس سے کیا تعلق؟'' وہ فوراً کھڑی ہوئی۔

''اوور رولڈ۔ تعلق تو ہے۔'' جج صاحب نے ہاتھ اٹھا دیے۔

''یور آنر سعدی یوسف نے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگلی سماعت پہ دفاع اس بات کے خلاف rebuttal ثبوت پیش کرے گا جو یہ ثابت کریں گے کہ سعدی یوسف طالبان کے آلہ کار کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ہاشم نے سردمہری سے جج صاحب کو اطلاع دی۔

''یور آنر میں دہشت گرد نہیں ہوں۔ میں نیسکام کا ایک انجینئر ہوں۔ میرے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں۔'' وہ پھٹ پڑا تھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''میں انصاف مانگنے آیا ہوں اس عدالت میں، یہ مجھے ایسے دہشت گرد ویرانڈ کیسے کر سکتے ہیں؟'' اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ زمر نے اسے کٹہرے سے اترنے کا اشارہ کیا۔ ہاشم نظرانداز کر کے اب اختتامی فقرے دہرا رہا تھا۔ وہ دل برداشتہ سا وہاں سے اترا۔

فارس اپنی نشست سے گھوما اور مڑ کر آبدار کو دیکھا۔

''آپ کے پاس واقعی کچھ ہے مجھے ڈنر پہ دینے کے لیے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ تفاخر سے مسکرائی۔

''جی۔ ایک نائی پن کیمرے میں ریکارڈ مسز کاردار کا وہ حکم نامہ جو ثابت کرتا ہے کہ فصیح سعدی کو مارنے گیا تھا۔ چاہیے تو جو وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کر رہی ہوں ادھر آ جائے گا۔ میں دو لوگوں کی ٹیبل بک کروا چکی ہوں۔''

''مجھے اپنی زبان دیں کہ آپ اسے ڈنر پہ ساتھ لائیں گی۔''

''وعدہ!'' اس کی آنکھیں بہت محبت سے چمکی تھیں۔ وہ خاموش رہا۔

کورٹ روم سے سب سے پہلے آبدار نکلی تھی۔ پھر کاردارز۔ نوشیرواں نکلتے ہوئے بالکل شل سا کہہ رہا تھا۔ ''اس نے دو قتل کا اعتراف کیا مگر اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ کیا پاگل پن ہے یہ؟''

''سوری سر مگر اسے Law of the land کہتے ہیں۔'' احمر اس کو سمجھاتا ہوا باہر جا رہا تھا۔ ''یہ اس لئے ہوتا ہے تا کہ پولیس یا کوئی

اور کسی سے جبری اعتراف جرم نہ کروا سکے۔اور....''ان کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔

وہ پانچوں ایک ساتھ باہر نکلے تھے۔راہداری میں تیز بہتے ہجوم کے باجود وہ رکے کھڑے تھے۔

''آپ نے بھائی....وہ لوگ....''حنین کہتے کہتے رک گئی۔یہ وقت نہیں تھا ایسی باتوں کا۔کیونکہ پہلی دفعہ سعدی پریشان لگ رہا تھا' اور فارس کو اَز سرِ نو غصہ چڑھ گیا تھا۔''تم نے مجھے کہا تھا کہ تم نے وہ پاسپورٹ ڈسپوز آف کر دیا ہے۔یہ ڈسپوز آف کیا ہے تم نے؟''وہ دبا دبا سا غرایا' ساتھ میں اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور بھی رہا تھا۔

''میں نے کر دیا تھا۔مختلف جگہوں پہ پھینکا تھا۔کسی کو کیا پتہ میں ادھر آ رہا ہوں۔کیسے کسی نے اس کو اٹھایا۔پھر جوڑا۔''وہ سخت پریشان ہو گیا تھا۔

''اِٹس اوکے۔اتنا مسئلہ نہیں ہے۔''زمر نے سجاؤ سے کہتے ہوئے تسلی دی۔''یہ تمہاری سیلف ڈیفنس موو تھی۔تمہیں کوئی اس پہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ہمیں اس وقت ڈاکٹر سارہ پہ فوکس کرنا ہے۔ان کو گواہی دینی ہو گی' ہر حال میں۔''

فارس نے ایک ملامتی نظر ان دونوں پہ ڈالی اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔حنین اس کے پیچھے لپکی۔شور' ہجوم اور اس ساری چہل پہل کے درمیان میں سے گزرتی' وہ بالآخر اس کی رفتار سے جا ملی۔

''تو ہاشم اب اس پاسپورٹ کے ذریعے بھائی کو دہشت گرد ثابت کرے گا؟ بھائی بہت ہرٹ ہو گا یوں ماموں۔ہم اس کا ہرٹ کیسے کم کریں؟''وہ فکرمند اور ناخوش لگتی تھی۔فارس نے رفتار ہلکی کر دی' پھر چند گہری سانسیں اندر کھینچیں۔

''ہمیں اب اس بات کو یقینی بنانا ہو گا حنین کہ تمام گواہ درست گواہی دیں۔اور سب سے پہلے ہمیں سارہ کو راضی کرنا ہو گا۔ہمیں زمر اور سعدی کی مدد کرنی ہو گی اور اس ٹرائل کو سنجیدہ لینا ہو گا۔''وہ اب اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔حنہ سر ہلاتی سن رہی تھی۔

''ٹیم زمر کی مدد کرنا...سو بورنگ۔''وہ ناراضی سے بولی تھی۔

کچہری کے باہر لمبی سیاہ شیشے والی کارز کی طویل قطار لگی تھی۔جواہرات کو گو کہ ہر پیشی پہ آنے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ ہر دفعہ نیا سیاہ ڈیزائنر ویئر اور نئی جیولری پہن کے ضرور آتی۔اسے معلوم تھا کہ ہاشم جیت جائے گا' سو وہ اس سارے دورانیے میں بھرپور میڈیا attention سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھی تو احمر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔جواہرات نے ایک نظر نوشیرواں اور ہاشم کی گاڑیوں کو آگے نکلتے دیکھا' پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''یہ آبدار فارس وغیرہ کے ساتھ کیوں بیٹھی تھی؟''

''وہ تو دو ماہ سے ہر پیشی پہ آ کر ادھر ہی بیٹھ جاتی ہیں۔ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھنا ان کو۔''وہ موبائل سے کھیلتا ہوا بولا تھا۔کار اب سڑک پہ دوڑ رہی تھی۔

''اور تم کہاں تھے؟ آتے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ پھر تم اور فارس باری باری کورٹ روم میں داخل ہوئے۔ ہاں احمر؟'' وہ نرم مگر گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ احمر نے پورے سکون سے چہرہ موڑا۔

''غازی نے بلایا تھا مجھے۔ وہ بات کرنا چاہتا تھا۔'' وہ پورے اعتماد سے اسے بتا رہا تھا۔ ''وہ اس مقدمے سے خوش نہیں ہے۔ آپ کے لئے پیغام بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سارہ کو تنگ نہ کیجئے گا ورنہ وہ ہر حد تک جائے گا۔''

''تمہارا دوست رہا ہے۔ کچھ اور پوچھا نہیں اس نے تم سے؟''

''اگر میں اتنی آسانی سے بتانے والوں میں سے ہوتا تو آپ کی کار کی فرنٹ سیٹ پہ نہ بیٹھا ہوتا۔'' مسکرا کر تابعداری سے بولا تھا۔ جواہرات کے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ سر کو خم دیا اور باہر دیکھنے لگی۔ اسے احمر پہ پورا اعتبار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو سیلابوں کی رو میں بہہ گئے ہیں

کرے گا کون ان قبروں کا ماتم؟

سارہ کے گھر کے لونگ روم میں اس وقت شدید تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ ایسے جیسے ہر شخص کی گردن سے ڈوریاں بندھی ہوں اور ان ڈوریوں نے ساری فضا میں کھنچاؤ پیدا کر دیا ہو۔ کوئی ڈھیلا پڑنے کو آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔

''سارہ اگر تم نے وہ سب کچھ دیکھا تھا تو تمہیں کسی سے تو کہنا چاہیے تھا۔'' ندرت ملال سے کہہ رہی تھیں۔ پچھلے ڈھائی ماہ میں وہ یہ بات کئی دفعہ دہرا چکی تھیں۔ سامنے صوفوں پہ موجود زمر، فارس، حنین اور خود ذکیہ بیگم سب خاموش تھے۔ جب ندرت بولتیں تو وہ اسے دیکھتے، جب سارہ بولتی تو اسے۔ ٹینس کے میچ کی طرح نگاہیں دائیں سے بائیں سے دائیں واپس آتیں۔

''آپا آپ سب کچھ جاننے کے باوجود ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں۔'' سامنے والے سنگل صوفے پہ فکرمند اور بے بسی بھرا دبا دبا غصہ لئے بیٹھی سارہ نے شاکی انداز میں کہا تھا۔ وہ ابھی آفس سے آئی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے۔ پرس بھی ساتھ ہی رکھا تھا۔ چہرے پہ تھکان تھی مگر آنکھوں میں خفگی بھی تھی۔ ''خاور نے مجھے ہراس کیا تھا۔ وہ لوگ میرے بچے مار دیتے۔ کیا یہی چاہتے ہیں آپ لوگ؟''

''اچھا ٹھیک ہے وہ سب پیچھے رہ گیا۔ لیکن اب تو سارہ تم عدالت میں پیش ہو جاؤ ورنہ سعدی کا کیس بہت کمزور ہو جائے گا۔'' ندرت نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

''میں کیسے عدالت میں کھڑے ہو کر یہ سب کہوں؟ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ آپ لوگ مجھے سمجھانے کے بجائے خود کیوں نہیں سمجھتے؟'' وہ ڈری ہوئی نہیں تھی، وہ ان کی عقلوں پہ متعجب تھی۔

''سارہ انہوں نے جو سعدی کے ساتھ کیا، تم اس کے لئے کوئی گواہی نہیں دو گی کیا؟''

''تاکہ جو سعدی کے ساتھ کیا ہے وہی میرے بچوں کے ساتھ کریں؟ کیا اب بھی آپ لوگوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔'' حیرت سے ان

سب کو دیکھا۔

''میرا شوہر مرا۔ فارس کی بیوی مری۔ زمر کے ساتھ جو ہوا۔ سعدی کے ساتھ جو ہوا۔ اب بھی آپ لوگ ان کے خلاف جانا چاہتے ہیں؟'' وہ حیرت سے سبز آنکھیں پھیلائے کہہ رہی تھی۔

''سارہ!'' فارس ہلکا سا کھنکارا۔ پھر ذرا آگے کو ہو بیٹھا۔ ''ہم چاہتے ہیں کہ دوبارہ کسی کے ساتھ ایسا نہ ہو اس لئے ان کو سزا دلوائی جائے۔''

''یہی وارث کی منطق تھی' یہی زمر' سعدی اور تم نے کیا۔ تم لوگ میرے بچوں کو اب ایک نئے تجربے کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو؟'' وہ صدمے سے بول رہی تھی۔

''ڈاکٹر سارہ آپ کو کورٹ نے سمن کیا ہے' آپ کو آنا تو پڑے گا۔ اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر حلف تو لینا ہو گا۔ پھر جھوٹ بولیں گی کیا آپ؟'' زمر جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی مسلسل نیلی انگوٹھی کو انگلی میں گھما رہی تھی' رسان سے بولی تھی۔

''سوری زمر لیکن میں کسی عدالت میں نہیں جا رہی۔ اور پلیز مجھے ان جج مینٹل نظروں سے نہ دیکھیں۔ آپ میری جگہ نہیں ہیں۔ اس لئے نہیں سمجھ سکتیں۔''

''ڈاکٹر سارہ میں آپ کی جگہ پانچ سال پہلے تھی اور میں نے کورٹ میں گواہی دی تھی۔ میں چھپ کر گھر میں نہیں بیٹھ گئی تھی۔ گواہی چاہے غلط تھی یا صحیح تھی' چھپائی نہیں تھی میں نے!''

''آپ نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی' کاردارز کے خلاف نہیں۔ بھری عدالت میں کاردارز کو قاتل نہیں کہا تھا آپ نے؟''

''میں پچھلے دو ماہ سے بھری عدالت میں کاردارز کو ہی قاتل بول رہی ہوں سارہ' اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔ مجھے ایک دفعہ بھی انہوں نے دھمکی نہیں دی۔ اتنے ہائی پروفائل کیس میں ہاشم جیسے لوگ گواہوں یا وکیلوں کو نہیں نقصان پہنچاتے۔ وہ ہم سے ڈرے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سے نہیں ڈرنا۔''

زمر اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔ سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔ ''آپ نہیں سمجھ سکتیں زمر۔ آپ کے دو چھوٹے چھوٹے بچے نہیں ہیں جن کے لئے آپ کو ڈرنا پڑے۔''

لاؤنج میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ فارس نے بے اختیار نگاہیں چرائی تھیں۔ پتہ نہیں کس سے۔ حنہ کے دل کو کچھ ہوا۔ ندرت نے پہلو بدلا۔ مگر زمر اسی طرح آرام سے بیٹھی رہی۔ آنکھوں کے تاثرات پر سکون رہے۔

''جی سارہ' آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میرے دو بچے نہیں ہیں۔ میرے تین بچے ہیں اور میں یہ سب انہی کے لئے کر رہی ہوں۔''

حنہ مسکرا دی۔ بہت سی ڈوریاں جیسے ٹوٹ گئیں۔ تناؤ گویا فضا میں گھل گیا۔ بہت سے لوگوں نے سکون کی سانس لی۔ سارہ چند لمحے کو تو بول نہیں سکی' پھر اٹھ گئی۔

''مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ اور میں مزید یہ بات نہیں کرنا چاہتی۔'' پھر ایک ملامتی نظر فارس پہ ڈالی۔ ''اب تم بھی مجھے سیف داستہ

نہیں دینا چاہتے کیونکہ تمہیں بھی اب اس ٹرائل والی منطق سے اتفاق ہو گیا ہے، ہے نا۔"

"آپ کے لئے گواہی دینا بہتر ہے سارہ۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔ سارہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ سب خاموش رہ گئے۔ ماحول افسردہ ہو گیا۔ پھر فارس کھنکھارا۔ "میں بھی چلتا ہوں۔ مجھے بھی..." زمر کو دیکھا۔ "کسی کے ساتھ ڈنر کرنا ہے۔"

زمر یوسف جو چند لمحے پہلے تک پرسکون سی بیٹھی تھی اب کے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ان میں آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔

"تو ڈنر کے ٹائم جانا۔ ابھی سے کیوں جا رہے ہو؟"

"اچھا ہے نا۔ ذرا گپ شپ لگانے کا وقت مل جائے گا۔ کبھی کبھی تو ایسا بہانہ ملتا ہے۔" تھوڑی کھجاتے ہوئے وہ سادگی سے بولا تھا۔

(دو نمبر آدمی!) وہ بڑبڑا کر رخ موڑ گئی۔ سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اب اپنا والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔ زمر کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسے روک لے مگر اب منت تو کر نہیں سکتی تھی۔

(اب یہ اس کے ساتھ ڈنر کرے گا۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے۔ اچھا بہانہ ہے۔ ہونہہ شوت مائی فٹ۔ دو نمبر قسم کے بہانے۔) وہ کتنی ہی دیر خاموش بیٹھی کلستی رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوچ کا آئینہ دھندلا ہو تو پھر وقت کے ساتھ

چاند چہروں کے خدوخال بگڑ جاتے ہیں

ہوٹل کی لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ دیوہیکل دیواروں اور عالیشان ستونوں سے مزین لابی میں اونچے فانوس لٹک رہے تھے۔ زرد روشنیوں نے خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ ایک طرف اونچے شیشے کے پار مصنوعی آبشار بہہ رہی تھی۔ پانی اوپر سے نیچے آ کر حوض میں گرتا بہت دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ شیشے کی دیوار کے قریب جہاں بہت سے سیاح رک رک کر آبشار کے ساتھ تصاویر بنوا رہے تھے، وہاں نوشیرواں بھی کھڑا تھا۔ مگر اس کی پشت شیشے کی طرف تھی۔ وہ آبشار کو نہیں، اپنے فون کو دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً سامنے سے شہرین آتی دکھائی دی۔ اس کے سنہری بال اونچی پونی میں بندھے تھے، اور مسکارا کے باوجود آنکھوں میں شدید بے چینی کا تاثر تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس کے قریب آئی۔

"تھینک گاڈ تم آ گئے۔" شور کے باعث اسے بلند آواز میں نوشیرواں کو مخاطب کرنا پڑا تھا۔ شیرو نے بیگانگی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم نے کہا تھا کہ اس کا تعلق میرے کیس سے ہے، اسی لئے آیا ہوں۔ بولو۔"

شہرین نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "تم ہاشم کی طرح ہوتے جا رہے ہو۔ ابھی ایک سال پہلے کی بات ہے جب تم مجھ سے..." اس نے سر جھٹکا۔ "اچھا آؤ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"بیٹھ کر بات کرنے سے تمہاری کڑوی باتوں میں مٹھاس نہیں گھل جائے گی۔ جو بتانا ہے یہیں بتاؤ۔"

شہرین نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور تندہی سے اسے دیکھا۔ "تمہیں مجھ سے ذرا احتیاط سے بات کرنی چاہیے۔ یہ مت بھولو کہ تم میرے سامنے اعتراف جرم کر چکے ہو اور کورٹ نے مجھے گواہی کے لئے بلایا ہے۔"

"تو جاؤ دے دو گواہی۔" اس نے شانے اچکائے تھے۔ اس کے انداز میں کچھ عجیب سی بے پرواہی تھی۔

"میں نے گواہی دی تو تم جیل میں پڑے ہو گے۔ ڈرو اس وقت سے۔"

نوشیرواں نے فون سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا، وہ بھی ابرو اچکانے والے انداز میں۔

"اعتراف جرم اتنی بڑی بات نہیں ہوتی شہرین۔ میں نے آج دیکھا سعدی کو... اپنی آنکھوں سے دیکھا..." دو انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نے بھری عدالت میں کہا کہ اس نے دو لوگ قتل کیے ہیں۔ لیکن کسی نے اس کو اس disgust اور نفرت سے نہیں دیکھا جیسے اس روز کلب میں لوگوں نے مجھے دیکھا تھا۔ میری گولیوں سے وہ مرا تو نہیں تھا، میں اقدام قتل کا مجرم ہوں، قتل کا تو نہیں۔ اس نے تو دو لوگ.... دو انسان مار دیے اور کسی نے اس کو ایسے نہیں دیکھا۔ قانون، پولیس، سب اس کو پروٹیکٹ کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ میں نے کسی کو مارا ہے، اتنی بڑی بات نہیں تھی شہری۔ گناہوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ان کو فیس کرنا چاہیے۔ یا تو ہاشم بھائی کی طرح ان کے لئے ایک ہزار تاویلیں گھڑ لینی چاہئیں یا پھر..... سعدی کی طرح ان کا اعتراف کر کے ان کو own کرنا چاہیے۔ اپنے خوف اور ڈر کو own کرنا چاہیے۔"

شہرین نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی۔ "شیرو میں تمہارے خلاف گواہی نہیں دوں گی اگر تم مجھے اپنی کمپنی میں شیئرز اور....."

"پتہ ہے شہری میں کتنے مہینوں سے، بلکہ ایک سال سے مختلف قسم کے واہموں اور خوف کا شکار رہا ہوں۔ سرخ شربت دیکھوں تو خون نظر آتا تھا۔" وہ سر اٹھائے اوپر جھولتے فانوس پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا۔ وہ عجیب سی ذہنی کیفیت میں تھا۔ "کتے کو ماروں تو لگتا انسان کو مار دیا ہے۔ ہاتھوں پہ سرخ دھبے نظر آتے تھے۔ گیلے دھبے۔ خون ہر جگہ تھا۔ میں برے خواب دیکھتا تھا۔ شاید مجھے بائی پولر ہو گیا تھا یا شاید Obssesive compulsive disorder ہو گیا تھا۔ ہونہہ۔ گوروں نے بھی دل کی بیماریوں کے کیسے کیسے نام رکھ دیے ہیں۔ مگر پتہ ہے کیا شہری... آج میں نے دیکھ لیا ہے۔" اوپر اٹھی اس کی آنکھوں میں فانوس کی جھلملاتی روشنیاں اتر آئی تھیں۔ "میں نے دیکھ لیا ہے کہ بہادر وہی ہوتا ہے جو اپنے خوف کو دبوچ لے اور پھر پھونک مار کر اس کو راکھ کی طرح اڑا دے۔ خوف سے بھاگنا مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ خوف کے اندر غوطہ کھانا اور پھر اس سے نکل آنا انسان کو اصل آزادی دیتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں آزاد ہونے جا رہا ہوں۔ مجھے بالآخر ..." دائیں سے بائیں وہ ہوٹل کی طویل لابی کی اونچی چھت سے لٹکتے فانوس پہ نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مجھے بالآخر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ اور جب تک میں اپنے آپ سے سچ نہیں بولوں گا میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے روشنی نظر آنے لگی ہے۔ ہاں اب.... اب کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے۔"

شہرین منہ کھولے اسے یوں دیکھ رہی تھی گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

''شیرو دیکھو میری بات سنو تم خواہ مخواہ گلٹی ہو کر اپنا کیس مت خراب کرو۔ یوں تم.....''

''تھینک یو میری بات سننے کے لئے۔ اب میرا دماغ کلئیر ہوا ہے۔'' وہ سر ہلاتا اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک کسی دوسری دنیا میں تھا۔ جیسے دل و دماغ بہت سی آلائش سے پاک ہو گیا ہو۔

عرصے بعد اسے ایک روشنی کی امید نظر آئی تھی۔

اور یہ روشنی دکھانے والا بھی سعدی تھا۔

ایک دفعہ پھر وہ اس سے آگے نکل گیا تھا۔

مگر آج حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سخن وراس منافقت سے تو خود کشی کا شعار سیکھو

زبان کا زخم زخم ہونا حروف کا کھردے ندھنا

ہارون عبید کی رہائشگاہ شام کے مبہم اندھیروں سے ڈھکی دکھائی دیتی تھی۔ مرکزی ڈرائنگ روم سے گفتگو کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان کو نظر انداز کر کے تم گول سیڑھیوں کو پھلانگتے اوپر جاؤ اور آبدار کے دروازے کے کی ہول سے اندر جھانکو تو وہ اس طرف پشت کیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی نظر آرہی تھی۔ آئینے میں اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ سرخ بال... سیدھے سرخ بال کمر پہ گرے ہوئے تھے اور اس نے سرخ چھوٹا سا رومال ہیئر بینڈ کی طرح ماتھے سے ذرا اوپر سر پہ لپیٹ رکھا تھا۔ وہ کلائی میں چوڑا سا وائٹ گولڈ بریسلٹ پہنے ہوئی تھی' لباس سلور سلک کا تھا' اور دیگر جیولری بھی وائٹ گولڈ کی تھی۔ اس سارے سفید پن میں سرخ اس کا رومال تھا یا پھر لپ اسٹک۔ وہ مسکرا کر چہرہ مختلف زاویوں سے موڑتی آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی.... دفعتاً اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ فارس کا پیغام سامنے ہی چمک رہا تھا۔

''آٹھ بجے تک آجاؤں؟'' اور جواب میں آبدار کا ''یس'' لکھا نظر آرہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے گھڑی دیکھنے لگی۔ ابھی پورا گھنٹہ پڑا تھا۔

نیچے واپس آؤ تو لاؤنج میں مخالف صوفوں پہ ہاشم اور ہارون بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ ہارون صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بغور ہاشم کو دیکھ رہے تھے جو ذرا ڈھیلا ہو کر بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کسی غیر مرئی نقطے کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی انجان شخص کو پہچاننے کی سعی کر رہا ہو۔

''تمہاری پوزیشن دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے ہاشم!'' ہارون ہمدردانہ لہجے میں گویا ہوئے۔ گھاگ نگاہیں ہاشم کے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ ''ہمارے دوست تمہارے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں۔''

ہاشم نے چونک کر ان کو دیکھا بھنویں سکیڑیں۔ ''کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''بہت سے لوگ بہت سی باتیں کہہ رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ اب وہ مزید نہیں کام کریں گے۔ اسلحہ خریدنے کے لئے پیسہ وہ کسی اور سے

لانڈر کروانے کے آپشن پہ غور کر رہے ہیں۔تم...ایک...ڈوبتا ہوا...ٹائی ٹینک ہو.... ہاشم!"

ہاشم کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ آبکھری۔"ہونہہ۔"اس نے سر جھٹکا۔"مجھے ڈبونا اتنا آسان نہیں ہے ہارون۔"

"سنا ہے تمہارے اور سعدی یوسف کے کیس کا جج کافی ایماندار اور سخت ہے۔بڑے بڑے فیصلے کیے ہیں اس نے ماضی میں۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔کم از کم سعدی اسے خرید یا ڈرا نہیں سکتا۔"

"پھر تو تم بھی اسے نہیں خرید سکتے۔"ہارون کے لہجے میں تعجب در آیا۔

"اوہ ہارون۔تم کس دنیا میں رہتے ہو۔مجھے جج کو خریدنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ قانون نوشیرواں کے ساتھ ہے۔قانون ملزم کا ساتھ دیتا ہے ہمیشہ۔ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔قانون کے جھول اسے بری کروا دیں گے بہت جلد۔رہے ہمارے دوست تو ان سے کہنا اگر میں ڈوبا تو سب کو لے کر ڈوبوں گا۔"کالر کھڑا کر کے وہ رعونت سے بولا تھا۔

"خیر'تم سعدی کو فصیح کے قتل کے جرم میں پکڑوا نہیں سکتے کیا؟"

"انکوائری تو ہو گی مگر ایک بات مجھے تنگ کر رہی ہے۔سعدی نے کہا تھا کہ اس نے سیلف ڈیفینس میں قتل کیا ہے۔"وہ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔"یعنی فصیح نے اس کو مارنے کی کوشش کی۔پہلے گارڈ کمار نے بھی اس کو مارنے کی کوشش کی تھی۔میری ناک کے نیچے دو لوگ اس کو کیوں قتل کرنا چاہیں گے ہارون؟"اور چبھتی ہوئی آنکھیں ہارون کے چہرے پہ جما دیں۔ہارون اسی طرح ٹھنڈے انداز میں اسے دیکھے گئے۔

"ہو سکتا ہے سعدی جھوٹ بول رہا ہو۔"

"مجھے لگتا ہے مجھ سے کوئی اور جھوٹ بول رہا ہے۔"

"تو پھر اپنی ناک کے نیچے رہنے والوں سے سوال کرو۔مجھ سے نہیں۔"ہارون مسکرا کر بولے تھے۔ہاشم اپنی چبھتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔

"اگر تمہاری کوئی انوالومنٹ نکلی ہارون تو...."

"وہ وقت گزر گیا جب تم میری ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مجھے دھمکاتے تھے ہاشم۔جاؤ'اپنے بھائی کو بچانے کی فکر کرو۔"ہارون کے چہرے پہ اب بھی وہی سپاٹ پن'وہی سرد مسکراہٹ تھی۔ہاشم کا ردار کو اندر تک جیسے کسی نے جلا ڈالا تھا مگر اس بات کا جواب وہ دے نہیں پایا تھا۔

وہ جس وقت باہر پورچ کی طرف جا رہا تھا'اسے لان عبور کر کے آتی آبدار دکھائی دی تھی۔دونوں ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔دونوں کے قدم ٹھہر گئے تھے۔نگاہیں ملیں۔ہاشم نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔وہ کافی تیار اور سجی سنوری لگ رہی تھی۔سرخ لپ اسٹک سب سے زیادہ واضح تھی۔

''ریڈ۔'' وہ مسکرایا۔زخمی سا انداز تھا۔آبدار سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی۔ہاتھ میں کلچ تھا' سامنے تیار کار تھی جس کا دروازہ کھولے کھڑا ڈرائیور جس نے چابی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی گویا آبی کے حوالے کرنی ہوتا کہ وہ خود ڈرائیو کر کے جائے۔ہاشم نے ہر تفصیل کو غور سے دیکھا۔ وہ اس کے کندھے کے قریب سے گزرنے لگی تو وہ بولا۔

''پوچھ سکتا ہوں اتنا خاص کون ہے جس سے ملنے جا رہی ہو؟''

آبدار لمحے بھر کو ٹھہری۔چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ رہا۔''نہیں۔'' کار کی طرف دیکھتے ہوئے خشک مزاجی سے بولی اور آگے بڑھ گئی۔

ہاشم کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔اس کے اندازے کے عین مطابق وہ اکیلی ڈرائیو کر کے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بھی کیا لوگ ہیں محسن جو وفا کی خاطر!

خود تراشیدہ اصولوں پہ بھی اڑ جاتے ہیں

اطالوی ریسٹورانٹ کے برآمدے میں بچھی میزوں میں سے ایک پہ آبدار عبید بیٹھی تھی۔کمر پیچھے لگائے' اور کہنی کرسی کے ہتھے پہ جما کر اپنے ائیرنگ سے کھیلتی' وہ منتظر نظروں سے داخلی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔لان میں لگی میزوں پہ موجود افراد پہ بھی بار بار اس کی نظر بھٹکتی۔ کبھی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی۔وہ ابھی تک نہیں آیا تھا مگر ابھی وقت پڑا تھا۔ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ کھیل رہی تھی۔

مورچال میں آٹھ بجے والے ڈرامے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ندرت مسلسل اونچا اونچا ڈانٹ کر اسامہ کو خاموش ہونے کے لئے کہہ رہی تھیں جو سارا اسکول کا کام لاؤنج میں بیٹھ کر ہی کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا۔ساتھ میں مسلسل بڑے ابا کو بتا رہا تھا کہ حسینہ کو صداقت نے کتنا قیمتی samsung کا اسمارٹ فون لے کر دیا ہے۔اسے یقین تھا کہ یہ چائنہ والا نہیں بلکہ خالص اصلی والا ہے۔ندرت نے چپل اٹھائی تو وہ خاموش ہوا۔

سعدی قانون کی موٹی سی کتاب اٹھائے لاؤنج کے ایک کونے میں بیٹھا خاموشی سے پڑھ رہا تھا۔اور ان سب سے لاتعلق زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔بار بار گھڑی دیکھتی' چہرے پہ بے چینی بھی تھی اور غصہ بھی۔

''کیا اب وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوگا؟ ڈنر منگوا رہا ہوگا۔شوٹ کے تو بس بہانے ہیں۔موقع چاہیے فارس کو بس۔'' وہ سخت خفا لگ رہی تھی۔بار بار موبائل اٹھاتی پھر رکھ دیتی۔

''میں کیوں فون کروں؟ مجھے پرواہ تھوڑی ہی ہے۔ہونہہ۔'' وہ مسلسل خود سے بولے جا رہی تھی....

ریستوران میں واپس آؤ تو وہاں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔آبدار اسے داخلی دروازے سے ہی نظر آ گئی۔اس نے گہری سانس لی اور قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔

آبی نے یقیناً اسے نہیں دیکھا تھا۔وہ مگن سی مسکراتی ہوئی' سوچ میں گم بیٹھی نظر آ رہی تھی۔اس نے آبدار کو نگاہوں میں رکھے لان پار کیا'

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بہت سی میزوں کے درمیان سے راستہ بنایا اور پھر برآمدے کے زینے عبور کیے۔ چند ڈگ مزید اٹھائے یہاں تک کہ آبدار کی میز سامنے آ گئی۔ اس نے قدم روک لئے۔ آبی کے بالکل سامنے۔

وہ جوگن سی بیٹھی تھی، کسی کے آنے کی آہٹ پہ چونکی۔ پھر مسکراتی نظریں اٹھائیں، مگر جیسے ہی آبدار نے سامنے موجود ذی نفس کو دیکھا، اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں الجھن سی ابھری۔

''سوری.... آپ کون؟'' جانتے بوجھتے بھی اس نے سوال کیا۔

سامنے کھڑی حنین نے مسکرا کے کرسی کھینچی۔

''میں حنین یوسف ہوں، مجھے فارس غازی نے بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کیس میں ہماری مدد کرنا چاہتی ہیں کسی اہم ثبوت کے ساتھ۔ میں وہی لینے آئی ہوں آپ سے۔'' اپنا پرس نیچے رکھا اور دونوں کہنیاں میز کی سطح پہ رکھ کر چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے وہ معصومیت سے بولی۔

''اور... فارس!'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''وہ تو مجھے ڈراپ کر کے چلے گئے۔ وہ اکثر اسی طرح مجھے ڈراپ کرتے ہیں اور عموماً اسی وقت کسی کا قتل ہو جاتا ہے۔ بس خدا کرے آج کوئی جان سے نہ جائے۔'' جھرجھری لے کر وہ بولی تھی۔

آبدار کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ماتھے پہ سلوٹیں در آئیں۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اندر غصے کے ابال اٹھنے لگے تھے۔

''میں نا اچھی خاصی اپی کیورین ہوں۔ فوڈی! صحیح قسم کی فوڈی۔ اس لئے اپنا آرڈر تو میں فوراً کر رہی ہوں۔ آپ کیا لیں گی؟'' حنین مینو بک اٹھا کر ویٹر کو اشارہ کرتے سادگی سے پوچھ رہی تھی۔ آبدار نے تندہی سے اسے دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال اور لمبے بالوں کی فرنچ چوٹی گوندھے، وہ لیمن کلر کے لان کے نفیس سے جوڑے میں ملبوس سادہ سی لڑکی تھی۔ گندمی رنگت کی حامل مگر چمکتی سیاہ آنکھوں والی۔ آبدار سر جھٹک کر موبائل اٹھا کر کال ملانے لگی۔ حنین اسی بے نیازی سے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہی تھی۔

''آپ آرڈر نہیں کریں گی؟'' معصوم حنین نے پلکیں جھپک کر پوچھا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' وہ خشک لہجے میں بولی۔

''کیونکہ آپ کے پاس کوئی اہم ثبوت ہے جو آپ ہمیں دینا چاہتی ہیں۔ ماموں نے کہا، جا کر ان سے لے لو۔ میں آ گئی۔''

''جو دینا ہے، وہ ان کو ہی دوں گی۔ تمہیں نہیں۔ خیر تمہیں کچھ اور نہیں کہنا تو میں چلتی ہوں....'' وہ اٹھنے لگی۔

''ویسے تو میں اپنا بل خود ادا کروں گی۔ جی ایس ٹی ملا کر پورے دو ہزار پچاس بنیں گے۔ دو ہزار ہیں میرے پاس۔ آپ پچاس روپے ادھار دے دیں، ٹرائل پہ جب آپ سے ملوں گی تو دے دوں گی واپس۔ پھر آپ بے شک چلی جائیں۔'' پھر سے آنکھیں جھپکائیں۔

آبدار نے ایک تیکھی نظر اس پہ ڈالی، کلچ کھولا، اندر سے کریڈٹ کارڈ نکالا اور میز پہ رکھ دیا۔ نظر اٹھا کر ویٹرز کو دیکھا جو سرونگ کی تیاریوں میں نظر آتے تھے۔ چونکہ ہدایات کڑی تھیں اس لیے اس کے ''مہمان'' کے آتے ہی وہ چوکنے ہو گئے تھے۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ مہمان

مطلوبہ شخص نہیں ہے۔

''ٹھنڈا ہو جائے گی۔تم کھانا کھاؤ۔!'' وہ بے زاری سے بولی تو حنین نے شانے اچکائے۔

''آپ کی مرضی!'' اور نیپکین گود میں بچھایا۔ چھری کانٹا درست کر کے رکھا۔ ''ویسے چاہیں تو ماموں سے ایک دفعہ پوچھ لیں۔وہ بہت پر یقین تھے کہ آپ بغیر وہ فلیش ڈرائیو دیئے نہیں جائیں گی۔'' آبدار کو اس کے کیو کی ضرورت ہی نہیں تھی۔وہ پہلے ہی موبائل پہ نمبر ملا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔جیسے ہی فارس نے کال پک کی وہ میز کے پیچھے سے نکل کر ذرا دور چلی آئی۔

''آپ کہاں ہیں؟'' ریستوران کے برآمدے میں کھڑے ناراضی سے وہ فون میں بولی تھی۔

''کام سے نکلا ہوا ہوں۔کیوں؟''

''آپ کو خود یہاں آنا تھا۔اس کو کیوں بھیجا؟'' گردن موڑ کر ایک خفا نگاہ حنین پہ ڈالی جو چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے بیٹھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔آبی کو نئے سرے سے غصہ آنے لگا۔

''اگر کچھ واقعی ضروری ہے آپ کے پاس تو اسے دے دیں۔آگے آپ کی مرضی۔''

''ڈر گئے کیا مجھ سے؟'' وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔صرف یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کسی مصیبت میں پڑیں۔''

''مصیبت میں تو میں پڑ چکی ہوں۔'' تلخی سے مسکرا کر بولی۔''بہر حال میں اس کو کچھ نہیں دے رہی۔بلکہ میں جا رہی ہوں یہاں سے۔''

''مرضی آپ کی۔میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' دوسری طرف سے لائن ڈیڈ ہو گئی۔آبدار واپس آئی تو ماتھے کے بل گہرے ہو چکے تھے۔کھانا سرد ہو چکا تھا اور حنہ مزے سے شروع بھی کر چکی تھی۔

''میرے بھائی کا انٹرویو کرنے کے بعد بھی آپ کو اصل گیم نہیں سمجھ آئی' ہے نا؟'' لزانیہ کا بڑا سا پورشن اپنی پلیٹ میں نکالتی حنین نے مگن سے انداز میں پوچھا تھا۔

''سوری؟'' وہ کھڑے کھڑے کلچ میں موبائل رکھتی چونکی۔

''نہیں آیا سمجھ میں؟'' حنہ نے حیران نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔چند لمحے لے کر منہ کا لقمہ چبایا۔پھر سافٹ ڈرنک کا گھونٹ بھرا۔پھر چہرہ اٹھایا۔آبدار اسی طرح شش و پنج میں کھڑی تھی۔

''یہی تو سارا مسئلہ ہے آبدار صاحبہ۔فارس غازی ہم سے اپنا کام ایسے نکلواتے ہیں کہ ہمیں لگتا ہے یہ ہمارا ہی تو آئیڈیا تھا۔آپ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔بیچ بیچ۔میں سمجھاتی ہوں آپ کو۔'' رک کر کانٹے میں بھنسا پنیر' پاستا اور قیمے کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔لذیذ اشیاء زبان کو چھوتے ہی گویا اندر گھل گئیں۔اس نے نوالہ تسلی سے کھایا۔پھر بولی۔

''آپ ہارون عبید کی بیٹی ہیں نا'اور فارس ماموں کو معلوم تھا کہ ہارون صاحب کا سعدی بھائی کے اغوا میں ہاتھ ہے تو انہوں نے بس اتنا کیا کہ بھائی کے میموریل ڈے پہ میری تقریر سے پہلے ڈاکٹر توقیر بخاری سے کہا کہ اپنی تقریر میں اتنا کہہ دیں کہ سعدی یوسف کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوا تھا۔ فارس غازی کو پتہ تھا کہ یہ فقرہ ہارون عبید کی بیٹی کو کلک کر جائے گا۔ وہ سعدی یوسف کو ڈھونڈے گی اور اس کو فالو کرتے ہوئے ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔ آپ کو بھائی نے بتایا کہ وہ نہیں گیا کسی کلینکل ڈیتھ میں 'صرف خواب دیکھا تھا اس نے مگر آپ نہیں مانیں۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اغوا کے وقت سعدی یوسف تو ہوش میں آیا ہی نہیں تھا' پھر ڈاکٹر توقیر بخاری کو کیسے پتہ کہ اس نے کچھ دیکھا یا نہیں؟ آپ کرتی ہیں نا ایسے لوگوں کا انٹرویو۔ یوں آپ نے بھائی کو ڈھونڈا اور ہم بھی بھائی تک پہنچ گئے۔ اب آیا سمجھ میں؟ آپ کو استعمال کیا ہے فارس غازی نے۔'' وہ کھاتے ہوئے بولتی جا رہی تھی جیسے خبر نامہ پڑھ کر سنا رہی ہو۔ آبی بالکل متحیر سی کھڑی تھی۔ سُن۔ پھر وہ آہستہ سے بیٹھی۔

''تو وہ ہمیشہ سے مجھ پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔'' وہ بولی تو آواز میں تفاخر سا تھا۔ حنین نے ہاتھ روک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اسے برا نہیں لگا تھا۔ اسے ناز ہوا تھا۔

''آپ تو کسی اور کی بھی نظر میں ہیں۔''

''کس کی؟'' وہ چونکی۔

''ہاشم کی!'' وہ بولی تو اندر دل گیلی لکڑی کی طرح سلگ گیا۔ آواز کانپی۔ آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔ دل کھویا تھا اور واپس حاصل بھی کر لیا تھا مگر کھونے کا درد اور واپسی کے جتن کی اذیت آج بھی ویسی ہی تھی۔

''ہاشم کا کیا ذکر؟'' آبدار نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ حنین چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اُنہی کھوجتی رشک بھری نظروں سے۔ پھر لبوں سے پھسلا۔

''کیا ہے آپ میں' جو اسے کہیں اور دیکھنے ہی نہیں دیتا۔''

آبدار ہلکا سا مسکرائی' پھر آگے کو ہوئی اور حنہ کی سادہ چمک دار آنکھوں میں جھانکا۔ ''چھوٹی لڑکی' کیا تمہیں ہاشم پہ کرش ہے۔''

حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ البتہ اس کے رخسار گلابی ہوئے تھے۔

''ہاشم کو متاثر کرنے کے لئے سامنے والے میں ''کلاس'' ہونی چاہیے۔'' وہ پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے خبردار کرنے کے سے انداز میں گویا ہوئی۔ ''خوبصورتی ہونی چاہیے۔ متاثر کن اسٹائل ہونا چاہیے۔ ذہانت اور اعتماد ہونا چاہیے۔ ایسی لڑکی جو اس کی کہنی تھام کر جب چلے تو ایک دنیا اس کو دیکھے۔ وہ ڈھیروں دولت اور جاہ کی مالک ہو۔ اس کا اعلیٰ خاندان ہو۔ وہ شہزادیوں جیسی ہو۔ وہ کیریئر وومن ہو۔ بڑے بڑے میدان مارے ہوں اس نے۔ سیمینارز اور ورکشاپس میں تقریر کرتی ہو تو ایک دنیا اس سے متاثر ہوتی ہو۔ اس سے کم پہ وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔ شہرین اپنی جوانی میں ایسی ہی تھی۔''

''اور آپ بھی ایسی ہی ہیں۔'' وہ اسے تکتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ آبدار نزاکت سے مسکرائی۔

"میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتی، مگر تم ایسی بالکل بھی نہیں ہو۔ وہ تمہیں کبھی نہیں چاہے گا۔ وہ ہر کسی کو نہیں چاہ لیتا۔"

حنین ہلکا سا مسکرائی۔ "مجھے اس کی خواہش بھی نہیں ہے، میرے لئے یہی کافی ہے، مجھ سے فارس غازی محبت کرتے ہیں، اور وہ ہر کسی سے محبت نہیں کر لیتے۔ بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں ان کی محبت، دوستی اور اعتماد جیتنے کے لئے۔ وہ مجھے اپنی "ٹیم" کہتے ہیں۔ میں اداس بیٹھی ہوں تو محسوس کر لیتے ہیں اور میں خوش بیٹھی ہوں تو میری خوشی ہمیشہ بانٹتے ہیں۔ مجھے ایسی باتیں بھی بتا دیتے ہیں جو زمر کو نہیں بتاتے۔ میں خوش ہوں کہ میرے پاس زیادہ اچھے محبت کرنے والے ہیں۔"

آبدار کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی تھی مگر اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ "تم ان کی بھانجی ہو۔ یہ نیچرل ہے۔"

"آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ میرے اندر محبت لینے والی کوئی خوبی نہیں ہے؟"

"میرا تم سے کیا مقابلہ ہے!" وہ مسکرا دی اور پھر شانے اچکائے۔ عجب ادائے بے نیازی تھی۔

"تو پھر مجھے وہ ثبوت نہیں دیں گی آپ؟" حنین پلیٹ پرے دھکیل کر ٹشو سے ہاتھ اور لب صاف کرتے ہوئے بولی۔ آبدار نے مسکرا کر نفی میں گردن ہلائی۔

"فارس غازی سے کہو اگر وہ اسے چاہیے تو مجھ سے خود آ کر لے۔ میں دے دوں گی مگر صرف اسی کو۔ تم میرے پیر بھی چھوؤ تو میں تمہیں نہیں دوں گی۔"

"آپ کی مرضی ورنہ میں تو آپ کے پیر چھونے والی تھی!" حنین مایوسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پرس کندھے پہ لٹکایا۔

"کھانا اچھا تھا مگر اتنا اچھا نہیں۔ اتالین میں دیسی ٹچ آ رہا تھا۔ بل آپ ادا کر دیجئے گا۔ میں تو ویسے بھی کسی قابل نہیں۔" اور کندھے اچکا کر مڑ گئی۔ آبدار نے سر جھٹکا۔ اس کی نظروں نے دور جاتی حنین کا آخر تک پیچھا کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں آخری باتوں میں طنز سا محسوس ہوا تھا۔ بل پے کرنے کے بعد اس نے کریڈٹ کارڈ واپس رکھنے کے لئے پرس کھولا تو ایک دم ٹھٹک گئی۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

پرس کی اندرونی زپ کھلی تھی اور وہ خفیہ جیب خالی تھی۔ وہ خفیہ جیب جس میں اس نے وہ ٹائی پن ڈرائیو رکھی تھی۔

"کدھر گئی!" آبدار بدحواسی سے پرس کو کھنگالنے لگی۔

باہر پارکنگ میں فارس کی کار کا فرنٹ ڈور کھول کر حنین اندر بیٹھی اور ٹائی پن کیمرہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"چارمنٹ بھی نہیں لگے مجھے۔ پہلے اس کا پرس کھلوایا۔ پھر جب وہ آپ سے بات کرنے کے لئے سائیڈ پہ گئی تو اسے نکال لیا۔ مجھے لگا تھوڑی احتیاط سے چھپائے گی اسے مگر وہ محترمہ تو اپنے شاہانہ زعم میں کافی لاپرواہ ثابت ہوئی ہیں۔ اب بیٹھ کر سوچ رہی ہوگی کہ کون کتنا قابل ہے۔ ہونہہ۔" خفگی سے بڑبڑاتی وہ بولی تھی۔ فارس نے ایک ہاتھ میں ننھا کیمرہ پکڑا اور دوسرے سے ڈرائیو کرتا کار آگے لے گیا۔

تھوڑی دور جا کر اس نے گاڑی کی چھت پہ لگی لائٹ آن کی اور غور سے اس ڈیوائس کو دیکھا۔ پھر جیب میں رکھ دی۔

''ویسے آپ خود بھی ان سے مل کر یہ لے سکتے تھے۔'' کافی دیر بعد حنین ونڈ اسکرین کے پار نگاہیں جمائے سوچتے ہوئے بولی۔

''جب آپ کو یہ معلوم ہو حنین کہ کسی سے آپ کا ملنا یا بات کرنا آپ دونوں کو فتنے میں مبتلا کر سکتا ہے تو پھر اس راستے سے ہی احتراز برتنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ بہانے بہانے سے اس سے ملا جائے اور خود کو صفائیاں دی جائیں کہ یہ آخری بار ہے اس دفعہ بات کر کے اس قصے کو ختم کرنا ہے میں نے۔ ایسے نہیں ہوتا۔ جب تعلق توڑنا ہوتا ہے تو کسی خدا حافظ' کسی الوداع کے بغیر اسی لمحے توڑا جاتا ہے۔'' وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ حنین کو بہت کچھ یاد آیا مگر بظاہر بشاشت سے بولی۔

''صاف کہیں نا۔ بیوی سے ڈرتے ہیں آپ۔''

''بیوی سے کون نہیں ڈرتا یار!'' اس نے جھرجھری سی لی۔ وہ ہنس دی۔ پھر سڑک کو دیکھ کر بولی۔ ''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''تمہیں گھر ڈراپ کر کے میں فاطمی صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔''

حنین بالکل ٹھہر گئی۔ ''الیاس فاطمی۔ وارث ماموں کا باس؟'' یہ نام ذہن میں پانچ سال سے بیٹھا ہوا تھا۔

''ہوں۔ وہ witness list میں ہے۔ اس لئے مجھے اس سے ملنا ہے مگر سنو۔ گھر جا کر زمر کو مت بتانا کہ میں اس سے ملنے گیا ہوں۔'' یاد دہانی کرائی۔

''تو انہیں کیا بتاؤں آپ کس سے ملنے گئے ہیں۔''

''جس سے تم مل کر آ رہی ہو۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔

حنین کے ابرو خفگی سے بھنچے۔ ''اس mean حرکت کو کیا کہوں میں؟''

''اسے تم Farcisissm کہو۔ خیر سے زمر بی بی یہی ڈیز رو کرتی ہیں۔ اب اترو۔'' گھر آ گیا تھا۔ فارس نے اس کو مسکرا کر اترنے کا اشارہ کیا۔ حنین خفا سی اتر گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے کار آگے لے گیا۔ اسے جیسے سوچ کر ہی مزہ آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شدت غم میں بھی زندہ ہوں تو حیرت کیسی؟

کچھ دیے تند ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں

وہ ایک عجیب رات تھی۔۔ بے چین۔ مضطرب۔ ڈھیر سارا ذہنی دباؤ لئے ہوئے۔

وہ سونیا کی سالگرہ میں جانے سے پہلے وارث سے ملا تھا۔ حنین اس کے ساتھ تھی۔ اسے حنین کو اس کی کسی دوست سے ملوانے جانا تھا۔ یہ بھی ایک بہانہ تھا۔ زمر سے ملنے کا بہانہ نہ ڈھونڈنے کا بہانہ۔ جب کوئی تعلق نہیں رکھنا تو کیا بار بار اس کا سامنا کیا جائے؟ یہی سوچ کر وہ فرار اختیار کر رہا تھا۔ حنین کار میں بیٹھی تھی اور وہ باہر کھڑا تھا۔

وارث سے اس کی بات تب ہی ہوئی تھی۔ وہ کچھ پریشان تھا۔ ظاہر نہیں کر رہا تھا مگر پریشان تھا۔

"میرا باس مجھ سے استعفیٰ مانگ رہا ہے۔"

اس وقت لوگ آس پاس تھے۔ وہ جلدی میں تھا۔ اس کو سمجھا نہیں سکتا تھا۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا۔ مگر اس نے بار بار کہا تھا۔

"تم انتظار کرو۔ میں کر لوں گا سب کچھ ٹھیک۔ بس تم استعفیٰ نہیں دو گے۔"

آخری دفعہ جو اس نے وارث کا چہرہ دیکھا' اس پہ ایک تسلی سی تھی۔ سخت پریشانی کے درمیان موہوم سی تسلی۔ ایک مان۔ اعتبار سا تھا کہ فارس سنبھال لے گا۔ اور وارث سر کو اثبات میں خم دیتے ہوئے اپنی کار کی طرف مڑ گیا تھا۔ یہ وہ آخری دفعہ تھا جب اس نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ زندہ چہرہ۔

وہ حنین کو ہوٹل لے آیا۔ اس کی دوست سے پے در پے سوالات کرتے ہوئے بھی اسے مسلسل کوفت ہو رہی تھی۔ ذہنی طور پہ وہ پیچھے تھا۔ وارث کے مسئلے میں اٹکا تھا۔ سالگرہ کی تقریب میں واپس آ کر بھی وہ ایسا ہی الجھا ہوا تھا۔ زرتاشہ کو ہاشم نے کچھ کہہ دیا تھا' وہ اس پہ خفا ہو رہی تھی۔ فارس کا کھولتا دماغ مزید ابلنے لگا تھا۔ اسے خود بھی نہیں یاد اس رات اس نے کس کس کو جھڑکا تھا۔ علیشا' حنین' زرتاشہ' ہاشم۔ سارا غصہ اور چڑچڑا پن اس لئے تھا کہ وہ وارث سے نہیں مل سکا تھا۔ اسے ٹھیک سے سمجھا نہیں سکا تھا۔

زرتاشہ آف موڈ کے ساتھ سوئی تھی۔ وہ مسلسل وارث کو کال کر رہا تھا مگر اس کا فون آف تھا۔ اس رات وہ نہیں سویا۔ بالکونی میں بیٹھا رہا تھا۔ پیر لمبے کر کے میز پر رکھے' وہ سوچ رہا تھا۔ سامنے ہاشم کے کمرے میں ایک لیمپ آن تھا۔ پردوں کی جھری سے صاف دکھائی دیتا تھا' ہاشم بھی صوفے پہ لمبے پیر کر کے بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ کسی اور ہی حالت میں لگتا تھا۔

فارس پھر بالکونی میں ٹہلنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ بائیں سے دائیں۔ وہ بے چین تھا۔ جانے کون سی چیز سکون نہیں دے رہی تھی۔ دل خراب تھا۔ دماغ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کیا کرے۔ کس سے کہے۔

وہ عجیب بھاری سی رات تھی۔ گویا دل پہ کوئی بھاری سل پڑی ہو جس کو اٹھائے تو کیسے اٹھائے؟ گرائے تو کیسے گرائے؟ کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا۔ صبح صادق ابھی ٹھیک سے طلوع بھی نہیں ہوئی تھی جب اس نے بنا کچھ کھائے پئے' حتیٰ کہ منہ دھوئے بغیر چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔ اسے وارث سے ملنا تھا۔ جلد از جلد۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ عجیب سے واہمے آتے تھے ذہن میں۔

مگر وارث اپنے ہاسٹل کے کمرے میں نہیں تھا۔ صرف اس کا جسم تھا۔ پنکھے سے جھولتا۔ وہ بھاگا اور اس کے پیر پکڑ لئے' گردن کو سہارا دیا' مگر یہ گردن ٹوٹے کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔ وہ اب نہیں رہا تھا۔

اگلے چند دن یوں گزرے گویا آنکھوں کے سامنے لال دھند سی چھائی ہو۔ عجب کرب تھا' عجب درد تھا۔ پہلے دن وہ صدمے سے چپ رہا تھا۔ وارث کی بیٹیوں کو روتے دیکھتا رہا۔ ویران آنکھوں سے سب دیکھتا رہا۔ ویران دل سے سنتا رہا۔ پھر جب وہ وارث کی بیٹی کے ساتھ اس کی قبر کے سامنے بیٹھا تو اس روز سارے احساسات جاگنے لگے تھے۔ غم پہ غصہ غالب آنے لگا تھا' اتنا کہ لگتا تھا دل پھٹ جائے گا۔ تب اس نے عہد کیا تھا۔ قسم کھائی تھی۔ کہ وہ انتقام لے گا۔ شاید تب وہ انتقام کو انصاف کے مترادف سمجھتا تھا۔ وہ ضرور اپنے بھائی کے خونیوں کو

کیفرِ کردار تک پہنچائے گا اس کا عہد تھا خود سے۔ اور جتنا وہ اس بارے میں سوچتا تھا ازلی غصہ عود آتا تھا۔ دل چاہتا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ جلا کر راکھ کر دے۔ کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ عقل پہ پڑا سرخ پردہ اتنا گھنا تھا کہ سارا منظر دھندلا دیتا تھا۔

وہ اور سعدی زمر کے پاس گئے۔ اب اسے پرواہ نہ تھی کہ وہ اس کی کون تھی۔ اب صرف یہ اہم تھا کہ وہ کون تھی۔ وہ پراسیکیوشن آفس میں ایک اہم عہدے پہ تھی۔ وہ اس کیس کو دیکھ سکتی تھی' وہی کچھ کر سکتی تھی۔ مگر اس کا رویہ بھی خشک سا تھا۔ وہ جیسے چھٹی لے کر جانے کے بعد زبردستی واپس بلائی گئی تھی۔ اس کے لئے تو یہ روز کی بات تھی۔ آج ایک قتل ہوا تو آج دو۔ وہ بے تاثر انداز میں معمول کا کام کرتی رہی۔

ابتدا اس نے فارس پہ شک سے کی۔ اس وقت وہ غصے میں اتنا اندھا ہو جانے والا آدمی تھا کہ زمر بی بی کے انداز پہ اس کا دماغ کھول کھول اٹھ رہا تھا۔ وہ غیر جانبداری سے اپنا کام نپٹا رہی تھی مگر وہ مضطرب تھا' بے چین تھا۔ وہ چاہتا تھا جلد از جلد قاتل پکڑا جائے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ پولیس آفیسر نہیں ہے' جسے چودہ دن میں تفتیش مکمل کرنی ہو اور چالان جمع کروانا ہو' وہ وکیل ہے اور وکیلوں کی تفتیش تو مہینوں' سالوں چلتی ہے۔ ان دنوں وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کوشش کے باوجود بھی نہیں۔ دماغ پہ چڑھی سرخ دھند نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تک سلب کر دی تھی۔ اسے سب سے زیادہ غصہ زمر پہ آ رہا تھا۔ ملال یا صدمہ نہیں۔ صرف غصہ۔ وہ اس پہ کیوں شک کر رہی تھی؟ ٹھیک ہے وہ اسے اپنی ایلی بائی سے ملوا دے گا' مگر وہ اس پہ شک کر کے اچھا نہیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ زمر سب سے پہلے اس کو ہر شک اور شبہ سے پاک کر کے پھر آگے بڑھنا چاہتی ہے تاکہ کوئی اس پہ انگلی نہ اٹھائے کیونکہ وارث کا موبائل اور پھندا اسی کی کار سے ملا تھا' مگر سرخ دھند اسے کچھ سوچنے نہیں دیتی تھی۔ کوئی اس پہ شک کیسے کر سکتا ہے؟ سب اندھے ہیں کیا؟ وہ اپنے بھائی کا قاتل کیسے ہو سکتا ہے' یہ ایسا "ربش" تھا جس پہ فارس غازی کے خیال میں کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے اس امکان کو ذہن سے خارج کر رکھا تھا۔ مگر یقین کرنا کسے تھا؟ صرف شک ہی کافی ہوتا ہے۔ آدمی کو "ملزم" صرف شک بناتا ہے۔ یقین تو مجرم بناتا ہے۔ وہ ملزم بننے جا رہا تھا اور وہ خود اپنی قسمت سے لاعلم تھا۔ سارا دھیان صرف ایک چیز میں اٹکا تھا۔ وارث کا باس۔ الیاس فاطمی۔ صرف وہی جانتا ہے کہ وارث کو کس نے اور کیوں مارا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشتیٔ جاں ہے کہ ڈوبے چلی جاتی ہے فراز
اور ابھی درد کا دریا نہیں طغیانی پر

الیاس فاطمی اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔ کمپیوٹر کے سامنے فائلوں کا انبار لگا پڑا تھا جس کے صفحات کا وہ اسکرین پہ نظر آتے ہندسوں سے موازنہ کر رہا تھا۔ اسٹڈی میں سفید بتیاں جلی تھیں۔ کھڑکی کے بلائنڈز بند تھے۔ پیچھے ریکس میں ترتیب سے رکھی کتابیں نظر آتی تھیں۔ وہ عینک لگائے کام میں پوری طرح منہمک تھا مگر اس آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ کوئی آہٹ سی تھی شاید۔

وہ چونک کر آگے پیچھے دیکھنے لگا۔ پھر عینک اتار کر فائل پہ دھری اور کرسی سے اٹھا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتا باہر آیا۔ راہداری اور

سیڑھیاں نیم روشن تھیں۔ سارا گھر خاموش تھا۔ گہرے سناٹے میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج' کچن' لابی' اس نے باری باری ہر جگہ دیکھی۔ دروازوں کے لاکس اور کھڑکیوں کے بولٹس چیک کیے۔ سب مقفل اور پرسکون تھا۔ وہ سر جھٹکتا واپس اسٹڈی میں داخل ہوا' دروازہ بند کیا اور جیسے ہی واپس گھوما' اس کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

سامنے اس کی کرسی پہ وہ بیٹھا تھا۔ پیر لمبے کر کے اس کی اسٹڈی ٹیبل پر رکھے تھے' یوں کہ جوگرز فائلوں کو چھو رہے تھے' اور ٹیک لگائے بازوؤں کا تکیہ بنا کر گردن کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں اور جب اسے متوجہ پایا تو سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''کیا حال ہیں فاطمی صاحب؟''

فاطمی کی نظریں اس کے وجود سے ہوتی ہوئیں میز تک گئیں' جہاں بریٹا پستول رکھا تھا۔ فارس نے نظروں سے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فاطمی نہیں ہلا۔ وہ کھڑا رہا۔ اس کا ذہن ممکنہ آپشنز پہ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ہاتھ ڈورناب پہ ہنوز جما تھا۔

''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو چپ چاپ یہاں آ کر بیٹھ جاتا کیونکہ اگر تم شور کر کے کسی کو بلاؤ گے تو بات پھیلے گی۔ ہاشم سنے گا تو سمجھے گا کہ تم اور میں ملے ہوئے ہیں اور یہ صرف ایک کور اپ تھا' ایک بھونڈی کوشش جس سے تم اس پہ یہ ثابت کر رہے تھے کہ تم مجھ سے نہیں ملے ہوئے۔ وہ مزید تم پہ شک کرے گا۔''

فاطمی نے ڈورناب چھوڑ دیا۔ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا ہوا وہ سامنے آیا اور کرسی کھینچی۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟ ہاشم کو اپنی اور میری کورٹ میں ہونے والی ملاقات کا جانے کس ڈھنگ سے بتایا ہے تم نے کہ وہ میری ایک ایک موو پہ نظر رکھنے لگا ہے۔ اب کیا چاہتے ہو تم؟''

''بیٹھ جاؤ۔ اپنا ہی گھر سمجھو۔'' فارس نے پھر سے اشارہ کیا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں سکون تھی تھا اور بے نیازی بھی۔ فاطمی چند لمحے کھڑا رہا' پھر بیٹھ گیا۔ ایک گہری سانس لی۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟''

''تم نے پرسوں کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں سچ بولو۔''

''میرا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' وہ جھڑک کر بولا تھا۔

''تعلق تو ہے' اور تم کورٹ میں اس کے بارے میں بتاؤ گے اور پھر تم...'' فارس نے جوگرز نیچے اتار لئے' آگے کو ہو کر بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''تم اپنی جاب سے استعفیٰ دے دو گے۔''

فاطمی کی آنکھیں پہلے حیرت اور پھر ناگواری سے پھیلیں۔ ''میں استعفیٰ کیوں دوں؟''

''کیونکہ میں ایسا کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میں ایسا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں تمہارے کیس کا جج' جیوری اور جلاد ہوں۔'' وہ سرد تپش سے لدی آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑھے بولا تھا۔ ''آج میں تم سے استعفیٰ مانگ رہا ہوں الیاس فاطمی۔''

''اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تو کیا کرو گے تم؟ مجھے زبردستی؟ میری بیٹی کو مارو گے؟ تمہاری اطلاع کے لئے میں اسے باہر سیٹل کروا چکا ہوں۔ وہ تمہاری پہنچ سے اب بہت دور ہے۔'' وہ حقارت سے بولا تھا۔

''مجھے تمہاری بیٹی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مگر ہاں' تمہارے بیٹے سے ہے۔ تمہارا لاڈلا بیٹا جس کی کار کے لئے تم نے میرے بھائی کو مصلوب کیا تھا۔ جو باوجود کوشش اور سفارشوں کے مقابلے کا امتحان پاس نہیں کر سکا اور آج کل اسی پرائیوٹ فرم کو چلا رہا ہے جسے اس نے دو ڈھائی سال پہلے بنایا تھا۔ مجھے تمہارے بیٹے سے سروکار ہے۔''

''کیا کرو گے تم میرے بیٹے کا؟'' وہ چونکا تھا مگر ڈرا نہیں۔

''سمپل۔ میں اس کے کمرے میں اسے پنکھے سے لٹکا کر اس کی گردن توڑ دوں گا۔ جان کے بدلے جان۔ گردن کے بدلے گردن۔ اب فیصلہ تم نے کرنا ہے۔'' پستول اٹھا کر جیب میں اڑسا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کے لئے بھی الیاس فاطمی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

''تم ایسا نہیں کرو گے۔ میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ بے تابی سے بولا مگر ڈرا اب بھی نہیں تھا۔

''میں نے کہا نا' فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ عدالت میں سچ بولو ورنہ تمہیں تمہارے لاڈلے بیٹے کی لاش بہت جلد پنکھے سے جھولتی ملے گی۔'' پھر ہاتھ ماتھے تک لے کر سلام کیا۔

''پھر ملتے ہیں۔'' اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے بعد ویسا ہی سناٹا چھا گیا۔ الیاس فاطمی اسی طرح بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پہ غصہ بھی تھا' اور تفکر بھی۔ مگر خوف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

فارس اس ہاؤسنگ سوسائٹی کی تاریک اسٹریٹ میں قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا جب جیب میں رکھا فون تھرتھرایا۔ اس نے چلتے چلتے اسے نکالا۔ اسکرین دیکھ کر لب مسکرا اٹھے۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

''جی۔ حکم!''

''کہاں ہو؟'' خفا خفا سا پوچھا گیا۔

''اسی کے ساتھ ہوں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

زمر خاموش ہو گئی۔ پھر لہجہ سرسری سا بنایا۔ ''مجھے پوچھنا تھا کہ.....''

''بڑا اچھا ریسٹورانٹ ہے یہ۔ پہلے بھی آیا ہوا ہوں میں یہاں' مگر آج زیادہ خوبصورت لگ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیوں۔ ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ ''میں تم سے پوچھ رہی تھی کہ تمہاری بلیو والی شرٹ.....''

''یار ویسے بہت اچھا کھانا ہے ادھر کا۔ اور یہ کینڈلز بھی بہت اچھی ہیں۔ یا شاید میرا موڈ اچھا ہے۔ پتہ نہیں کیوں میں کافی انجوائے کر رہا ہوں۔''

''فارس!'' اس نے بمشکل ابلتے غصے کے اوپر بند باندھا۔ ''کل کے لئے تمہارے کون سے کپڑے استری کروانے ہیں؟ اگر تم بتا دو تو میں صداقت کو.....''

''تم ایسے ہی اس لڑکی کو اتنا غلط سمجھتی ہو۔ ایک معصوم سی خواہش تھی اس کی یہاں کھانا کھانے کی۔ اور وہ میں نے پوری کر دی۔''

''اس نے تمہیں وہ ثبوت دیا یا نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''اوہ۔ وہ تو میں بھول گیا۔ اصل میں باتوں میں اتنا مگن ہو گیا تھا کہ...''

''تم!'' زمر کا بس نہیں چل رہا تھا اس کو فون کے اندر سے ہی شوٹ کر دے۔ ''تم آج رات گھر نہ آنا۔''

''مطلب اجازت دے رہی ہو اس کے گھر رکنے کی۔'' سادگی سے پوچھا تھا۔ زمر نے آنکھیں میچ کر کنپٹی سہلائی۔ پھر آنکھیں کھولیں اور تیکھے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تمہارے کپڑے اب میں کوئی استری وستری نہیں کروا رہی۔ خود کرنا۔ ہونہہ۔'' اور فون کھٹ سے رکھ دیا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔

''دو نمبر آدمی!''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب کیا فریب دیجئے اور کس کو دیجئے

اب کیا فریب کھایئے... اور کس سے کھایئے۔

اگلی صبح شہر پہ اتری تو ایسی گرم اور حبس آلود کہ گویا پتھروں کو بھی پگھلا دے گی۔ مقامی چھٹی کی وجہ سے سارہ کو آفس نہیں جانا تھا۔ وہ یونہی سستی سے بستر میں لیٹی رہی۔ اے سی بھی بند نہیں کیا۔ اٹل اور نور کب کی اٹھ چکی تھیں اور یقیناً اس وقت ناشتہ کر رہی تھیں۔ سارہ تکیے پہ سر رکھے چھت کو تکتی رہی۔ رہ رہ کر زمر اور فارس پہ غصہ آ رہا تھا۔ کوئی بھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ سب خود غرض بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی کبھی خفگی سے کسی دور غیر مرئی نقطے کو دیکھتی، کبھی سر جھٹکتی۔ اسے ساری دنیا سے شکایتیں ہو رہی تھیں۔

وہ ست سی صبح قریبی شہروں پہ بھی طلوع ہو رہی تھی، البتہ پشاور کے جس پلازہ پہ سورج اس وقت اپنی ساری حدت برسا رہا تھا اس میں موجود لوگ کہیں سے بھی ست نہیں لگتے تھے۔ زیرِ تعمیر پلازہ کے سیمنٹ زدہ ستون، اور پے در پے منزلوں پہ لگے مٹی اور بجری کے ڈھیر سے ایک طرف نظر ڈالو تو ایک بالائی منزل پہ ہاشم کاردار کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ وہ پلازے کے ایک وسیع و عریض ہال کے دہانے پہ کھڑا تھا جس کی کھڑکی کی جگہ خلا تھا۔ (ابھی چار دیواری، دروازے، کھڑکیاں تعمیر نہیں ہوئے تھے، صرف ڈھانچہ سا ستونوں کے ذریعے کھڑا تھا۔) اور اس وسیع خلا سے گویا نیچے سارا شہر دکھائی دیتا تھا۔

ہاشم نیچے نظر آتے منظر سے بے نیاز، برہم موڈ میں کھڑا تھا۔ نیوی بلیو کوٹ پہنے، بال جیل سے جمائے، وہ ماتھے پہ بل لئے سامنے والے شخص کو گھور رہا تھا جو کان کھجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا کہ ہم آپ پہ اعتماد نہیں کرتے یا آپ کا متبادل ڈھونڈ رہے ہیں۔؟''

"لوگ باتیں کر رہے ہیں۔" وہ دانت پہ دانت جما کر بولا تھا۔

"کاردار صاحب ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہمیں آپ کے ساتھ ہی کام کرنا ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس سعدی یوسف ٹرائل سے آپ کی پوزیشن خراب ہوئی ہے لیکن ہم آپ کے دوست ہیں' آپ کو مشکل سے نکالنے کے لئے ہر ممکن تعاون کریں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ "مجھے اس لڑکے سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کرنا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کوالٹی یہ ہے کہ وہ صرف تھرکول کا انجینئر نہیں تھا' وہ ایک راکٹ سائنٹسٹ تھا' جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میزائل ٹیکنالوجی کے معاملے میں بہت اچھا ہے۔ ایسے لوگ ماچس کی ڈبی سے بھی بم بنا سکتے ہیں۔ مجھے اس کو ٹی ٹی پی کا بم میکر ثابت کرنا ہے' اور آپ کو میری مدد کرنی ہو گی۔"

"ہو جائے گا ثابت' آپ فکر ہی نہ کریں۔ آپ بتائیں آپ کو ہم سے کیا چاہیے۔" وہ پوری ذمہ داری سے اسے یقین دلا رہا تھا.....

سینکڑوں میل دور..... اسلام آباد میں سارہ اپنے کمرے سے بے دلی سے نکلی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں باندھا اور پیروں کو نرم فر کے بنے چپلوں میں گھسیٹتی وہ سست روی سے ڈائننگ ٹیبل تک آئی۔ ذکیہ بیگم پچھلے چند دنوں سے کسی فوتگی کے باعث گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ آج کل میں واپسی تھی۔ ان کے بغیر گھر اداس لگتا تھا۔

ملازمہ اسے دیکھتے ہی ناشتہ پوچھنے لگی۔

"بچوں نے ناشتہ کیا ہے؟" وہ پھلوں کی ٹوکری سے مطلوبہ پھل ڈھونڈتے ہوئے بولی تھی۔

"جی کر لیا تھا۔"

"تو بھی کہاں ہیں؟"

"باہر لان میں کھیل رہی ہیں۔"

"اتنی گرمی میں کون سا کھیل کھیل رہی ہیں؟ ویسے تو سارا دن موبائل اور ٹیبلیٹ ہوتے ہیں ہاتھ میں۔ جاؤ ان کو اندر لے کر آؤ۔" وہ خفا ہوئی تو ملازمہ فوراً باہر کو لپکی۔

سارہ سیل فون پہ انگلی نیچے پھیرتی ای میلز دیکھنے لگی' دوسرے ہاتھ میں سیب تھا جسے وہ کھا رہی تھی' تبھی ملازمہ دوڑتی ہوئی آئی۔

"ڈاکٹر صاحبہ..... ڈاکٹر صاحبہ....." سارہ نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وحشت زدہ بوکھلائی ہوئی ملازمہ ہانپتی کانپتی اس کی طرف آ رہی تھی۔ سارہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ سارے وا ہمے' سارے ڈر درست ثابت ہونے والے تھے۔

"بچیاں باہر نہیں ہیں۔ چوکیدار کہہ رہا ہے وہ ذرا دیر کو باتھ روم گیا تھا' پھر واپس آیا تو بچے نہیں نظر آئے' اس نے سمجھا اندر چلی گئی ہیں۔"

سیب' سیل فون' ہر شے اس کے ہاتھ سے پھسلی تھی۔ وہ اسی طرح باہر بھاگی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' اور سانس رک رک کر آ رہی تھی۔

لان ویران پڑا تھا۔ برآمدہ خالی تھا۔ پورچ میں کھڑا چوکیدار افسوس سے ہاتھ مل رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کچھ تھا بھی نہیں۔ سارہ حواس باختہ سی اس کی طرف بھاگی۔

''کہاں ہیں اِل اور نور؟'' آواز گھٹی گھٹی سی نکلی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح آگے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا بیگم صاحب۔ یہ دیکھیں' یہ گیٹ کے اندر پڑا ملا ہے۔''

سارہ نے تقریباً جھپٹنے کے سے انداز میں وہ کاغذ تھاما۔

''آپ کے بچوں کو آپ کی اجازت کے بغیر لے کر جانے کے لئے بہت معذرت مگر پرسوں کی تاریخ کو یادگار بنانے کے لئے یہ ضروری تھا۔

H''

''اف! پرسوں...تاریخ!'' سارہ کا دل دور اندر ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کی بیٹیوں کو کون لے کر گیا تھا۔۔۔ سب عیاں ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تُو اگر سن نہیں پاتا تو مجھے غور سے دیکھ

بات ایسی ہے کہ دھرائی نہیں جائے گی

مور چال میں بھی وہ صبح سست سی طلوع ہو رہی تھی۔ چھٹی کے باعث ندرت کو ریستوران جلدی جانا تھا اس لئے وہ کچن میں کھڑی حسینہ کو تیز تیز ہدایات دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی پرس میں موبائل اور بٹوہ بھی اڑس رہی تھیں۔

''آج ایک اہم برنچ اور پھر دو سالگرہ کی تقاریب ہیں میں گھر چکر نہیں لگا سکوں گی۔ تم یوں کرنا کہ۔''

ان کی آواز باہر ڈائننگ روم تک آ رہی تھی۔ جہاں زمر لاتعلق سی کرسی پہ بیٹھی چائے کے گھونٹ بھرتی اپنا موبائل دیکھ رہی تھی۔ اور وہ اس کے مقابل کہنیاں میز پہ ٹکا کر بیٹھا مگ ہاتھ میں لئے آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔ پھر دفعتاً وہ کھنکارا۔ وہ نظر انداز کیے رہی۔

''کل رات میں....''

''ابا آپ نے اخبار پڑھ لیا تو مجھے دے دیں۔'' وہ کرسی پہ پیچھے کو گھومی اور لاؤنج میں بیٹھے ابا کو پکارا۔ وہ عینک ناک پہ لگائے اخبار کھولے سر جھکائے جواباً بولے۔

''تم کب سے صبح صبح اخبار پڑھنے لگیں۔ ساری خبریں تو موبائل پہ پڑھ لیتی ہو۔''

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ ''یہ دیکھنا چاہ رہی ہیں کہ شاید میری تیسری شادی کی خبر لگی ہو۔'' جہاں زمر نے مڑ کر اسے گھورا' وہاں ابا نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ فارس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ''مذاق کر رہا تھا۔'' اور ذرا رخ موڑ کر چائے پینے لگا۔ (سارا خاندان ہی....)

دفعتاً اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے عام سے انداز میں موبائل اٹھایا' پھر ذرا ٹھہرا۔ ''سارہ کا فون ہے۔'' ہلکا سا بڑبڑایا۔ زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''شاید وہ witness prep کے لئے آنا چاہتی ہوں۔'' زمر کو اب بھی امید تھی۔

فارس نے موبائل کان سے لگایا اور بشاشت سے ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے اس کے الفاظ سن کر اس کی رنگت بدلی۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ چونک کر زمر کو دیکھا۔ پھر "جی.... جی۔" کرتا اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کسی انہونی کا احساس تھا یا کیا' زمر اس کے پیچھے لپکی۔ جب تک وہ اندر آئی' وہ فون رکھ چکا تھا' اور والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔ چہرے پہ شدید پریشانی تھی۔

"کیا ہوا؟" فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر دبی آواز میں بولا۔

"وارث کی بیٹیاں.... صبح صبح کوئی ان کو لے گیا ہے۔ سارہ بہت رو رہی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس جانا ہوگا۔"

"او میرے اللہ!" اس کا دل دہل گیا تھا۔ "میں ندرت بھابھی کو...." وہ مڑنے لگی تھی کہ فارس نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

"ان کو اور بڑے ابا کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حنین اور اسامہ ویسے بھی سو رہے ہیں۔ خوامخواہ بات مزید بگڑے گی۔ صرف سعدی کو بلاؤ' اور ہم تینوں وہاں جاتے ہیں۔ میں پولیس کو کال کرتا ہوں۔" پھر وہ چابیاں اٹھائے باہر کو لپکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا سانحہ ہوا ہے' یہ آنکھوں کو کیا خبر
منظر نہیں رہا کہ اجالا نہیں رہا

دوپہر کا سورج آگ برسا رہا تھا۔ گویا سب کے دل اندر تک جلا ڈالے تھے۔ لاؤنج میں صرف سارہ کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ ذکیہ بیگم مسلسل اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں' مگر وہ روئے جا رہی تھی۔ زمر سامنے مغموم سی بیٹھی تھی اور سعدی بالکل خاموش' سر جھکائے ہوئے تھا۔ وہ سارہ سے نظریں تک نہیں ملا پا رہا تھا۔

دفعتاً فارس موبائل جیب میں رکھتا اندر داخل ہوا۔

"ہمیں پولیس اسٹیشن جانے کی ضرورت نہیں ہے' پولیس اپنی پوری کوشش کر رہی ہے۔ مختلف جگہوں پہ ناکہ بندی کی جا رہی ہے' سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج کے ذریعے پتہ چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ کس کار میں سوار تھے۔ ایک دفعہ کار مل جائے تو پھر ان کو ڈھونڈنا آسان ہوگا۔" پھر وہ اس کے سامنے بیٹھا جس کی آنکھیں رو رو کر گلابی ہو رہی تھیں۔

"سارہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم ان کو شام سے پہلے ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔"

سارہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "فارس میں اپنے بچوں کے بغیر کیا کروں گی۔ کیا اسے اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟ وہ میرے بچے کیسے لے جا سکتا ہے۔"

"ہاشم سے ہر چیز کی امید کی جا سکتی ہے۔" زمر نے جھرجھری لی تھی۔

"نہیں!" سعدی نے سختی سے نفی میں سر ہلاتے چہرہ اٹھایا۔ "ہاشم کسی کے بچے نہیں اٹھا سکتا۔ ہاشم.... میرا مطلب ہے.... وہ چھوٹے بچوں کو

اس سب میں انوالونہیں کرے گا۔"

"تمہیں اب بھی ہاشم سے امید ہے۔" زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "وہ بچوں کو یتیم کر سکتا ہے' دوسروں کی بہنوں کو استعمال کر سکتا ہے' کسی کے بچے کو ہسپتال سے اغوا کر سکتا ہے' مگر ہاں وہ بچوں کو اٹھوا نہیں سکتا۔"

"پتہ نہیں۔" سعدی نے سر جھٹکا۔

"اس نے نوٹ پہ اپنے نام کا حرف سائن کیا ہے سعدی۔" سارہ روتے ہوئے بولی تھی۔ "اور وہ نوٹ پر محذ ہے' ہم اس سے کچھ ثابت نہیں کر سکتے' مگر وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔" پھر اس نے فارس کو دیکھا۔ "پلیز میرے بچے واپس لا دو مجھے۔ کچھ کرو فارس۔"

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں نا سارہ' وہ شام سے پہلے گھر ہوں گی۔ آپ تھوڑا سا حوصلہ کریں۔" وہ اسے مسلسل تسلی دے رہا تھا۔ سعدی اٹھ کر ایک دم باہر نکل گیا۔ زمر چند لمحے بعد اس کے پیچھے گئی۔

وہ برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھا' دور آسمان کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ بہت اداس لگتا تھا جیسے اس کا بہت کچھ سورج کی حدت میں بھاپ بن کر اڑ گیا ہو۔ کھو دیا ہو۔

"ہاشم ایسا کر سکتا ہے سعدی۔"

"ہاں واقعی۔ اس دنیا میں کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔" سعدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے کھڑی رہی' بیٹھی نہیں۔ اور وہ اسی طرح دور آسمان کو دیکھتا رہا۔

"تو تم نے دو لوگوں کی جان لی تھی!" اس نے موضوع چھیڑا۔ سعدی کے اندر تک اُنی سی اتر گئی' مگر بہت ضبط سے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سیلف ڈیفنس۔"

"ہاشم تم پہ حملہ کروا سکتا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"وہ سب ہاشم نے نہیں اس کی ماں نے کروایا تھا۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔ یہ بات اس کے لئے نئی تھی۔

"وہ مجھ سے خوفزدہ تھیں۔ میرے پاس ایک راز ہے ان کا۔"

"کیسا راز؟" عقب سے آتے فارس نے پوچھا۔ وہ بھی اس بات پہ چونکا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ دونوں نے حیران نظروں کا تبادلہ کیا' مگر سعدی اسی طرح بیٹھا رہا۔

"ابھی بتانے کا فائدہ نہیں ہے۔ اور اس وقت تو قطعاً نہیں۔" پھر اس نے آنکھوں کو انگلیوں سے مسلا۔ "مجھے سارہ خالہ کو کبھی یوں فورس نہیں کرنا چاہیے تھا گواہی کے لئے۔ یہ سب میری غلطی ہے۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں ذمہ دار ہوں اس سب کا..."

فارس نے اکتا کر اسے دیکھا۔ ''?Will you please shutup'' اور واپس اندر کی طرف مڑ گیا۔ ماحول ہنوز بوجھل تھا اور وہ دونوں بالکل چپ کھڑے تھے۔ کہنے کو گویا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی بھی زعم' کوئی بھی دعویٰ نہیں رہا

خود پر مجھے کسی کا بھی دھوکہ نہیں رہا

اس شام قصر کاردار میں رنگ و بو کا سیلاب سا نظر آتا تھا۔ سارے گھر' اور سبزہ زار کے درختوں کو خوبصورت روشنیوں سے سجایا گیا تھا۔ وسیع و عریض لونگ روم اور ڈائننگ ہال میں سونیا کی سالگرہ کی themed party زور و شور سے جاری تھی۔ اگلے ہفتے سونیا کو اسکول ٹرپ کے ساتھ باہر جانا تھا اس لئے سالگرہ آٹھ دن پہلے منعقد کی گئی تھی۔ کیک کٹ چکا تھا۔ مہمان ٹولیوں کی صورت گھر کے اندر ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ احمر کان میں لگے آلے کو درست کرتا سیکیورٹی کے امور کا جائزہ لے رہا تھا۔ غرض معمول کی مصروفیات جاری تھیں۔ ایسے میں جواہرات مسکرا کر چند حضرات کو کہہ رہی تھی۔

''میں یقیناً اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہوں۔ جس کے دو جوان بیٹے اس کے دونوں بازو بنے ہوں، اس کا سہارا ہوں، اور ماشاء اللہ دونوں اپنے بزنس میں سیٹ بھی ہوں، اس سے زیادہ لکی کون ہوگا؟'' تفاخر سے وہ کہہ رہی تھی اور سامنے والے تائید کر رہے تھے۔

ادھر ہاشم دو افراد سے ہنستے ہوئے باتوں میں مگن تھا۔ آنکھ کے کنارے سے وہ آبدار کو بھی دیکھ رہا تھا جو سب لوگوں کے درمیان بھی الگ تھلگ سی کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ وہ بار بار اپنے موبائل کو دیکھتی جیسے بور ہو رہی ہو۔ Aqua تھیم کی پارٹی میں جہاں ہر شخص نے سمندری مخلوق جیسے کپڑے پہن رکھے تھے۔ (کیونکہ سونیا کا نیا کرش finding dori کے ٹریلر کے بعد سمندری مخلوق تھی) آبدار نے nemo کا نارنجی رنگ زیب تن کر رکھا تھا' مگر سر کا رومال سرخ ہی تھا۔ وہ اداس اور بور نظر آتی تھی۔ ہاشم گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کنکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ خود مکمل سفید سوٹ میں ملبوس تھا اور سونی کے پوچھنے پہ اس نے کہا تھا کہ وہ آئس برگ ہے۔ برف کا تودہ جو نیلے سمندر میں سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے۔ نہ پگھلتا ہے نہ ٹوٹتا ہے اور بڑی بڑی کشتیوں کو ڈبو دیتا ہے۔ سونی اسے کافی دیر خاموش ہو کر دیکھتی رہی تھی۔

''میرا میسج ملا آبدار؟'' جواہرات کی آواز پہ آبی چونک کر مڑی۔ سامنے بنی سنوری مسکراتی ہوئی جواہرات کھڑی تھی۔ لباس شارک کے جیسا سلور تھا۔ اور آنکھوں میں بھی ویسی ہی تندہی تھی۔

''مل گیا تھا۔ اور میں نے اس ویڈیو کو تباہ کر دیا ہے۔ مکمل ختم۔ اب کوئی آپ کو اس کے ذریعے بلیک میل نہیں کر سکتا۔ اس لئے بے فکر رہیے۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' جواہرات بظاہر مسکرا کر بولی تھی۔

''تو میں کیا کروں؟'' وہ شانے اچکا کر اکھڑے انداز میں بولی تھی۔

یہاں سے ہاشم کو آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں مگر انداز سارے عیاں تھے۔ وہ ان دونوں کے بیچ کی ساری حدت محسوس کر سکتا تھا۔ سو اپنے مصاحبین سے معذرت کر کے آبی کی طرف آیا۔

''زیڈ۔ تم ٹھیک ہو؟'' نرمی سے اسے پکارا۔ جواہرات اس کی آواز سنتے ہی آگے بڑھ گئی۔ البتہ آبی اسے دیکھ کر جبراً ذرا سا مسکرائی۔

''ہاں۔ بالکل۔'' پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''سونیا کی سالگرہ کی تقریبات کی بہت شہرت سنی تھی کراچی میں۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ میں اس میں شرکت کر رہی ہوں اور۔ کافی لطف اندوز ہو رہی ہوں۔''

''مگر...'' وہ مسکراتے ہوئے اسے غور سے دیکھ کر بولا۔ ''مجھے ایسا لگتا ہے تم بار بار کسی کے میسج یا کال کے انتظار میں ہو۔''

آبی کی رنگت ذرا بدلی، مگر سنبھل کے مسکرائی۔ ''بابا نہیں آئے نا۔ تو سوچ رہی ہوں ان کے آنے کی امید رکھوں یا نہیں۔''

''اچھا۔'' اس نے سر کو خم دیا۔ مگر اسے یقین نہیں آیا تھا.... یہ تڑپ یہ بے تابی سب بہت عیاں تھا۔

دور کھڑی شہرین نے گلاس سے گھونٹ بھرتے ہوئے تیکھی نظروں سے اس منظر کو دیکھا تھا۔ ہاشم ایک نئی اڑان کی تیاریوں میں تھا۔ یوں شہری کا تعلق اس محل سے ٹوٹنے کے قریب تھا۔ یہ شاہزادی اسے کہاں داخل ہونے دے گی دوبارہ؟ اب وہ کیسے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹے؟ اس کا ذہن ناکام قسم کے تانے بانے بن رہا تھا۔ فرسٹریشن ہی فرسٹریشن تھی۔ وہ کیا کرے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں چاہتا ہوں دل بھی حقیقت پسند ہو

سو کچھ دنوں سے میں اسے بہلا نہیں رہا

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ سارہ کے لاؤنج میں بیٹھے افراد کی سوگواریت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کسی نے بتیاں نہیں جلائی تھیں۔ پورچ اور ٹی وی کی روشنی نے ہی کمرے کو مدھم سا روشن، مدھم سا اندھیر کر رکھا تھا۔ ایسے میں فارس بیرونی دروازے سے داخل ہوا تو سعدی بے اختیار کھڑا ہوا۔ سارہ نے بھی امید سے اسے دیکھا۔ اس کے آنسو اب خشک تھے مگر آنکھیں سرخ تھیں۔ ان میں امید بھی تھی اور خوف بھی۔

''کیا ہوا؟ کچھ پتہ چلا۔''

فارس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''کسی نے انہیں جاتے نہیں دیکھا، کسی جگہ نہیں ہیں وہ۔''

سارہ اسے دیکھتی رہی۔ پلکیں گرائیں نہیں۔ بس خشک آنکھیں اس پہ جمائے رکھیں۔ وہ سعدی کو کیس کی پراگریس بتا رہا تھا۔ پولیس کے ناکے، سی سی ٹی وی ٹریل، یہ وہ۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" ایک دم سارہ پھٹ پڑی تھی۔ سب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تم سب ذمہ دار ہو۔" وہ گلابی آنکھوں سے نفرت سے فارس اور سعدی کو دیکھ رہی تھی۔

"تم لوگوں نے میرے بچوں کو ایک اور تجربے کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی لئے نہیں رکھتی تھی میں تم سے کوئی تعلق۔ اسی لئے تمہاری طرف آنا جانا چھوڑ رکھا تھا' کیونکہ تم لوگوں کی وجہ سے میں مصیبت میں پڑوں گی' میرے بچے نقصان اٹھائیں گے۔ تم لوگوں نے دھکیلا ہے ہمیں اس سب میں۔"

لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی کچھ نہیں بول پا رہا تھا۔

"سارہ' وہ بچوں کو نقصان نہیں دے گا' تھوڑا سا صبر کریں' ہم...." فارس نے کہنا چاہا۔

"صبر؟" وہ ایک دم اٹھی' کشن پرے پھینکا اور فارس کو دیکھ کر غرائی۔ "کتنا صبر؟ آٹھ ماہ صبر کروں جیسے سعدی کی ماں نے کیا؟ آٹھ ماہ سے پہلے تو نہیں چھوڑیں گے وہ میرے بچوں کو۔ نہ کوئی کال آئے گی' نہ تاوان مانگا جائے گا۔ میں تو پہلے ہی نہیں دے رہی تھی گواہی' پھر کیوں اٹھایا میرے بچوں کو۔" آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہنے لگے تھے۔ "میں نے تو بار بار کہا تھا سب کو کہ میں گواہی نہیں دوں گی۔ پھر کیوں کی میری گود خالی؟"

"آپ کوئی گواہی مت دیں سارہ' بس دعا کریں' ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے۔" زمر نے کہنا چاہا مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ اب کسی کی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کا غم اب غصے میں بدلنے لگا تھا۔

فارس جو ابھی تک کھڑا تھا خاموشی سے واپس مڑا تو سعدی بول اٹھا۔

"آپ کدھر جا رہے ہیں؟"

"ہاشم سے ملنے۔" وہ سپاٹ سرد سے انداز میں بولا تھا۔

"میں بھی آؤں گا۔" وہ اس کی طرف لپکا تو زمر دہل کر آگے آئی۔

"پاگل ہو تم سعدی؟ اس کے گھر دعوت ہے آج' ایک دنیا ہو گی وہاں۔ تم نہیں جا سکتے ادھر۔ تم اس سے نہیں مل سکتے۔"

"مگر مجھے جانا ہے!" وہ دکھی لگتا تھا۔

"تم یہیں رکو' صرف میں جا رہا ہوں۔ میں نے کہا واپس بیٹھو...." فارس نے سختی سے منع کیا تو سعدی برے موڈ کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا۔

وہ باہر نکلا ہی تھا کہ اپنے پیچھے قدموں کی آواز آئی۔ وہ اکتا کر گھوما۔

"سعدی میں نے بولا ہے نا' تم...." وہ ٹھہر گیا۔ سارہ پیروں میں چپل ڈالتی آنکھیں رگڑتی آ رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"ہرگز نہیں سارہ!" وہ تیزی سے پریشان ہو کر بولا تھا۔ سارہ نے رک کر اسے دیکھا تو آنکھوں سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

"تم مجھے روک سکتے ہو؟ تم مجھے روک سکتے ہو کیا؟"

اور فارس کو احساس ہوا وہ واقعی اسے نہیں روک سکتا۔ وہ اس وقت صرف ایک ماں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یوں پھر رہا ہوں کانچ کا پیکر لئے ہوئے

غافل کو یہ گمان ہے کہ پتھر نہ آئے گا

قصر کاردار کے لونگ روم میں اونچے سروں میں بجتی موسیقی اپنے عروج پہ تھی۔ کھانا کھایا جا رہا تھا۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ ایسے میں اس سب سے بے نیاز نوشیرواں اپنے کمرے میں بے سدھ لیٹا' چھت کو تک رہا تھا۔ باہر کا ماحول اسے بے زار کر رہا تھا۔ وہ تیار تک نہیں ہوا تھا۔ یونہی شب خوابی کے لباس میں لیٹا تھا۔ دراز آدھی کھلی نظر آتی تھی' اور اندر رکھی پڑیاں ملفوف دکھائی دیتی تھیں' گویا سفید پاؤڈر کی طلب سے دراز کھولی مگر بے زاری سے وہیں چھوڑ دی۔ آج اس سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اب کوئی غم یوں مٹانے سے نہیں مٹتا تھا۔ اب کیا دوا کی جائے اس مرض کی؟

نیچے لاؤنج میں آؤ تو ہاشم ایک دفعہ پھر آبدار کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں نے ہاتھوں میں پلیٹیں اٹھا رکھی تھیں اور وہ بات کرنے کے ساتھ کھا بھی رہے تھے۔

"میں... کیس لڑ رہا ہوں۔" اس نے نگاہیں آبی کے چہرے پہ جمائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ آبی نے نگاہیں چرائیں۔

"میں... نکال رہا ہوں اپنے خاندان کو اس میں سے۔" وہ اسے باور کروا رہا تھا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں اب آگے بڑھ چکی ہوں۔" وہ ادھر ادھر دیکھتی ایک دم غیر آرام دہ سی لگنے لگی تھی۔

"مگر یہ سب تم چاہتی تھیں۔" آبی نے آنکھوں میں ایک دم تندی بھر کے اسے دیکھا۔

"لیکن کیا تم نے میرے کہنے پہ یہ کیا؟ ہرگز نہیں۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ تم نے یہ کیوں کیا مگر تم نے مجھے صاف انکار کر دیا تھا' مائی ڈیئر گریم ریپر۔ اور اب تم خود کو اس اسکینڈل سے نکال لو تو بھی کیا۔ تمہاری پارٹی میں اس دفعہ اتنے لوگ نہیں آئے کہ تم لان بھر سکو۔ اور جو آئے ہیں وہ مسلسل ٹرائل کی باتیں کر رہے ہیں۔"

ہاشم کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔ اس سے پہلے کہ وہ بہت ضبط سے کچھ کہتا' کان میں لگا آلہ کچھ بولا۔ ہاشم کے تاثرات اچنبھے میں بدلے۔

"فارس؟ آر یو شیور؟ وہ ادھر کیوں آیا ہے۔" کان پہ ہاتھ رکھ کے وہ کف لنک میں لگے آلے میں بولا تھا۔ وہ جتنا حیران ہوا تھا' آبی اتنی ہی چونکی تھی۔

"فارس آیا ہے؟" وہ بے اختیار بولی تھی۔ ہاشم تیزی سے باہر کو لپکا۔ وہ چند لمحے تو ہکا بکا کھڑی رہی پھر اس کے پیچھے بھاگی۔

گیٹ کے باہر نیچے کو جاتی سڑک پہ کار کھڑی تھی اور دو افراد دروازے کے ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان کے گرد آدھ درجن گارڈز چوکنے سے کھڑے تھے۔ گویا ادھر وہ کوئی حرکت کریں' ادھر وہ انہیں شوٹ کر دیں۔ ہاشم تیز قدموں سے چلتا داخلی چوکی تک آیا۔ اسے دیکھ کر سب اس طرف متوجہ ہوئے۔

''کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟'' گھر کی بیرونی چار دیواری کی بتیوں کے باعث سارا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ ہاشم گیٹ کے قریب آیا اور اسے کھولا۔

فارس اس کے پکارنے پہ اس طرف گھوما۔ ہاشم کے کندھے کی اوٹ سے آبی نے دیکھا۔ وہ رف سی جینز اور پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا اور ماتھے پہ گہری سلوٹیں۔ وہ تیر کی سی تیزی سے ہاشم کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے پکڑا۔

''کدھر ہیں ال اور نور؟ ہاں؟'' وہ غرایا تھا۔ جہاں آبی سن رہ گئی وہاں بہت سی گنز اس کی طرف تن گئیں۔

''Hands off!''

ہاشم نے جھٹکے سے اس کے ہاتھوں کو نیچے جھٹکا۔ اور ایک قدم پیچھے گیا۔ ایک گارڈ نے گیٹ بند کر دیا۔ ایسے میں سارہ بھی گر گیٹ کے قریب آئی۔

ہاشم اب سلاخوں والے دروازے کے پار کھڑا تھا۔ وہ اس سے دو فٹ فاصلے پہ رکی' اور سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے بلند سا غرائی۔

"میرے بچے کہاں ہیں؟"

ہاشم نے کالر جھاڑتے ایک نظر اسے دیکھا' دوسری اپنے کندھے کے پیچھے کھڑی حیران سی آبدار پہ ڈالی۔ پھر چہرے پہ برہمی لاتے ہوئے بولا۔ "مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"ہاشم کاردار... تمہارے آدمی صبح میری بچیوں کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ میں... ان کی ماں... ان کے باپ کے قاتل سے پوچھنے آئی ہوں کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔" وہ چلا کر بولی تھی۔ فارس اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک گارڈ اس کے چلانے پہ برہمی سے اس طرف بڑھنے لگا تو فارس نے فوراً جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک دم سے بہت سی گنز کے لوڈ ہونے کی آواز آئی۔ فارس نے آہستہ ہاتھ باہر نکالا تو اس میں سیل فون تھا۔

"اگر تم لوگوں نے ہمارے ساتھ ذرا سا بھی غلط سلوک کرنے کی کوشش کی تو میں ایک بٹن دباؤں گا اور سوشل میڈیا پہ یہاں کی live feed جانا شروع ہو جائے گی۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کے سامنے تم اور تمہارے بندے آن ائیر ہوں گے' اس لئے بندوقیں... نیچے... کرو۔" وہ جھڑک کر بولا تھا۔ آبی صرف اس کا چہرہ تک رہی تھی۔ وہ ابھی تک سُن تھی۔

"ہوا کیا ہے؟" ہاشم نے بیزاری سے اس کی بات کاٹی' ساتھ ہی گارڈز کو اشارہ کیا' انہوں نے اسلحہ نیچے کر لیا۔

"ہاشم میرے بچے کہاں ہیں؟" وہ پھر حلق کے بل چلائی تھی۔

"میں آپ سے پوچھ رہا ہوں ڈاکٹر صاحبہ کہ ہوا کیا ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

"ہاشم!" وہ ایک قدم مزید آگے آئی' اور ان آہنی سلاخوں کو تھاما جو دونوں کے بیچ حائل تھیں۔ نگاہیں لمحے بھر کے لئے بھی اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر وہ غرائی تھی۔ "تم کیا سمجھتے ہو؟ میں کوئی ڈرپوک عورت ہوں۔ بزدل ہوں؟ تم نے سمجھا کیا ہے مجھے؟ ایک کم ہمت عورت؟ "حقارت سے اس نے سر جھٹکا۔ "ہاشم کاردار' میں وہ عورت ہوں جس کے پیچھے دو ہزار مرد تھر کے ان صحراؤں میں کام کرتے ہیں جہاں تمہارا یہ ائیر کنڈیشنڈ پہ پلنے والا جسم دس منٹ میں پگھل جائے۔ میں وہ عورت ہوں جو میزائل بناتی ہے' bombs بناتی ہے۔ میں اگر محتاط تھی' تمہاری طرف سے مصلحت سے کام لے رہی تھی' تو اس کو تم میری کمزوری مت سمجھنا۔ میری انگلیوں کے چند clicks اور ایک ڈرون کی مار ہے تمہارا یہ سارا محل۔ میں اس قابل ہوں ہاشم کہ تمہیں تمہارے اس محل سمیت زمین بوس کرنے میں مجھے چند کلکس اور ایک ڈرون کی ضرورت ہوگی۔ اور یقین مانو' میرے خلاف کوئی ایف آئی آر بھی نہیں کٹے گی' کیونکہ میں حساس ادارے کی سائنسدان ہوں۔ میرے پاس بہت سی پروٹیکشنز ہیں۔ سو میری بات سنو' اگر...." انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "میرے بچے ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس گھر نہ آئے تو تم دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔"

"Sorry to Interrupt" ہاشم پرسکون سا کھنکھار کر بولا۔ "مگر آپ لوگ یہ ڈرامہ کہیں اور جا کر کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سوشل میڈیا پہ چند hits لینے کے لئے اس طرح کے ناٹک کرنا انتہائی گری ہوئی حرکت ہے۔ میں... بچوں سے جنگ کرنے والا آدمی نہیں ہوں۔" حقارت سے ان کو دیکھا اور پھر ہاتھ جھلا کر اشارہ کیا۔ "ناؤ گیٹ لاسٹ پلیز۔ میں ذرا مصروف ہوں۔" اور واپس مڑ گیا۔ سارہ ابھی تک اونچی آواز میں کچھ بول رہی تھی' شاید وہ بد دعائیں دے رہی تھی۔ فارس اب اسے واپس لے جا رہا تھا مگر وہ غصے سے چلائے جا رہی تھی۔

ہاشم چند قدم چل کر رکا۔ اور چونک کے آبی کو دیکھا۔ وہ پیچھے آتے آتے رک گئی تھی۔ بالکل ششدر۔ گم صم۔

"تم نے ان کے بچے اغوا کر لئے؟" وہ بے یقین تھی۔

"اوہ کم آن۔" وہ کراہا تھا۔ "یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں نے کسی کو اغوا نہیں کیا۔"

آبی نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی اور نفی میں سر ہلایا۔ "سعدی کی دفعہ بھی تم نے یہی کہا تھا۔"

ہاشم چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ اس کے منہ پہ جیسے آبی نے ایک دفعہ پھر تھپڑ دے مارا تھا۔ وہ اس کو تاسف سے دیکھتی آگے بڑھ گئی تھی' اور وہ بالکل منجمد کھڑا رہ گیا تھا۔ برف کے مجسمے جیسا۔ ٹھنڈا اور بے جان۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو بھی آتا ہے بتاتا ہے نیا کوئی علاج
بٹ نہ جائے تیرا بیمار مسیحاؤں میں

سارہ جب واپس گھر میں داخل ہوئی تو وہ کافی تھکی تھکی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس خاموشی سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ رات اترنے لگی تھی اور ساری امیدیں دم توڑتی جا رہی تھیں۔ انہیں آتے دیکھ کر سعدی اور زمر بے اختیار کھڑے ہو گئے تھے۔

''کچھ پتہ چلا؟ کیا کہا اس نے؟'' سعدی نے پوچھا تھا۔ زمر چپ رہی۔ بالکل چپ۔

فارس نے محض نفی میں سر ہلایا۔ سارہ چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گئی۔ گھٹنوں پہ ٹھوڑی جما دی اور خشک آنکھوں سے دور خلاء میں دیکھنے لگی۔ سب خاموش ہو گئے۔ لاؤنج میں عجیب وحشت زدہ سا سناٹا چھا گیا۔ سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی یا خشک آنسوؤں کی۔

''پولیس....'' زمر نے فارس پہ نگاہیں جمائے یک لفظی استفسار کیا۔ اس نے گہری سانس لی۔ ''کچھ معلوم ہو گا تو وہ بتائیں گے۔ ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چلا۔'' زمر بس اسے دیکھتی رہی۔ کچھ بولی نہیں۔ وہ کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

جانے کتنے منٹ گزرے، کتنی گھڑیاں بیتیں جب باہر آوازیں سنائی دیں۔ ہلچل۔ بولنے کی آوازیں۔ گاڑی کے کھلتے بند ہوتے دروازے۔ انجن کے چلنے رکنے کی آواز۔ اسامہ کی آواز۔ فارس تیزی سے اٹھا مگر سارہ اس سے پہلے ہی ننگے پیر باہر بھاگی تھی۔ برآمدے میں آ کر وہ رک گئی۔ گویا منجمد ہو گئی۔

گیٹ سے اسامہ اور نور اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ ساتھ میں مسلسل بولتی جا رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں گفٹ پیکس تھے، اور شاپنگ بیگز بھی۔ سارہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی۔ پھر کوئی سکتہ سا ٹوٹا۔ وہ بھاگی، اور ان دونوں کو خود سے لپٹا لیا۔ ان کے چہرے چھوئے۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ پریشانی سے وہ ان کو جیسے ٹٹول رہی تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟ تم لوگ کدھر تھے؟ انہوں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟'' وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔ بچیاں اس کے انداز سے ایک دم الجھن کا شکار ہو گئی تھیں۔ اور تبھی سارہ کو احساس ہوا کہ گیٹ سے کوئی اور بھی اندر داخل ہو رہا ہے۔ بجلی کی سی تیزی سے اس نے چہرہ اٹھایا۔

''ہم ان کو نقصان کیوں پہنچائیں گے سارہ خالہ؟'' اندر داخل ہوتی حنین بہت برا مان کر بولی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی شاپنگ بیگز اور گفٹ ریپر کی رول شدہ sheets تھیں۔ سارہ نے بچیوں کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ متحیر سی کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے حنین اور اس کے پیچھے آتے سیم کو دیکھا۔

''حنین.... بچے تمہارے ساتھ تھے؟'' پیچھے سے سعدی حیران سا آگے آیا تھا۔ زمر اور فارس ناسمجھی کے عالم میں برآمدے میں ہی رک گئے تھے۔

''ہا!'' سعدی کو دیکھ کر بچیوں نے خوف سے چیخ ماری۔ ''اوہ نو۔''

''آپ ادھر کیا کر رہے ہیں بھائی۔'' حنین پریشانی سے چلائی تھی۔ پھر ان تینوں کزنز نے اپنے ہاتھ میں پکڑے گفٹس کو دیکھا۔ ''سارا سرپرائز خراب کر دیا۔''

''تم... تم لے کر گئی تھیں ان کو حنین؟'' سارہ کے لب بے یقینی سے پھڑپھڑائے تھے۔

''کیا مطلب؟ آپ کو میرا نوٹ نہیں ملا؟ سوری میں نے آپ سے پوچھا نہیں، مگر صبح صبح پروگرام بنا اور ہم لوگ جلدی میں تھے۔ کل بھائی کی سالگرہ ہے نا، ہم نے سرپرائز برتھ ڈے پارٹی کی تیاری کرنی تھی۔ صبح سے شاپنگ کر رہے ہیں اور پھر ریسٹورانٹ کے اوپری ہال کو سجا رہے ہیں۔ اُف پورے دن کی محنت اور سارا سرپرائز ختم ہو گیا۔'' وہ روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی۔

''حنین تم میرے بچوں کو مجھ سے پوچھے بغیر کیسے لے جا سکتی ہو؟'' سارہ حلق کے بل چلائی تھی۔ حنہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ ایک دم سعدی اور سارہ اس پہ ایک ساتھ غصہ کرنے لگے تھے۔

''حنین تم اتنی غیر ذمہ دار ہو۔ حنین تمہیں احساس ہے تم نے کیا کیا ہے۔''

''کیا یار۔ میری کزنز ہیں۔ میں لے جا سکتی ہوں۔ اور امی تھیں ریسٹورانٹ میں ہمارے ساتھ۔ وہ تو آج سگنل نہیں آ رہے تھے، نہ مال میں نہ ریسٹورانٹ میں ورنہ میں کال کر دیتی۔ کیا ہوا؟ آپ لوگ غصہ کیوں کر رہے ہیں؟''

''ماما آج اتنا مزا آیا۔''

''لیکن اب تو سارا سرپرائز خراب ہو گیا۔'' وہ تینوں لڑکیاں ایک ساتھ بول رہی تھیں۔ اور اسامہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

''آپ کو چوکیدار چاچا نے نہیں بتایا؟ شاید یہ اس وقت ادھر تھے نہیں۔ ورنہ ہمارے ساتھ ریسٹورانٹ کا ڈرائیور تھا اور.....''

وہ چاروں بچے، اس وقت بڑوں کے شدید عتاب اور لعن طعن کے زیر اثر تھے۔ وہ الگ روہانسے ہو رہے تھے کہ آپ نے ہمارا سارا سرپرائز خراب کر دیا۔ مگر سارہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ڈانٹے جا رہی تھی۔ اول کو تو اس نے ایک تھپڑ بھی لگا دیا تھا۔ فارس کچھ کہنے کے لئے آگے بڑھا تو زمر نے اسے بازو سے تھام کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ قدرے حیران ہوا مگر اس کے انداز میں کچھ تھا جو وہ اس کے پیچھے آیا۔

لاؤنج میں آ کر وہ اس کی طرف گھومی اور سینے پہ بازو لپیٹ کر تندہی سے اسے دیکھتی بولی۔ ''یہ کیا تھا؟''

''کیا مطلب کیا تھا؟ ایک غلط فہمی تھی۔'' وہ حیران ہوا تھا۔

''پتہ ہے میں صبح سے سوچ رہی تھی کہ تم ایسے بھاگ دوڑ نہیں کر رہے جیسے تمہیں کرنی چاہیے۔ ہر چیز پولیس پہ چھوڑے بیٹھے ہو مگر تمہارے اور سارہ کے جانے کے بعد میں نے ایس پی صاحب کو کال کی، اور پھر متعلقہ تھانے میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے سرے سے پولیس کو کال کی ہی نہیں تھی۔ اور صبح آپ نے مجھے منع کیا کہ میں ندرت بھابھی کو نہ بتاؤں۔ اور ماشاءاللہ تہجد کے وقت سے آپ جاگے ہوئے تھے آج، اور آپ نے بولا کہ حنین اور اسامہ سو رہے ہیں جبکہ وہ تو صبح سے نکلے ہوئے تھے۔ سو میرا نہیں خیال کہ یہ کوئی غلط فہمی تھی۔''

''اچھا، تو مجھے گرفتار کر لیں، پراسیکیوٹر صاحبہ!'' وہ اس کی طرف جھک کر تپانے والے انداز میں بولا تھا۔

''یہ سب تمہارا پلان تھا، ہے نا۔'' وہ دبا دبا سا غرائی تھی۔ احتیاط سے دروازے کو بھی دیکھ لیتی جس کے باہر وہ سب ابھی تک بول رہے تھے۔

''تم سارہ کو اتنا خوفزدہ کر کے کیا کرنا چاہ رہے تھے۔''

"آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ کیوں؟ آپ نے نہیں کہا تھا کہ آپ چاہتی ہیں سارہ گواہی دیں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے بچے اغوا کر لو۔"

"اغوا کس نے کیے؟ وہ اپنے کزنز اور اپنی پھپھو کے ساتھ تھے۔ اور وقت پہ واپس بھی آ گئے۔"

"اگر سارہ کو ٹینشن سے کچھ ہو جاتا تو؟ کون ذمہ دار ہوتا؟" وہ صدمے میں تھی۔ "تم اتنے بے حس کیسے ہو سکتے ہو... وہ تمہارے بھائی کی بچیاں ہیں۔"

"جس سارہ کو میں جانتا تھا' جو وارث کی موت سے پہلے کی سارہ تھی' وہ بہت بہادر اور باہمت عورت تھی۔ مگر اس کے خوف نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ جو ڈوبنے سے ڈرتا ہو نا زمر' اسے پانی میں پھینک دینا چاہیے اور پھر چند ڈبکیاں دے کر نکال لینا چاہیے۔ اس کا سارا خوف زائل ہو جائے گا۔ پھر اسے پتہ چلے گا کہ پانی اس سے زیادہ طاقتور نہیں تھا۔ اور تب ہی اسے کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر کا احساس ہو گا۔ وہ جان جائے گا کہ وہ خود کتنا خطرناک ہے' کتنا بڑا سروائیور ہے۔ میں صرف سارہ کو اس خوف سے نکالنا چاہتا تھا۔"

"تم پاگل ہو گیا؟ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو؟" وہ شدید غصے سے بولی تھی۔ دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ دونوں فوراً سے سیدھے ہوئے۔ سارہ مسلسل برہمی سے بولتی اندر آ رہی تھی۔

"انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ تھا یہ تمہارا حنین۔ اور تم دونوں' کیا تم ماں سے پوچھے بغیر کہیں بھی چلی جاؤ گی؟" وہ ڈپٹ رہی تھی۔ کتنے کتنے خیالات آتے رہے اسے۔ اور وہ شاپنگ کر رہی تھیں؟ سالگرہ کا وینیو سجا رہی تھیں؟ نور نے منمنانے کی کوشش کی (حنہ نے کہا تھا ماما کو نہیں بتانا) مگر اہل نے اسے کہنی مار کے چپ کروایا۔ (گرلز سیکریٹس۔ یو نو)

"ماما سارا سرپرائز خراب ہو گیا ہمارا۔" اہل اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھی۔ سارہ ان کو لے کر آگے چلی گئی تھی' اور سعدی باہر کھڑا ندرت کو فون کر کے ان کی خبر لے رہا تھا۔ ایسے میں حنین ان دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی اور معصومیت سے بولی۔

"سوری' بس وہ سگنلز کا پرابلم رہا آج تو....." زمر نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"ارے ہاں' تم کتنی معصوم ہو' تمہیں تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ یہ جو دو چار آلوں کو جوڑ کر تم لوگ جیمرز بنا لیتے ہو' وہ تو لگائے ہی نہیں ہوں گے تم نے ریسٹورانٹ میں تاکہ سگنلز بند ہو جائیں۔" حنین نے فوراً فارس کو دیکھا' اس نے آنکھوں میں اشارہ کیا۔ وہ پھر سر جھکاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اصل میں زمر....."

"چپ!" وہ گھرک کر بولی تھی۔ سارہ واپس آ رہی تھی۔ اور وہ بیک وقت غصے' ریلیف اور اکتاہٹ کا شکار تھی۔

"کل ہم سالگرہ پہ آئیں گے فارس' لیکن میں....." وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حتمی لہجے میں بولی۔ "گواہی' کورٹ' ٹرائل' ان الفاظ کو سننا بھی نہیں چاہتی دوبارہ۔ میرا نام تم لوگ گواہوں کی فہرست سے خارج کرو' اور آئندہ مجھے کوئی کورٹ سمن نہ جاری ہو' سنا تم نے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" فارس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے بھرپور تسلی دلائی تھی۔ سارہ نے گہری سانس لی۔ "میں کھانا لگواتی ہوں۔ بہت ہی hectic دن رہا آج کا۔ اب بیٹھ جاؤ۔ اس سب کو بھول کر کھانا کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔" وہ جھنجلائی ہوئی سی کچن کی طرف گئی۔

سعدی فون بند کرتا ان کی طرف آیا اور ایک نظر سارہ کو آگے جاتے دیکھا۔ پھر سوالیہ نظروں سے فارس کو دیکھا۔ "کیا کہہ رہی تھیں وہ؟"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ گواہی دیں گی، لیکن ابھی ان سے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔" سعدی تو سعدی، زمر اور حنین نے بھی بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"انہوں نے یہ نہیں کہا فارس!"

"انہوں نے یہی کہا ہے۔ ٹرسٹ می!" اس نے مطمئن سے انداز میں یقین دلایا تھا۔

"اب تو وہ بالکل گواہی نہیں دیں گی، تھینکس ٹو یو۔" غصے سے حنین کو دیکھا۔ "ہمارا سب سے اہم گواہ گنوا دیا ہے تم نے۔" اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

حنین نے ناک سکوڑ کر "ہونہہ" کیا اور فارس کی طرف گھومی۔ "میرا خیال ہے آپ کو تیسری شادی کر ہی لینی چاہیے۔"

"میرا ابھی یہی خیال ہے!" وہ گہری سانس لے کر ملال سے بولا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ "میں ایک فون کر لوں۔" اور موبائل نکالتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماحول میرے گھر کا بدلتا رہا ہو اب
میرے مزاج کا تو ذرا سا نہیں رہا

قصر کی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ جواہرات اپنے کمرے میں بیٹھی زیور اتار رہی تھی۔ شارک کا سلور گاؤن پیروں کو ڈھانپتا فرش پہ پھول کی مانند بکھرا پڑا تھا۔ باہر ملازم کیٹرنگ کا سامان سمیٹ رہے تھے اور گھر کو درست حالت پہ لا رہے تھے۔ ایسے میں ہاشم اپنے کمرے کو جاتی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ انداز میں تکان تھی۔ تبھی اس کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے نکال کر دیکھا تو لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ فارس غازی کالنگ۔

"کل جب میں جج صاحب کو بتاؤں گا تمہاری اس حرکت کا، کہ کیسے تم لوگوں نے میرے گیٹ پہ ڈرامہ مچایا، تو تمہارا کیس مزید خراب ہو گا۔" وہ فون کان سے لگائے مسکرا کر بولتا کمرے میں داخل ہوا۔ اور دوسرے ہاتھ سے کوٹ اتارنے لگا۔

"نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔" فارس غازی مطمئن سا بولا تھا۔ "بلکہ پولیس جو فصیح کے قتل کی انکوائری کر رہی ہے اس کو بھی تم رکوا کے اپنا دعویٰ واپس لے لو گے۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گا فارس؟" اس نے گہری سانس لے کر پوچھا تھا۔

''کیونکہ ایک ثبوت ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ سعدی یوسف نے وہ قتل سیلف ڈیفنس میں کیا تھا۔''

''تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' اس نے کوٹ پرے ڈالا اور حقارت سے بولا۔

''میرے پاس نہیں ہے' واقعی۔ کیونکہ اب وہ تمہارے پاس ہے۔''

''کون سا کھیل کھیل رہے ہو تم؟'' ہاشم بےزار ہوا تھا' مگر وہ چونکا بھی تھا۔

''شاید تم نے اپنی ٹائی پن نہیں دیکھی۔ کیا پارٹی ابھی تک ختم نہیں ہوئی؟''

ہاشم نے بری طرح چونک کے گردن نیچے جھکائی۔ اس کی سلور ٹائی پہ سیاہ ٹائی پن نتھی تھی جو کافی اوپری لگ رہی تھی۔ اس نے تو آج ٹائی پن سرے سے پہنی ہی نہیں تھی تو یہ....؟ اسے فارس کا اپنا گریبان پکڑنا یاد آیا۔

''میں تمہیں یہ فائل ای میل بھی کر سکتا تھا' لیکن وہ کیا ہے کہ احمر شفیع سے خطرہ رہتا ہے' وہ ہر آنے جانے والی میل پہ نظر رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ تم سے زیادہ تمہاری ماں کا وفادار لگتا ہے مجھے' اس لئے مجھے امید تھی کہ وہ اسے تم تک پہنچنے نہیں دے گا۔ لیکن چونکہ میں تمہارا کزن ہوں' اور مجھے تم سے ہمدردی ہے' سو میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ضرور دیکھو۔''

''کیا ہے یہ؟'' وہ سختی سے بولا تھا۔ ٹائی پن اتار کر اب وہ اسے انگلیوں میں ٹٹول کر دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری ماں کا اعمال نامہ!'' اور لائن ڈیڈ ہو گئی۔ ہاشم کے کان سرخ ہوئے' ابرو بھنچ گئے۔ اس نے غصے سے دو چار گالیاں دے ڈالیں گو کہ وہ نہیں سن سکتا تھا' پھر تیزی سے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا' ٹیبلیٹ اٹھایا اور یو ایس بی کا پلگ اس میں گھسایا۔ وہ کوئی پھندا' کوئی وائرس کچھ بھی ہو سکتا تھا' مگر اس کا ماتھا کسی اور شائبے کی بنیاد پہ ٹھنک رہا تھا۔

اسکرین روشن ہوئی اور اس پہ جواہرات کار دار کے آفس کا منظر عیاں ہوا۔ وہ اندر آنے والے کیمرہ مین کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ آواز سے وہ فصیح لگتا تھا۔ ہاشم دم سادھے سنتا گیا۔ اس کا سانس گویا رک چکا تھا۔

''خاور کی زنجیریں کھول دو' اسے سعدی کے ساتھ گھلنے ملنے دو۔ وہ دونوں ہمارے لئے بےکار ہیں' میرا بیٹا یہ بات نہیں سمجھ رہا اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ ہم خود کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ میرا تجربہ کہتا ہے وہ دونوں فرار کا سوچ رہے ہوں گے۔'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جواہرات کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ سارے الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

''مگر ہو سکتا ہے فصیح کہ کسی دن خاور' سعدی کو قتل کر دے اور پھر خودکشی کر لے۔'' اسکرین پہ مسکراتی ہوئی جواہرات کہہ رہی تھی۔ ہاشم اپنی جگہ سے اٹھا۔ ٹیب ہاتھ میں تھا اور ہاتھ گلابی سرخ پڑ رہا تھا۔

''تم کرو گے فصیح! اور اتنی صفائی سے کرو گے ایک رات یہ سب' کہ اگلی صبح ان دونوں کی لاشیں ملنے کے بعد تم یہ کہہ سکو گے کہ تم تو اس جگہ تھے ہی نہیں۔ میرے بیٹے کو خبر بھی نہیں ہو گی۔''

ہاشم کو سانس نہیں آ رہی تھی۔ اس کی رنگت غیظ و غضب سے سرخ پڑ رہی تھی۔ وہ ٹیب ہاتھ میں لئے دھڑ دھڑ زینے اتر رہا تھا۔ بار بار آستین

سے پیشانی صاف کرتا۔ اسے پسینہ بھی آ رہا تھا۔

جواہرات کے کمرے کا دروازہ اس نے جوتے کی ٹھوکر سے کھولا تھا۔ وہ جو سنگھار میز کے سامنے بیٹھی تھی' چونک کر گردن گھمائی۔ حیرت سے اسے دیکھا۔ "تمہیں کیا ہوا؟"

ہاشم نے ٹیبلیٹ اس کے سامنے جا کر پٹخا۔ "یہ کیا ہے ممی؟" اس کے سر پہ کھڑا اسے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔

گردن پہ موسچرائزر ملتے جواہرات کے ہاتھ سست ہوئے۔ اس نے ایک نظر ٹیبلیٹ کی اسکرین پہ چلتی ویڈیو کو دیکھا' اور پھر چہرہ اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

"کیا ہے یہ؟" اس کی رنگت دھیرے دھیرے بجھ رہی تھی۔

"آپ نے فصیح کو حکم دیا تھا ان دونوں کو مارنے کا؟"

جواہرات نے بہت سا تھوک نگلا اور ٹشو نکال کر ہاتھ پونچھنے لگی۔

"میں نے جو بھی کیا تھا' بہت سوچ سمجھ کر تم دونوں کے لئے کیا تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ جب سے آبی کے پاس اس ویڈیو کی موجودگی کا اسے پتہ چلا تھا' وہ خود کو اس لمحے کے لئے تیار کرتی آئی تھی۔

"ممی!" ہاشم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "آپ یہ سب کیسے کر سکتی ہیں؟"

"اگر یہ سب ہو جاتا تو ہم آج اس میس میں نہ ہوتے۔" وہ جواباً جھڑک کر بولی تھی۔ "نہ کوئی گواہ بچتا نہ کوئی ثبوت۔ یہ سب تمہیں کرنا چاہیے تھا مگر تم نے نہیں کیا تو اس خاندان کی حفاظت کے لئے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ اور مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ اپنے خاندان کے لئے مجھے جو ٹھیک لگے گا' میں کروں گی۔"

"آپ نے مجھے دھوکہ دیا۔ آپ نے میری پیٹھ پیچھے اتنا بڑا کام کر دیا۔ ہارون کو راز دار بنایا مجھے نہیں۔" وہ غصے اور صدمے سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سی ٹوٹی کرچیاں تھیں۔

"آپ دھوکے میں اس حد تک جا سکتی ہیں' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

جواہرات کا دل کانپا' مگر وہ بظاہر خود کو سنبھالے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کا بازو تھامنا چاہا۔ "ہاشم' میں نے یہ تمہارے لئے کیا تھا۔"

"ہاتھ مت لگائیں مجھے۔" وہ اپنا بازو پیچھے کرتے ہوئے غرایا تھا۔

"میں نے ممی' آپ لوگوں کے مسئلے حل کرنے میں اپنی خوشیاں اپنی محبت سب کو ثانوی کر دیا ممی' آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا' یوں دھوکہ نہیں دیا' اور آپ..... آپ میرے ساتھ اس حد تک خیانت کی مرتکب ہو سکتی ہیں۔"

"ہاشم میری بات ٹھنڈے دماغ سے سنو۔" اب کے اس کی آواز بھی کانپی تھی۔ آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔ مگر ہاشم نے نفی میں سر ہلایا۔

"سعدی سچ کہتا تھا۔ وہ دونوں جیل سے اس لئے بھاگے تھے کیونکہ آپ ان کی جان لینا چاہتی تھیں۔ اور کیا کیا جھوٹ بولے ہیں آپ نے

مجھ سے؟ کیا میرے باپ کو بھی خاور نے مارا ہے یا خاور کی ڈھال تلے کسی اور کو بچا گئی ہیں آپ؟" وہ حلق کے بل چلایا تھا۔ غصہ' پسینہ' آنکھوں میں اترا خون۔ جواہرات اندر تک دہل گئی۔

"ہاشم! تم اپنی ماں پہ شک کر رہے ہو؟"

"یقین تو اب کبھی نہیں کروں گا آپ پہ۔ کبھی نہیں۔" وہ غصے سے چیخا تھا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھی۔ "ہاشم ایک دفعہ میری بات سنو' میں...."

"میں نے کہا مجھے ہاتھ مت لگائیں۔ اکیلا چھوڑ دیں مجھے۔" غصے سے بازو چھڑاتا وہ باہر نکل گیا۔ جواہرات کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہاشم کا موبائل تھرتھرایا۔

وہ تہی دست' تہی داماں کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کی ساری دنیا لمحوں میں بکھر گئی تھی۔

وہ جو کچہری میں روز سجتی تھی' تو وہ نرا ڈرامہ تھی۔ اصل عدالت تو اب لگی تھی۔ جہاں نہ وکالت چلی تھی' نہ صفائیاں۔ اور وہ سارے فیصلے سنا کر چلا گیا تھا۔ وہ دل تھام کر زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کہتے نہ تھے ہمیشہ رہے گا نہ تاراج
گزرے ہیں چند سال ہی، دیکھا نہیں رہا

اگلی صبح فوڈلی ایور آفٹر پہ ٹھنڈی سی اتر رہی تھی۔ ساری رات بارش ہوتی رہی تھی' اور اس بارش نے گویا ساری زمین دھو ڈالی تھی۔ ریستوران کے اوپری ہال کے شیشے کی دیوار پہ بوندوں کے سوکھ جانے کے نشان اب بھی موجود تھے۔ وہ ہال غباروں اور دیواروں پہ لگے خوبصورت بیک ڈراپ سے سجا تھا۔ میز پہ تحفے' کیک کا بچا کھچا حصہ' برتن وغیرہ رکھے تھے۔ آگے پیچھے بہت سی کرسیاں رکھی تھیں جن پہ وہ لوگ ٹولیوں کی صورت بیٹھے تھے۔ تقریب گویا ختم ہونے کے قریب تھی' اور کھانا کھایا جا چکا تھا۔ خیر کھانا کیا تھا' سنڈے برنچ تھا۔ پرسوں کے بجائے آج ہی کر لی گئی تھی دعوت' یوں اس برس نہ سونیا کی سالگرہ اصل تاریخ پہ منائی گئی نہ سعدی کی۔

ایک طرف دو کرسیاں ترچھی کر کے رکھی تھیں۔ ایک پہ زمر بیٹھی پلیٹ اٹھائے کیک کو کانٹے سے توڑنے میں مگن تھی۔ دوسری پہ فارس ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' سوفٹ ڈرنک کے گھونٹ بھرتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں اس رات...." ذرا کھنکھار کر گویا ہوا۔ "آبدار سے ملنے...." زمر نے نظریں اس کی طرف پھیریں۔ بس اس کے تاثرات دیکھنے کی دیر تھی' وہ سادگی سے بولا۔ "آبدار سے ملنے ہی گیا تھا۔"

"معلوم ہے۔ بار بار کیا جتانا چاہ رہے ہو؟" وہ سخت بیزار ہوئی۔

"نہیں میں تمہارے کپڑے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ اس نے بھی یہی رنگ پہن رکھا تھا۔" اب کے زمر نے مشکوک نظروں سے اسے

گھورا۔ ”پچھلے دو دن میں تم اس کے کپڑوں کے پانچ رنگ بتا چکے ہو مجھے۔ اب تو مجھے اس بات پہ یقین بھی نہیں آ رہا۔ تم سچ مچ گئے بھی تھے یا....“ کچھ سوچ کر مسکرائی۔ ”ہاشم نے دروازے سے ہی بھگا دیا؟“

”ہونہہ۔ اس کی اتنی مجال۔“ وہ بڑبڑا کر گویا برا مانتا ہوا رخ پھیر گیا۔

”ویسے ہے تو وہ تمہارا کزن‘ لیکن ایک بات ہے۔ اس کی کلاس‘ اس کا گریس‘ اس کا مخالف کو مسکرا کر چت کر دینے کا انداز‘ یہ سب تم میں اس جیسا نہیں ہے۔ میں سوچتی ہوں ہاشم اگر اچھا آدمی ہوتا تو میں اس کی سب سے بڑی فین ہوتی۔“ فارس نے سافٹ ڈرنک کا گلاس ہی میز پہ پٹخ دیا اور خفگی سے اسے دیکھا جو معصومیت سے بولے جا رہی تھی۔

”اگر تم نے ہاشم کی باتیں ہی کرنی ہیں تو میں اٹھ کر جا رہا ہوں۔“

”جلتے ہو اس سے؟“ ایک اور سوال۔ وہ جواب دیے بنا اسے گھورتے ہوئے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ زمر مسکراہٹ دبائے کیک کا بقیہ حصہ کھانے لگی۔ اب آیا تھا اصل مزا۔

ان سے ہٹ کر دیکھو تو ایک طرف ٹولی بنا کر حنین اور اس کی دونوں کزنز بیٹھی تھیں اور وی کے نشان بنا کر سیلفی لے رہی تھیں۔ سارہ‘ ندرت اور ذکیہ بیگم بھی خوشگوار موڈ میں گفتگو میں مگن تھیں۔ ایسے میں صرف سعدی تھا جو ایک ٹیبل کے گرد اکیلا بیٹھا موبائل پہ لگا تھا۔ وہ اداس تھا اور خاموش تھا۔ فارس اس کے قریب آ کر بیٹھا تو اس نے محض سر اٹھا کر اسے دیکھا‘ پھر دوبارہ فون کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”پراسیکیوشن آفس سے کال آئی تھی۔ مجھے اب کسی قسم کی انکوائری کے لئے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً ہاشم نے اپنا دعویٰ اور تعاون واپس لے لیا ہے۔ وہ فصیح کی لاش تھی‘ یا گواہوں نے میرے بارے میں کچھ کہا‘ سب واپس لے لیا ہے اس نے۔ تھینک یو۔“

فارس نے محض سر کو خم دیا‘ گویا شکریہ قبول کیا‘ پھر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”مسز کاردار کا کون سا راز ہے تمہارے پاس؟“

”میں اس طرف جانا نہیں چاہتا۔ کچھ راز دوسروں کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔“

”ہم نے ایک فیصلہ کیا ہوا ہے سعدی کہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔“

”میں اس فیصلے کے وقت آپ کے ساتھ نہیں تھا۔“ وہ مغموم سا مسکرایا تھا۔ فارس خاموش ہو گیا۔

پیچھے سے ندرت کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تینوں لڑکیوں کو ظہر کی نماز کے لئے اٹھا رہی تھیں۔

”اٹھتے ہیں نا امی۔“ حنین نے تابعداری سے کہتے ہوئے ایک اور تصویر بنائی۔

”تم لوگ تو جوان ہو۔ جلدی جلدی اٹھ سکتے ہو‘ پھر اتنی دیر کیوں لگاتے ہو؟“ وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ ”جوانی میں دین بائی چوائس ہونا چاہیے‘ بائی چانس نہیں۔ یہ جس جذبے اور دل سے تم لوگ اس عمر میں عبادت کر سکتے ہو نا‘ یہ بڑھاپے میں نہیں ہو گا۔ غلط لگتا ہے تم لوگوں کو کہ بوڑھے ہو کر عبادت کی ساری کمی پوری کر لو گے۔ بڑھاپے میں روز کیلشیم کھانا جوانی کے دنوں کے روز تین گلاس خالص دودھ پینے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ روح بھی ہڈیوں کی طرح ہے۔ جوانی سے اسے عبادت پہ مائل کرو گے تو بڑھاپے میں درد

اور تکلیف کم ہو گی۔"

"اٹھ جاؤ حنہ اس سے پہلے کہ امی یہ مہذب زبان بدل کر اپنی نارمل ٹون میں واپس آجائیں۔" سیم نے حنہ کی طرف جھک کر مشورہ دیا تھا' جو امی نے سن لیا تھا۔ وہ جوتا اتارنے جھکی تھیں۔

"بے غیرت' بے ہدایتے' تجھے تو میں ابھی بتاتی ہوں۔" سیم فوراً نیچے کی طرف بھاگا تھا۔ بہت سے قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"سوری۔ میں کل کچھ زیادہ ہی بول گئی۔" سارہ سعدی کے ساتھ آکر بیٹھی اور نرمی سے بات شروع کی۔ وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ پسِ منظر کی ساری آوازوں سے بے نیاز' وہ اس کے سامنے بیٹھی اب سادگی سے اپنا مدعا بیان کرنے لگی تھی۔ فارس اٹھ گیا۔

"مجھے لگا میں جو کر رہی ہوں' وہ زیادہ بہتر ہے۔ خاموش رہ کر اپنا کام کیے جاؤ' اور اپنے پراجیکٹ کو کامیاب بنا کر کاردارز کو اس مقام پہ شکست دو۔ پازیٹو انرجی سے greater good کے لئے کام کرو۔ مصلحت پسندی' احتیاط' تھوڑی سی بزدلی' یہ سب تھا میرے اندر' مگر مجھے ہمیشہ لگا کہ میں صحیح انتخاب کر رہی ہوں۔"

"سارہ خالہ!" وہ اسی اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ "ویسے تو اللہ کا قرآن سارے کا سارا بہت خوبصورت ہے' لیکن کچھ آیات دل پہ کسی اور ہی طرح سے اثر کرتی ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں میری سب سے پسندیدہ آیت کون سی ہے؟"

اگر حنین سامنے ہوتی تو ہر روز اپنی پسند بدلنے پہ اس پہ دو چار فتوے تو ٹھونک ہی دیتی مگر سارہ مسکرا کر اسے دیکھتی سنتی گئی۔

"سورۃ الاعراف کی 16 اور 17 ویں آیت۔ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت کے باغوں سے دھتکار کر دنیا میں بھیجا اور اسے مہلت دی تو اس نے کہا' جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے آگے ان کے پیچھے ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر کو ان میں سے شکر گزار نہیں پائے گا۔' وہ سانس لینے کو رکا۔ سارہ اسے سنے گئی۔ بالکل توجہ سے۔

"میں سوچتا ہوں' ابلیس جب جانتا تھا کہ اللہ کا راستہ سیدھا ہے تو اس نے کیوں چھوڑا اسے؟ اور اگر چھوڑنا ہی تھا تو اسے سیدھا راستہ بولا کیوں؟ "آپ کے سیدھے راستے پر" بھی کہہ سکتا تھا مگر اس نے کہا' آپ کے سیدھے راستے پہ بیٹھوں گا۔ شاید ابلیس نے مستقیم سے مراد درست نہیں بلکہ straight (سیدھا) لیا ہو۔ سیدھے راستے کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ذرا سا ترچھا چلو تو شروع میں تو بس سیدھی لائن سے ذرا سا فاصلہ پیدا کر لیتا ہے انسان لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتے جاؤ' آپ سیدھی لائن سے مزید دور ہٹتے جاتے ہیں۔ 90 ڈگری کی لکیر سے ایک ڈگری ہٹو تو آگے جا کر آپ سیدھی لائن سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔ پھر آپ کو صراطِ مستقیم والی منزل نہیں ملتی۔ راستہ بدلتا ہے تو منزل بدل جاتی ہے۔ اور اس راستے سے ہمیں ادھر ادھر ہٹانے کے لئے شیطان کئی طریقوں سے ہم پہ حملہ آور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ آگے سے آتا ہے۔ آگے مستقبل ہوتا ہے۔ وہ ہمیں مستقبل کا خوف دلاتا ہے۔ یہ کرو گے تو تمہارا کریئر نہیں بنے گا' تمہاری فیملی کا کیا ہوگا۔" (سارہ کا چہرہ جھک گیا۔) "تمہاری شادی نہیں ہوگی' تم یہ اچھا کام کرو گے تو بالکل anti-social ہو جاؤ گے۔ پھر وہ ہمارے پیچھے سے

آتا ہے۔ ہمیں ماضی کے کام یاد دلا کر ان کے گلٹ میں ایسا مبتلا کرتا ہے کہ ہم کوئی اچھا کام کرنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔ وہ کہتا ہے' تمہارے تو ماضی میں اتنے افیئر رہے' اب تو تمہاری شادی بھی اپنے جیسے بدکردار سے ہوگی۔ تم نے ماں باپ کا اتنا دل دکھایا' اب تو تم بھی ہدایت پا ہی نہیں سکتے۔ تم نے نمازیں چھوڑ دیں' اب تو تم کبھی واپس نیک ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کے بعد وہ دائیں سے آتا ہے۔ ہمیں اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور ہم سے گناہ کرواتا ہے۔ ثواب کا جھانسہ دے کر بدعتیں کرواتا ہے۔ نئے نئے دین میں داخل ہونے والوں کو کہتا ہے اسلام تو ساری خواہشات مارنے کا نام ہے' سو ٹاٹ پہ سوؤ اور روکھی سوکھی کھاؤ۔ جو رشتہ دار حرام کا کھاتا ہے اس سے قطع تعلق کر لو۔ سب سے پہلے ماں باپ کو ان کے گناہوں پہ ٹوکو' ہر وقت دوسروں کے عیوب پہ ان کو نصیحت کرو' اور ایسے کئی غلط کام وہ ہمیں "دین" کہہ کر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان تینوں راستوں کے بعد وہ آتا ہے بائیں سے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ صرف آتا ہی بائیں سے ہے' مگر شیطان کا یہ آخری راستہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیں برے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جھوٹ چوری قتل' فحش کام' یہ سب وہ آخر میں کرتا ہے جب اس کو ہمارے بگڑنے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ وہ ان کاموں سے شروع کبھی نہیں کرتا۔ آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کے پاس بھی وہ "آگے" سے آیا تھا۔ ان کو مستقبل کا ایک دلفریب خواب دکھایا تھا۔ سو شیطان والے کام صرف "غلط" کام نہیں ہوتے' بلکہ مستقبل کا خوف' ماضی کا غم اور نیکی میں انتہا پسندی بھی شیطان کا جھانسہ ہوتی ہے۔"

"تو پھر قصور ہمارا ہوا یا شیطان کا؟" وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"شیطان تو صرف کہتا ہے' کرتے تو ہم خود ہیں۔ ہم سب آپ کو کہتے رہے' گواہی دیں' آپ نے نہیں بات مانی۔ انسان اپنے آپ کو خوب جاننے والا ہوتا ہے۔ لیکن اس سب کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان کے آگے ہم بے بس ہیں۔ کیا آپ نے نوٹ نہیں کیا کہ شیطان نے چار سمتوں کو ذکر کیا ہے۔ آگے' پیچھے' دائیں' بائیں۔ مگر دو راستے اس نے کھلے چھوڑ دیے۔ اوپر اور نیچے کا راستہ۔" اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر ہے دعا کا راستہ اور نیچے...." اس نے نیچے کی جانب انگلی موڑی۔ "نیچے ہے سجدے کا راستہ۔ وہ ان دو راستوں پہ نہیں بیٹھ سکتا۔ جانتی ہیں اس نے اپنے چار راستے کہہ کر کیا کہا اللہ سے؟ اس نے کہا' آپ انسانوں کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔ تو سارہ خالہ' نا سارے مسئلوں کا حل ہے شکر۔ اور شکر کہتے ہیں قدر دانی کو۔ جو کشتی میں بچے رہنے کی عافیت کی قدر کرتا ہے' اسے ڈوبنے کا خوف نہیں ہوتا۔ جو گمراہی کے بعد ہدایت پا لینے کی قدر کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے' ماضی کے گناہ اس کو غمزدہ نہیں کرتے۔ جو اپنے دین کی آسانیوں کی قدر کرتا ہے' شیطان اس کو دین کے نام پہ بہکا نہیں سکتا' اور چونکہ قدر دان انسان دوسرے انسانوں کی ایک خامی کو دیکھ کر اس کی ساری خوبیوں کی قدر کرنا نہیں چھوڑتا' تو وعظ و نصیحت کے نام پہ شیطان اس سے دوسرے انسانوں کے جذبات نہیں مجروح کروا سکتا۔ اور جس کو اللہ کی قدر ہوتی ہے' وہ برے اور فحش کاموں کی طرف نہیں لپکتا کیونکہ ایسی تسکین کا کیا فائدہ جس کو لے کر بندہ اللہ کو کھو دے۔ تو جو قدر کرنا جانتا ہے' جان کی' امان کی' رشتوں کی' دولت اور وقت کی' ذات کی' اس کے اوپر اور نیچے کے راستے کھلتے رہتے ہیں اور وہی اس کی ڈھال بن جاتے ہیں۔ جو ہے' اس کی قدر کیجئے۔ پھر جو نہیں ہے' وہ نہ آپ کو ڈرائے گا نہ غمزدہ

کرے گا۔'' اور یہ کہہ کر وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ ''میں نے اپنے ہاتھوں سے دو لوگ مارے ہیں سارہ خالہ اور یہ کرنے کے بعد میں ماضی کے گلٹ میں اتنی دور تک گھر گیا تھا کہ مجھے لگتا تھا اب میں خود کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکوں گا۔ اور میں سوچتا تھا کہ جو لڑکا میں چند سال پہلے تھا' وہ مجھے اب دیکھے گا کیا سوچے گا؟ مگر سارہ خالہ' وہ لڑکا اس سب سے نہیں گزرا تھا جس سے میں گزرا ہوں' اس لئے میں اب اپنے فیصلوں کی قدر کرنا چاہتا ہوں۔ دو انسانوں کی جان نہیں لی میں نے بلکہ ایک انسان کی' یعنی اپنی جان بچائی ہے ان سے۔ یہ برا کام نہیں تھا۔ میں اپنے غم سے نکل رہا ہوں۔ آپ بھی اپنے خوف سے نکل آئیں۔''

سارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی پہ جمی اس کی نظروں میں ننھے تارے چمک رہے تھے۔ ''میں گواہی دوں گی سعدی!'' وہ ایک عزم سے بولی تھی۔ ''میں سچ بولوں گی کورٹ میں۔ اور میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد ہاشم میرے اور میرے بچوں کے ساتھ کیا کرے گا' لیکن اگر بہت سی ماؤں کے بچوں کو بچانے کے لئے یہ قدم ضروری ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم جگر آزماتے ہیں۔''

''اور اسے تیر آزمانے دیتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا تھا۔ بہت سا بوجھ کندھوں سے ہٹا تھا۔ روشنی بس تھوڑی دور دکھائی دے رہی تھی۔

اب تم ان کو یہیں چھوڑ کر قصر کاردار میں جاؤ تو ڈائننگ روم میں سربراہی کرسی پہ ہاشم بیٹھا اتوار کا لیٹ ناشتہ کر رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی بجھی بجھی سی جواہرات صرف چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ اور دوسری جانب بیٹھا نوشیرواں اچنبھے سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔

''سو آپ ممی سے اس لئے خفا ہیں کیونکہ ممی نے سعدی کو مروانے کا حکم دیا؟ اسی سعدی کو بھائی جسے میں نے گولیاں ماری تھیں' اور آپ نے ہسپتال سے اغوا کروایا تھا۔'' وہ جتا کر بولا تھا۔

''ممی نے مجھے دھوکہ دیا' اور یہ بھولنے میں مجھے کچھ وقت لگے گا۔'' وہ ماں کو نظر انداز کر کے درشتی سے بولا تھا۔ جواہرات کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا۔

''میں نے ساری عمر تم دونوں کے لئے لگا دی اور آخر میں مجھے یہ صلہ ملا۔ بہت اچھا میری بیٹے!'' وہ دکھی صورت بنائے کہہ رہی تھی۔

''یہ victim card کھیلنا میرے اوپر اثر نہیں ڈالتا مسز کاردار۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

جواہرات نے گیلی آنکھوں سے نوشیرواں کو دیکھا۔ ''کیا تم بھی مجھ سے خفا ہو؟ میں نے جو کیا تمہارے لئے کیا۔''

''میرے لئے؟ اگر ایسے سعدی مر جاتا تو کل کو ڈاکٹر سارہ تو یہی گواہی دیتیں نا کہ نوشیرواں نے اسے گولیاں ماری ہیں۔ میں تو قاتل بن جاتا۔ اپنے گناہوں پہ دوسروں کو 'وجہ' بنانے کی بجائے ان کو خود فیس کریں ممی۔'' وہ بھی اکھڑا اکھڑا سا کہہ کر ناشتہ کرنے لگا۔ جواہرات ابھی اسے سخت سست سنانے ہی لگی تھی کہ ہاشم زینے پھلانگتا واپس آتا دکھائی دیا۔ چند کاغذ اور قلم اس نے جواہرات کے سامنے لا پٹخے۔

''ان پہ دستخط کریں۔''

''یہ کیا ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''آپ کمپنی میں اپنے شیئرز میرے نام منتقل کر رہی ہیں' آپ بورڈ آف ڈائریکٹرز سے استعفیٰ دے رہی ہیں' اور آپ اپنے بینک اکاؤنٹس

میں مجھے جوائنٹ ہولڈر بنا رہی ہیں۔ آج کے بعد آپ آفس نہیں آئیں گی' نہ ہی میری اجازت کے بغیر ایک دھیلا بھی خرچ کر سکیں گی۔ اپنی تمام جائیداد کا پاور آف اٹارنی آپ میرے نام منتقل کر رہی ہیں۔" وہ ایک ایک کاغذ کی تفصیل بتاتا گیا۔ جواہرات کا چہرہ سرخ ہوا۔ آنکھوں میں غصہ در آیا۔ آنسو وغیرہ سب عنقا ہو گئے۔

"تم میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتے ہو؟"

"آپ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کے لئے میں زیادہ اہم ہوں یا یہ سب مادی چیزیں تو دستخط کریں اور ثابت کر دیں۔" ہاشم اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ وہ اس کے سر پہ کھڑا تھا' اور جواہرات ششدر سی بیٹھی ان کاغذوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ان کو سائن نہیں کروں گی۔" وہ غرائی تھی۔ "کیا کر لو گے تم' ہاں؟"

"میں یہ کروں گا۔" ہاشم ہتھیلی میز پہ رکھ کر جھکا' پین اٹھایا اور دھڑا دھڑ ان کاغذات پہ دستخط کرتا گیا۔ ہو بہو جواہرات کے دستخط۔ جواہرات کا سانس رک گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔

"تم...."

"تھینک یو ممی۔ آج کے بعد آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کاغذ سمیٹتا سیدھا ہوا اور پلٹ گیا۔ جواہرات نے بے یقینی سے نوشیرواں کو دیکھا۔ "یہ غیر قانونی ہے۔"

"تو گرفتار کروا دیں بھائی کو۔" وہ بھی بیزاری سے بولتا اٹھ گیا تھا۔ جواہرات یک ٹک اس کی شکل دیکھے گئی۔

اس کو جائیداد سے بے دخل کرنے کی پاداش میں جان سے مارا تھا اس نے اورنگزیب کو؟ کیا اس اولاد کے لئے؟ کیا یہ دن دیکھنے کے لئے؟ وہ ششدر سی بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عہد انصاف آ رہا ہے منیر

ظلم دائم ہوا نہیں کرتا

اس دوپہر گرمی کا زور گویا ٹوٹ سا گیا تھا۔ صبح پھر بارش ہوئی تھی اور موسم ٹھنڈا مگر حبس آلود ہو گیا تھا۔ ایسے میں کمرہ عدالت میں بھی گھٹن سی تھی مگر کارروائی اتنی دلچسپ جا رہی تھی کہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ زمر کٹہرے میں کھڑی سارہ سے سوال پوچھ رہی تھی اور فارس پچھلی نشستوں پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ کبھی وہ سارہ کو دیکھتا' کبھی اپنے قریب مگر دوسرے کالم میں بیٹھے الیاس فاطمی کو۔ آج دو اہم گواہ پیش ہوئے تھے اور فارس غازی کافی مطمئن نظر آتا تھا۔

"اور آپ کو یقین ہے کہ وہ کرنل خاور ہی تھا جس نے آپ کے گھر آ کر آپ کو دھمکایا۔" زمر پوچھ رہی تھی۔ کٹہرے میں کھڑی سارہ نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور چہرہ بھی سفید مگر سپاٹ سا لگ رہا تھا۔ نظریں اعتماد سے زمر پہ جمائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی۔وہ وہی تھا۔"

زمر واپس گھومی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔"your witness" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا اٹھا اور اپنے چمکتے ہوئے جوتے فرش پہ آگے بڑھاتا سارہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"ڈاکٹر سارہ...ہم نے آپ کا پورا بیان بہت تحمل سے سنا۔" وہ رسان سے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔"اب آپ سے میں کچھ سوال پوچھنا چاہوں گا تاکہ عدالت خود فیصلہ کر سکے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔کیا آپ جواب دینے میں کمفرٹیبل ہیں؟"

"ایسے ظاہر مت کرو ہاشم جیسے تمہیں میری بہت پرواہ ہے' میرے بچوں کے باپ کو جیسے سنگ دلی سے مروایا تھا' اسی سنگ دلی سے جرح کرو۔میں تیار ہوں۔" وہ رکھائی سے بولی تھی۔ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔"خیر...آگے چلتے ہیں۔" ہاتھ باہم پھنسا کر کٹہرے سارہ کو دیکھتے ہوئے اس نے چہرے پہ سنجیدگی طاری کی۔

"آپ کا کہنا ہے کہ سعدی یوسف کے ساتھ اس رات آپ نے میرے موکل کو دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔یہی تھا۔" سارہ نے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے شیرو کی طرف اشارہ کیا جو سپاٹ شکل بنائے بیٹھا تھا۔آج جواہرات موجود نہیں تھی۔

"جس وقت آپ کے بقول نوشیرواں نے سعدی کو گولی ماری' کیا آپ نے اس وقت اس کے ہاتھ میں پستول کو جھٹکا کھاتے دیکھا تھا؟"

"میں وہیں تھی ہاشم' میں کبھی خوف سے سر اندر کر لیتی' اور کبھی باہر نکالتی' اس کو پستول پکڑے' اس کو بولتے' سعدی کو بوٹ سے مارتے' میں نے سب دیکھا تھا۔"

"ڈاکٹر سارہ جب گولی پستول سے نکلتی ہے تو آگ کا شعلہ سا ساتھ نکلتا ہے اور پستول جھٹکا کھاتا ہے۔میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کیا آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟"

سارہ نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں۔"وہاں کوئی اور نہیں تھا' اور نوشیرواں کی ساری باتیں سنی تھیں میں نے' وہی تھا سعدی کا حملہ آور اور...."

"ڈاکٹر سارہ' آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟ ہاں یا ناں؟" وہ درشتی سے اونچا سا بولا تھا۔زمر نے بے اختیار لب کاٹے تھے۔

"نہیں!" سارہ کی آواز دھیمی ہوئی۔

"او کے بات ختم۔آپ نے نوشیرواں کو گولی چلاتے نہیں دیکھا تھا۔" وہ سر ہلا کر کہہ رہا تھا۔"ڈاکٹر سارہ آپ بائی پروفیشن ایک اہم پراجیکٹ کی ہیڈ ہیں' ایک حساس ادارے کی سائنسدان ہیں' آپ کی انگلیوں کے چند کلکس کی مار ہے ڈرون پروگرام' آپ تو راکٹ سائنٹسٹ ہیں۔آپ جیسی عورت کیوں اتنے ماہ خاموش رہی؟" وہ حیرانی سے کہہ رہا تھا۔

"کیونکہ آپ اور آپ کا خاندان مجھ سے زیادہ طاقتور اور بااثر ہے۔اور چونکہ آپ کے دستِ راست نے مجھے میرے گھر میں گھس کر ہراس کیا تھا اس لئے میں خوفزدہ ہو گئی تھی۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''اچھا اب آپ خوفزدہ کیوں نہیں ہیں؟''

سارہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''اب بھی ہوں۔ بہت زیادہ۔ اگر کیس کا فیصلہ سعدی کے حق میں نہ ہوا تو تم ہمارے ساتھ کیا کرو گے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ لیکن اب میں ڈر ڈر کے بھی تھک چکی ہوں۔ اس لئے میں تمہیں اور تمہارے بھائی کو ان کے منطقی انجام تک پہنچانا چاہتی ہوں۔''

وہ اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے شوہر کی مبینہ طور پہ خودکشی کے بعد ڈاکٹر مہرین وقار سے سائیکولوجسٹ سیشن لیتی رہی ہیں؟''

''ڈیم اِٹ!'' زمر نے سر جھکا کر پیشانی مسلی تھی۔ سعدی نے پریشانی سے اسے دیکھا مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''کبھی کبھار۔ جی ہاں۔ میں بیوہ ہوئی تھی۔ میری جاب تھی۔ بچے چھوٹے تھے اور مہرین میری فرینڈ ہے۔'' سارہ حیران ہوئی تھی۔

''کیا یہ بھی سچ ہے کہ ڈاکٹر مہرین نے آپ کو چند اینٹی ڈپریسنٹ prescribe کیے تھے جو آپ باقاعدگی سے لیتی ہیں۔''

''آج کل کون سا پراجیکٹ ڈائریکٹر سائنسدان یا کون سی کیریئر وومن ہے جو اینٹی ڈپریسنٹ نہیں کھاتی؟''

''آپ اینٹی ڈپریسنٹ لیتی ہیں یا نہیں لیتیں؟''

''ہاں ٹھیک ہے میں لیتی ہوں مگر۔''

''اور اینٹی ڈپریسنٹ کے سائیڈ ایفیکٹس میں paranoia' blurry vision یہ سب شامل ہوتا ہے۔ اس رات بھی آپ کے جسم کے اندر اینٹی ڈپریسنٹ کا مادہ گھلا ہوا تھا۔ نوشیرواں کو گولی چلاتے آپ نے نہیں دیکھا' پھر بھی مصر ہیں کہ وہی مجرم ہے۔ ایک عورت جس کی ذہنی حالت اور بصارت مکمل طور پہ درست نہیں ہے' وہ رات کے اندھیرے میں' جبکہ اس کالونی میں بجلی بھی نہیں تھی' ڈاکٹر سارہ کا کسی کو دیکھ کر پہچان لینا' انتہائی احمقانہ بات لگتی ہے یور آنر۔'' وہ اب جج صاحب سے مخاطب تھا۔ زمر ایک دم کھڑی ہوئی۔

''ہاشم آپ کیسے پتہ؟''

''کیا؟'' ہاشم اس کی طرف گھوما۔

''یہی کہ اس کالونی میں اس وقت بجلی نہیں تھی؟ کیونکہ جب سعدی کو وہاں سے اٹھایا گیا' تب تو بجلی آ گئی تھی' اور اس کالونی کے تمام گھر زیرِ تعمیر تھے' آس پاس کی کئی گلیاں زیرِ تعمیر اور ویران تھیں' وہاں کوئی...؟ تو تھا نہیں تو آپ کو کس نے بتایا کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی؟''

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا تھا' البتہ ہاشم کے اطمینان میں فرق نہیں پڑا۔ ''سعدی یوسف نے اپنے بیان میں کہا تھا شاید۔''

''میں نے اپنے بیان میں ایسا کچھ نہیں کیا۔'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

''بجلی والی بات ہاشم کہیں mention ہی نہیں ہوئی تو آپ کو کیسے معلوم؟'' وہ دوبدو کہہ رہی تھی۔ ہاشم نے ہلکا سا ہنس کر سر جھٹکا۔

''میں اپنا ہوم ورک مکمل کرتا ہوں مسز زمر۔ مجھے معلوم ہے کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی جب نیاز بیگ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا۔''

''تمہارے بھائی نے بتایا ہے تمہیں ہاشم، مان لو۔'' سارہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ جج صاحب کو اپنا ہتھوڑا بجانا پڑا تھا۔ ایک دم شور سا جو اٹھ گیا تھا۔ ایسے میں کافی لطف اندوز ہوتے فارس کے تاثرات بدلے۔ وہ چونک کر بائیں طرف دیکھنے لگا جہاں چند کرسیاں چھوڑ کے ایک شخص آ کر بیٹھا تھا۔ اس نے نسواری رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا' آنکھوں پہ لیاقت علی خان کے جیسا چشمہ لگایا ہوا تھا اور بال گیلے کر کے سر پہ جمے تھے۔ ہاتھ میں ایک لائٹر تھا جسے وہ بار بار کھول بند کر رہا تھا۔ نشست سنبھال کر وہ اب تسلی سے ساری کارروائی ملاحظہ کر رہا تھا۔

فارس فوراً اپنے فون پہ جھکا۔ ''یہ آدمی کون ہے؟'' لکھ کر احمر کو بھیجا۔ ہاشم کی نشست کے قریب بیٹھے احمر کی جیب تھرتھرائی تو اس نے فون نکالا اور ذرا ترچھا ہو کر میسج دیکھا۔ پھر آہستہ سے گردن موڑی اور پچھلی نشست سے پکھا اٹھا کر اپنے سامنے رکھا۔ ایک بھرپور نگاہ نوارد پہ بھی ڈال دی۔

''کوئی رپورٹر ہو شاید۔''

''اس کی تصویر لے کر بھیجو میں پتہ کرواتا ہوں۔ رپورٹر نہیں ہے۔ رپورٹرز تو اس جانب بیٹھے ہیں۔''

''راجر باس!'' احمر نے چند منٹ بعد اسے اپنی ایک سیلفی بھیجی جو اس نے ابھی ابھی اتاری تھی۔ پیچھے وہی شخص نظر آ رہا تھا۔ فارس نے وہ تصویر ایک نمبر پہ سینڈ کی اور ساتھ لکھا۔ ''یہ شخص کون ہے؟ اس کی تصویر فیشل recognition میں ڈالو۔ اور اس سے منسلک کوئی پاسپورٹ یا شناختی کارڈ ملے تو مجھے بھیجو۔'' ساتھ میں وہ گاہے بگاہے اس شخص پہ بھی ایک الجھی ہوئی نظر ڈال لیتا تھا۔ کون ہو سکتا تھا یہ؟

''شاید وہ پاسپورٹ اور میموری کارڈ...'' وہ بار بار کچھ سوچتا' پھر نفی میں سر ہلاتا۔ پھر بمشکل اس نے دھیان سامنے جاری کارروائی کی جانب مبذول کیا۔ سارہ اب اتر آئی تھی اور الیاس فاطمی کٹہرے میں کھڑا تھا۔ گردن کو اکڑا کر سیدھا اٹھائے وہ رعونت سے زمر کو دیکھ رہا تھا جو کاغذات کا پلندہ لئے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''فاطمی صاحب' ہاشم کاردار سے آپ کا کیا تعلق ہے؟''

پیچھے کرسی پہ بیٹھا ہاشم تھوڑی تلے ہاتھ رکھے اب دلچسپی اور غور سے جاری مکالمہ دیکھ رہا تھا۔

''میرا ان صاحب سے کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔'' زمر جو مصروف سے انداز میں اگلا سوال پوچھنے جا رہی تھی' بے اختیار رکی۔ جیسے حیران ہوئی ہو۔ لاجواب ہوئی۔ جیسے وہ اس جواب کی توقع نہ کر رہی ہو۔ اس نے مڑ کر فارس کو دیکھا جو اب سیدھا ہو کر بیٹھا تھا اور خفگی سے فاطمی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ ذاتی طور پہ ہاشم کاردار کے دوست نہیں ہیں؟ کیا آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوتی رہتی؟'' اس کے انداز میں بے چینی سی تھی۔

''نہیں میں ان صاحب سے یکسر ناواقف ہوں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے وکیل صاحبہ کہ میری ان سے ملاقات ہوتی رہی ہے؟''

''فاطمی صاحب کیوں جھوٹ بول رہے ہیں؟ آپ نے خود ہمیں یہ معلومات دی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ پچھلے ایک سال میں آپ اور ہاشم ان مقامات پہ ان تاریخوں میں ملے تھے؟'' وہ اب ایک کاغذ ہاشم کے سامنے رکھتے ہوئے چند تاریخیں بتا رہی تھی۔ ہاشم نے کاغذ اٹھا کر غور سے پڑھا پھر نظریں اٹھا کر اتنے ہی غور سے فاطمی کو دیکھا۔

''یہ غلط ہے۔ اور میں نے آپ کو کوئی معلومات نہیں دیں۔''

''مگر آپ نے خود ہمیں بتایا تھا کہ آپ کے بیٹے کا spyware استعمال کر کے کرنل خاور نے اس کیس کی اہم سی سی ٹی وی فوٹیج مختلف اداروں کے ریکارڈز سے مٹائی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟''

''میرے بیٹے کا ایسا کوئی سافٹ ویئر نہیں ہے۔ یہ سب الزام ہے۔'' زمر نے پلٹ کر پھر سے بے بسی سے فارس کا دیکھ کر شانے اچکائے جیسے وہ سخت خفا ہو۔ وہ بس تند و تیز نظروں سے فاطمی کو گھورے جا رہا تھا۔

''اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہاشم نے اس کیس میں گواہی نہ دینے کے لئے آپ کو caymans میں ایک نیا اکاؤنٹ کھلوا کر دیا تھا اور ...''

''آپ کے پاس کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔ آپ لوگ صرف شہرت کے طالب ہیں۔'' وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ زمر فوراً تیزی سے جج صاحب کی طرف رخ کر کے بولی۔ ''یو آنر میں الیاس فاطمی کو بطور ایک پراسیکیوشن witness give up کرتی ہوں۔ فاطمی صاحب آپ جا سکتے ہیں۔''

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا جو اب بھی بہت غور سے اس سارے تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ زمر کی پریشانی اس کا واپس جا کر سر جوڑے سعدی سے گفتگو کرنا' دونوں کا جھنجلاہٹ سے نفی میں سر ہلانا' پیچھے بیٹھے فارس کا فاطمی کو گھورنا۔ وہ ایک ایک مائیکرو ایکسپریشن دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے الیاس فاطمی ان سے ملا ہوا ہے اور مکر رہا ہے۔'' احمر نے اس کے قریب سرگوشی کی۔ ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ''نہیں۔ وہ ان کے ساتھ نہیں ملا ہوا۔ یہ سب اداکاری کر رہے ہیں۔ مجھے یہ امپریشن دے رہے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہے ہیں۔ یہ معلومات ان کو میرا کمپیوٹر وغیرہ ہیک کر کے آسانی سے مل گئی ہوں گی۔ رہی آخری اکاؤنٹ والی بات تو ہو سکتا ہے وہ تم نے ان کو بتائی ہو۔'' مسکرا کر احمر کو دیکھا۔ وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہیں سکا تھا۔ ''سر میں آپ کے والد کے ساتھ۔''

''میرا والد مر چکا ہے' اور میں آئندہ سے اپنی gut feeling پہ بھروسہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں پر یقین نہیں ہوں کہ تم تھے یا نہیں' لیکن تم فائرڈ ہو۔ اپنا سامان اٹھاؤ اور آج کے بعد مجھے میرے گھر یا میری ماں کے گرد بھی نظر نہ آؤ۔'' مسکرا کر مگر چبا چبا کے کہتا وہ احمر پہ گویا ٹھنڈا پانی ڈال گیا۔ احمر بالکل شل بیٹھا رہ گیا۔ ہاشم نے چہرہ واپس جج صاحب کی طرف موڑ دیا تھا۔ اس کے انداز کی سختی اور قہر ... احمر اپنی چیزیں ابھی سے سمیٹنے لگا تھا۔

الیاس فاطمی اب کٹہرے سے اتر کے نیچے آ گیا تھا اور کرسیوں کے ساتھ سے گزرتا دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جس لمحے وہ فارس کی کرسی کے قریب آیا' لمحے بھر کو ٹھہرا۔ فارس نے صرف خشمگیں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ اسے اتنی ہی تندہی سے گھور رہا تھا۔

''تم میرے بیٹے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ یہ ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں نہ تم اس کا پیچھا کر سکتے ہو' نہ اس کو بال برابر نقصان پہنچا سکتے ہو۔'' گھمنڈی انداز میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ کمرۂ عدالت سے نکل کے وہ راہداری میں چلتا جا رہا تھا جب اسے اپنے پیچھے مانوس آہٹ کا احساس ہوا۔ فاطمی پلٹا تو دیکھا فارس اس کے عقب میں کھڑا ہے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ عدالتی کمرے والے تاثرات کے برعکس بالکل پرسکون سا لگ رہا تھا۔

''کیا ہے؟''

''میں قاتل نہیں ہوں' نہ میں تمہارے بیٹے کو مارنا چاہتا تھا۔''

''اچھا۔ اور کچھ؟'' وہ خشک سے انداز میں بولا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''میرا ایک بھائی تھا الیاس صاحب' اور وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ وہ سچ بولتا تھا۔ ایمان داری سے اپنا کام کرتا تھا۔ لیکن پھر اس کو اس دنیا سے جانا پڑا۔ اس کو پنکھے سے لٹکا کر' ہاتھ پاؤں باندھ کر' اس کی گردن توڑی گئی کیونکہ تمہارا بیٹا' تمہارا لاڈلا بیٹا ایک مہنگی کار کا خواہشمند تھا۔'' وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی اور اس میں زمانوں کا دکھ سمویا تھا۔ ''اس کا نازنخرہ اٹھانے والے باپ نے میرے بھائی کو بیچ دیا' اور کار خرید لی۔ یہ سب کچھ.... آج جہاں ہم ہیں اور جہاں تم ہو' یہ سب تمہارے بیٹے کی ایک کار کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کی ایک اندھی خواہش کی وجہ سے۔ تو سزا تو اس کو بھگتنی ہوگی۔''

''تم.... میرے خاندان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ اب اس ملک میں نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ وہ امریکہ پہنچ چکا ہے۔ وہی امریکہ جس کی ریاست ورجینا میں اس کی کمپنی کا ڈیٹا سینٹر موجود ہے۔'' اب کے وہ مسکرایا تھا۔ لمحے بھر کو فاطمی سمجھ نہ سکا' کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''میں اس کو مارنا نہیں چاہتا تھا' وہ بس بہت عرصے سے امریکہ واپس نہیں جا رہا تھا' میں صرف اسے واپس بھیجنا چاہتا تھا تاکہ جب غیر قانونی سپائی ویئر کے لئے امریکی مٹی استعمال کرنے پہ ایف بی آئی اس کو گرفتار کرے تو وہ امریکہ میں موجود ہو۔ جس وقت تم اپنی گواہی دے رہے تھے' اس سے تین گھنٹے پہلے تمہارا بیٹا گرفتار ہو چکا ہے۔ چند گھنٹوں میں تم تک آفیشل خبر بھی پہنچ جائے گی۔ ایف بی آئی کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی tip کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔''

''واٹ دا....'' الفاظ اس کے لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ وہ بالکل سُن سا فارس غازی کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ فارس دو قدم آگے آیا' ہمدردی اور تاسف سے فاطمی کے شانے کی گرد جھاڑی' پھر اس کی ٹائی کی ناٹ ذرا سی' نادیدہ سلوٹ ہاتھ پھیر کے دور کی' اور اسی ملال سے کہنے لگا۔

''وہ تمہارا اکلوتا بیٹا ہے اور فیڈرک کورٹ میں اس پہ ایک طویل مقدمہ چلنے والا ہے۔ اس کا مسلمان ہونا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہو

گا۔اب تمہیں وہاں جانا ہوگا' یہاں سے استعفیٰ دے کر' اور وہ ساری دولت جو تم نے میرے بھائی کو بیچ کر بنائی تھی' الیاس فاطمی اب تم اس کی

ایک ایک پائی جوڑ کر امریکہ کے مہنگے وکیلوں کی فیسیں بھرنے میں لگے رہو گے۔اور اس کے بعد بھی اس کے رہا ہو جانے کی امید کم ہوگی۔ سو اب تم اپنے آفس جاؤ اور وہ کرو جو میں نے کہا تھا۔" اس کے کان کے قریب چہرہ لے جا کر وہ دھیرے سے بولا۔"اپنا استعفیٰ لکھوالیاس فاطمی! مجھے تمہارا استعفیٰ چاہیے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو' بکواس کر رہے ہو۔ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔وہ غصے سے اس پہ غرایا اور پھر موبائل نکالتا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔اب وہ پریشانی سے کسی کو کال ملا رہا تھا۔اس کی رنگت بدل رہی تھی' اور وہ بار بار بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتا تھا۔ پسینے کے ننھے قطرے اس کی پیشانی پہ بکھرے تھے اور فارس غازی سینے پہ بازو لپیٹے' ملال سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔اسے لگا تھا کہ وہ یہ منظر دیکھ کر اچھا محسوس کرے گا۔

اور وہ کچھ بھی محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیوں دل جلائیں کر کے کسی سے بھی اب سخن

جب گفتگو کا کوئی سلیقہ نہیں رہا

وہ شام جب شہر پہ اتری تو اس میں بارش کے بعد کی گیلی مٹی کی سوندھی سی خوشبو رچی بسی تھی۔ایسے میں سعدی یوسف فوڈلی ایور آفٹر کے نیچے والے ریسٹورانٹ ایریا میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا' اور سامنے لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔کل سے اپنی جاب پہ واپس جانا تھا اور وہ اس وقت اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ریسٹورانٹ کے باہر اب ایک اور لڑکا پھولوں کا اسٹال لگاتا تھا۔گل خان اور اس کا خاندان دو ماہ قبل بہت سے افغان باشندوں کے ساتھ ڈی پورٹ کر دیا گیا تھا۔سعدی کام کرنے کی بجائے کتنی دیر باہر نظر آتے ان پھولوں کو دیکھتا رہا تھا۔پرانے لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے' نئے لوگ آ رہے تھے' اور ہر گزرتے دن ہم سب بھی تو ایک نئے انسان میں ڈھلتے جاتے ہیں۔وہ انسان جس کو بعض دفعہ پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ایسا انسان جس کے بارے میں ہمیشہ سوچا تھا کہ ہم یہ تو نہیں بنیں گے۔مگر قسمت کے آگے سب بے بس تھے۔

اونہوں۔غم نہیں کرنا۔سعدی نے نفی میں سر ہلا کر خود کو ٹوکا۔پھر کام کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہی۔مگر فون بجنے لگا۔اس نے اٹھا کے دیکھا۔ایک نیوز چینل کے رپورٹر کی طرف سے پیغام آیا تھا کہ آٹھ بجے والے شو میں اس کو لائیو لائن پہ لیں گے۔اسے عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں' اس موضوع پہ بات کرنی ہوگی۔

چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا اداسی سے اس پیغام کو دیکھے گیا۔کیا عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا' اپنے اور اپنے خاندان والوں

کوسر عام رسوا کرنے کا'ان کو کتنے لوگوں کی بندوقوں کی تان پہ لے آنے کا کوئی فائدہ تھا؟ کیا ساحرو کلاء کے دلائل کا کوئی توڑ تھا؟ سچ اور حق پہ ہونے کے باوجود کیس مسلسل ہارنے کی پوزیشن میں ہونا' اور اپنے ہر ثبوت کا ہاشم کے ہاتھوں مشکوک بنائے دینا۔ کیا اس سب سے نجات کا کوئی راستہ تھا؟

اس کے پاس ان سوالوں کے کوئی جواب نہ تھے۔ اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا اور لیپ ٹاپ کی طرف توجہ مبذول کر دی۔ اسے خاموشی سے اپنا کام کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہجر ہے میرے چار سو ہجر کے چار سو خلا

میں بھی نہیں میرے قریب، تیرا تو خیر ذکر کیا!

ڈاکٹر اسمعیل حسن اپنے گھر میں بنی چھوٹی سی لائبریری میں اس وقت بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے مطالعے کے لئے چند کتب کھلی تھیں اور وہ بہت انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھے جب ان کی بیٹی نے اندر جھانکا۔

''بابا...'' انہوں نے سر اٹھایا۔ وہ سفید داڑھی اور صاف ستھری شلوار قمیص پہنے' شفیق اور مہربان چہرے والے انسان لگتے تھے۔ بیٹی کو دیکھ کر مسکرائے۔ ''جی بیٹا؟''

''میرا ایک پرانا کلاس فیلو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ قدرے متذبذب تھی۔ ''لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کو جج نہ کریں۔ وہ آج کل پوری دنیا میں اتنا تماشا بنا ہوا ہے کہ بہت مشکل سے میں نے اس کو راضی کیا کہ وہ آپ سے بات کر لے۔'' وہ ان کو سمجھا رہی تھی۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ نوجوان اندر داخل ہوا تھا۔ ڈاکٹر اسمعیل نے اسے ایسے دیکھا جیسے ہر نئے ملنے والے کو دیکھتے تھے۔ مسکرا کر اٹھے اور اسے خوش آمدید کہا۔ وہ متذبذب لگتا تھا۔ لباس اچھا تھا اور بال اوپر اسپائکس کی صورت ابھار رکھے تھے۔ آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے۔ کلائی میں چند بینڈز پہن رکھے تھے۔ وہ اسی تذبذب سے ان کے سامنے بیٹھا تو انہوں نے پوچھا۔ ''کیا نام ہے آپ کا؟''

''نوشیرواں کاردار۔'' اس نے جھجک کر بتایا۔ ''ٹی وی پہ ذکر تو سنا ہوگا آپ نے میرا۔'' ذرا تلخی سے بولا۔

''نہیں میں نے واقعی آپ کا ذکر نہیں سنا۔ نوشیرواں آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے' آپ مجھے بتائیں۔ شاید میں کوئی مدد کر سکوں۔''

اس نوجوان نے سر جھکا دیا' پھر کان کھجایا۔ پھر اسی طرح بولا۔ ''میں نے ایک گناہ کیا ہے۔''

''اگر گناہ راز ہے تو اسے راز رہنے دیں۔'' انہوں نے اسے روکا مگر وہ چہرہ اٹھا کر تلخی سے بولا۔ ''بچے بچے کو پتہ ہے' میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔ پھر میرے بھائی نے اسے اغوا کیا اور اس سے پہلے میرے بھائی نے....''

''آپ مجھے وہ بتائیں جو آپ نے کیا ہے۔ بھائی کو چھوڑیں۔''

وہ ٹھہرا۔ پھر نظریں ان پہ جمائے ذرا مدھم آواز میں بولا۔ ''میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔''

''وہ مر گیا؟''

''نہیں بچ گیا۔''

''آپ کیا چاہتے تھے؟ کہ وہ مر جائے۔''

''پتہ نہیں۔ میں اسے...''

''پتہ ہوتا ہے سب انسان کو۔ آپ کیا چاہتے تھے؟''

''میں اسے اذیت دینا چاہتا تھا' شاید معذور کرنا چاہتا تھا۔ مارنا بھی چاہتا تھا۔ میں سب کچھ چاہتا تھا۔''

''اب وہ کیسا ہے؟ انہوں نے دھیمے انداز میں پوچھا تھا۔

''وہ میرے ساتھ مقدمہ لڑ رہا ہے۔''

''آپ نے اعتراف جرم کیا۔''

''نہیں کر سکتا۔ قانون کی محبوب اولاد ہوں' خاموش رہنے کا حق ہے مجھے۔''

''اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں اس سب سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز میں کرب در آیا۔ ''میں نادم ہوں۔ شرمندہ ہوں۔ دکھ میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ مجھے معاف کر دے۔''

''ایسے جرائم میں توبہ پکڑے جانے سے پہلے ہوتی ہے' پکڑے جانے کے بعد معافی ہوتی ہے۔ اور چونکہ مقدمہ چل رہا ہے تو فیصلہ آنے کے بعد یا تو آپ کو اپنی سزا بھگتنی ہوگی یا آپ کو اس سے معافی مانگنی ہوگی۔''

''میں سزا نہیں بھگت سکوں گا۔''

''معافی مانگ سکتے ہو؟''

''مجھے نفرت ہے اس سے۔''

''محبت کرنے کو کہہ بھی نہیں رہا۔ کسی کو معاف کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو گلے سے لگایا جائے' اس کو دوست بنا لیا جائے۔ صرف ایک عہد کرنا ہوتا ہے کہ جو اذیت اس نے مجھے دی وہ میں نے اس کو نہیں دینی۔ اور اگر دوبارہ اس پہ ظلم کرنے کا موقع آئے تو اب میں نے وہ نہیں کرنا جو پہلے کیا تھا۔''

''کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟'' اس کی آنکھیں گیلی ہوئیں۔ وہ اس وقت شدید بے بس نظر آ رہا تھا۔ ''میں نے اس کی زندگی تباہ کر دی۔''

''اگر آپ اللہ سے معافی مانگیں تو اللہ لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کے لئے رحم ڈال دیتا ہے۔ آپ کے اندر ایک اچھا انسان ہے اور

آپ کو اسے باہر نکالنا ہے۔"

"سوری مگر یہ pep talk مجھے نہ دیں۔ میرے اندر کوئی اچھا انسان نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان بچانے والے دوست کو گولی ماری۔ اپنے بھائی کی بیوی پہ نظر رکھتا تھا میں۔" وہ زہر خند سا گویا ہوا۔ آنکھیں اب تک گیلی تھیں۔

"نوشیرواں یہاں ہر کوئی گناہگار ہے۔ گناہ کرنا' پھر توبہ کرنا' پھر گناہ کرنا پھر توبہ کرنا پھر گناہ پھر توبہ.... یہ مومنین کے اخلاق میں سے ہے۔ اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ کرتے ہیں اور برے وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ نہیں کرتے۔"

"یعنی دونوں برابر گناہ کرتے ہیں۔ تو پھر اچھے لوگ جنت وغیرہ میں کیسے جائیں گے؟"

"جنت میں ہمیں ہمارے اعمال نہیں اللہ کی رحمت لے جائے گی۔ اللہ پہ توکل لے جائے گا۔ توکل ہوتا ہے اللہ سے اچھی امید باندھنا۔ اگر آپ کے گناہ بڑے ہیں تو آپ کو مایوس نہیں ہونا۔ ہر چیز معاف ہو سکتی ہے اگر آپ معافی مانگیں۔ بڑے گناہوں کے بعد بڑی نیکیاں کریں۔ بڑے بڑے اچھے کام۔ یوں آپ کے گناہ دھل جائیں گے۔"

"اور کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"جب آپ اپنے دوسرے گناہ دھوتے جائیں گے' اور اللہ سے معافی مانگیں گے تو اس کا دل بھی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا' وہ اسے آپ کی طرف سے پھیر دے گا' لیکن اس سے پہلے آپ کو اچھے کام کرنے ہوں گے۔ ایسے اچھے کام جو آپ کے چہرے کی ساری کالک دھو دیں۔"

"مثلاً کیا؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟" وہ الجھ گیا تھا۔ اسے دور دور تک کوئی ایسی نیکی نظر نہ آتی تھی جو اسے اپنا لائق سمجھے۔ وہ جواب میں گہری سانس لے کر اسے سمجھانے لگے تھے۔ انہیں وہ لڑکا بھلا معلوم ہوا تھا اور وہ اس پہ کچھ وقت صرف کرنا چاہتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائے' وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ فون پہ الیاس فاطمی کے لاتعداد پیغام اور کالز کو وہ مکمل طور پہ نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ وہ اس شخص سے کسی بھی قسم کا تعلق فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

"سر!" رئیس نے اندر جھانکا۔ ہاشم چونک کر سیدھا ہوا' پھر اسے بلایا۔

"عدالتی سماعت کا وقت ہونے والا ہے۔ لیکن اگر آپ کے پاس چند منٹ ہوں تو...." وہ ایک موبائل ہاتھ میں لئے اندر آیا۔ "آپ نے کہا تھا کہ آپ کو مس آبدار کا موبائل چاہیے۔ ان کے ایک ملازم نے یہ کام کر دیا ہے۔ ہو بہو اس سے جیسا موبائل ری پلیس کر دیا ہے' مگر وہ ڈیڈ ہے۔ اور یہ میں آپ کے لئے لے آیا تھا۔ پاسورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا۔" اس نے موبائل ادب سے اس کے سامنے رکھا۔ ہاشم نے ہاتھ جھلا کر اس کو واپس جانے کو کہا اور پھر موبائل اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسکرین روشن کی۔

واٹس ایپ سامنے ہی تھا۔ اس نے chats کھولیں۔ فہرست میں اوپر ایک نام جگمگا رہا تھا۔

فارس غازی۔اس نے انگوٹھا اس نام پہ دبایا۔ سامنے ایک طویل گفتگو کھل گئی' جس میں نیچے نیچے آبی کے ان گنت پیغام تھے جن کا اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ گفتگو اوپر کرتا گیا۔اس کے جبڑے کی رگیں کھنچتی گئیں۔ پیشانی کی سلوٹیں بڑھتی گئیں۔ سانس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

قریباً گھنٹے بھر بعد وہ کمرہ عدالت میں داخل ہوا تو اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ ڈگ اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ اسے ان کا سارا خاندان نظر آیا تھا۔ آج سعدی' زمر اور فارس کے ساتھ حنین اور اسامہ کے علاوہ ندرت بھی بیٹھی دکھائی دیتی تھیں۔ آبدار بھی ان کے قریب ہی موجود تھی۔ اس نے اپنی طرف کی کرسیوں پہ نگاہ دوڑائی۔ نوشیرواں اور جواہرات وہاں خاموش بیٹھے تھے۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔ عدالتی کارروائی شروع ہونے میں چند منٹ رہتے تھے' وکلاء اپنی فائلوں کو پڑھ رہے تھے' کورٹ رپورٹر ٹائپنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا' صحافی حضرات فون پہ لگے تھے۔ ایسے میں وہ تمام لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ کمرہ عدالت میں موجود ایک شخص بہت جلد اسی کمرے میں موجود ایک دوسرے شخص کا قتل کرنے جا رہا ہے۔

(اختتامی مراحل میں۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نمل

(نمرہ احمد)

قسط نمبر 27:

''میں جنین ہوں اور میں عام ہوں!''

میرے اور تمہارے اندھیروں میں جانتے ہو کیا فرق ہے؟
میں اپنی برائی کا سامنا کر کے اس کو قبول کر سکتی ہوں
جبکہ تم اپنا آئینہ سفید چادر سے ڈھکنے میں مصروف ہو!
میرے اور تمہارے گناہوں میں فرق یہ ہے کہ
جب میں گناہ کرتی ہوں تو جانتی ہوں کہ یہ گناہ ہے
جبکہ تم اپنے من گھڑت سرابوں کا شکار ہو چکے ہو۔
میں ایک جل پری ہوں۔
میں جانتی ہوں کہ میں سمندر کی لہروں پر رقص کرتے
کتنی حسین دکھتی ہوں۔
مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اسی سمندر کی تہہ میں'
میں ہڈیاں اور گوشت چیر پھاڑ کے کھا سکتی ہوں۔
تم ایک جادوگر ہو۔ایک شعبدہ باز۔
تمہارے منتر تمہاری ہیر پھیر کی باتیں ہیں
جہنم کے ابلتے کڑاہوں جیسی باتیں!
پھر بھی تم اپنے گرد سفید چادر لپیٹے پھرتے ہو۔
پھر بھی تم انصاف کی سفید وگ لگائے گھومتے ہو!

(سی جوائے بیل سی)

ہاشم کاردار قدم بقدم کمرہ عدالت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ہر شے سست روی سے ہوتی دکھائی دے رہی تھی‘ جیسے کوئی گونگی سلوموشن فلم پردے پہ چل رہی ہو۔ آوازیں بند ہوں۔ بس لب ہلتے دکھائی دے رہے ہوں۔ ہاشم اجنبی گم صم نگاہوں سے سب کو دیکھتا اپنی کرسی پہ بیٹھا۔ کمر کرسی کی پشت سے لگائی۔ بائیں گھٹنے پہ دائیں ٹانگ دھری۔ وہ ابھی تک ذہنی طور پہ شل تھا۔ سُن تھا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے پس منظر میں کوئی اداس گیت گنگنا رہا ہو۔ اس گیت میں اعتبار ٹوٹنے کا کرب تھا۔ ارمانوں کا لہو تھا۔ جیسے کوئی اپنا ساتھ چھوڑ کے غیروں کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ انہی گم صم نگاہوں سے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی آبدار کو دیکھے گیا۔ وہ وقت کاٹنے کو اپنے سیل فون کے ساتھ لگی تھی اور مسلسل جھنجلائی ہوئی تھی۔ وہ آن ہو کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ اردگرد کاغذ کھڑکنے‘ سرگوشیوں‘ جج صاحب کی ہتھوڑی‘ ہر شے کی آوازیں یوں سنائی دیتی تھی گویا دور کسی گہری کھائی سے آرہی ہو۔

اس کا دل ٹوٹا تھا اور ایسے لگتا تھا ابھی تک سینے سے خون رس رہا ہو۔

کٹہرے میں موجود میری اینجیو کے سامنے زمر کھڑی تھی۔ ہاشم نے بدقت توجہ ادھر مبذول کرنی چاہی۔ یہاں سے اسے سیاہ کوٹ والی زمر کی پشت پہ گھنگریالی پونی دکھائی دیتی تھی جو اس کے بولتے ہوئے بار بار چہرہ ہلانے کے باعث جھول رہی تھی۔ یا پھر چند قدم اوپر کھڑی سپاٹ چہرہ لئے میری دکھائی دیتی تھی۔ ان دونوں کے بیچ خلا تھا۔ ہاشم کا دماغ خلا میں اٹکنے لگا۔

”میری اینجیو آپ کتنے سال سے جواہرات کاردار کی ملازمہ ہیں؟“ شل ہوتے ذہن سے اس نے زمر کو سپاٹ انداز میں پوچھتے سنا۔

”بارہ سال سے۔“

”آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟“

”فلپائن سے۔“

”کیا آپ کی ایجنسی‘ جس کے توسط سے آپ کاردار صاحب کے پاس آئی تھیں‘ آپ کو کسی دوسرے گھر میں کام کرنے کی اجازت دیتی ہے؟“

”نہیں۔ یہ قانوناً جرم ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی گھر میں کام کر سکتی ہوں میں۔“ وہ سپاٹ انداز میں سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔

”میری‘ کیا آپ اس نوجوان کو پہچانتی ہیں؟“ زمر نے بازو لمبا کر کے ادھر بیٹھے سعدی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آج نیلی جینز پہ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا‘ اور بھوری آنکھوں میں شدید چبھن لئے میری کو دیکھ رہا تھا۔ میری نے ایک سرسری سی نظر اس پہ ڈالی۔

”یہ سعدی یوسف ہے۔“ چہرہ زمر کی طرف پھیر لیا۔

”آپ کی سعدی یوسف سے پہلی ملاقات کب ہوئی؟“

”آٹھ سال پہلے۔ یہ قصر آیا تھا اور میں نے اس کے آگے دروازہ کھولا تھا۔“

”اس کے بعد آپ کی کب کب ملاقات ہوتی تھی اس سے؟“

"جب بھی یہ قصر آتا۔میں ہیڈ ہاؤس کیپر تھی تو ظاہر ہے ملاقات ہو جاتی تھی۔"

"کیا آپ دونوں کبھی ذاتی نوعیت کی گفتگو کرتے تھے؟"

میری نے لمحے بھر کا توقف کیا اور نیچے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔پھر نظریں زمر پہ جما دیں۔

"جی نہیں۔"

"یعنی آپ نے اپنے بیٹے کے کینسر اور علاج کے بارے میں سعدی یوسف سے کبھی گفتگو نہیں کی تھی؟"

"جی نہیں۔میرا اس سے ایسا تعلق نہ تھا کہ اپنے ذاتی معاملات اس سے ڈسکس کرتی۔"سعدی بس اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔ملامت سے۔افسوس سے۔

"اوکے!" زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔"میری اینجیو کیا یہ درست ہے کہ آپ نے مسز کاردار کا نیکلیس چرا لیا تھا جس کی بنا پہ انہوں نے آپ کو نوکری سے برخاست کر کے ڈی پورٹ کرنے کا حکم جاری کیا تھا؟"

"یہ غلط ہے۔میں نے کبھی چوری نہیں کی' نہ مجھے نوکری سے نکالا گیا تھا۔"

"اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ ڈی پورٹ کرنے کی بجائے غیر قانونی طور پہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو کولمبو بھجوا دیا تھا جہاں آٹھ ماہ تک آپ سعدی یوسف کی کیئر ٹیکر رہی تھیں؟"

"یہ غلط ہے۔میں زندگی میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔میرا پاسپورٹ اس بات کا ثبوت ہے۔"وہ گردن کڑا کے بولی تھی۔بار بار وہ تائیدی نظروں سے ہاشم کو بھی دیکھتی تھی مگر وہ اس وقت غائب دماغی کے عالم میں بیٹھا تھا۔

"تو آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ کبھی کولمبو کے اس ہوٹل میں گئی ہی نہیں ہیں نہ اس کے تہہ خانے میں جہاں میرے موکل کو قید رکھا گیا تھا۔"

"جی ہاں۔میں کبھی وہاں نہیں گئی۔"

"اور نہ ہی آپ سعدی یوسف کو حبسِ بے جا میں رکھنے کے بارے میں جانتی ہیں؟"

"جی نہیں۔میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تو پھر آپ 21 مئی سے 22 جنوری تک...ان آٹھ ماہ میں کہاں تھیں میری اینجیو؟"

"میں قصرِ کاردار میں ملازمت کر رہی تھی۔اور میں آفس کی پارٹیز کی پلاننگ بھی کرتی تھی۔سب نوکر گواہ ہیں کہ میں قصر میں تھی اس دوران بھی میں۔"

زمر اپنی میز کی طرف آئی اور کاغذات کا ایک پلندہ اٹھا کر اور جج صاحب کے ساتھ کھڑے آدمی کو تھمایا جس نے اسے ڈیسک پہ لا رکھا۔"یہ قصرِ کاردار کی پچھلی آٹھ ماہ کی ان تمام پارٹیز کی تصاویری کہانی ہے جو مختلف فوٹو گرافرز نے کور کی تھیں۔یہ ان فوٹو گرافرز کے میموری کارڈز کا ڈیٹا ہے۔اور ان میں کسی ایک تصویر میں بھی میری اینجیو نظر نہیں آتیں۔جبکہ یہ دوسری فائل۔"اس نے اشارہ کیا۔"اس میں

سعدی کے اغوا سے ایک سال قبل کی پارٹیز کا ڈیٹا ہے اور ہر پارٹی میں میری پس منظر میں کہیں نہ کہیں نظر آجاتی ہیں۔ میری انجیو' آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ ان آٹھ ماہ میں پاکستان میں ہی تھیں؟"

"آب جیکشن یور آنر!" ہاشم قدرے ستدوی سے کھڑا ہوا۔ "قانون کے مطابق برڈن آف پروف استغاثہ کے اوپر ہے۔"
(یعنی جو شخص الزام لگاتا ہے اسے ہی ثبوت ڈھونڈ کر لانے ہیں۔)

"یور آنر پھر میں کورٹ سے استدعا کروں گی کہ ہاشم کاردار کے گھر کے تمام سی سی ٹی وی ریکارڈ کو عدالت میں منگوایا جائے اور ہمیں تاریخوں کے ساتھ دکھایا جائے کہ میری انجیو اس وقت گھر میں تھی۔"

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا ہی تھا کہ وہ کھنکھار کے بولا۔ "یور آنر فروری میں ہمارے کنٹرول روم میں شارٹ سرکٹ کے باعث آگ لگی تھی۔ گھر کے ملازم اور میرے خاندان والے گواہ ہیں اس بات کے۔ ہمارا ڈی وی آر جل چکا ہے۔ اسی بات کا استغاثہ فائدہ اٹھا رہی ہیں۔"

"رئیلی ہاشم؟" زمر ابرو حیرت سے اٹھاتی اس کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "آپ کی creativity اس سے زیادہ اچھا بہانہ ڈھونڈ سکتی تھی۔ اتنا پرانا حیلہ کیوں؟" ہاشم نے شانے اچکائے۔

"واقعی۔ میں زیادہ اچھا بہانہ کر سکتا تھا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اب سنبھل کے سرگوشی میں بولا تھا۔ زمر نے ستائش سے سر کو خم دیا اور واپس جج صاحب کی طرف آئی جو اس کے اعتراض پہ رولنگ دے رہے تھے۔

"کیا آپ کبھی زرتاشہ عبید سے ملی ہیں؟" زمر نے واپس میری سے سوال پوچھا تو ہاشم نے چونک کے فوراً آبدار کی طرف دیکھا۔ آبی سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہاشم کو نظر انداز کر رہی تھی۔

میری نے جواب دینے میں چند لمحے لیے۔ "جی۔"

"ان کی بیماری کے دوران میں نے سنا ہے آپ نے ان کی بہت خدمت کی۔ بلکہ یہ تصویر بھی ہے ہمارے پاس جس میں آپ ان کو سرو کرتی نظر آ رہی ہیں۔" زمر نے ایک تصویر کی کاپی اس کے سامنے لہرائی پھر جج صاحب کی میز پہ جا رکھی۔ میری نے ہاشم کو دیکھا۔ وہ آبی کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے ایک بات سمجھائیے میری انجیو۔ آپ کو یہاں آئے نو دس سال ہوئے ہیں۔ زرتاشہ عبید پچھلے دس سال میں ایک دفعہ بھی پاکستان نہیں آئی تھیں۔ وہ اپنے اسکینڈل کے بعد سے سری لنکا میں رہائش پذیر تھیں، وہیں مقیم رہیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ ان کی خدمت کے لئے اور ان پہ نظر رکھنے کے لئے ہارون عبید اور جواہرات کاردار نے آپ کو وہاں بھیجا تھا۔"

"میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"اپنے پاسپورٹ کے مطابق آپ کولمبو نہیں گئیں۔ لیکن یہ تصویر کولمبو میں لی گئی ہے اور آبدار عبید اس بات کی گواہ ہیں۔" اور اب تک

خاموشی سے ساری کارروائی دیکھتے فارس نے اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر مڑ کے آبی کو۔ آبی نے اس کے دیکھنے پہ مسکرا کر شانے اچکائے تھے۔

"اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کوئی دوسرا پاسپورٹ بھی ہے' جو آپ ملک سے باہر جانے کے لئے استعمال کرتی آئی ہیں' کیونکہ آپ کی ایجنسی کی طرف سے ایک مالک کے ہوتے ہوئے دوسرے کی خدمت کرنا غیر قانونی ہے۔ تو بتایئے عدالت کو میری انجیو صاحبہ' کہ آپ کس پاسپورٹ پہ سری لنکا جاتی تھیں؟"

میری کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا' وہ بار بار ہاشم کو دیکھتی تھی جو اب اپنے سامنے رکھی فائلز کو دیکھ رہا تھا۔ بنا پلک جھپکے۔ زمر بھی انکھیوں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہوا تو میری ذرا کھنکھاری۔

"یہ تصویر پاکستان کی ہے۔ میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔"

"جب مس عبید عدالت میں اپنا بیان دیں گی تو آپ کا یہ بیان پر جری کے زمرے میں آئے گا۔ میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ وہ میری انجیو کے پاسپورٹ پہ کوئی مہر نہ دیکھ کر یہ نہ سمجھے کہ سعدی یوسف جھوٹ بول رہا ہے۔ جیسے میری پہلے کولمبو جا چکی ہیں۔ یہ اس دفعہ بھی گئی تھیں۔ اور آٹھ ماہ ادھر رہی تھیں۔ یور آنر!" وہ مڑی اور ہاشم کو مخاطب کر کے کہا' پھر سیدھی اپنی میز پہ آ گئی۔ ہاشم اٹھا نہیں' اس نے بیٹھے بیٹھے سوال کیا۔

"میری انجیو... استغاثہ نے جو تصاویر عدالت کو دکھائی ہیں' پارٹیز والی... کیا ان پارٹیز کی ایونٹ پلاننگ آپ نے کی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"اور ان پارٹیز کو ممکن بنانے کے لیے تقریباً کتنے ملازم کام کرتے تھے؟"

"ساٹھ سے زیادہ۔"

"اور کیا وہ ساٹھ کے ساٹھ ملازم ہمیشہ فوٹوگرافر کی کھینچی ان تصاویر میں نظر آتے ہیں؟"

"نہیں۔ مشکل سے پانچ دس نظر آتے ہیں۔ فوٹوگرافر کو ملازموں کی نہیں مہمانوں کی تصاویر کھینچنے کی ہدایت ہوتی ہے۔"

"اور ان ساٹھ میں سے کتنے لوگ صرف کچن میں کام کرتے ہیں اور پارٹی کی جگہ پہ نہیں آتے؟"

"تقریباً بیس' اکیس ملازم۔"

"اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ اپنے بیٹے کی بیماری کی وجہ سے آپ کچن اور اس کے ساتھ بنے اپنے کمرے میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگی تھیں؟ اور باہر کم ہی نکلتی تھیں؟"

"آبجیکشن یور آنر۔" زمر بےزاری سے بولی۔ "ہاشم کاردار لیڈنگ کوئسچن پوچھ رہے ہیں۔"

(گواہ کی کسی جواب کی طرف راہنمائی کرنا' سوال میں ہی جواب بتا دینا یا اس کے منہ میں الفاظ ڈالنا "leading question")

پوچھنا کہلاتا ہے۔)

''یور آنر' یہ مسز زمر کا گواہ ہے۔ میں تو اس کو ''کراس'' کر رہا ہوں۔ میں لیڈنگ کوئسچن کر سکتا ہوں۔''

''اوور رولڈ۔ وہ کراس کے دوران لیڈنگ سوال پوچھ سکتے ہیں۔'' جج صاحب نے اعتراض رد کیا تو زمر سر جھٹک کے رہ گئی۔ میری بولنے لگی۔

''جی میں زیادہ تر پیچھے کچن میں ہی رہتی تھی اور پارٹیز میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔''

''میری انجیو کیا یہ درست ہے کہ سونیا کاردار کی سالگرہ پہ یعنی سعدی کے اغوا سے چند دن قبل آپ کی سعدی سے ملاقات ہوئی تھی؟''

''جی۔ وہ پارٹی میں آیا تھا اور میں چونکہ کچن میں ہوتی تھی اور کچن گھر کی پچھلی طرف ہے تو میں نے اسے وہاں ٹہلتے دیکھا تھا۔ وہ کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔''

''اور کیا آپ بتائیں گی کہ وہ کیا بات کر رہا تھا؟'' سعدی حیرت سے آگے کو ہوا۔ میری فر فر بولنے لگی۔

''وہ ایک نمبر دہرا رہا تھا اور وہ جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ جلد ہی چند ماہ کے لیے منظر عام سے غائب ہو جائے گا اور آرام سے جے کے فائیو facility پہ آ کر پوری لگن سے کام کرے گا اور اس نے کچھ ایسا بھی کہا تھا کہ ڈیزائننگ مکمل ہو گئی ہے اب صرف ان کو اس میزائل کی میکنگ پہ کام کرنا ہے اور یہ بھی کہ وہ رقم کا انتظام کر رہا ہے۔'' وہ بے چینی سے اٹھی۔

''یور آنر ہاشم کاردار کیس کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔ ان بے بنیاد باتوں کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''نہیں جناب عالی۔ میں صرف وہ وجہ عدالت کے سامنے رکھ رہا ہوں جس کی بنیاد پہ سعدی یوسف نے میرے گھر سے نیکلیس چرایا اور چونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ میری اس کی باتیں سن چکی ہے اس لیے اس نے میری کو اس کیس میں گھسیٹنا چاہا اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ ایک بیمار بچے کی ماں ہے۔ اور عدالت کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جے کے فائیو شوال میں واقع ایک مسجد کے انڈر گراؤنڈ بنی ایک دہشت گردوں کی آماجگاہ ہے جہاں وہ اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ دفاع آج بھی اپنی اس بات پہ قائم ہے یور آنر کہ سعدی یوسف نے صرف اپنی غیر قانونی سرگرمیوں پہ پردہ ڈالنے کے لیے اور لوگوں کی ہمدردی لے کر ایک اسٹار بن جانے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ اب سعدی ایک اسٹار ہے۔ اس کو بڑے بڑے فورمز پہ بلایا جاتا ہے جہاں جانے کے لیے پہلے اس کے پاس کوئی سیکیورٹی کلیئرنس نہیں تھی، مگر جس دن ایسے کسی حساس نوعیت کے فنکشن میں کوئی دھماکہ یا ٹارگٹ کلنگ ہو گی نا یور آنر اس دن دفاع کی ساری باتیں سچ ثابت ہو جائیں گی۔''

وہ اب گواہ کو واپس بھیج رہا تھا اور زمر اور سعدی ایک دوسرے کو اچنبھے سے دیکھ رہے تھے۔

پیچھے بیٹھا فارس نگاہیں آخر میں بیٹھے شخص پہ جمائے ہوئے تھا۔ وہ لیاقت علی خان کی سی عینک والا ادھیڑ عمر شخص زنانہ انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

اب ایک دوسرے گواہ کو پیش کیا جا رہا تھا۔ ایسے میں فارس اٹھا اور موبائل پہ بٹن دباتا' سر جھکائے اس آدمی کے قریب آ بیٹھا۔ اس شخص نے محض ایک دفعہ فارس کو دیکھا' پھر سامنے دیکھنے لگا۔

زمر اس گواہ سے سوالات پوچھ رہی تھی جبکہ فارس جیب سے قلم کاغذ نکال رہا تھا۔ پھر وہ گھٹنے پہ کاغذ رکھے موبائل اسکرین سے چند نمبرز دیکھ کر اتارنے لگا۔ غیر آرام دہ سی پوزیشن میں رکھنے کے باعث یکا یک قلم اس کی انگلیوں سے پھسلا اور اس شخص کے قدموں میں جا گرا۔

"اوہ ہو!" فارس جھنجلایا تھا۔ اس آدمی نے سرسری سی نظر اس پہ ڈالی' پھر جھکا اور قلم اٹھا کر فارس کی طرف بڑھایا۔

"جزاک اللہ خیراً کثیراً!" وہ مشکور سا قلم کو کنارے سے تھامتا اٹھ کھڑا ہوا' اور اپنی چیزیں سنبھالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

باہر نکلتے ہی اس نے اور ایک پلاسٹک بیگ جیب سے نکال کر احتیاط سے قلم اس میں ڈال کر سیل کیا۔ پھر موبائل پہ میسج لکھا۔

"اس آدمی کے فنگر پرنٹس لے لیے ہیں' فیشل ریکوگنیشن سے کچھ نہیں ملا تو شاید فنگر پرنٹ سے مل جائے۔ میں کچھ دیر میں تمہاری طرف لا رہا ہوں یہ سب۔ مجھے پتہ کر کے دو کون ہے یہ۔" اپنے ایک پرانے کولیگ کو پیغام لکھ کر اس نے احتیاط سے قلم کا پیکٹ جیب میں ڈالا اور پھر مڑا ہی تھا کہ ٹھٹک گیا۔

آبدار اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ سرخ رومال سر پہ باندھے' اور اس سے نکلتے سیدھے سرخ بالوں کو چہرے کے ایک طرف ڈالے' بلی جیسی گہری آنکھیں اس پہ جمائے' وہ مسکرا رہی تھی۔

"آپ!" وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔

"میری ایجبو والی فوٹو میں نے صبح مسز زمر کو دی تھی۔" اس نے مسکرا کے اطلاع دی۔

"دیکھیں آبدار! اگر تو آپ...."

"میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔" وہ اتنی سادگی سے گویا ہوئی کہ فارس کے الفاظ لبوں پہ آ کر ٹوٹ گئے۔ وہ اس شے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ نا سمجھی سے اسے دیکھے گیا۔

"اس روز جو میں نے کیا وہ بہت غلط تھا۔ یا اس کا طریقہ غلط تھا۔" وہ ندامت سے کہہ رہی تھی۔ نظریں نہ جھکی تھیں نہ ہاتھ مل رہی تھی' بلکہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں نے آپ کو یوں بلایا اور آپ کو مجھے avoid کرنے کے لئے حنین کو بھیجنا پڑا۔ آئی ایم سوری کہ میں نے اپنا اتنا غلط امپریشن دیا۔ آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے۔" اس نے افسوس سے "چچ" کیا تھا۔ "اصل میں میری زندگی میں' فارس' بہت لوگ نہیں ہیں۔ صرف بابا ہیں اور ان کے پاس میرے لئے وقت نہیں ہوتا تو میں دوسرے لوگوں سے خود کو زبردستی اٹیچ کرنے لگ جاتی ہوں۔ ذرا مجھ سے کوئی ہمدردی سے بات کرے تو میں اس کو اپنا گائیڈ' اپنا دوست مان لیتی ہوں۔ کتنی کوئی بے چاری ہوں نا میں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" وہ خفت سے بولا تھا۔ آبدار زخمی سا مسکرائی۔

''ایسی ہی بات ہے۔ مجھے اگر ثبوت دینا تھا تو مجھے بدلے میں آپ سے آپ کا وقت نہیں مانگنا چاہیے تھا۔ میں صرف اپنے بابا کے متعلق چند باتیں کرنا چاہتی تھی مگر میری اپروچ غلط تھی۔ اس لئے میں نے صبح جو ٹپ دی وہ ڈائریکٹ زمر کو دے دی' اور بدلے میں کسی چیز کی امید نہیں رکھی۔ آپ سے بھی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ پلیز میرے امیچور رویے کے لئے مجھے معاف کر دیجئے گا۔ آئندہ آپ کو میں کبھی تنگ نہیں کروں گی۔''

ماحول کا تناؤ دھیرے دھیرے فضا میں گھل کے ختم ہو گیا تھا۔ فارس کے تنے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس نے رسان سے سر ہلا کر بس اتنا کہا۔ ''گڈ۔ اب آپ کو یوں سر راہ مجھ سے ملنا نہیں چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو مجھ سے کسی بھی قسم کے تعلق کی وجہ سے نقصان پہنچے۔!'' وہ دامن بچانے والے انداز میں کہہ کر ایک طرف سے نکل گیا۔ قوی امید تھی کہ وہ پیچھے سے پکارے گی' کوئی نئی بات کرے گی' نیا موڑ دے گی' مگر اس نے نہیں پکارا۔ وہ راہداری میں آگے بڑھتا گیا۔ سماعت ختم ہو چکی تھی اور تمام افراد باہر آ رہے تھے۔

ہاشم بھی سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ فارس اس سے لاتعلق سا ساتھ سے گزرنے لگا تھا کہ جب ہاشم نے اس کے کندھے سے اپنا کندھا چھوا۔ فارس ٹھہر گیا۔

''یہ مت سمجھنا کہ مجھے خبر نہیں ہے یا یہ کہ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ جو تم کر رہے ہونا اس کا حساب دو گے تم!'' اور ایک سرخ انگارہ سی نظر فارس پہ ڈالی۔

''اووو!'' فارس نے فکرمندی سے لب سکیڑے۔ ''میں ڈر گیا۔ دیکھو میرے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔'' ہاشم خاموشی سے آگے بڑھ گیا تو فارس نے سر جھٹکا اور موبائل نکالتے ہوئے قدم مخالف سمت بڑھا دیے۔

پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتی آبدار مسکراتی ہوئی' سوچ میں گم چلتی جا رہی تھی جب پیچھے سے کسی نے اسے کہنی سے پکڑ کے موڑا۔ وہ جھٹکا کھا کے مڑی۔ سامنے جواہرات سرخ انگارہ آنکھوں کے ساتھ اسے گھور رہی تھی۔

''جو تم نے کیا ہے نا اس پہ تمہاری جان بھی لے سکتی ہوں۔'' وہ زخمی سا غرائی تھی۔ آبدار نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''بنو مت۔ مجھے کہا کہ وہ ویڈیو ضائع کر دی اور خود ہاشم کو دے دی۔ مجھے میرے بیٹے سے دور کرنا چاہتی ہو؟''

''اوہ!'' آبدار نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''ہاشم نے دیکھ لی وہ؟ مگر میں نے اسے نہیں دی۔''

''منہ بند رکھو تم!'' وہ نفرت سے انگلی اٹھا کے پھنکاری تھی۔ جواہرات کے پیچھے آبی دیکھ سکتی تھی کہ دور راہداری کے دوسرے سرے پہ زمر سعدی حنین اور فارس ندرت کے ساتھ کھڑے تھے۔ سب سے زیادہ نمایاں زمر نظر آ رہی تھی۔ اونچی گھنگریالی پونی کے باعث جو اس کا سر ہلانے سے جھولنے لگتی' وہ مسکرا کر فارس سے کچھ کہہ رہی تھی' کوئی جلا کٹا تبصرہ اور وہ بھی شاید جواب میں کوئی برابر کا جملہ کس رہا تھا اور حنین ہنس رہی تھی۔

''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں تمہارے ساتھ وہ کروں گی اب کہ تم....''

''وہ ویڈیو ہاشم کو زمر نے دی ہے۔ میں نے نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی تھی۔ ''میں نے تو اس کو ضائع کر دیا تھا مگر زمر اور اس کی وہ چھوٹی بھتیجی' ان دونوں نے مجھے ڈنر پہ بلایا' میرا ٹیب ہیک کیا' ڈیٹا کاپی کیا اور چلتی بنیں۔ یہ میری کی تصویر بھی وہیں سے ملی ان کو۔ میں ان کی مخبر نہیں ہوں' ان لوگوں نے مجھے استعمال کیا ہے۔''

جواہرات ٹھہری تھی مگر پھر نفرت میں ڈوبی بے یقین نظروں سے اسے دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے یقین نہیں ہے۔''

''تو ہاشم سے پوچھ لیں۔ میں نے اسے ایسا کچھ نہیں دیا۔ ان لوگوں نے ہی دیا ہوگا۔ جان لینی ہے تو شکار سامنے کھڑا ہے۔'' وہ شانے اچکا کے' اپنا بازو چھڑاتی واپس مڑ گئی۔ جواہرات غصے سے پھنکارتی کھڑی رہ گئی۔ ایک نظر مڑ کے اس دور نظر آتی خوش باش فیملی کو دیکھا' اور پھر پیر پٹختی آگے بڑھ گئی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے حکم صادر کیا تھا۔ ''کلب چلو۔'' مگر چونک کے ڈرائیور کو دیکھا۔ پھر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے لحیم شحیم گارڈ کو۔

''بخت خان کہاں ہے؟ اور تم دونوں آفس سے یہاں کیوں آئے ہو؟''

ہٹے کٹے گارڈ نے رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ ''ہم آپ کی نئی سیکیورٹی ٹیم کا حصہ ہیں۔ کاردار صاحب نے کہا ہے کہ آپ کی زندگی کو خطرہ ہے' ہمیں آپ کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ نکلو میری کار سے' اور میری ذاتی ٹیم کو واپس بلاؤ۔'' وہ تلملا کر بولی تھی۔

''ہمیں اس کا حکم نہیں ہے' میم۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ رات آٹھ بجے سے پہلے ہمیں آپ کو گھر پہنچانا ہوگا۔ اس سے زیادہ باہر رہ کر خطرہ مول لینے کی اجازت سر نے ہمیں نہیں دی۔ چلو!'' وہ ڈرائیور کو اشارہ کر کے بولا۔

جواہرات نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا۔ ایک دم اپنا آپ بے حد کمزور اور ناتواں لگنے لگا تھا۔ لمبی سی گاڑی کے سیاہ شیشے کسی قید خانے کی سلاخوں سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب کوئی چاند میرا ہے نہ ستارہ محسن

اب کہاں جاؤں گا میں درد کا مارا محسن

مورچال کی سبز بیلیں اس کھلتی ہوئی صبح میں فخر سے سارے گھر کو ڈھانکے' سورج کے سامنے تن کر جمی نظر آتی تھیں۔ اندر آملیٹ کی خوشبو' چائے اور کافی کی مہک کے ساتھ فضا میں رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل سے زمر اٹھ چکی تھی اور اب کورٹ کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ فارس کو جاب لیس ہونے کا طعنہ دینا اور نئی نوکری ڈھونڈنے کے لئے غیرت دلانا بے کار تھا۔ وہ ڈھٹائی سے ست انداز میں اپنی کافی پی رہا تھا جب سعدی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ سعدی تیار سا کھڑا تھا۔ ''چلنا نہیں ہے؟''

''کار اسٹارٹ کرو' میں آرہا ہوں۔''

''ڈرائیور کب سے ہو گیا میں آپ کا؟'' وہ خفا سا کہتا جیسے ہی پلٹا' سامنے بیٹھی ندرت نے آنکھوں سے فارس کو اشارہ کیا۔ فارس نے جواباً سر کو خم دے کر تسلی دینے والا اشارہ کیا۔ چائے کے گھونٹ بھرتی حنین نے مشکوک نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ پھر سعدی کو پکارا۔ ''بھائی! امی اور ماموں آپ کے بارے میں اشاروں میں.... آؤچ۔'' ندرت نے ہلکی سی سہی مگر اس کی سر کی پشت پہ چپت لگائی تھی۔ سعدی اپنی ایڑھیوں پہ گھوما اور باری باری امی اور ماموں کو دیکھا۔

''امی اور ماموں کیا؟'' حنہ نے اپنے سر کو سہلاتے ہوئے فارس کو دیکھا جس نے اسے صرف گھورا تھا' پھر خفگی سے بولی۔ ''امی اور ماموں ہم سے بالکل پیار نہیں کرتے۔ مجھے یقین ہے انہوں نے مجھے کسی ہسپتال سے چرایا تھا۔ امی کسی زمانے میں وہ ڈراموں والی نرس ہوں گی' وہ جو لوگوں کے بچے ایکسچینج کرتی ہیں....'' وہ بولتی ہوئی کرسی سے اٹھی اور آگے بھاگ گئی۔

''بے غیرت' بدتمیز۔'' ندرت نے برے موڈ کے ساتھ جوتا اس سمت میں پھینکا جہاں وہ گئی تھی۔ حنہ اندر مڑ گئی۔ جوتا راہداری میں گر گیا۔ لمحے بھر بعد حنہ نے ستون کے پیچھے سے گردن نکالی۔ ''امی' آپ ہماری ون ڈے ٹیم میں کیوں نہیں چلی جاتیں؟ نشانہ آپ کا بالکل ان کے جیسا ہی ہے۔'' اور جھپاک سے اندر غائب ہو گئی۔

فارس اور سعدی نکل گئے تو امی حنہ کو دو ہزار صلواتیں سنا کر (دوسروں کی بیٹیاں دیکھی ہیں کتنی تمیز دار سگھڑ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہوتی ہیں' منہ میں زبان نہیں ہوتی اور ایک یہ بے غیرت اولاد میرے ہی حصے میں آئی تھی۔) کچن میں جا چکی تھیں اور اب نشانہ حسینہ تھی۔

''ٹھیک سے گوندھو آٹا۔ اور یہ روز روز نیا سونے کا زیور چڑھا کے کام کرنے نہ آیا کرو۔ آیا وڈا تیرا میاں' اگر لے کر دیتا ہے تو یہاں سے جا کر پہنا کرو' شوخی نہ ہو تو۔'' یہ ندرت کی روٹین کی ٹون تھی اور اس پہ حسینہ نے دل ہی دل میں روٹین کے کئی کوسنے ان کی نذر کیے تھے' مگر بظاہر سر جھکائے آٹا گوندھتی رہی۔

ایسے میں حنہ دوبارہ لاؤنج میں آ گئی تھی اور اب دوپٹہ کس کے' بال باندھ کے' جوش سے کھڑی گردن اٹھائے چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا نے اخبار سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اب کیا ارادے ہیں تمہارے؟ پھر سے گھر کی صفائی؟''

''جتنی صفائی کرنی تھی کر لی۔ اب میں وہ کروں گی ابا جو آج کل کی نکمی' سست' اور لاپرواہ یعنی ''عام'' لڑکیاں بالکل نہیں کرتیں۔''

''اور وہ کیا ہے؟'' مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''میں عام لڑکی نہیں ہوں' یہ تو آپ جانتے ہیں۔ اس لیے میں اب DIY گرل بن رہی ہوں ابا۔ Do It Yourself۔ عام لڑکیوں کو پکی پکائی کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ نکمی نہ ہوں تو! میرے جیسی ہر چیز خود کرتی ہیں۔ وہ گھر ڈیکوریٹ کرنے کے لئے انٹیریئر ڈیکوریٹر نہیں ہائر کرتیں' گھر پینٹ کرنے کے لئے مستری مزدور نہیں بلواتیں۔ دیواروں پہ فریمز ٹھونکنے کے لئے یا پردوں کی ریلنگ

لگانے کے لئے لمبے بھائیوں یا ملازموں کی منتیں نہیں کرتیں۔ مجھے کسی مستری مزدور تر کھان' پردوں والے' پینٹ والے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب یہ سارے کام خود کر سکتی ہوں۔ صرف چند دن کی محنت سے ابا ہم لڑکیاں اپنے گھروں کو اتنا خوبصورت اور اتنا آرام دہ بنا سکتی ہیں جتنے امیر لوگوں کے اونچے اونچے قصر بھی نہیں ہوتے۔ میں سمجھتی تھی بڑے گھر خوبصورت ہوتے ہیں' مگر نہیں ابا۔ خوبصورت گھر ہی خوبصورت ہوتے ہیں' پھر وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ مگر یہ عام لڑکیاں ان کو نہیں خوبصورت بنا سکتیں۔ صرف میرے جیسی خاص لڑکیاں یہ کر سکتی ہیں۔'' وہ ایک عزم سے کہہ رہی تھی۔ ابا نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تمہارا مطلب ہے اب تم دیواروں پہ اوپر چڑھ کے خود کیل ٹھونکتی پھرو گی؟ ہرگز نہیں۔ ایسے تو چوٹ لگ جائے گی۔'' انہیں بات پسند نہیں آئی تھی۔

''دیکھا!'' حنین نے چٹکی بجائی۔ ''یہ آپ مرد ہی ہوتے ہیں جو ہم لڑکیوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا مطلب دس مردوں میں بیٹھ کے مردوں کی طرح قہقہے لگانا اور رات دیر دیر تک باہر گھومنا نہیں ہوتا۔ بلکہ مردوں کے جیسے کام خود کرنا ہوتا ہے۔ دوسروں کی محتاجی سے بچنا ہوتا ہے۔ آج سے میں ابا اپنے سارے گھر کو ری ماڈل کرنے جا رہی ہوں۔ اور مجھے کوئی نہیں روکے گا۔'' پھر چہرے کے گرد ہاتھوں کا پیالہ بنا کر آواز لگائی۔ ''ندرت بہن آپ بھی نہیں۔''

''ہاں ہاں تجھے میں کرنے دیتی ہوں اپنے گھر کا بیڑہ غرق!'' وہ جواباً وہیں سے غرائی تھیں۔ حنین نے افسوس سے ابا کو دیکھا۔

''چچ چچ۔ پتہ نہیں جب یہ نرس تھیں تو مجھ جیسے کتنے بچے اپنے اصلی ماں باپ سے جدا کیے تھے۔''

''بڑے موڈ میں ہو آج!'' زمر باہر آئی تو مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ کوٹ پہنے' بال بنائے' وہ کچہری کے لئے نکل رہی تھی۔ ہاتھ کی انگوٹھی اور ناک کی لونگ جگمگا رہی تھی۔ حنہ نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

''میری زندگی کے سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں' اور اب میری زندگی میں مزید کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لئے میں خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی ہوں۔'' اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور وہ کھلی کھلی تازہ دم لگ رہی تھی۔ کہہ کر وہ مڑ کے پھر سے در و دیوار کو تکنے لگی اور چونکہ سوچ بھی رہی تھی تو عادتاً ناخن چبانے لگی۔

''خاص لڑکی' پہلے اپنی اس عادت کو تو بدلو۔'' زمر نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی تو وہ چونکی۔ جلدی سے ناخن دانتوں سے نکالے۔

''تمہیں اندازہ ہے تم بچے منہ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے کتنے برے لگتے ہو؟ اور ناخن چاہے کھا رہی ہو یا دانتوں سے کتر کے پھینک رہی ہو' یہ تمہارے جسم کا حصہ ہے اور اس کو یوں چیرنے کی اجازت اللہ نے تمہیں نہیں دی۔ سوال ہوگا اس کے بارے میں بھی۔ اپنی اس عادت کو تمہیں خود ختم کرنا ہوگا۔ کم از کم اتنی کمزور نہیں ہو تم کہ اپنے دانتوں سے ہار مان جاؤ۔ ناخن کترنے سے دماغ کمزور ہوتا جاتا ہے حنہ لیکن سب سے زیادہ ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں اللہ ہم ناخن کھانے والوں کو مردہ انسانوں کا گوشت کھانے والوں کے ساتھ ہی نہ کھڑا کر دے قیامت کے دن۔ کیونکہ بات تو ایک ہی ہے نا۔''

''اچھا اچھا۔نہیں کھاتی۔''اس نے تو گھبرا کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ لیے تھے۔ڈور بیل بجی تو زمر باہر کی طرف بڑھ گئی۔

''حنین!''زمر واپس آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ سا تھا۔حنہ نے چونک کے اسے دیکھا۔''کون ہے؟''

''حنین میری بات غور سے سنو!''وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔''اگر میں یہ نہ کرتی تو ہاشم کر دیتا اس لیے میں نے سوچا کہ میں ہی کر دوں۔''

''باہر کون ہے؟''حنہ کا ماتھا ٹھنکا۔

''وہ جو بھی ہے اور اس کے پاس جو کچھ بھی ہے اگر تم چاہو تو ہم اس کو روک سکتے ہیں۔تمہیں ملک سے باہر بھجوا دیں گے۔لیکن اگر تم اسے وصول کرنا چاہو تو....''زمر کی آواز پس منظر میں چلی گئی۔حنین بالکل سُن سی کھڑی رہ گئی۔لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ باہر کون تھا۔وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

''حنین...مجھے نہیں پتہ تھا وہ آج ہی آ جائے گا۔پہلے سوچ لو۔''زمر فکرمندی سے کہہ رہی تھی مگر حنین کے کان'آنکھیں'سب بند ہو چکا تھا۔

وہ ہواؤں میں قدم رکھ رہی تھی'بادلوں پہ چل رہی تھی۔اس نے دروازہ کھولا۔پورچ خالی تھا۔وہ گیٹ تک آئی اور چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

سامنے کورٹ کا ملازم کھڑا تھا۔''حنین یوسف خان آپ ہیں؟''اس نے نام پڑھ کر دہرایا

حنین نے بنا پلک جھپکے سر اثبات میں ہلایا۔اس کا بدن دھیرے دھیرے کانپنے لگا تھا۔ملازم نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''You are being served.''حنین نے کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذ تھاما اور پھر قلم سے اس جگہ دستخط کرنے لگی جہاں وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کو اس درج کی گئی تاریخ پہ کورٹ میں پیش ہونا ہے۔آپ کو بطور گواہ طلب کیا گیا ہے۔''وہ کہہ رہا تھا اور حنین اس کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

ماضی کو دفن کر کے شہد کی مکھی نے راستہ بھی بدل لیا تھا'رنگوں اور خوشبوؤں سے بھرے رس سے اپنی زندگی کو سجانے بھی لگی تھی'دل کو شفا بھی مل رہی تھی'لیکن آج معلوم ہوا تھا کہ....ہاشم اور حنین کی کہانی ابھی باقی تھی۔

دھوپ میں کھڑی لڑکی نے حکم نامہ پکڑے ہوئے'آنکھیں کرب سے بند کر لیں۔آخر کب ختم ہو گی ان بے لذت غلطیوں کی داستان؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سنا ہے شہر میں زخمی دلوں کا میلہ ہے
چلیں ہم بھی مگر پیرہن رفو کر کے

گالف کلب کے سرسبز میدان دور تک پھیلے نظر آتے تھے۔اندرونی سٹنگ ایریا میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھی خواتین بے فکری سے باتیں کرتی نظر آ رہی تھیں۔ان میں سے ایک جواہرات کاردار بھی تھی جو بظاہر مسکراتی مسلسل بولتی خاتون کو سن رہی تھی اور اضطراب سے گلے کا لاکٹ

انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔قریب میں دو مستعد گارڈز ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

"ویسے جواہرات یہ تمہاری عمر نہیں تھی ریٹائرمنٹ کی۔اب تو تم کسی ایگزیکٹو گیدرنگ میں نظر تک نہیں آتیں۔" ایک بھورے سنہری بالوں والی عورت شکوہ کر رہی تھی۔

"اور یہ Paranoia!" دوسری نے ناک سکوڑ کر گارڈز کی طرف اشارہ کیا۔"تمہیں ہر وقت ان کی موجودگی سے الجھن نہیں ہوتی؟"

"جتنا اعلیٰ خاندان' اتنے ہی سیکیورٹی تھریٹ!" جواہرات نے بظاہر بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"ہاں مگر لوکیشن کو گارڈ کرنا زیادہ بہتر ہے پرسن کو گارڈ کرنے سے۔ان کو سارا ایریا کور کرنا چاہیے' نہ کہ تمہارے سر پہ کھڑے ہو کے ہماری باتیں سننی چاہئیں۔" ایک ذرا ہنس کر طنزاً بولی۔جواہرات نے بہت سے کڑوے گھونٹ مسکرا کر اندر اتارے۔

"ان کو ہوشیار رہنا پڑتا ہے عائلہ' کہ کہیں کوئی فرسٹریٹیڈ سوشلائیٹ اپنے botox gone wrong کا غصہ میرے کھانے میں زہر ملا کے نہ اتارے' یا کوئی..." دوسری خاتون کا چہرہ دیکھا۔"زیادہ فرسٹریٹیڈ aging عورت اپنے شوہر کے اس کی فنانشل ایڈوائزر سے چلتے افیئر سے تنگ آ کر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔Paranoia؟ اونہوں۔سیکیورٹی تھریٹ!" مسکرا کے اس نے گلاس اٹھایا اور چیئرز کے انداز میں اوپر لہرایا' مگر دونوں متعلقہ خواتین کے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے' کوئی گلاس نہ ٹکرایا تو وہ مسکرا کے اپنے مشروب کے گھونٹ بھرنے لگی۔اس کا اندر ابھی تک جل رہا تھا۔

ان سے دور... قصر کاردار میں ہاشم اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔گھر کے کپڑوں میں ملبوس شرٹ کی آستین اوپر چڑھائے' وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔دو انگلیوں کے درمیان سگریٹ دبا تھا جسے وہ ہولے ہولے ایش ٹرے پہ جھٹک رہا تھا۔اس کی آنکھیں اداس تھیں اور جیسے دور کہیں قید ہو چکی تھیں۔چہرے پہ عجب مردنی چھائی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔دن کے باوجود اتنا اندھیرا تھا کہ اسے چند لمحے لگے ہاشم کو دیکھنے میں۔پھر وہ کھنکھارا۔"سر؟"

"اس کا موبائل واپس رکھ دیا؟" وہ بھاری کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا تھا۔اس کے چہرے کے سامنے دھوئیں کے مرغولے رقص کرتے اڑ رہے تھے۔

"جی سر!"

"کیا فارس غازی کا نام جنوری اور فروری میں سری لنکا کا سفر کرنے والوں کے نام میں شامل ہے؟"

"نہیں سر۔اس کی سفری دستاویزات کہیں بھی موجود نہیں۔"

"اس کا چہرہ تو ہے نا۔اس کی تصویر سے چیک کرو۔" وہ اب ایش ٹرے پہ سگریٹ جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"اس نے کہا تھا وہ کولمبو گیا تھا۔کولمبو جانے والے ہر پاکستانی کی سفری دستاویزات سے اس کا چہرہ میچ کرو۔ہمارے ائیر پورٹ سیکیورٹی فورس کے کانٹیکٹس تمہاری مدد کریں گے۔اگر اس کا چہرہ کہیں نظر آتا ہے تو دیکھنا...." اس نے سرخ پڑتی متورم سی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔"کہ اس کے ساتھ ہارون عبید کا

کوئی ملازم تو نہیں ہے؟ یا کوئی ایسا شخص جس کا تعلق ہارون یا آبدار سے ہو۔ مجھے ایک ایک بات معلوم کر کے دو' خاور!''

''رئیس' سر!'' اس نے دھیرے سے تصحیح کی۔ ہاشم نے نہیں سنا۔ وہ اب اسی منہمک انداز میں سگریٹ جھٹک رہا تھا۔ راکھ ہی راکھ ایش ٹرے میں بھرتی جا رہی تھی یا شاید یہ اس کی سانسیں تھیں جو راکھ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے

میں کہ صحرا نظر آتا تھا' سمندر نکلا

فوڈی ایور آفٹر کی بالائی منزل کی شیشے کی دیوار سارے زمانے کی روشنی اندر لے آئی تھی۔ ہال کمرہ پورا منور سا تھا۔ ایک طرف ایک چینی نقوش کی حامل درمیانی عمر کی چینی عورت بیٹھی ایک کمپیوٹر اور ٹیبلیٹ سامنے رکھے کام کر رہی تھی۔ اس کے سر پہ کھڑا سعدی بار بار اس کو انگریزی میں لقمے دے رہا تھا۔

''نہیں' یوں نہیں۔ کمان کی طرح آئی برو بناؤ۔ ہاں اس طرح۔ اور ناک ذرا....'' دفعتاً اس نے سر اٹھا کے سامنے کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھے فارس اور احمر کو دیکھا جو کافی پیتے نظر آ رہے تھے اور احمر کو مخاطب کیا۔

''اس کو اردو نہیں سمجھ آتی؟''

''بالکل بھی نہیں۔'' اس نے گویا تسلی کروائی۔ سعدی سر ہلا کے اس کی اسکرین کو دیکھنے لگا۔ وہ باوجود کوشش کے جاب پہ دوبارہ اپائنٹ نہیں کیا جا رہا تھا۔ دو دفعہ جوائننگ کروا کے اسے گھر واپس بھیج دیا گیا تھا۔ سرکاری رکاوٹوں کا بہانہ۔ ہونہہ۔

ادھر احمر سفید ٹی شرٹ پہنے' سر پہ الٹی پی کیپ رکھے عام دنوں سے مختلف لگ رہا تھا۔ فارس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''تمہاری مالکن تمہیں اس حلیے میں برداشت کر لیتی ہے؟''

''اور ان کو تمہیں یوں دیکھ کے قلق نہیں ہوتا؟'' مسکراہٹ دبائے کہتا سعدی فارس کے ساتھ کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ اب وہ دونوں ساتھ تھے' اور احمر ان کے مقابل۔ چینی عورت لاتعلق سی اپنا کام کر رہی تھی۔

''آہم!'' احمر کھنکھارا۔ ''مگ نیچے کیا۔ ''ہاشم صاحب نے مجھے.... آ.... میری خدمات کو سراہتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کے لئے ظاہر ہے اتنا کام کر چکا ہوں تو اب مجھے اپنی فری لانس جابز دوبارہ سے کر لینی چاہیے ہیں تو انہوں نے مجھے....''

''فارغ کر دیا ہے' ہے نا؟'' فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اور تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے؟'' سعدی نے لقمہ دیا۔

''اور تمہیں ان تین کپڑوں میں سڑک پہ دھکیل دیا ہے؟'' فارس کہنے کے ساتھ ہنس دیا تھا۔ احمر نے سنجیدگی سے کہنا چاہا۔

"انہوں نے بہت سلیقے سے میرا استعفیٰ وصول کیا' میرے چیک کلئیر کیے اور....."

"اور پھر تمہیں باہر دھکیل دیا۔ ہاہاہا۔" وہ گردن پیچھے پھینک کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ سعدی بھی مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"ایکسکیوزمی' اتفاقی کیا ہے اس میں؟" احمر دانت پہ دانت جمائے خفگی سے بولا تھا۔ فارس نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا' پھر سعدی کی طرف چہرہ موڑے کہنے لگا۔

"یار مجھے کوئی چند دن پہلے جاب لیس کہہ رہا تھا۔"

"اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ وہ کاردارز کے ساتھ کام کر کے بہت پیسہ بنا رہا ہے..." سعدی تیزی سے بولا۔

"اور یہ کہ ہم اس کی ترقی سے جل رہے ہیں....."

"اور میں نے سنا ہے وہ کاردارز کے لئے کیے گئے اپنے سارے کام جسٹفائی بھی کر رہا تھا۔" سعدی اس کے فقرے مکمل کر رہا تھا۔

"اور میں نے اسے کہا کہ کاردارز کی نوکری چھوڑو کیونکہ یہ تمہیں اس طرح ایک دن نکال دیں گے....."

"تو اس نے کہا کہ وہ خاور کی جگہ لے چکا ہے اور اپنی پیاری مالکن کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے۔"

"اور وہ بڑی ڈیزائنر شرٹس اور سلک ٹائی پہننے لگا تھا۔"

"جوتے بھی بڑے چمکدار ہوتے تھے ماموں' ہمیں تو اپنی شکلیں بھی ان میں صاف نظر آتی تھیں!"

"اور.... آہ.... آج وہ بھی جاب لیس ہے۔"

"بالکل ہماری طرح!" اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے قہقہہ لگا کے ہنس پڑے تھے۔ اتنے عرصے بعد سعدی اتنا کھل کے ہنسا تھا۔

احمر نے یہ ساری بکواس بہت خاموشی سے سنی اور برداشت کی تھی۔ پھر بہت تحمل سے بولا۔ "تھینک یو ویری مچ غازی' بہت نوازش آپ کی۔ لیکن میں ان کی جاب ویسے ہی چھوڑ دیتا' میرا مقصد تو پورا ہو چکا تھا۔"

"یار سعدی وہ کیا چیز تھی کھٹی سی اس کہانی میں!" وہ تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے مسکراہٹ دبائے سعدی سے پوچھنے لگا۔

"انگور' ماموں' انگور!" وہ اب آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔

"ہاں صحیح۔ اچھا تم کیا کہہ رہے تھے؟" پھر احمر کی طرف متوجہ ہوا۔ (سعدی اب رخ پھیر کے بیٹھا چینی عورت کو دوبارہ سے ہدایات دینے لگا تھا۔)

"میں.... کہہ رہا تھا کہ...." دانت پہ دانت جمائے وہ برداشت سے بولا تھا۔ "کہ اس آدمی کا پتہ چلا؟ وہ چشمے والا؟"

"صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ وہ ایک گوسٹ (ghost) ہے۔" فارس سنجیدہ ہوا۔ احمر توجہ سے سننے لگا۔ "اس کی تصویر ریکارڈ میں نہیں ہے۔ اس کے فنگر پرنٹ ریکارڈ میں نہیں ہیں۔ وہ عدالت میں داخلے کے وقت جو آئی ڈی کارڈ دکھاتا ہے وہ بھی جعلی ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی آدمی ہے جس نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو دیا ہے۔ اور ہمارا میموری کارڈ بھی اس کے پاس ہے۔"

"کیا یہ ہاشم کے لیے کام کر رہا ہے۔" سعدی نے گردن پھیر کے پوچھا تھا۔

"ہاشم اس کو نہیں جانتا۔" احمر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ "اس کے کسی انداز سے شناسائی کی ذرا سی جھلک بھی نہیں دکھتی۔ یہ آدمی کوئی تیسرا فریق ہے۔"

"اور یہ تیسرا فریق ہاشم کی مدد کر رہا ہے' سعدی کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لئے۔" فارس سوچتے ہوئے بولا تھا۔ "یہ یقیناً ہمارا کوئی دشمن ہے۔"

"میرا تو نہیں ہو سکتا۔ ہاں آپ کے کام ایسے ہوتے ہیں دشمنی والے۔" سعدی نے شانے اچکا کے کہا تھا۔ فارس نے بس گھور کے اسے دیکھا۔

"وہ صحیح کہہ رہا ہے۔ یہ تمہارا کوئی جیل کا دشمن ہو سکتا ہے۔"

"میں کسی کا چہرہ نہیں بھولتا اور یہ آدمی جیل میں نہیں تھا میرے ساتھ۔"

"تو ہو سکتا ہے یہ کسی اور کے لئے کام کر رہا ہو' مگر زیادہ ضروری یہ ہے کہ تمہارے گھر میں اس کے لئے کون کام کر رہا ہے۔"

"ہمارے گھر میں ایسا کوئی نہیں ہے۔" سعدی نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ فارس البتہ خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

"سعدی' میں تمہاری فیملی کی بات نہیں کر رہا۔ کوئی ملازم' کوئی ہمسائیہ' کوئی کالونی کی کسی شاپ والا' کوئی بھی ہو سکتا ہے یہ۔"

"ہو تو سکتا ہے۔" فارس نے کہا تو سعدی نے قدرے برہمی سے اسے دیکھا۔

"ہمارے گھر میں کم از کم کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے دہشت گرد ثابت کروانے کی کوشش کرے۔ کوئی ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟ ریسٹورانٹ کے ملازم بھی بہت پرانے ہیں' گھر کے ملازموں کی تو بات ہی نہ کریں۔ ہم ان سب کو جانتے ہیں۔"

"جانتے تو ہم ہاشم کو بھی تھے۔" وہ اداسی سے مسکرا کے بولا تھا۔ سعدی چپ ہو گیا۔

"ٹھیک ہے سعدی' ہم کسی کے بارے میں خواہ مخواہ غلط گمان نہیں کریں گے اب' مگر ہمیں اپنی آنکھیں اور کان اب کھلے رکھنے ہوں گے۔ اوکے! اور یہ مت بھولنا کہ ہم اس سچویشن میں اس لئے ہیں کیونکہ تم نے اپنا پاسپورٹ لاپرواہی سے پھینک دیا تھا۔" وہ سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔ سعدی خفیف تھا' سو گردن موڑ کے چینی عورت کا کام دیکھنے لگا۔

"فیس کٹ ذرا گول تھا۔ ہاں کچھ اسی طرح کا۔ نہیں تھوڑا کم کرو۔"

"تو پھر....." فارس نے مسکراہٹ دبا کے احمر کو دیکھا۔ "تم آج کل بے روزگار ہو انٹی!"

"ہاں بالکل' سوچ رہا ہوں جیل چلا جاؤں' وہاں دو وقت کی روٹی تو مل ہی جاتی ہے۔" وہ جل کے بولا تھا۔ فارس ہنس کے سر جھٹکتا اپنا موبائل نکال کے دیکھنے لگا۔ سعدی اب چینی عورت کو مزید ہدایات دے رہا تھا اور وہ اسی طرح اسکیچ بناتی جا رہی تھی۔

"سنیئے محترمہ!" غازی مسکراہٹ دبائے موبائل پہ ٹائپ کرنے لگا۔ مخاطب زمر تھی۔ "آج رات ڈنر پہ چلیں گی میرے ساتھ؟"

چند لمحوں میں جواب آیا تھا۔ ”آپ کون؟“

فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ”آپ کا نکما' بے روزگار' دو لوگوں کا قاتل' جیل پلٹ شوہر جس نے آپ کی دولت کے لئے آپ سے شادی کی تھی۔ آٹھ بجے کی بکنگ کروا دوں؟“

”بل کون دے گا؟“

”ظاہر ہے آپ... میں تو کماتا ہی نہیں ہوں۔“

”کروا دو۔ ہونہہ۔“ اور وہ اس کا چہرہ تصور کر سکتا تھا۔ سر جھٹک کر لکھتی۔ (ہونہہ)۔

”یہی ہے۔ بالکل یہی ہے۔“ سعدی اب اس عورت کے ساتھ جھک کے کمپیوٹر اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ بالآخر امید نظر آنے لگی تھی۔ چینی عورت نے اسکرین کا رخ ان دونوں کی طرف پھیرا تو وہ بھی غور سے دیکھنے لگا۔ وہاں ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کا چہرہ نظر آتا تھا۔ اسکن ٹون بھی مناسب حد تک بھری جا چکی تھی' اور وہ اسکیچ کسی اصلی تصویر کے قریب قریب ہی تھا۔

”تمہیں یقین ہے کہ اس کے نقوش ایسے ہی تھے؟“ فارس نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ سعدی نے پورے وثوق سے سر اثبات میں ہلایا۔

”اس کا نام ڈاکٹر مایا تھا' وہ روز میری پٹی کے لئے آتی تھی اور گڈ کاپس جیسی باتیں کرتی تھی۔ مجھے اس کی شکل یاد ہے۔ 90 فیصد یہی شکل تھی اس کی۔ اب کیا کرنا ہے ہمیں؟ اس اہم گواہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے؟“

”اگر تو وہ پاکستانی ہوئی تو مل جائے گی۔“ احمر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

”وہ پاکستانی ہی تھی۔ جتنی اردو اس کی صاف تھی' اور جتنی جلدی وہ مجھے بات بات پہ antibiotic کے کورس پہ لگا دیتی تھی' وہ پاکستانی ڈاکٹر ہی تھی۔“ وہ بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ ”اسے ہاشم یہاں سے لے کر گیا تھا۔ دوبارہ وہ نظر نہیں آئی۔ یقیناً واپس آ گئی ہو گی۔ لیکن تم اسے کیسے ڈھونڈو گے احمر؟“

”بالخصوص اب جب کہ تم جاب لیس ہو۔“ فارس نے دھیرے سے فقرہ مکمل کیا۔ احمر نے صرف ایک تند و تیز نظر اس پہ ڈالی اور پھر سعدی کو دیکھا۔

”یہ کم عمر لڑکی ہے۔ گریجویٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہو گا۔ پی ایم ڈی سی کے پچھلے دس سال کے ریکارڈ میں اسے ڈھونڈ لوں گا میں جب تم یہ رقم...“ ایک کاغذ پہ چند ہندسے لکھ کر اسے فارس کی طرف بڑھایا۔ ”میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دو گے' دوسری صورت میں نہ تو تمہیں اس جیسی اسکیچ آرٹسٹ ملے گی' اور نہ ہی یہ جو اسکیچ بنایا ہے اس کا ایک بھی پرنٹ آؤٹ ملے گا۔ جس کو بھی ہائر کرو گے وہ ہاشم کو بتا دے گا' سو اب فیصلہ کرنے کے لئے تمہارے پاس دس سیکنڈ ہیں اور وائر ٹرانسفر کے لئے ایک منٹ۔“ پھر گھڑی دیکھی۔ ”59 سیکنڈ....58

سیکنڈ۔"

"اچھا اچھا۔" فارس نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا اور موبائل آن کرتے ہوئے اس کاغذ کو پکڑا۔ نقوش تن گئے تھے اور ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا موبائل پہ بٹن دبانے لگا۔ احمر نے ایک دوسرا کاغذ سعدی کی طرف بڑھایا۔

"میری کنسلٹنسی فیس جو آپ ادا کریں گے' کیونکہ آن لائن بینکنگ تو آپ کی بھی ایکٹو ہے۔" جب سعدی اسے گھورتا رہا تو اس نے زور دے کر کہا۔ "مطلب میں اس اسکیچ کو ڈیلیٹ کروا دوں؟" سعدی نے چٹ جھپٹی اور اسے گھورتے ہوئے موبائل نکالا۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد احمر کے موبائل پہ یکے بعد دیگرے دو نوٹیفیکیشن موصول ہوئے۔

"اب بے فکر ہو جاؤ۔ میں اس لڑکی کو ڈھونڈ لوں گا۔" اس نے چینی عورت کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھی اور باہر نکل گئی۔ وہ دونوں اسی طرح تندہی سے اسے گھور رہے تھے۔

احمر شفیع نے کافی کا آخری گھونٹ حلق کے اندر انڈیلا' مگ سامنے رکھا' اور پھر گہری سانس لے کر مسکرا کر ان کو دیکھا۔

"میں جاب لیس نہیں ہوں۔ فری لانسر ہوں۔ تم لوگوں کے ساتھ "جاب" ہی کر رہا تھا جس کی مجھے اچھی بھاری تنخواہ تم دونوں... میرے دو بے روزگار دوستوں نے دے دی ہے۔ بہت شکریہ۔ اب چلتا ہوں۔" کالر جھٹک کے کہتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں ابھی تک بالکل چپ ہو کر اسے گھور رہے تھے۔ (پیدائشی فراڈ!)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرا چہرہ میری آنکھیں ہیں سلامت ابھی

کون کہتا ہے وضاحت نہیں کی جاسکتی

جواہرات کاردار اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ اہانت سے تمتما رہا تھا' کلب کی عورتوں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ سن گلاسز پھینکے' ایئر رنگز نوچ کے اتارے۔ پھر اپنے سراپے کو قد آور آئینے میں دیکھا۔ یہ جھریاں' یہ لکیریں' یہ کہاں سے نظر آنے لگی تھیں؟ غصے اور پریشانی سے اس نے گالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ مضطرب تھی' شکست خوردہ تھی۔ وہ کیا کرے؟

کھلے دروازے سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ لاؤنج میں میری اینجیو اور فیونا ایک ساتھ کھڑی ہو کر کوئی بات دھیمی آواز میں کر رہی تھیں۔ موضوع یقیناً مالکن کی دلچسپ حالت تھی۔

"یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جاؤ اپنا کام کرو۔ جاؤ۔" وہ چلا کر کف پھاڑ انداز میں بولی تھی۔ میری پلٹ گئی۔ فیونا رہ گئی۔

"ہاشم صاحب کا حکم ہے کہ آپ کی طبیعت درست نہیں۔ آپ کو اکیلا نہ چھوڑوں۔ مجھے آپ کے دس میٹر قریب کے دائرہ کار میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے مجھے آپ کے کمرے کے باہر رہنا پڑے گا۔ میں معذرت چاہتی ہوں' میم!" مگر اس کا انداز معذرت چاہنے والا نہیں تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی تھی اور لبوں پہ مسکان جلوہ گر تھی۔

"دفعہ ہو جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہاری جان لے لوں۔" وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔ فیونا نے ادب سے سر کو خم دیا اور اس کے دروازے کے ساتھ رکھے اسٹول پہ جا بیٹھی۔ اس کا انداز فاتحانہ تھا۔ جو کرنا ہے اب کرلو۔

جواہرات اس پہ جھپٹنا ہی چاہتی تھی' گویا اسے ناخنوں سے نوچ کھائے گی مگر اوپر سے زینے اترتا نوشیرواں نظر آیا تو وہ رکی۔ وہ بے زار سا ئرف حلیے میں نیچے آتا دکھائی دے رہا تھا۔

"شیرو۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اس کی طرف لپکی۔ وہ آخری زینے تک پہنچ گیا تھا۔ ایک بے زار نظر اس پہ ڈالی۔ "آپ کو کیا ہوا؟"

"دیکھ رہے ہو تمہارا بھائی کیا کر رہا ہے میرے ساتھ؟" اب اسے پرواہ نہ تھی کہ کون سنتا ہے' کون نہیں۔ "وہ مجھے سزا دے رہا ہے۔ وہ مجھے اذیت دے رہا ہے۔ میرا قصور کیا ہے؟ میں نے صرف وہی کرنا چاہا جس سے اس کے مسئلے کم ہوں۔"

"تو میں کیا کروں ممی؟" وہ اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔ اور سینٹر ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کیا۔ دیوار پہ نصب دیو ہیکل اسکرین چمک اٹھی۔ جواہرات ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کے جلدی جلدی بولی۔ "تم اس سے بات کرو۔ اس سے کہو کہ وہ اپنا رویہ بدلے۔"

"بھائی میری نسبت آپ کی زیادہ مانتا ہے ممی۔ آپ دونوں کا آپس میں زیادہ اچھا رابطہ ہے۔ مجھے پتہ نا ہوا' علیشا کے شیئرز واپس خرید کے مجھے کمپنی سے کک آؤٹ کرنا ہو' ہر چیز آپ دونوں جیسے پہلے طے کرتے تھے' ویسے ہی کرلیں۔"

"نوشیرواں... میں تمہاری ماں ہوں۔" وہ بے یقینی سے چلائی تھی۔

"اور آپ نے مجھے یہی سکھایا ہے۔" وہ ترحم زدہ نظر اس پہ ڈال کے بولا تھا۔ "کہ ہمیشہ اپنا مفاد دیکھو۔ کبھی بڑے بھائی کی غلط باتوں پہ اس کو ٹوکو نہیں۔ بس پیسہ خرچ کرو' سکون سے عیش کرو' بزنس کے معاملات' کس کو کب قتل کرنا ہے' کس کو اغوا کرنا ہے' یہ سب ہمیں ہینڈل کرنے دو۔ آپ نے مجھے کبھی کچھ ہینڈل کرنا سکھایا ہی نہیں۔ کبھی بڑا ہونے ہی نہیں دیا تو اب میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ آپ کا مسئلہ حل کرسکوں۔"

"تم...' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ "تم اس سے بات تو کرسکتے ہو۔ اس کو اتنا تو کہہ سکتے ہو کہ وہ بے حس نہ بنے۔"

"اسے یہ سب کچھ آپ نے بنایا ہے۔ ظالم' بے حس۔ اب اس کا دل پتھر کا ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ بھائی کو پتھر کا مجسمہ آپ نے بنایا ہے۔ سنگِ مرمر کی طرح اس کو رگڑ رگڑ کے پالش کیا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے پتھر سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں ممی۔ میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا' کیونکہ مجھے کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ میں ایک ٹوٹل Failure ہوں' اور اب جب کہ میں اپنی روشنی ڈھونڈنے جا رہا ہوں تو مجھے اتنا خودغرض بنا دیا ہے ان گزرے سالوں میں آپ نے کہ میں خود اکیلا ہی منور ہونا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ مجھے معاف رکھیں اپنے معاملوں سے۔ ہم Yousufs نہیں ہیں' چھوٹے گھر میں رہنے والے عام لوگ نہیں ہیں ہم جن کا بچہ بچہ اپنے مسئلے خود حل کرسکتا ہے۔ میں نہیں کرسکتا۔ جانتی ہیں کیوں؟" وہ کہہ رہا تھا اور اس کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ ''کیونکہ کٹھن وقت میں اپنے مسئلے صرف وہی شخص خود حل کر سکتا ہے جو اچھے وقتوں میں دوسروں کے مسئلے حل کرتا آیا ہو۔ ان کی ماں نے ان کو دوسروں کے مسئلے دور کرنا سکھایا ہے' اور میں تو کسی قابل نہیں ہوں۔ مجھے آپ نے کبھی کسی قابل ہونے ہی نہیں دیا۔'' سر جھٹک کے اس نے ٹی وی بند کیا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بے بسی سے آنکھوں میں آنسو لئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بولوں گا جھوٹ تو مر جائے گا ضمیر

کہہ دوں اگر میں سچ تو مجھے مار دیں گے لوگ۔

اس پر سکون سی کالونی میں سبز بیلوں سے ڈھکے مور چال کے اندر تناؤ زدہ ماحول چھایا تھا۔ لاؤنج کے ایک کونے میں فارس اور سعدی آمنے سامنے کھڑے تھے' اور سعدی برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ''میری بہن گواہی نہیں دے گی۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

''سعدی زمر اسے نہیں بلائے گی تو ہاشم اسے بلائے گا۔ اسے پیش ہونا پڑے گا' فارس اس کو دھیمی آواز میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں بے غیرتوں کی طرح اس کو بے عزت ہوتے دیکھوں؟ وہ آدمی ہر طرح کے سوال پوچھے گا۔'' سعدی کا چہرہ گلابی پڑ رہا تھا اور وہ بار بار نفی میں سر ہلاتا تھا۔

''آہستہ بولو۔ تمہاری امی سن لیں گی تو ان کو کیا وضاحتیں دیتے پھرو گے۔' اس نے دبی آواز میں جھڑکا تھا۔ ندرت کچن میں کھڑے ہو کے چولہا اپنی نگرانی میں حسینہ سے صاف کروا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ لاؤنج کے پرلے کونے میں کھڑے وہ دونوں کس بات پہ بحث کر رہے تھے اور زمر اندر کمرے میں حنین کو کن سوالات کی تیاری کروا رہی تھی۔ وہ زخمی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

''یہ اولاد کیا سمجھتی ہے؟ ماں کچن میں مصروف ہے اور باپ دفتر میں تو ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا؟ اس اولاد کو کون سمجھائے کہ ماں باپ کو ان کی رگ رگ کی خبر ہوتی ہے۔ یہ رات کو کمبل میں موبائل جلا کے کیا کر رہے ہیں' یا باتھ روم موبائل ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں' کس کتاب میں رکھ کے کون سا رسالہ پڑھتے ہیں' سب طرف نظر ہوتی ہے ماں کی۔ ماں کے سینے میں کتنے راز دفن ہوتے ہیں' یہ بچے کب جان پائیں گے آخر؟ بس جب نظر آ رہا ہو کہ بچہ بگڑ رہا ہے تو بروقت کی روک ٹوک سے معاملہ خراب کرنے کی بجائے اسے مزید توجہ' اور پیار دینے کی کوشش کرتے ہیں میرے جیسے والدین۔ اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو پلٹا لائے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ماں کو کبھی نہیں پتہ چلے گا کہ کیا کیا گل کھلائے ہیں انہوں نے۔ ۔ بے غیرت نہ ہو تو۔) وہ ساتھ ساتھ چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخ بھی کر رہی تھیں۔

''میں پھر سماعت پہ نہیں آؤں گا۔'' وہ خفا اور برہم سا کہہ رہا تھا۔ فارس نے مزید کوفت سے اسے دیکھا۔ ''مطلب اپنی بہن کو اکیلا کر دو گے؟ اس سے ہاشم کو کیا پیغام ملے گا' ہاں؟'' سعدی خاموش ہو گیا مگر ابرو ہنوز بھنچے ہوئے تھے۔

اوپر حنین کے کمرے میں آؤ تو وہ بیڈ پہ سر جھکائے اکڑوں بیٹھی تھی۔ ہاتھ باہم پھنسائے' وہ لب کاٹے جا رہی تھی۔ سامنے کرسی پہ بیٹھی زمر

نوٹ پیڈ ہاتھ میں لئے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ کھنکھاری۔ "ایک دفعہ پھر سے شروع کرتے ہیں۔ لیکن تم نے اب نہیں رونا۔ اگر فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس سب کا سامنا کرو۔" حنین نے جھکے چہرے کے ساتھ گیلی آنکھیں رگڑ لیں۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ہاشم کی اپروچ کیا ہو گی۔ دیکھو تم میری گواہ ہو، جب حلف لو گی تو میں پہلے سوال کروں گی۔ اسے Examination in chief کہتے ہیں۔ پھر وہ آئے گا اور تم سے جرح کرے گا (جرح کو کراس کرنا کہتے ہیں) اور ضروری نہیں کہ ان سوالوں کا تعلق میرے سوالوں سے ہو۔ وہ تمہارا کردار مسخ کرنے کی کوشش کرے گا...." (حنین نے کرب سے آنکھیں بند کیں) "تمہاری کریڈیبلٹی کو ٹھیس پہنچائے گا، تم نے جواب میں صرف سچ بولنا ہے۔ عزت صرف سچ دلایا کرتا ہے۔ محتاط سچ۔ پھر میں دوبارہ تمہیں re-exmanie کر سکتی ہوں لیکن اب میں صرف ان باتوں کی وضاحت کے لئے سوال کر سکتی ہوں جو اس نے پوچھی تھیں۔ نئی بات نہیں ایڈ کر سکتی۔ پھر وہ دوبارہ میری بات کا تاثر زائل کرنے کے لئے کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہے۔ اسے re-cross کہتے ہیں۔" حنین کچھ نہیں بولی، چہرہ جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"میں تم سے سوال پوچھ چکی ہوں، تم جو جانتی تھی کاردارز کے بارے میں، سب بتا چکی ہو اب سمجھو کہ میں ہاشم کاردار ہوں اور میں یہاں تمہیں cross کرنے لگی ہوں۔ اوکے!"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ نظریں اب بھی جھکی تھیں۔

"حنین یوسف خان۔" زمر نوٹ پیڈ کو دیکھ کر بولی۔ "ملزم نوشیرواں کاردار کو آپ کتنے عرصے سے جانتی ہیں؟"

"تقریباً آٹھ سال سے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"اور یقیناً آپ مجھے بھی جانتی ہوں گی؟" حنہ نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایک دم لگا وہ کٹہرے میں کھڑی ہے اور سامنے قیمتی سوٹ میں ملبوس، تیز پرفیوم کی خوشبو سے مہکتا ہوا وہ کھڑا ہے اور مسکرا کے اسے دیکھ رہا ہے۔

"جی!" اس کی آواز پست تھی۔ دل کانپا تھا۔

"ابھی آپ نے کہا کہ آپ کئی ماہ سے میرے خاندان کی اصلیت سے واقف تھیں، لیکن کیا آپ نے میرے منہ پہ مجھے کبھی ایسی بات کہی؟"

"نہیں!" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "مجھے دیر سے پتہ چلا تھا۔"

"کتنا دیر سے؟ کیونکہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ کئی ماہ آپ مجھ سے واٹس ایپ پہ رابطے میں رہی تھیں، دن میں کئی دفعہ میسج کرتی تھیں؟"

"یہ درست ہے مگر مجھے اس وقت آپ کی اصلیت نہیں پتہ تھی۔"

"اور وہ باتیں آپ اپنی فیملی سے چھپ کے کرتی تھیں۔ کیا معلوم ہونے پہ آپ کی فیملی اس بات کو پسند کرتی؟"

"مجھے نہیں پتہ!"

''اور جیسا کہ آپ نے Examination in chief کے دوران کہا...ایک جمعے کی دوپہر بریانی کھاتے ہوئے آپ کے گھر میں، میں نے وہاں بیٹھ کے آپ لوگوں سے معافی مانگی تھی!''

''جی۔آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔''

''حنین' کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر ہیں؟''

''جی!''اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔سارے منظر دھندلا رہے تھے۔

''اور کیا آپ کے فیملی اینڈ فرینڈز آپ سے فیورز مانگتے رہتے ہیں؟''

''میں ناجائز کام نہیں کرتی۔''

''چلیں اپنے دوستوں کو کسی کرائسز سے نکالنے کے لئے اپنی ہیکنگ skills تو آزمائی ہوں گی آپ نے؟''

''جی!''وہ بولی تو زمر کی آواز پس منظر میں سنائی دی۔''احمر نے بتایا ہے کہ وہ جانتا ہے اوپی صاحب کے بارے میں سب کچھ۔اب وہ leading سوال پوچھے گا۔''پھر جیسے اسے ہاشم کی آواز سنائی دینے لگی۔ہر سو دھند تھی اور وہ خود کو کٹہرے میں کھڑا محسوس کر رہی تھی۔

''کیا کبھی کسی بارسوخ عہدے پہ موجود آدمی نے آپ کی خدمات کے لئے آپ سے رابطہ کیا؟''

''جی۔''اس کی آواز کپکپائی۔

''اور کیا مدد مانگی تھی انہوں نے آپ سے؟اب یہاں حنہ میں آبجیکٹ کروں گی کہ وہ موضوع سے ہٹ رہا ہے مگر جج میرا اعتراض رد کر دیں گے۔پھر تم جواب دو گی۔''

''ان کی بیٹی کی عزت خطرے میں تھی'وہ اس کو بچانا چاہتے تھے۔''

''اور یہ کام کرنے کے لئے آپ نے بدلے میں کوئی فیور مانگا تھا ان سے؟''

''جی۔مانگا تھا۔''

''آپ ان صاحب کا نام اور اس کام اور فیور کی تفصیل کورٹ کو بتائیں گی تاکہ کورٹ کو معلوم ہو سکے کہ آپ کس کردار کی حامل ہیں۔''

''وہ مر چکے ہیں میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔''اس نے ہچکی لی۔

زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔''ایسے نہیں حنہ۔تمہیں جواب دینا ہوگا'لیکن احتیاط سے۔''پھر وہ ٹھہری۔

''آپ ہاشم کا رداز نہیں ہیں۔''وہ ایک دم گیلا چہرہ اٹھا کر بولی تو زمر نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔''اس لئے آپ یہاں سے جائیں۔''

''حنہ پھر witness prep کیسے کرو گی؟تمہاری وکیل ہونے کی حیثیت سے....''

''آپ میری وکیل نہیں ہیں۔آپ سعدی یوسف کی وکیل ہیں۔میں اپنی وکیل خود ہوں۔میں اپنا مسیحا خود ہوں۔یہ میری غلطی تھی۔میں

اسے خود فکس کروں گی۔ پلیز آپ جائیں۔'' زمر گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔ باہر آئی تو فارس سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا تھا۔ ''ہمیں اسے دبئی بھیج دینا چاہیے۔'' وہ اسے دیکھ کے ناخوشی سے بولا تھا۔ سعدی کو جو کہا سو کہا' مگر وہ خود بھی خوش نہیں تھا۔

''میرا بھی یہ خیال ہے۔'' وہ آزردگی سے سر ہلا کے رہ گئی۔ پھر چونک کے اسے دیکھا۔

''وہ ڈنر....'' ابھی یاد آیا۔

''ویک اینڈ پہ۔'' وہ تکان سے مسکرایا۔ ''مگر بل آپ دیں گی۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ خفگی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاتھوں کا ربط حرفِ خفی سے عجیب ہے

ملتے ہیں ہاتھ راز کی باتوں کے ساتھ ساتھ

وہ رات قصرِ کاردار پہ پہلے سے زیادہ ویران اور بوجھل سی اتر رہی تھی۔ لاؤنج میں ٹی وی چلنے کی مدھم آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں جواہرات بڑے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ وہ پہلے سے بہت بہتر اور سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ دوا کا اثر تھا' موڈ بھی ٹھیک تھا۔ ساتھ سونیا پیر اوپر کر کے بیٹھی ٹیبلٹ گھٹنوں پر رکھے' گیم کھیل رہی تھی۔

''ممی!'' دفعتاً اس نے سر اٹھا کے جواہرات کو مخاطب کیا۔ وہ چونکی' پھر مسکرا کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''ہوں۔'' اور نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''بابا اب اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟''

''بابا کے کچھ پرابلمز ہیں نا۔ اس لیے۔'' وہ پیار سے بولی تھی۔ سونی چونکی۔ آنکھیں اٹھا کے اسے تعجب سے دیکھا۔ بالکل ہاشم کی آنکھوں جیسی تھیں وہ۔ چمک دار اور ذہین۔

''بابا کے کیا پرابلمز ہیں؟''

''کچھ برے لوگ ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ فارس غازی جیسے۔''

''فارس انکل؟'' سونی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ برے نہیں ہیں۔''

''وہ بہت برے ہو گئے ہیں اب چندا۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجھے' تمہیں' تمہارے بابا' شیرو سب کو مار دیں۔ ہمیں جیل میں ڈال دیں۔ وہ ہمارے دشمن بن گئے ہیں۔ انہوں نے ہمارے پلانٹ میں آگ لگوائی' شیرو کو اتنے دن جیل میں قید رکھا' وہ بہت خطرناک ہیں۔''

سونیا حیرت اور تعجب سے اس کو دیکھے گئی۔

''اور بس تم نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ تمہارے بابا سب سے اچھے ہیں' اور ان کے دشمن بہت برے۔ کبھی بھی اپنے بابا' مجھے' شیرو کو doubt

نہیں کرنا۔اور اگر کبھی فارس سے ملاقات ہوتو ان سے بات تک نہیں کرنی۔وہ گندے لوگ ہیں۔دہشت گرد اور قاتل۔آئی سمجھ۔"

سونی نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔اس کا ننھا دماغ ان باتوں کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ گم صم سی ہو گئی۔

"بس سونیا۔کھانا کھالیں'" فیونا کی آواز آئی تو سونی اٹھ کے اس کی طرف بھاگ گئی۔فیونا ٹرالی دھکیلتی ڈائننگ ہال میں جا رہی تھی۔ایسے میں جواہرات نے دیکھا'سونی کا ٹیب وہیں صوفے پہ رکھا تھا۔جواہرات نے کشن اٹھایا'اس کے اندر ٹیب بھی (اس سمت سے جہاں سی سی ٹی وی کیمرہ اس کو نہیں پکڑ سکتا تھا) اور اسے لئے اندر کمرے میں آ گئی' گویا سونے کے لئے جا رہی ہو۔

دروازہ بند کرتے ہی اس نے ٹیب کھولا'اور تیز تیز کیز دبانے لگی۔ٹیب کی چمکتی اسکرین کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی اور وہ نیلاہٹ بھری سفیدی سے روشن لگ رہا تھا۔ایسا نیلا سفید جوزہر سے بھرے وجود کا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پھرتے ہیں مثلِ موجِ ہوا شہر میں،

آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو!

اس صبح یوں لگتا تھا پورا شہر پسینے سے چپ چپ کر رہا ہو۔ایسے میں جیل کے ملاقاتی ہال میں شدید گھٹن اور حبس محسوس ہوتا تھا۔بوتھ کے دونوں اطراف میں انسانوں کی قطاریں لگی تھیں۔باری باری قیدی اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کر رہے تھے۔

چار سال تک وہ سوراخوں والی اسکرین سے مزین بوتھ کے دوسری طرف ہوتا تھا۔آج وہ اس طرف بیٹھا تھا اور نگاہیں سامنے بیٹھے نیاز بیگ پہ جمی تھیں۔قیدیوں کا لباس پہنے'بڑی مونچھوں والا'تیوریاں چڑھائے نیاز بیگ ناخوش لگتا تھا۔

"تمہاری بی بی چکر لگا گئی ہے۔میرا بیان نہیں بدلے گا۔میں نے ماری تھیں سعدی یوسف کو گولیاں۔"

"شاید تم مجھے جانتے نہیں ہو۔" وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا مگر دوسری طرف کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔نیاز تلخی سے مسکرایا تھا۔"جانتا ہوں صاب.....بہت قصے سنے ہیں تمہارے اس جیل میں۔" اور ناک سے مکھی اڑائی۔

فارس نے غور سے اسے دیکھتے لہجے کو دھیما کیا۔"دیکھو'تم دو کیسز میں نامزد ہو۔شہرا ملک اغوا کیس میں تم بے قصور ہو اور اگر میں چاہوں تو شہرا کو منا سکتا ہوں'وہ تمہارا نام واپس لے لے گی۔سعدی یوسف اغوا کیس میں تم اغوا کے مجرم ہو'اقدامِ قتل کے نہیں۔لیکن ہم تمہارا نام خارج کر دیں گے'اور تم آزاد ہو جاؤ گے اگر....." اس نے وقفہ دیا۔نیاز بیگ غور سے اسے دیکھتا سن رہا تھا۔

"اگر تم عدالت میں سچ بول دو۔"

"میں نے سعدی یوسف کو گولی ماری تھی'یہی سچ ہے۔"

"نیاز بیگ۔" فارس نے افسوس سے سر ہلایا۔"کتنے پیسے دینے کا کہا ہے ہاشم کاردار نے؟ وہ میرا کزن ہے۔خون ہے میرا۔میں اسے جانتا ہوں۔ادھر تم نے گواہی دی'ادھر تم اس کے لئے خطرہ بن جاؤ گے۔وہ تمہیں جیل میں ہی ختم کروا دے گا۔"

نیاز بیگ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر وہ انہی سخت تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''ہم سب جانتے ہیں کہ تم نے یہ نہیں کیا۔'' اس نے میز پہ رکھے پرنٹ آؤٹس اٹھائے اور شیشے کی اسکرین کے سامنے کیے۔ پہلے پہ سعدی یوسف کا خون میں لت پت وجود پڑا تھا۔ ''یہ تم نے نہیں کیا۔ اتنے پیارے نوجوان کو تم نے نہیں مارا۔ وہ بھی چند ڈرگز کے پیچھے۔ یا اس کے اس سیل فون کے پیچھے جسے تمہارے بیان کے مطابق تم نے بیچ دیا تھا۔'' اس نے دوسرا کاغذ سامنے کیا۔ نیاز بیگ خاموشی سے شیشے کے پار لہراتے کاغذ دیکھنے لگا۔

''کوئی کیسے یقین کرے گا کہ تم ایک لڑکے کو اتنی بری طرح پیٹ سکتے ہو اس کو اتنی گولیاں مار سکتے ہو وہ بھی صرف اس سیم سانگ گلیکسی ایس 6 کے لئے؟ کتنے کا بک گیا ہو گا یہ فون؟ عدالت کو کیا اس فون کی قیمت نہیں معلوم ہو گی؟'' کاغذ پہ اب سیاہ رنگ کا موبائل نظر آ رہا تھا۔ اس نے کاغذ نیچے رکھے اور ترحم سے اسے دیکھا۔ ''تمہارا بیان کمزور ہے' کوئی یقین نہیں کرے گا۔ اور وقت پڑنے پہ ہاشم کاردار تم سے چھٹکارا حاصل کر لے گا۔ اس لئے اس کی باتوں میں مت آؤ۔ عدالت میں کم از کم اتنا کہہ دو کہ تم نے سعدی کو گولیاں نہیں ماری تھیں۔''

''اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟'' وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ فارس کے چہرے پہ بالآخر مسکراہٹ اُمڈ آئی۔

''پیسے چاہیے ہیں؟ میں دوں گا اور تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔ کیا سمجھے؟'' نیاز بیگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ فارس نے اب ایک اور کاغذ سامنے کیا۔ ''تمہاری بیرک کا سپاہی تمہیں یہ کاغذات دے دے گا۔ یہ چند فقرے یاد کر لینا۔ یہ بولو گے تم عدالت میں۔''

''تم واقعی مجھے پیسے دو گے؟'' وہ اب مشکوک لگتا تھا۔

''آزما کے دیکھ لو۔'' نیاز بیگ نے اب کے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔ وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

فارس وہاں سے باہر آیا تو جیل کی حدود سے نکل کر اس نے زمر کو فون ملایا۔

''کام ہو گیا ہے۔ نیاز بیگ مسئلہ نہیں کرے گا۔ اس کی جرح ہمارے حق میں جائے گی۔''

''پکی بات ہے نا؟'' وہ مشکوک تھی۔ ''وہاں جا کر وہ تمہاری ہر بات بھول گیا تو؟''

''نہیں میں تو بے کار آدمی ہوں' مجھے تو کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ جاب لیس' نکما ہوں میں۔''

''ساتھ میں دو نمبر بھی ہو'' اور وہ دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

اور ادھر اس کے جاتے ساتھ ہی نیاز بیگ واپس آ کر ایک بڑے کمرے میں آیا جہاں موبائل جیمرز اثر نہیں کرتے تھے۔ وہاں لمبے لیٹے آدمی سے اس نے موبائل مانگا اور پھر کونے میں جا کر کال ملائی۔ فون کان سے لگاتے ہی وہ بولا تھا۔ ''کاردار صاحب۔ نیاز بیگ بول رہا ہوں۔''

''اتنی صبح فون کرنے کا مطلب ہے فارس غازی آیا تھا تمہارے پاس؟'' ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا چند فائلز دیکھ رہا تھا انداز میں اطمینان تھا۔

''جی۔ابھی ابھی گیا ہے۔''

''کیا کہا اس نے؟ وہی جو میں نے کہا تھا؟ کہ ہاشم کاردار تمہیں مروا دے گا' میں تمہیں زیادہ پیسے دوں گا وغیرہ وغیرہ۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''ایک ایک حرف وہی کہا اس نے۔'' وہ آگے سے ہنسا تھا۔

''گڈ۔تم نے کیا کیا؟''

''وہی جو آپ نے کہا تھا۔اسے سوچنے کا تاثر دیا ہے' مگر اسے یقین ہے کہ میں مان گیا ہوں۔''

''ویری گڈ۔اب وہ عدالت میں جرح کی تیاری غلط رخ سے کریں گے۔تم اپنی تیاری پوری رکھو۔''

''جو حکم صاب۔ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' نخوت سے کہہ کر ہاشم نے فون میز پہ ڈال دیا۔پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔''میں شہر بھر کے گواہوں کو خرید سکتا ہوں' جانتا نہیں ہے یہ کیا؟'' منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ کاغذ الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جی میں آئے جو کر گزرتا ہے

تُو کسی کا کہا نہیں کرتا!

مورچال کے لاؤنج میں چھٹی والے دن کی رونق تھی۔زمر' فارس اور سعدی مخالف صوفوں پہ بیٹھے تھے' اور تینوں اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔نیچے کشن پہ سیم لیٹا تھا اور وہ بھی ٹیب پہ کچھ کھیل رہا تھا۔ایک کونے میں ڈسٹنگ کرتی حسینہ کام چھوڑ کے اپنا فون دیکھ رہی تھی۔ایسے میں وہیل چیئر پہ بیٹھے خاموش سے بڑے ابا باری باری سب کے جھکے چہرے تک رہے تھے۔

''کیا ہم یہ طے نہیں کر سکتے کہ جب سارے گھر والے ساتھ بیٹھے ہوں تو کوئی اپنے موبائل کو نہیں دیکھے گا؟ (سب کے موبائل ایک ساتھ نیچے ہوئے۔) اور اسامہ' کیا تمہیں ایسے گیمز کھیلنے کا شوق نہیں ہے جو تمہیں باہر جا کے کھیلنے ہوں۔چل پھر کے۔بھاگ دوڑ کے۔'' ابا نے اسے پکارا تو سیم اسکرین پہ نگاہیں جمائے خوشی سے بولا تھا۔''ہے نا بڑے ابا۔لیکن پتہ نہیں Pokemon Go پاکستان میں کب آئے گی۔'' (اس نے اس موبائل گیم کا نام لیا جس کو کھیلنے کے لیے موبائل ہاتھ میں لے کر چلنا پھرنا پڑتا ہے)

''ابا صحیح کہہ رہے ہیں۔'' زمر اپنا فون رکھتے ہوئے بولی تھی۔''جب ساری فیملی ساتھ بیٹھی ہو تو کوئی موبائل استعمال نہیں کرے گا اور حسینہ آپ کی ڈسٹنگ نہیں ہوئی۔'' ساتھ میں خفگی سے اس کو بھی لتاڑا۔وہ جلدی سے فون رکھ کے ہڑبڑا کے کام کرنے لگی۔فارس جو اپنا موبائل جیب میں رکھ ہی رہا تھا' ایک دم چونک کے حسینہ کو دیکھنے لگا جس نے ابھی ابھی ایک چمکتا ہوا اسمارٹ فون سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔پھر اس نے سعدی کو دیکھا۔وہ فون رکھ کے بڑے ابا سے بات کرنے میں مصروف تھا' متوجہ نہیں تھا۔فارس نے پھر سے حسینہ کے فون کو دیکھا۔

''حسینہ.....یہ نیا ہے؟ کافی مہنگا لگتا ہے۔ کس نے لے کر دیا؟ آپا نے؟'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔ سعدی بھی چونک کے اس طرف دیکھنے لگا۔ حسینہ نے ایک دم سب کو اپنی طرف متوجہ پایا تو اس کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

''نہیں فارس بھائی۔ صداقت نے لے کر دیا ہے۔''

''ماشاءاللہ صداقت لگتا ہے پیسے جوڑ جوڑ کے رکھنے لگ گیا ہے۔ دو ماہ پہلے تک تو نیا جوتا خریدنے سے پہلے بھی سو بار سوچتا تھا۔'' اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے حسینہ کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''نہیں جی، کمیٹی ڈالی تھی ہم نے۔ ابھی قسطیں دینی ہیں۔'' وہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔ فارس ''ہوں۔'' کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''گھر کی باتوں پہ نہ جائیں، ماموں۔ ہمارے ملازم ایسے نہیں ہیں۔'' وہ انگریزی میں تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتہ ہے، میں تو یونہی۔'' اس نے سر جھٹکا۔ زمر اور بڑے ابا بھی نادہی نظروں سے اسے دیکھنے لگ گئے تھے۔

''اس نے واقعی کمیٹی ڈالی ہے اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں ڈالی ہے۔'' زمر نے اسے گھور کے دبی آواز میں کہا تھا۔ بڑے ابا کو بھی برا لگا تھا شاید۔ اور حسینہ کو بھی احساس ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم دکھی نظر آنے لگی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' فارس نے جان چھڑانی چاہی۔

''ہم صداقت کو عرصہ دراز سے جانتے ہیں فارس۔ وہ بہت ایماندار اور شریف لڑکا ہے۔'' ابا نے سبھاؤ سے اس کو گویا سمجھایا یا شاید بہت کچھ واضح کیا۔

''جی، مگر.....'' وہ گہری سانس لے کر اٹھا۔ ''ہم اس کی بیوی کو تو عرصہ دراز سے نہیں جانتے۔ خیر میں بس ایک بات کر رہا تھا۔'' انگریزی میں کہہ کر معذرت کرتا وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔ فارس سے کون بحث کرتا، لیکن حسینہ کے لئے بھی سب کو برا محسوس ہو رہا تھا۔ بے چاری بے گناہ غریب لڑکی پہ وہ شک کرنے لگا تھا۔ یونہی خواہ مخواہ میں۔ اسے ایسے نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ زمر، ابا اور سعدی سب یہی سوچ رہے تھے۔

اوپری منزل پہ آؤ تو حنین اپنے کمرے کے بند دروازے کے اندر، آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ پژمردہ چہرہ، حلقوں والی آنکھیں لئے، وہ اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گردن کڑا کر کہنے کی کوشش کی۔

''یور آنر، یہ مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے ان سے کبھی موبائل پہ باتیں نہیں کیں۔'' آواز کپکپاتی ہوئی اور لہجہ کمزور تھا۔ مگر اس نے پھر سے کہنے کی سعی کی۔

''جی نہیں۔ میں کسی اوپی کو نہیں جانتی۔ جی نہیں، میرے پاس کبھی فرینڈز اینڈ فیملی فیورز لینے نہیں آتے۔ آپ بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں۔ میں آپ کو sue کر سکتی ہوں۔'' آواز پھر سے کانپی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر آنکھیں رگڑیں اور اپنا موبائل اور پرس اٹھا کے کمرے سے باہر نکلی۔ اسے سیم کے ساتھ وال پیپر لینے بلیو ایریا جانا تھا۔

حنین اور سیم کو صداقت ڈرائیو کر کے ابھی کالونی کے اختتام تک ہی لایا تھا جب ایک لمبی چمکتی ہوئی کار سامنے سے آتی دکھائی دی۔ جب

دونوں گاڑیوں نے ایک دوسرے کو پاس کیا تو حنین نے دیکھا' پچھلی سیٹ پہ آبدار عبید بیٹھی نظر آرہی تھی۔ (کار کے شیشے سیاہ تھے' مگر اس نے شیشہ گرا رکھا تھا اس لئے دکھائی دیتی تھی۔) زندگی میں پہلی بار حنین جان گئی تھی کہ جواہرات جوانی میں کیسی ہوتی ہوگی۔

وہ برآمدے میں کرسی پہ ٹیک لگائے سوچ میں گم بیٹھا تھا جب کھلے گیٹ کے پار وہ آتی دکھائی دی۔ فارس چونک کے سیدھا ہوا۔ وہ بال چہرے کے ایک طرف ڈالے' سر پہ سرخ ریشمی رومال لپیٹے' سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ اسے بیٹھے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سر کو خم دیا۔ آبدار اس کے بالکل مقابل آرکی۔ سبز سرمئی آنکھوں سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ آپ ادھر کیسے؟'' آج تیوری نہیں چڑھی تھی۔

''اس دن بات ادھوری رہ گئی تھی میں اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتی تھی ذرا۔ اگر آپ مجھے چند منٹ مزید برداشت کرسکیں تو بیٹھ کے بات کرلیں؟'' کہنے کے ساتھ اس نے کرسی کھینچی۔ وہ ''جی بیٹھیے۔'' کہتا دوسری کرسی کی طرف آیا۔ بار بار غور سے اس کو دیکھتا بھی تھا۔ گویا الجھن کا شکار ہو۔

''میری وجہ سے آپ کو مشکلات پیش آرہی ہیں' میں جانتی ہوں۔'' وہ کرسی پہ ٹیک لگا کے اپنے ازلی شاہانہ انداز میں بیٹھ گئی اور دو انگلیوں سے کان کی بالی چھیڑتے ہوئے' نظروں کے حصار میں اس کا چہرہ مقید کیے گویا ہوئی۔

''میری ہر وقت آپ کی توجہ گھیرنے کی خواہش سے آپ کی وائف ان سیکیور رہنے لگی ہیں۔ پھر میری اس معصوم خواہش کو غلط رنگ دے کر بابا نے جو کیا میں اس کے لئے بھی شرمندہ ہوں اسی لئے وہ ہیرے کی لونگ واپس کرنے آگئی تھی' ہاں مگر تب مجھے لگا تھا کہ آپ کی وائف آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں' وہ آپ کو ڈیزرو نہیں کرتیں۔ لیکن میں غلط تھی۔ میں ان کو سمجھ نہیں سکی تھی شاید۔ ایک دوست کی حیثیت سے صرف آپ کو خبردار کرنا چاہتی تھی' مگر ان کے خلاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور اب جب کہ مجھے احساس ہو چکا ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں تو میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی غلط فہمی در آئے۔ امید ہے میری طرف سے آپ کا دل صاف ہو گیا ہوگا۔''

فارس نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔ ''آپ یہ سب پہلے کلیئر کر چکی ہیں۔''

''مجھے آپ سے ایک گلہ بھی کرنا تھا۔'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اداس مسکراتی نظریں اس پہ جمائے کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے مجھے استعمال کیا سعدی تک پہنچنے کے لئے۔ مجھے برا نہیں لگا مگر اچھا بھی نہیں لگا۔''

''چلیں۔ کولمبو میں' میں نے آپ کو ایڈونچر تو دیا نا۔''

''کون سا ایڈونچر؟ آپ تو فرار ہو گئے تھے میں تو اکیلی رہ گئی تھی۔ آپ بار بار بھول جاتے ہیں کہ میں اتنے مسائل کا شکار آپ کی وجہ سے ہوں۔''

اور پہلی دفعہ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ چہرے پہ افسوس در آیا۔ اس نے سر جھکا دیا۔ پھر گہری سانس لی۔ "آئی ایم سوری۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"مسز کاردار مجھے مسلسل نفرت انگیز پیغامات بھیج رہی ہیں۔" اس نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھایا جسے فارس نے قدرے بھاری ہوتے دل کے ساتھ تھام لیا۔ وہ عجیب کیفیات کا شکار ہو رہا تھا۔ "آپ نے وہ ویڈیو ہاشم کو دے دی' میرا نہیں سوچا اب وہ اس کا انتقام مجھ سے لیں گی۔"

"آپ خود ہی تو وہ ثبوت ہمیں دینا چاہتی تھیں' یہ بات آپ کو پہلے سوچنی چاہیے تھی۔" آواز پہ ان دونوں نے چونک کے دیکھا۔ زمر باہر آتے ہوئے ٹھنڈے سے انداز میں بولی تھی۔ آبدار بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مسز زمر!" مسکرا کے گویا ہوئی۔ "میں آپ سے معذرت کرنے آئی تھی۔ میں نہیں چاہتی آئندہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہو۔"

زمر نے فارس کے برابر میں کرسی کھینچی اور اس پہ بیٹھی۔ "آپ کو کیوں لگا آپ کی وجہ سے ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گی؟ ہم outsiders کی وجہ سے آپس میں نہیں جھگڑا کرتے۔" فارس نے کچھ نہیں کہا' وہ موبائل پہ میسجز دیکھ رہا تھا۔ آبدار کے چہرے پہ افسوس اتر آیا۔ "لگتا ہے آپ ابھی تک خفا ہیں۔ مگر چلیں میں خوش ہوں کہ فارس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اور ہاں۔ یہ میں آپ کے لیے لائی تھی۔" اس نے پرس کے ساتھ پکڑا ننھا سا باکس میز پہ رکھا۔

فارس نے خاموشی سے فون اسے واپس کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے باکس کو دیکھا۔

"یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ پرفیوم۔ مجھے اچھا لگا میں نے لے لیا۔"

"سوری میں یہ تحفہ نہیں لے سکتا۔" وہ شائستگی سے معذرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ (زمر نے برہمی سے اس تحفے کو دیکھا تھا۔)

"مجھ سے میرے پلین میں رائیڈ لے سکتے ہیں' میری انجیو کے خلاف ٹپ لے سکتے ہیں' مسز کاردار کی ویڈیو لے سکتے ہیں' میرا اپارٹمنٹ لے سکتے ہیں' مگر تحفہ نہیں لے سکتے؟" وہ مسکرا کے بولی تھی۔ "اگر آپ نہیں لیں گے تو مجھے لگے گا کہ آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔"

"اوکے!" اس نے سر کو خم دیا۔ زمر نے چونک کے بے یقینی سے اسے دیکھا' مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ اب اس کو سی آف کرنے اس کے ساتھ گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ "مگر آئندہ آپ کوئی چیز نہیں لائیں گی یوں۔ اور مسز کاردار کو جواب نہ دیں۔ بس اگنور کریں۔ چند گارڈز مزید رکھ لیں۔ تنہا گھر سے نہ نکلیں۔" وہ ہدایات دے رہا تھا' انداز میں فکرمندی تھی۔ گیٹ تک وہ اس کے ساتھ گیا' پھر وہ چلی گئی تو فارس واپس گیا۔ ابھی تک سوچ میں گم تھا۔ جیسے افسردہ ہو۔

"تم اس کا تحفہ کیسے لے سکتے ہو؟ تم جانتے نہیں ہو اس کو؟" وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔ پہلی دفعہ وہ بے زار سا ہوا۔

"زمر' وہ اچھی لڑکی ہے' معافی مانگ رہی تھی' رویہ بدل لیا ہے اس نے اپنا۔ تو تم اس سے یوں بات کیوں کر رہی تھیں؟"

''رویہ نہیں بدلا اس نے۔ تکنیک بدلی ہے۔ تمہیں نظر کیوں نہیں آ رہا؟''

''اچھا تو تکنیک بدل کے وہ کیا کر لے گی؟ وہ تمہارا اتنا نقصان نہیں کر سکتی جتنا میں اس کا کر چکا ہوں۔'' تلخی سے کہتا وہ وہیں بیٹھ گیا۔

''اس نے کوئی احسان نہیں کیا ہم پہ ہماری مدد کر کے۔ یہ سب اس کے باپ اور اس کے ہاشم کاردار کا کیا دھرا ہے۔ اس کو تو اپنے خاندان والوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے تھا۔ سارے نقصان ہمارے ہوئے ہیں۔ مجھے تو تم پہ حیرت ہو رہی ہے' تم.....''

''اگر تمہیں یہی باتیں کرنی ہیں تو میں جا رہا ہوں۔'' اکتاہٹ سے کہتے اس نے جیب سے چابی نکالی اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''تم اس کی وجہ سے مجھ سے لڑ رہے ہو؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا گلا رندھ گیا۔ وہ تیورا کے پلٹا۔

''میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت اس کو اپنا کمپیٹیشن سمجھنے کی بجائے اسے ایک انسان سمجھو جس نے ہماری مدد کی ہے' اور جس کو میں نے بہت سی مشکلوں میں ڈال دیا ہے۔ اور اب مجھے ہی اس کو اس سب سے نکالنا ہو گا۔ کھانے پہ میرا انتظار مت کرنا۔ میں دیر سے آؤں گا۔'' تلخی سے کہتا وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ زمر یاسیت اور خفگی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اتنی جلدی تو بدلتے نہیں ہوں گے چہرے

گرد آلود ہیں آئینے انہیں دھویا جائے

شاپ میں کھڑی حنین بے دھیانی سے وال پیپرز دیکھ رہی تھی۔ سیم قریب میں کمپیوٹر شاپ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کو اپنا ٹیب ٹھیک کروانا تھا (اسی لئے وہ بنا چوں چراں حنین کے ساتھ آ گیا تھا۔) صداقت باہر کار میں انتظار کر رہا تھا۔

حنین کی توجہ وال پیپر کی بجائے اندر کے گہرے منجدھار میں گول چکر کھا رہی تھی۔ بار بار وہ سر جھٹکتی تھی مگر سوچیں...اُف...ہاشم کاردار کی متوقع جرح کی آوازیں اس کے کانوں میں بار بار گونج رہی تھیں۔ وہ جتنا دھیان ہٹانے کی کوشش کرتی' اتنا وہ سر پہ سوار ہونے لگتا' یہاں تک کہ وہ اس کی خوشبو تک محسوس کرنے لگی تھی۔

کرنٹ کھا کے حنین مڑی تو گویا اگلا سانس لینا بھول گئی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاشم کاردار۔ مسکراتا ہوا تیار سا قیمتی پرفیوم کی خوشبو میں بسا۔ وہ واقعی اس کے سامنے تھا۔ حنین کے ہاتھ سے وال پیپر چھوٹ کر نیچے جا گرا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''کیسی ہو؟'' اس کا انداز اتنا نرم' اتنا مسحور کن تھا' وہ بنا پلک جھپکے' اس پہ نظریں جمائے کھڑی رہی۔ لب آدھے کھلے تھے۔ جسم برف ہو رہا تھا۔

''تمہارے سیل فون سے ٹریس کیا تمہیں' اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا جہاں تمہارے خاندان کے وہ سیلفش لوگ آس پاس نہ ہوں۔ پتہ ہے وہ سیلفش کیوں ہیں' پیاری لڑکی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

وہ سن نہیں رہی تھی بس اسے دیکھ رہی تھی۔ پیاری لڑکی کی صدائیں بار بار دیوار سے ٹکرانے لگی تھیں۔ پیاری لڑکی.... پیاری لڑکی....

''ان کو صرف اپنی فکر ہے۔ زمر اور فارس کو اپنی شادی پہ محنت کرنے کی فکر ہے۔ سعدی کو کیس جیتنے کی پڑی ہے تا کہ وہ سچا ثابت ہو وہ آگے بڑھ سکے۔ ایسے میں کسی کو بھی تمہاری فکر نہیں ہے۔ حنین کٹہرے میں کھڑی ہو ایک دنیا اس کی باتیں سنے اس کی باتیں لکھے۔ وہ اخباروں کی سرخیوں کی زینت بنے۔ اس کا کردار تار تار ہو جائے' یہ سب باتیں ان کو ثانوی لگتی ہیں۔ ان کا انتقام پورا ہو جائے' باقی سب خیر ہے۔''

وہ موم کا مجسمہ بنے اس کو دیکھے گئی۔ ٹھنڈے پسینے سے اس کا وجود گویا موم کی طرح پگھل پگھل رہا تھا۔

''کسی کو تمہاری فکر نہیں حنین۔'' وہ ہمدردی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں کبھی سمن نہ کرتا۔ زمر غلط کہتی ہے کہ میں تمہیں سمن کرتا۔ میں بچوں سے نہیں مقابلہ کرتا۔ بچوں کو درمیان میں نہیں لاتا۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں جرح بھی نہیں کرنا چاہتا تمہاری۔ مگر زمر اور سعدی تمہیں درمیان میں لائے ہیں۔ انہوں نے تمہیں صلیب پہ چڑھایا ہے؟ تم اپنا سوچو حنین۔ میرا نہیں' کسی کا نہیں۔ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ دیکھو۔ شادی کیسے کرو گی؟ سر اٹھا کے کیسے جیو گی؟ لوگ میرے اور تمہارے انھیر کی باتیں زمانوں تک کریں گے' یہ سب جرح میں کہنا پڑے گا اور یقین کرو میں نہیں کرنا چاہتا یہ سب میں تو آگے بڑھنا چاہتا تھا' لیکن سعدی نے مجھے اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔ اب تم میری مدد کرو۔''

وہ سن تھی۔ مجسمہ تھی۔ موم کی طرح پگھل رہی تھی اور وہ آگ کے شعلے کی طرح اس کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھا۔

''تم کورٹ میں کہو کہ تمہیں کچھ یاد نہیں۔ جو پولیس کو تم نے حلیمہ سے متعلق بیان دیا ہے نا' اس کو واپس لے لو پیاری لڑکی۔ تم اتنی ارزاں نہیں ہو کہ تمہیں کورٹ میں کوئی استعمال کرے۔ تم میرے خلاف کوئی بات مت کہو' میں جرح نہیں کروں گا۔ کوئی تمہارے کردار کے بارے میں بات بھی نہیں کر سکے گا۔ تمہیں صرف اتنا کہنا ہے کہ سعدی جھوٹ بول رہا ہے' اور تمہاری رائے میں شیرو ایسا نہیں کر سکتا۔ یوں تم محفوظ رہو گی' کیونکہ یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی نا حنین تو واپس نہیں آئے گی۔''

ایک آنسو حنین کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میری بات سمجھ میں آئی ہے نا؟''

''جی!'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ ''یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی تو واپس نہیں آئے گی۔'' وہ کسی روبوٹ کی طرح بولی تھی۔

''گڈ۔ تم جب کٹہرے میں کھڑی ہونا تو مجھے فیور دینا۔ میں تمہیں دوں گا۔ اور اپنے خود غرض خاندان سے ڈرنا نہیں۔ ان کو شرمندہ ہونا چاہیے' تمہیں نہیں۔ کیونکہ اگر میں نے او ٹی پی صاحب والی باتیں جرح کے دوران کہہ دیں' اور یقین مانو میں نہیں کہنا چاہتا تو تمہارے خلاف انکوائری ہو گی۔ تم نے ابھی بی اے کیا ہے نا؟ ایف ایس سی کا رزلٹ کینسل ہو گا۔ تین سال تک تمہیں کوئی تعلیمی ادارہ داخلہ نہیں دے سکے گا۔ تین سال بعد تم دوبارہ سے ایف اے' بی اے کرو گی کیا؟ تین سال بعد سات سال پیچھے چلی جاؤ گی کیا؟ تم جس یونیورسٹی یا کالج میں جاؤ گی' وہاں بے عزت ہو کر ہو گی۔ سب تمہیں چیٹر کہیں گے' حقارت سے دیکھیں گے۔ اس لیے تمہیں اس وقت صرف اپنا سوچنا چاہیے۔ ہوں۔'' وہ کوٹ کی نادیدہ شکن درست کرتا اس پہ ایک نرم سی آخری نظر ڈال کے مڑ گیا۔ سیلز مین اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ چلا

بھی گیا اور وہ حنوز بت بن کے کھڑی تھی۔ موم کے قطرے پگھل پگھل کے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ آگ جا چکی تھی۔ تپش باقی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اُبھرتے ڈوبتے سورج سے توڑلوں رشتہ،

میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں۔

وہ گھر آئی تو اس کا جسم یوں جل رہا تھا گویا ارد گرد ایک ہزار تنور جل رہے ہوں۔ وہ لاؤنج میں خاموش بیٹھی زمر کے سامنے پل بھر کو رکی۔
"میں گواہی دوں گی' لیکن میں بس وہی کہوں گی جو میری مرضی ہو گی۔ کوئی میرے منہ میں الفاظ نہیں دے گا۔ آپ میں سے کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں وہی کہوں گی جو میرے لیے ٹھیک ہو گا۔" درد سے پھٹی آواز میں کہہ کر وہ آگے بڑھی تو دیکھا' سامنے سعدی کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔
"میں نہیں چاہتا کہ تم گواہی دو حنہ۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ تمہیں یوں اذیت دیں۔"
"تو پھر آپ کو یہ سب ہمارے سارے خاندان کو کچہری میں گھسیٹنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" شاکی انداز میں چیخ کر بولتی وہ دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔
پھر کمرے میں آ کر وہ جو سر منہ لپیٹ کے لیٹی تو کتنے ہی گھنٹے نہ اٹھی۔ مغرب کی اذانیں ہوئیں تو اٹھ کے نماز پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔ جسم بخار میں دہک رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو ابل ابل کر گر رہے تھے۔ کب تک وہ یوں سزا کاٹتی رہے گی ان کچی عمر کی پکی غلطیوں کی؟ خدایا وہ کیا کرے؟ عشاء بھی یونہی پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔ رات تاریک ہوتی گئی۔ شہر اندھیرے میں ڈوبتا گیا۔ جانے وہ کون سا پہر تھا جب اس نے محسوس کیا کوئی دروازے میں آ کھڑا ہوا ہے۔ وہ فارس کی چاپ پہچانتی تھی مگر اسی طرح کروٹ لیے لیٹی رہی' ہلی تک نہیں۔ وہ آگے آیا اور پائنتی پہ بیٹھا۔
"اگر تم نہیں دینا چاہتی گواہی تو مجھے بتاؤ۔ ہم کوئی راستہ نکال لیں گے۔"
"پتہ ہے کیا ماموں۔" وہ اندھیر خلاء میں تکتی ہوئی عجیب خالی پن سے بولی تھی۔ "میں سمجھتی تھی کہ میں ذہین ہوں۔ کئی ممالک کے پاپ کلچر' ڈراموں اور کتابوں سے واقف ہوں تو عام لڑکیوں سے مختلف ہوں۔ برتر ہوں۔ مگر میں غلط تھی۔" گرم گرم آنسو ابل کے گالوں پہ لڑھکتے تکیے میں جذب ہونے لگے۔ "ہم مڈل کلاس لڑکیاں جتنا پڑھ لکھ لیں' جتنا کمپیوٹر استعمال کر لیں' دنیا بھر کی سیاست پہ تبصرے کر لیں' ہم رہتی وہی مڈل کلاس ہی ہیں۔ عام شکل و صورت کی بے بس لڑکیاں۔ جن کو عزت کے نام پہ کوئی بھی بلیک میل کر سکتا ہے۔ جن کی عزت ایک دفعہ چلی جائے تو اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ ہم بہت بے چاری لڑکیاں ہیں فارس ماموں۔ ہم کچھ نہیں کر سکتیں۔ ہم ٹوٹل Failure ہوتی ہیں۔"

”جب میں جیل میں گیا تھا تو میں نے بہت سی باتیں سیکھی تھیں' جن کا مجھے زندگی میں پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔“ وہ دھیرے سے بولا تھا۔ ”میں نے سیکھا تھا کہ اگر کوئی آپ کے عقائد پہ حملہ کرے تو زبان سے جواب دو' اگر کوئی آپ کے جسم پہ حملہ کرے تو ہاتھ سے جواب دو' اگر کوئی آپ کے خلوص نیت پہ شک کرے تو اپنے اچھے عمل سے جواب دو' اگر کوئی آپ کی دیانتداری پہ انگلی اٹھائے تو دلائل سے جواب دو' لیکن.....“ وہ ٹھہرا۔ اندھیر کمرے میں اس کی آواز گونج گونج کر پلٹ پلٹ آتی تھی۔ ”لیکن اگر کوئی آپ کے کردار پہ' آپ کی عزت پہ حملہ کرے تو کوئی جواب نہ دو۔“

”تو پھر کیا کرو؟“ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ چند لمحے کچھ نہ بولا پھر جب لب کھولے تو اس کی آواز بہت دھیمی اور سرد سی محسوس ہوئی تھی۔

“Then you make them bleed!” (تو ان کو تڑپا تڑپا کے مار دو۔)

وہ کب کمرے سے گیا' اسے پتہ نہ چلا۔ بس وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔ پھر بدقت تمام وہ اٹھی اور باتھ روم جا کے وضو کیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں' جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔ بمشکل دوپٹہ سر پہ لپیٹتی وہ کمرے میں آئی۔ جائے نماز بچھائی اور دو رکعت نفل کی نیت باندھی۔

”کیا ہم لڑکیاں ٹوٹلی فیلیئر ہیں اللہ تعالیٰ؟“ سلام پھیر کے وہ دوزانو بیٹھی' دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے گم صم سی پوچھ رہی تھی۔ ”کیا ہم لڑکیاں واقعی اتنی بے بس اور لاچار اور بے چاری ہوتی ہیں؟ کیا عزت کے نام پہ کوئی بھی ہمیں بلیک میل کر سکتا ہے؟ کیا ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے ”مرد“ کرداروں کے ہاتھوں میں ہماری عزت ہوتی ہے یا آپ کے ہاتھ میں؟ کیا آپ کی مرضی کے بغیر کوئی بھی کسی کو بے عزت اور ذلیل و رسوا کر سکتا ہے؟ مجھے بتایئے اللہ تعالیٰ۔ آپ کہتے ہیں نا کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں خیر معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا (سورۃ الانفال: 70) تو اگر میرے اندر کوئی خیر ہے تو کیا میری عزت مجھے واپس مل سکتی ہے؟ کیا دنیا والوں کی نظر میں میرا پردہ رہ سکتا ہے کہ وہ تو واقف ہی نہیں ہیں' اور میرے گھر والے جو واقف ہیں' ان کی نظر میں پھر سے معتبر ہو سکتی ہوں میں؟ کیا سعدی کو جھوٹا کہنے کی بجائے کوئی اور راستہ ہے؟“

وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی' الجھ رہی تھی' تعجب کا شکار ہو رہی تھی۔ ہاں اب وہ رو نہیں رہی تھی۔

سیڑھیوں سے نیچے آ کر فارس اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ زمر جو بے مقصد سی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی' اس کو نظر انداز کیے برش اٹھا کے بالوں میں چلانے لگی تھی۔ خفا نظریں آئینے پہ جمائے وہ لب بھینچے ہوئے تھی۔

”آہم!“ وہ ذرا سا کھنکھارا۔ انداز بے چارے شوہر والا تھا۔ زمر برش کرتی رہی۔ وہ اس کے قریب آیا اور سنگھار میز کے کنارے بیٹھا۔

”سوری۔ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا۔“ ایک انگلی سے گردن کھجاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”کیا اس نے گھر سے نکال دیا جو آپ کو بالآخر اپنے گھر کی یاد آئی؟“ وہ سلگتی نگاہیں اٹھا کے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

”ادھر سے ملنے گیا تھا۔ سعدی کی ڈاکٹر کا پوچھنا تھا کہ وہ ملی یا نہیں۔ اس کے پاس نہیں گیا تھا۔“

''تو وہیں رہ جاتے' واپس آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' برش زور سے پٹخا تھا۔ اس کی وضاحت پہ بالکل یقین نہیں کیا۔

''آ گیا ہوں تو کیا گھر سے نکالو گی؟'' زمر نے جواباً محض سر جھٹکا۔ خوب غصہ آ رہا تھا اس پہ۔

''اچھا سنو۔'' وہ مصالحتی انداز میں اس کی طرف ذرا سا جھکا۔ نظروں کے حصار میں اس کا خفا چہرہ لئے مسکراہٹ دبائے بولا تھا۔ ''چلو ڈنر پہ چلتے ہیں۔''

''یہ ڈنر کا نہیں سحری کا وقت ہے۔'' وہ اسے گھور کے بولی تھی۔

''اب ایسی بھی کوئی رات نہیں بیتی کہ ایک آدھ ڈھابہ ہی نہ کھلا ہو۔''

''ہاں بس مجھ پہ پیسہ خرچ نہ کرنا۔ ڈھائی سو کی انگوٹھی دلانا' اور کھانا ڈھابوں سے کھلانا۔'' وہ مارے تاسف کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ فارس نے افسوس سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''تم ہمیشہ سے اتنی لالچی تھیں یا وکالت پڑھنے کے بعد ہوئی ہو۔''

''تم نا واپس اسی کے پاس چلے جاؤ۔''

''ارے یار نہیں جاتا میں اس کے پاس۔ میں تو عرصے سے اس کے گھر بھی نہیں گیا۔ اور وہ اس رات ڈنر پہ میں نہیں حنین گئی تھی' وہ ویڈیو بھی اس سے حنہ نے لی تھی۔ اب بس کر دو شک کرنا۔'' وہ مسکراہٹ دبائے صفائی دے رہا تھا۔

''ہاں ہاں' مجھے یقین آ گیا۔ ہونہہ۔'' اس نے بدقت چہرے کو ویسا ہی سپاٹ رکھا البتہ دل سے بوجھ سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اچھا اب موڈ تو ٹھیک کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو مجھے کچھ ہو جائے اور تم یہ وقت ضائع کرنے پہ پچھتاتی رہو۔'' وہ از راہ مذاق کہہ رہا تھا مگر بالوں میں سے برش گزارتا اس کا ہاتھ کانپا۔ اس نے دہل کر فارس کو دیکھا۔

''تم کتنا فضول بولتے ہو۔''

''بس؟'' اسے مایوسی ہوئی۔ ''میں تو امید کر رہا تھا کہ تم ''میری عمر تمہیں لگ جائے'' جیسا مکالمہ بولو گی۔''

''کتنا شوق ہے تمہیں مجھ سے چھٹکارا پانے کا۔'' اسے از سر نو غصہ آنے لگا۔

''ہے تو بہت زیادہ' لیکن....'' اس نے برش بالآخر اس کے ہاتھ سے لے کر میز پہ رکھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔ ''لیکن تم اس بات کا یقین رکھو کہ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز یا کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ساری کلفت' ساری تلخی زائل ہو گئی۔ اس کا مضبوط انداز.... پر یقین لہجہ.... وہ آنکھوں سے چھلکتا عزم.... بس اس سر کس بنی زندگی میں ایک یہی چیز تو اسے بہادر بنائے رکھتی تھی۔

''تم مجھ سے واقعی اتنی محبت کرتے ہو نا فارس!''

''ہوں!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اصلی والی محبت نا؟'' زمر نے ابرو اٹھایا۔

"نہیں۔ چائنہ والی۔" وہ جل کے بولا تو وہ ایک دم ہنس پڑی۔ ساری اداسیاں فضا میں گھل کے ختم ہو گئی تھیں جیسے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضمیر مرتا ہے احساس کی خاموشی سے،

یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی۔

اس صبح ہاشم کاردار کے آفس میں ہوا بالکل ساکن تھی۔ ایک ڈراؤنی سی خاموشی چھائی تھی اور ہاشم بالکل سانس روک کے بیٹھا سامنے میز پہ رکھے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سی سی ٹی وی سے نکالے گئے still امیج تھے اور رئیس ایک ایک کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"نہ صرف فارس غازی نے سری لنکا جانے کے لئے ہارون عبید کا طیارہ استعمال کیا' بلکہ مس آبدار ان کے ساتھ گئی تھیں۔ یہ دیکھئے۔ وہ تصاویر میں جس اپارٹمنٹ سے نکلتا دکھائی دے رہا ہے' وہ بھی آبدار عبید کے نام پہ ہے۔" ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ وہ اس جگہ کو پہچانتا تھا۔

"گارڈ کمار کی موت سے پہلے آبدار صاحبہ سعدی سے ملنے گئی تھیں' اور اس سے بھی پہلے وہ پاکستان میں فارس غازی سے ملتی رہی تھیں' جس سے ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ....."

"وہ سرنج آبدار نے ہی سعدی کو دی تھی۔ میں سمجھ گیا۔ تھینک یو رئیس تم جا سکتے ہو۔" ایک دم خشک سے انداز میں کہتا وہ کاغذ سمیٹنے لگا۔ رئیس چپ ہو گیا اور پھر سر کو خم دے کر باہر نکل گیا۔

اب وہ کمرے میں تنہا تھا۔ وہ تنہائی جان لیوا تھی۔ وحشت سی وحشت تھی۔ دکھ سا دکھ تھا۔ وہ بار بار ایک ایک تصویر کو دیکھتا تھا۔ کبھی بے یقینی سے' کبھی ملال سے۔ کبھی آنکھوں میں کرب سمٹ آتا' کبھی غصہ۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ بلڈ پریشر بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

"بھائی!" نوشیرواں کی آواز پہ وہ چونکا اور چہرہ اٹھایا۔ وہ جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔ ہاشم نے ڈھیلے سے انداز میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ بیٹھا تو اس کا چہرہ بھی شدید اندرونی خلفشار کا شکار لگتا تھا۔

"بولو۔" وہ سنبھل کے پوچھنے لگا۔ پچھلے دو' تین ماہ سے وہ مقدمے میں یوں الجھے تھے کہ آپس میں اب نہ پیار رہا تھا نہ ماضی کے اختلافات۔ بس نارمل ہو گئے تھے دونوں۔

"میری وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میری وجہ سے ہمارا خاندان اس اسکینڈل میں پھنسا ہوا ہے۔"

"بالکل ایسا ہی ہے۔ پھر؟"

"میں ... میں اعتراف جرم کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے الفاظ تھے کہ کیا' ہاشم کرنٹ کھا کے سیدھا ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ندامت سے سر

جھکائے۔"میں خدا سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔میں سعدی سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔میں جج صاحب کو سچ بتا دینا چاہتا ہوں' میں ...." وہ فقرہ مکمل نہیں کرسکا۔ہاشم کاردار نے پانی کا بھرا ہوا ٹھنڈا ٹھار گلاس اس کے منہ پہ پھینکا۔ٹھنڈے یخ پانی نے اس کا چہرہ گردن اور بالوں کو نہلا دیا تھا۔اس نے ہکا بکا سا چہرہ اٹھایا۔

"اگر نیند سے آنکھ کھل گئی ہو تو میری بات سنو۔" برہمی سے کہتا وہ آگے کو ہوا۔

"تم نے سعدی کے ساتھ یہ اس لئے کیا کیونکہ وہ یہ ڈیزروکرتا تھا۔کیونکہ تم ہمیشہ سے ایک نالائق اور کم عقل لڑکے تھے مگر تم میں بھی کچھ کوالٹیز تھیں۔ان دونوں بہن بھائی نے تمہیں ہمیشہ ڈی گریڈ کیا۔تمہارے راز کھولے۔تمہیں احساسِ کمتری کا شکار کیا۔ان کو وہ ملا جو انہوں نے بویا تھا۔وہ اپنے احساسِ برتری سے نکل پاتے تو ان کو سمجھ آتا کہ کسی کا اتنا مذاق نہیں اڑاتے جتنا وہ تمہارا اڑاتے تھے۔تم نے نوشیرواں اگر کچھ غلط کیا ہے تو اس لئے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ غلط کیا تھا۔"

"میں اس سارے کرب سے نکلنا چاہتا ہوں بھائی۔مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا۔" وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔گیلے چہرے پہ آنسو کہاں تھے اندازہ نہ ہوتا تھا۔

"چپ کر کے میری بات سنو۔" ہاشم اٹھا میز پہ ہتھیلیاں رکھے اس کی طرف جھکا۔اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا۔"میں نے اغوا کیا اسے میں نے قید میں رکھا اسے۔پھر وہ تمہیں کیوں نامزد کر رہا ہے؟ وہ لوگ تم پہ غلط الزام لگا رہے ہیں اور میں تمہیں وہاں سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔یہ میں ہوں جو تمہیں اس سے نکال لوں گا۔"

"لیکن اگر میں ان سے معافی مانگ لوں؟ اگر خدا ان لوگوں کے دل میں میرے لئے رحم...."

"ڈیم اِٹ!" ہاشم نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔"انہوں نے تمہیں معاف کرنا ہوتا تو یہ سب کرتے ہی کیوں؟ وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔وہ انصاف نہیں چاہتے۔وہ انتقام چاہتے ہیں۔" پھر وہ واپس کرسی پہ بیٹھا' چند ٹھنڈے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا۔اور بولا۔"دیکھو شیرو۔تمہارے اعتراف سے ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔تم یاد کرو جیل کے وہ چند دن جو تم گزار کے آئے ہو۔تم نہیں سہار سکو گے۔تم پھندے سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔تم میرے بھائی ہو شیرو میں تمہیں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا۔" اس کا لہجہ آخر میں بالکل ٹوٹ سا گیا۔شیرو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔اس نے کرب سے دونوں کنپٹیاں تھامیں۔

"میں کیا کروں بھائی؟"

"تم اپنے بھائی پہ بھروسہ رکھو۔مجھے اپنا کیس لڑنے دو۔ان لوگوں نے ہمارے خاندان کو مذاق بنا دیا ہے۔میں ان کو مذاق بنا دوں گا۔تم دیکھنا میں عدالت میں کیا کرتا ہوں اس کے خاندان کی عورتوں کے ساتھ۔" ایک نظر اس نے سامنے رکھے کاغذات کو دیکھا۔آنکھوں سے نفرت جھلک رہی تھی۔(اس نے مجھ سے وہ عورت چھین لی جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔میں اس سے وہ عورت لے لوں گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔)

"میں کیا کروں بھائی!" نوشیرواں بھیگی آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلاتا پوچھ رہا تھا۔

"تم خاموش رہو۔اور مجھے میرا کام کرنے دو۔" وہ پورے وثوق سے بولا تو شیرو نے شکستگی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔وہ عجیب دورا ہے پہ آ کھڑا ہوا تھا جہاں ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا دکھائی دیتا تھا۔

ان سے کئی کوس دور ایک ہوٹل کے ڈائننگ ایریا میں زرد دھنیوں نے پرفسوں خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ایسے میں ایک محفل کے گرد دو مرد اور تین خواتین بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔سربراہی کرسی پہ جواہرات بیٹھی تھی اور مسکراتی ہوئی بظاہر دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی مگر گاہے بگاہے موبائل کی گھڑی پہ نظر ڈالتی تھی۔انکھیوں سے اسے قریب کھڑے گارڈز بھی دکھائی دے رہے تھے۔

دفعتاً جواہرات کی آنکھیں چمکیں۔دور سے ویٹر دھوئیں اڑاتی ٹرے اٹھائے چلا آ رہا تھا۔وہ مسکرا کے اب ساتھ والی خاتون سے بات کرنے لگی۔جیسے ہی ویٹر قریب آیا اور تیزی سے ان کے قریب جھک کے ٹرے کے لوازمات نیچے اتارنے چاہے' جواہرات نے اپنا پیر اس کے راستے میں رکھا۔وہ جو عادتاً تیز تیز کام کر رہا تھا' غیر متوقع رکاوٹ سے اس کا پیر رپٹا اور ٹرے ٹیڑھی ہوئی' وہ سنبھل جاتا مگر جواہرات چلا کے کھڑی ہوئی اور یوں گریوی کا باؤل اس کے کپڑوں پہ لڑھک گیا۔

اگلے چند لمحے وہاں عجب کہرام سا مچا رہا۔جواہرات کا سفید لباس داغدار ہو گیا تھا اور وہ چلا چلا کر اس غریب لڑکے کی بے عزتی کر رہی تھی۔دوسرے ویٹرز اور گارڈز ٹوٹی بکھری چیزوں کو درست کرنے اس طرف لپکے تھے۔لڑکا سہم کے دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ایسے میں وہ نیپکین سے اپنے چہرے کے چھینٹے صاف کرتے ہوئے گارڈ سے غرا کے بولی تھی۔

"میں جب تک یہ صاف کر کے نہ آؤں اس ویٹر کو بھاگنا نہیں چاہیے یہاں سے۔تم اس کو سنبھالو اور مینیجر کو بلا کے لاؤ۔کیا مہمانوں کو اذیت دینے کے لئے کھول رکھا ہے یہ ہوٹل؟" وہ غصے میں بڑبڑاتی پرس اٹھائے آگے بڑھ گئی اور گارڈز فوراً سے انہی کاموں میں لگ گئے جن کا وہ حکم دے کر گئی تھی۔

لیڈیز ریسٹ روم کا پہلا دروازہ کھولا تو سامنے قطار در قطار سنک نظر آ رہے تھے اور ان کے پیچھے شیشے کی بڑی سی دیوار۔اور وہاں وہ کھڑا تھا۔پی کیپ پہنے بار بار گھڑی دیکھتا۔

"او احمر۔شکر تمہیں میرا پیغام مل گیا تھا۔" وہ گہری سانس لے کر اندر آئی تو احمر نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور ہینڈل میں کچھ پھنسا دیا۔پھر متعجب سا اس کی طرف پلٹا۔

"مسز کاردار' اتنا بھی کیا کہ آپ مجھے کال تک نہیں کر سکتی تھیں؟"

"میں خطرہ نہیں لے سکتی تھی۔ابھی زیادہ وقت نہیں ہے۔ہاشم مجھ پہ شک کرنے لگا ہے' میں اسے مزید خود سے متنفر نہیں کر سکتی۔" وہ تیز تیز بے ربط سا بول رہی تھی۔

"اوکے اوکے۔آرام سے بتائیں۔کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟" وہ رسان سے اسے تسلی دینے لگا۔

"تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے۔ یہ میرے ایک خفیہ اکاؤنٹ کی تفصیلات ہیں۔ اس میں ایک لاکر ہے جس میں کچھ زیور ہے اور بہت سی رقم۔ تمہیں وہ سب کچھ میرے پاس پہنچانا ہے۔" وہ اب چند کاغذات نکال کے اسے دکھا رہی تھی۔ امر غور سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ واپس آئی تو لباس کا داغ ہنوز موجود تھا البتہ چہرہ تر و تازہ اور دھلا ہوا لگتا تھا۔ مسکرا کے وہ واپس بیٹھی تو دیکھا' سامنے مینیجر' عملے کے چند نمائندے اور گارڈز کھڑے تھے۔ متعلقہ ویٹر کو انہوں نے پکڑ رکھا تھا۔ مینیجر سینے پہ ہاتھ رکھے ندامت سے بار بار معذرت کر رہا تھا۔

جواہرات ٹیک لگا کے بیٹھی اور فخر و غرور سے اس غریب نوجوان کو دیکھا۔

"اس نے نہ صرف میرا لباس خراب کیا' بلکہ میری دوپہر برباد کر دی۔ اس کو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔ نہ صرف اس کو نوکری سے فارغ کیا جائے بلکہ یہ ایک بھاری جرمانہ بھی بھرے گا۔"

"مجھے معاف کر دیں' میری غلطی نہیں ہے' میرے آگے ..." وہ نوجوان بے بسی سے کہنا چاہتا تھا مگر گارڈز اس کو کچھ بولنے سے پہلے ہی خاموش کرا دیتے تھے۔ جواہرات اب مزید حکم صادر کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر شخص با اصول ہے ہر شخص باضمیر

پر اپنی ذات تک ، ذاتی مفاد تک!

کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکی سے مئی کا سورج اندر جھانک رہا تھا۔ جج صاحب اپنی کرسی پہ قدرے ترچھے ہو کر بیٹھے' رخ کٹہرے کی جانب کیے ہوئے تھے جہاں نیاز بیگ موجود تھا اور اس کے سامنے... نشیب میں... زمر کھڑی تھی۔ نیچے بیٹھا سعدی فکرمندی سے گواہ کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم البتہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔ آج وہ چشمے والا آدمی نہیں آیا تھا اس لئے پیچھے بیٹھے فارس کی توجہ کا مرکز صرف نیاز بیگ تھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ ہسپتال میں سعدی یوسف کا اسٹریچر لے کر جانے والے آپ ہی تھے؟" زمر پوچھ رہی تھی۔

"جی ہاں۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ نے سعدی یوسف کے اغوا کا الزام قبول کیا تھا؟"

"جی۔"

"آپ نے سعدی یوسف کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے کا الزام بھی اپنے سر لیا تھا لیکن استغاثہ ایک دفعہ پھر آپ سے حلف دلوا کر.... پوچھ رہا ہے۔ کہ نیاز بیگ صاحب..." زمر ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ "کیا آپ اپنے بیان پہ قائم ہیں؟"

عدالتی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سناٹا در سناٹا۔ نیاز بیگ نے ہاشم کو دیکھا' پھر پیچھے بیٹھے فارس کو۔ دونوں اسے مختلف قسم کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ زمر کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں سچ بولوں گا۔ میں اپنے بیان پہ قائم ہوں۔ میں نے ہی سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں۔"

"واؤ!" سعدی نے بڑبڑا کے سر جھکا تھا۔ ہاشم نے مسکرا کے زمر کو دیکھا جس کی یہاں سے پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ ہی سعدی کے ساتھ اس زیرِ تعمیر گھر میں اس رات تھے؟"

"جی۔ میں ہی تھا۔" ہاشم نے مڑ کے فارس کو دیکھا۔ وہ بالکل خاموش اور سپاٹ سا دکھائی دے رہا تھا۔

"عدالت کو بتایئے کہ آپ کا سعدی یوسف سے کس بات پہ جھگڑا ہوا تھا؟"

"پہلے کا میرے سے کوکین خریدتا تھا' کافی دن سے پیسے پورے نہیں دیے تھے اس نے۔ میں نے کہا بدلے میں اس کا ریسٹورانٹ قسطوں پہ خرید لوں گا' یہ اس پہ مجھ سے لڑنے جھگڑنے لگا۔ اس نے مجھے گالی دی تھی۔ پھر میں نے...." وہ وہی واقعہ دہرانے لگا۔

"اسے ایمبولینس میں ڈال کے کوڑے کے ڈھیر پہ پھینکنے کے بعد آپ نے کیا کیا نیاز بیگ صاحب؟"

"میں اپنے گھر گیا۔ کپڑے بدلے۔ اس کا موبائل جو اٹھایا تھا وہ اسی رات اپنے دوست کو بیچ دیا اس کی دکان اسی علاقے میں ہے جہاں آپ کا گھر ہے۔"

"مگر سعدی کے فون کے سگنل اس رات وہاں ملے تھے جہاں قصرِ کاردار واقع ہے۔"

"میرے دوست کی دکان بھی اسی علاقے میں ہے۔" نیاز بیگ نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔ زمر نے ہاشم کو دیکھا اور ستائشی انداز میں سر کو خم دیا۔ "امپریسیو وٹنیس پریپ!" اس نے مسکرا کے تعریف وصول کی۔ زمر فوراً اسے واپس گھومی۔

"اور اس فون کا ماڈل کون سا تھا؟"

لمحے بھر کو کمرے میں سکوت چھا گیا۔ ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"آبجیکشن یور آنر۔" ہاشم تیزی سے اٹھا۔ "اس بات کو ایک سال گزر گیا ہے' اب...."

"اوور رولڈ۔ کاردار صاحب بیٹھ جائیں' اور گواہ کو جواب دینے دیں۔" جج صاحب نے ناپسندیدگی سے اسے ٹوکا۔

"وہ سیم سانگ کا اسمارٹ والا فون تھا۔ جلدی میں پچیس ہزار کا بکا تھا۔ ایس سکس تھا۔" نیاز بیگ فر سے بولا۔

"اور اس کا رنگ کیا تھا؟" وہ ترنت بولی

"سیاہ رنگ تھا۔" وہ اعتماد سے بولا۔ (اُف) نوشیرواں نے سر گرا دیا۔

زمر نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ جج صاحب کے سامنے رکھے۔ "یور آنر سعدی یوسف کے زیرِ استعمال ایک ہی فون تھا اور وہ آئی فون تھا' سفید رنگ میں۔ یہ اس فون کی خریداری کی سلپ ہے اور یہ ابتدائی ایف آر آئی کی کاپی ہے جس میں ہم نے فون کا رنگ اور ماڈل مینشن کیا تھا۔ استغاثہ عدالت سے درخواست کرتا ہے کہ نیاز بیگ کی گواہی پہ یقین نہ کیا جائے کیونکہ جس فون کے پیچھے سعدی کو مارنے اور وہ بھی دو

ڈھائی لاکھ کے امپورٹڈ پستول سے مارنے کا یہ دعویٰ کر رہا ہے وہ فون اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"یور آنر وہ ایک عام آدمی ہے۔" ہاشم تیورا کے اٹھا۔ "عام آدمی نے سیم سانگ اور آئی فون دیکھے تک نہیں ہوتے اور اس بات کو ایک سال گزر چکا ہے۔"

"کاردار صاحب۔" زمر مسکرا کے اس کی طرف گھومی۔ "آپ بہت خاص آدمی ہیں بڑے آدمی ہیں۔ امیر۔ بادشاہ لوگ۔ کبھی اپنے محل سے نکل کر اس ملک کی سڑکوں پہ دیکھیں۔ ماشاءاللہ سے روٹی ہو یا نہ ہو ہر دوسرے عام آدمی کے پاس یا تو اسمارٹ فون ہے یا سیل فون کے متعلق تمام اَپ ڈیٹس ہیں۔ خود نیاز بیگ کی گرفتاری کے وقت ان کے پاس سے دو قیمتی اسمارٹ فونز نکلے تھے۔ یو نو واٹ...." وہ نیاز بیگ کی طرف گھومی جواب جلدی جلدی وضاحت دے رہا تھا۔ "آپ موقع پہ نہ تھے نہ آپ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا۔ مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔"

اب ہاشم اور زمر ایک ساتھ بول رہے تھے۔ مچھلی منڈی کی سی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں سعدی پیچھے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"تھینک یو۔" اس نے فارس کا شکریہ ادا کیا۔

"یور ویلکم۔" اس نے سعدی کا کندھا تھپتھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھر زمر اب اگلی تاریخ مانگ رہی تھی تاکہ حنین یوسف کو پیش کر سکے جو ناسازیٔ طبع کی وجہ سے آج پیش نہیں ہو سکی تھی۔ نیاز بیگ کے چہرے کے سارے رنگ اڑ چکے تھے اور وہ بار بار گھبراہٹ سے خود کو گھورتے ہاشم کو دیکھتا تھا۔ اسے اب ہاشم سے کون بچائے گا' یہ سوچ جان لیوا تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مستقل صبر میں ہے کوہِ گراں
نقشِ عبرت صدا نہیں کرتا!

فوڈ لی اپور آفٹر شام کے نیلگوں اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ ندرت کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کر فون پہ جھنجھلا کر کسی وینڈر سے کچھ کہہ رہی تھیں' جب ان کی نگاہ دروازے پہ پڑی اور لمحے بھر کے لیے وہ منجمد ہو گئیں۔

چوکھٹ میں ہاشم کاردار کھڑا تھا۔ اپنے تھری پیس کی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مسکراتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ندرت نے فقرہ سست روی سے مکمل کیا۔ وہ قدم قدم چلتا آگے آیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ان کے بالکل ساتھ سے گزرا تھا وہ۔ ان کو نظرانداز کر کے۔ وہ پلٹ کے اسے جاتے دیکھنے لگیں۔ وہ واقف تھا کہ زمر کہاں ملے گی مگر پہلی دفعہ آنے کے باعث گردن گھما گھما کے وہ ریسٹورانٹ دیکھ رہا تھا۔ ندرت کی نگاہوں نے تب تک اس کا پیچھا کیا جب تک وہ اوپری ہال کے دروازے کے پیچھے گم نہ ہو گیا۔

زمر اپنی مخصوص میز کرسی پہ موجود تھی۔ ٹیبل لیمپ جلا ہوا تھا' چھت پہ لگا فانوس بھی روشن تھا' اور وہ کہنیاں میز پہ جمائے کام کر رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ آنکھیں اٹھائیں۔ ہاشم کو وہاں دیکھ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی۔ وہ مسکراتا ہوا "گڈ ایوننگ۔" کہتا سامنے آیا

اور کرسی کھینچی۔

''آیئے کاردار صاحب۔ بیٹھئے۔ کیا خدمت کر سکتی ہوں میں آپ کی۔'' وہ بظاہر خوش دلی سے بولتی قلم بند کر کے پیچھے ہو بیٹھی۔

''پہلے تو چائے منگوائیں' لیکن بغیر شوگر کے۔''

زمر نے انٹرکام اٹھایا اور بولی۔ ''جنید' اوپر دو کافی بھیجیں۔'' اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ گھنگریالے بال اونچی پونی میں باندھے وہ کورٹ کے صبح والے سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ (کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔) باہم پھنسے ہاتھوں میں نیلے پتھر والی انگوٹھی دمک رہی تھی۔

''اچھا ہے ریسٹورانٹ۔'' وہ ستائشی انداز میں سر کو خم دے کر کہہ رہا تھا۔ ''انٹیریئر اچھا ہے' ٹریڈیشنل ہے۔ تھوڑا سا ماڈرن ٹچ بھی آ رہا ہے جو کہ نہیں آنا چاہیے' لیکن خیر ہے۔ وال کلر بدلنا چاہیے۔''

''ایک دفعہ کیس سے فارغ ہو جائیں' پھر ری ماڈلنگ کریں گے اس کی۔''

''اوہ زمر!'' وہ افسوس سے گہری سانس لے کر بولا۔ ''I miss old times'' آواز میں ملال بھی تھا۔ اس پہ نگاہیں جمائے وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آپ ڈی اے تھیں' سوری پراسیکیوٹر۔ میں آپ کے آفس میں آتا تھا' ہم ایک ساتھ چائے پیتے تھے' بہت سے کیسز کی ڈیل فائنل کرتے تھے' حکومت کا وقت اور پیسہ بچاتے تھے۔ اچھے دن تھے وہ۔''

''آپ کو کبھی افسوس ہوا ہاشم؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''جو آپ نے میرے ساتھ کیا' اس پہ؟''

''بہت زیادہ!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھا' وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے زندگی میں سب سے زیادہ ملال اسی بات کا ہے' میں نے آپ سے وہ خوشی لے لی جو مجھے سونیا کو پانے سے ملی تھی۔ آئی ایم سوری' زمر!''

''بہت شکریہ۔ خیر۔ یہ اچانک آپ کیوں آئے ادھر؟'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''میں کافی بور ہو چکا ہوں ٹرائل سے۔'' اس نے تھوڑی پہ ناخن رگڑتے ہوئے سوچنے والا انداز اپنایا۔

''یا شاید چیزیں آپ کے خلاف جانے لگی ہیں۔''

''ڈیل کر لیتے ہیں زمر! اس کیس کو ختم کر دیتے ہیں۔ چلیں' صلح کرتے ہیں۔''

''مجھے سوچنے دیں۔'' زمر نے کنپٹی پکڑ کے سر جھکا کے آنکھیں بند کیں' پھر دو سیکنڈ بعد ہاتھ نیچے گرایا اور آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔

''میں نے بہت سوچا' مگر نہیں۔ میں اس کیس کو جیتنے میں انٹرسٹڈ ہوں۔''

''میں دیت دینے کو تیار ہوں۔ خون بہا۔ name a price''

''جتنی آپ دے سکتے ہیں اس سے دگنی رقم میں آپ کو دیتی ہوں' بدلے میں نوشیرواں کو ہمارے حوالے کر دیں۔''

''صرف شیرو کیوں؟ میں کیوں نہیں؟''

''اس کا جواب میں فیصلہ آنے کے بعد دوں گی۔ اور کچھ کہنا ہے آپ نے؟''

"زمر میں ہار نہیں رہا۔" وہ سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "میں جیت جاؤں گا۔ آپ کے پاس ایک بھی کریڈیبل گواہ نہیں ہے۔ لیکن.... فیصلہ آنے تک آپ لوگ بہت کچھ کھو چکے ہوں گے۔ چاہے وہ عزت ہو' نیک نامی ہو یا جان ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کا مزید نقصان کروں۔"

"اگر آپ کا دل اتنا ہی افسردہ رہتا ہے ہمارے مستقبل کا سوچ سوچ کے تو آپ ہمارا نقصان کرنے کا سوچتے ہی کیوں ہیں؟ یا شاید یہ باتیں کہہ کر آپ خود کو تسکین دیتے ہیں' کہ میں کتنا اچھا ہوں بس یہ لوگ مجھے برا کرنے پہ مجبور کر رہے ہیں۔"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ "آپ نہیں مانیں گی؟"

"آپ کو میرا جواب معلوم ہے۔ اور آپ اس ڈیل کے لئے یہاں آئے بھی نہیں۔ کیوں نا اب آپ وہ بات کریں جس کے لئے آپ یہاں آئے تھے۔"

ہاشم مسکرا کے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "میں نے آپ کو ہمیشہ بہت admire کیا ہے۔ گو کہ آپ کے پیچھے آپ کو گھمنڈی اور مغرور کہتا رہا ہوں میں' مگر آپ کے ساتھ کام کر کے اچھا لگتا ہے مجھے۔ میں یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ میں ان اچھے پرانے دنوں کو کبھی کبھی مس کرتا ہوں۔ میں چاہتا تھا ایک آخری بار ان دنوں کی یاد تازہ کروں۔ شاید پھر دوبارہ آپ کے ساتھ اس طرح بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔"

"کیا آپ مجھے قتل کرنے جا رہے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں کرنا چاہتا زمر۔ آپ مجھے مجبور کریں یہ الگ بات ہے۔ آپ کی کافی نہیں آئی!" وہ اٹھتے ہوئے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولا تھا۔ چہرہ پرسکون تھا۔ اور آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

"جب میں جنید کو دو کافی لانے کا کہتی ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک دس منٹ بعد دروازے پہ آ کر کہے کہ میرے چند اہم مہمان آئے ہیں تاکہ میں جلدی جان چھڑا سکوں۔" تبھی دروازہ کھلا اور جنید نے اندر جھانکا۔ "میم' آپ کے مہمان آئے ہیں۔"

زمر نے مسکرا کے ابرو اچکا کے ہاشم کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں آپ کو مس کروں گا۔" اس کی آواز میں کچھ ایسی ٹھنڈک سی تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ مگر بظاہر مسکراتی رہی۔ "اور کچھ؟"

ہاشم نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کے سامنے رکھا۔

"کچھ دن سے میں اپنی ماں کی کی گئی تمام فنانشل transanctions کا حساب کتاب کر رہا تھا تو فارس کی دوسری گرفتاری کے وقت' جب آپ اس کا کیس لڑ رہی تھیں' مجھے چند بے ضابطگیاں ملیں۔ معلوم کروانے پہ علم ہوا کہ.... خیر جو علم ہوا وہ آپ کے ڈاکٹر نے اس کاغذ پہ لکھ دیا ہے۔ میں اس سب سے ناواقف تھا۔ پھر بھی معذرت کرتا ہوں۔ اور صرف یہ چاہتا ہوں کہ جدا ہونے سے پہلے آپ اپنے بارے میں ساری حقیقت جانتی ہوں۔" لفافہ رکھ کے وہ اسے چونکتا چھوڑ کے مڑ گیا۔ دروازے تک پہنچ کے وہ مڑا۔

”taupe۔ان دیواروں پہ taupe کلر کا پینٹ ہونا چاہیے۔“ خلوص سے مشورہ دیا اور باہر نکل گیا۔ زمر تیزی سے لفافہ چاک کر رہی تھی۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے اور لب بھینچے ہوئے تھے۔

ندرت ابھی تک کاؤنٹر کے قریب کھڑی تھیں۔ بس چپ سی۔ وہ ان کے قریب سے گزرنے لگا تو رکا۔

”آپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو عدالت کی بھینٹ نہ چڑھائیں اس کی عزت ایک دفعہ چلی گئی نا تو واپس نہیں آئے گی۔“ نرمی سے ان کو دیکھ کر دھیرے سے بولا تھا۔ ندرت کی آنکھیں اسی طرح اس پہ جمی رہیں۔

”اکثر رات کو تسبیح پڑھتے پڑھتے میں سوچتی ہوں تمہارا انجام کیسا ہوگا ہاشم۔ پھر میں کوشش کرتی ہوں کہ اس انجام کی نسبت سے تمہارے لئے بد دعا کروں مگر نہیں کر پاتی۔ تمہاری سب سے بڑی سزا پتہ ہے کیا ہونی چاہیے؟ تمہیں ہدایت مل جائے اور پھر تم ساری زندگی اپنے گناہوں کو یاد کر کے پچھتاتے رہو۔“

”تھینک یو۔ واٹ ایور!“ وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ ریسٹورانٹ کے مہمان مڑ مڑ کے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ستائش سے۔ مرعوبیت سے۔ تحیر سے۔ سب کی نظریں مختلف تھیں۔ مگر پھر سب کی نظریں ایک سی ہوتیں تو یہ دنیا تو جنت ہوتی!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اجاڑ بن میں اترتا ہے ایک جگنو بھی
ہوا کے ساتھ کوئی ہم سفر بھی آتا ہے۔

سڑک رات کے اندھیرے کے باعث تاریک بھی تھی مگر جا بجا لگے اسٹریٹ پولز کی تیز روشنی کے باعث روشن بھی تھی۔ وہ سامنے دیکھتا توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا جب موبائل اسکرین چمکی۔ فارس نے مصروف انداز میں اسے اٹھایا، مگر اگلے ہی لمحے تیزی سے بریک پہ پاؤں رکھا۔ آپی نے لکھا تھا۔

”ہاشم نے مجھے یہ تصویر بھیجی ہے۔ ساتھ لکھا ہے He cannot protect his women۔ میں کیا کروں؟“ اور نیچے تصویر میں وہ دونوں... فارس اور آپی... ایئرپورٹ سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ فارس نے آنکھیں بند کیں۔ (میں نے اس لڑکی کو کتنا نقصان پہنچا دیا۔ اُف) پھر وہ جلدی جلدی لکھنے لگا۔

”کہاں ہیں آپ؟ میں آ رہا ہوں۔“

قریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ ہارون عبید کی رہائشگاہ میں بنے لان میں کھڑا تھا۔ سامنے اداس نظر آتی آبدار موجود تھی، اور وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بتا رہا تھا۔

”میں نے آپ کی سیکیورٹی ٹیم ری اسیمبل کر دی ہے۔ آپ کے فون میں ایک ایپ بھی ڈال دی ہے جس کے ذریعے آپ جہاں بھی ہوں گی مجھے خبر ملتی رہے گی۔“

آبدار نے اثبات میں سر ہلایا۔ نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"میں نے آپ کو اس مصیبت میں ڈالا ہے' میں نکال بھی لوں گا۔ ڈونٹ وری۔"

"اگر اس نے مجھ سے کچھ پوچھا تو؟" وہ ڈری ہوئی نظر آتی تھی۔

"تو سارا الزام میرے اوپر ڈال دیجئے گا۔ میں نے آپ کے والد کی زندگی کو نشانہ بنا کر آپ کو بلیک میل کیا۔ کچھ بھی کہہ دیجئے گا۔ مگر یہ نہیں کہنا کہ آپ نے اپنی خوشی سے سب کیا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"میں آپ پہ الزام ڈال دوں؟ اتنی خودغرض لگتی ہوں میں آپ کو؟"

"بس وہی کریں جو میں نے کہا ہے۔ مجھ پہ الزام ڈالیے گا۔ بس۔" وہ ہاتھ اٹھا کے قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں عجیب بے بسی بھری فکرمندی بھی تھی۔

"وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا فارس۔ اس نے آپ سے منسوب عورتوں کی بات کی ہے۔ میں تو آپ سے منسوب نہیں ہوں۔"

"جو بھی ہے۔ میں اس دفعہ اس کو اپنے سے جڑے لوگوں کو نقصان نہیں دینے دوں گا۔" اس کی آواز میں برہمی در آئی۔

آبدار ہلکا سا مسکرائی۔ (تو یہ تھی فارس غازی کی کمزوری جس پہ وہ دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کی حمیت۔ بے بسی کا وہ احساس کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکا تھا پہلے۔)

"کاش میرے بابا بھی آپ جیسے ہوتے۔ اپنی عورتوں کے لئے اتنے ہی کیئرنگ ہوتے۔ جبکہ وہ تو اندر بیٹھے اس بات پہ خوش ہیں کہ مجھے آپ کی شکل میں ایک باڈی گارڈ مل گیا۔ اب وہ اس بات کو بھی کسی طرح ہاشم پہ دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال کریں گے۔"

فارس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے پھر بند کر دیے۔ آبدار کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ہاں وہ سب سچ ہے۔" وہ چونکا۔

"میں نے تو کچھ نہیں پوچھا۔"

"مگر پوچھنا تو چاہتے تھے نا۔ بیٹھئے میں بتاتی ہوں۔" اس نے لان چیئر کی طرف اشارہ کیا تو وہ دھیرے سے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ وہ ہر آخری موڑ پہ ایک نئی سڑک کھول دیتی تھی اور وہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھنے پہ مجبور تھا۔

اب وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی اور نظریں کیاریوں میں لگے پھولوں پہ جمائے ہوئے تھی۔

"وہ اسکینڈل سچا ہے۔ میری ماں کے بارے میں مسز کاردار نے خبریں چھپوائی تھیں اخبار میں۔ کہ وہ فلاں شخص کے ساتھ۔" اس نے تکلیف سے سر جھٹکا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ "پھر بابا نے میری ماں کو قید کر دیا۔ کولمبو کے اسی تہہ خانے میں۔ کرنل خاور نے اس جیل کو بنایا تھا اور اس میں جھول رکھے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پہ وہ ان کو نکال کر لے جا سکے۔ ہم لوگ کراچی چلے گئے۔ بابا نے سیاست ترک کر دی۔ ہم گمنامی کی زندگی رہنے لگے۔ فون نمبرز بدل دیے۔ سوشلائزنگ چھوڑ دی۔ مگر ماں کو نہیں چھوڑا بابا نے۔ اس کے سوئس اکاؤنٹ میں

کافی رقم پڑی تھی۔ بلیک منی جو لانڈر کر کے ادھر بھیجی گئی تھی۔ مگر ماں کو پتہ تھا کہ جس دن اس اکاؤنٹ کا کوڈ ان کو دے دیا' یہ لوگ ان کو مار دیں گے۔ انہوں نے ہر تشدد سہا مگر اکاؤنٹ نہیں دیا۔ پھر ایک دن خاور ان کو نکال کر لے گیا مسز جواہرات کے پاس۔ جو کام اتنے عرصے کا تشدد نہ کرا سکا' وہ مسز کاردار کے چند میٹھے بولوں' ہمدردی اور اعتماد نے کروا دیا۔ میری ماں نے ان کو ساری معلومات دے دیں' اور کہا کہ وہ پیسہ ان کو نکلوا دیں تاکہ وہ روپوش ہو سکیں۔ وہ زخمی تھیں' ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتی تھیں۔ مسز کاردار نے اس اکاؤنٹ کو اپنے قبضے میں کیا' ان سے مختلف کاغذات پہ دستخط کروائے' اور پھر ان کو مروا دیا۔ وہ بہت بڑی رقم تھی اور وہ آج بھی انہی کے پاس ہے۔ نہ صرف رقم بلکہ میری ماں کے لاکر میں جیولری بھی بہت تھی۔ مسز کاردار صرف ان سے بدلہ لینا چاہتی تھیں۔ انہوں نے بابا کو مسز کاردار سے چھیننا تھا نا۔ اس دن سے بابا ان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔" وہ بولے جا رہی تھی اور وہ سنے جا رہا تھا۔ غور سے توجہ سے۔

"مجھے بابا کا ان کی طرف التفات دیکھ کر ڈر لگتا تھا کہ بابا ان کو اپنا ہی نہ لیں مگر اب میں جان گئی ہوں کہ وہ صرف ان کو اذیت دینا چاہتے تھے۔ مسز کاردار مجھے پسند کرتی تھیں' ہاشم کے لئے' مگر جب سے میں نے ان کو بلیک میل کرنا شروع کیا ہے وہ میری سب سے بڑی دشمن بن گئی ہیں۔"

"ہاشم کو آپ کب سے جانتی ہیں؟" اس نے اپنائیت سے پوچھا تھا۔ آبدار ابھی تک کیاری کو دیکھ رہی تھی' اداسی سے ذرا سا مسکرائی۔ "اس نے میری جان بچائی تھی۔ میں سمندر میں ڈوب گئی تھی۔ وہ مجھے باہر لایا تھا' اس نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔"

"اور تب سے ہی آپ دوسروں کے NDEs میں دلچسپی رکھنے لگی ہیں؟ آپ خود بھی چند لمحے کے لئے کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوئی تھیں شاید۔"

آبی نے چونک کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ بہت سے رنگ آ کر گزر گئے۔ جیسے وہ ہیجان کا شکار ہوں۔

"آپ کلینکل ڈیتھ کے تجربات پہ یقین رکھتے ہیں؟"

"نہیں آبدار۔ مجھے لگتا ہے یہ لوگ خواب دیکھتے ہیں اور اس کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔"

"وہ خواب نہیں تھا۔" آبی نے آنکھیں بند کیں۔ "وہ حقیقت تھی۔ میں نے پہلی دفعہ جانا تھا کہ روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ میری روح میرے جسم سے نکل گئی تھی۔ پانی کے اندر سے ہوتی ہوئی وہ ایک گہری تاریک سرنگ سے گزری تھی۔ سرنگ بہت لمبی تھی۔ اختتام پہ روشنی تھی۔ میں بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ ہوا سے ہلکی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں اپنے جسم سے اوپر اٹھ گئی ہوں۔ اور نیچے میں نے دیکھا' وہ مجھے پانی سے باہر لا رہا تھا۔ اس کی شرٹ کی پشت پہ سیپی چپکی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے وہ منظر...."

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر ایک آڑ تھی.... سفید لکیر.... مگر وہ لکیر نہیں تھی وہ کچھ اور تھا۔ اس کے پار میری ماں کھڑی تھی۔ اور ایک کزن جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوا تھا۔ وہ مجھے واپس مڑنے کو کہہ رہے تھے۔ شاید وہیں میں نے اسے دیکھا۔ وہ ایک روشنی سے بنا وجود تھا۔ انسان نہیں۔ بس ایک وجود

تھا۔A being of light۔ سراپا نور۔اس سے پھوٹتے رنگ بدل رہے تھے۔سرخ ہو رہے تھے جیسے وہ غصے میں ہو۔وہ مجھ سے خفا تھا۔میں نے بہت لوگوں کے انٹرویو کیے'یہودی'عیسائی'ہندو'حتیٰ کہ athiests کے بھی۔وہ کسی سے خفا نہیں تھا۔کسی نے اس کے بدلتے رنگ نہیں دیکھے۔تو میں نے کیوں دیکھے؟ سب کو اس نے علم حاصل کرنے کا اور لوگوں سے محبت کرنے کا پیغام دیا۔میرے اوپر اس نے غصہ کیا۔کچھ کہا نہیں۔بس غصہ'طیش....غضب....یہی محسوس ہوا مجھے۔کیوں؟"

"کیونکہ آپ نے خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔" وہ ہلکا سا مسکرا کے بولا۔وہ بالکل ٹھہر گئی۔یک ٹک ساکت سی اسے دیکھے گئی۔

"آپ اپنے والد کی توجہ کے لئے خودکشی کرنے جا رہی تھیں۔آپ نے پہلے بتایا تھا ایک دفعہ۔یہ جان اتنی ارزاں نہیں ہوتی کہ اسے یوں ضائع کیا جائے۔کبھی کسی خودکشی کر کے واپس آنے والے مریض کا انٹرویو کیا آپ نے؟"

آبی نے نفی میں سر ہلایا۔"جو اپنی جان کو بے مقصد ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں یا دوسروں کی جانوں کے ساتھ کھیلتے ہیں'وہ توبہ کیے بغیر مر جائیں تو قابلِ معافی نہیں ہوتے۔اس لیے شاید اس نے آپ پہ غصہ کیا ہو۔" پھر گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اب چلتا ہوں۔کوئی مسئلہ ہو تو بتایئے گا۔"

آبی نے بدقت اثبات میں سر ہلایا۔"تھینک یو۔مسز مرکو میرا اسلام کہیے گا۔"

"شیور" وہ گہری سانس لے کر پلٹ گیا۔آبدار کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خالی دامن سے شکایت کیسی؟

اشک آنکھوں میں تو بھر جاتے ہیں!

حنین نے آج پھر سبق نہیں سنایا تھا۔میمونہ کا فون آیا تو اس نے سر درد کا بہانہ کر دیا لیکن وہ اصرار کرنے لگی کہ تھوڑا سا قرآن سے دیکھ کر ہی سنا دو بس ناغہ نہ ہو۔تب وہ وضو کر کے اپنے بیڈ پہ آ بیٹھی اور قرآن کھول لیا۔سورہ مریم آج کل وہ حفظ کر رہی تھی۔صفحے سے دیکھ کر سنانے لگی۔چند آیات کے بعد ہی اس کی سانس اتھل پتھل ہونے لگی مگر وہ تلاوت کرتی رہی۔

"(کہا ابراہیم نے) اے میرے باپ بے شک مجھے خوف ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے پھر شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے البتہ اگر تو باز نہ آیا میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور مجھ سے ایک مدت تک دور ہو جا۔کہا (ابراہیم نے) تیری سلامتی رہے اب میں اپنے رب سے تیری بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔اور میں تمہیں چھوڑتا ہوں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ ہوں گا۔پھر جب ان سے علیحدہ ہوا اور اس چیز سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ہم نے ان کے لیے "لسان الصدق" (نیک نامی) بنائی۔" (42-50)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سانس مزید پھول گیا تو اس نے بس کر دی۔ صدق اللہ العظیم کہہ کر اجازت مانگی۔ فون بند کرنے کے بعد وہ ٹیرس پہ آ بیٹھی اور کتنی ہی دیر یونہی بیٹھی رہی۔ اندھیرا اچھل رہا تھا' ڈپریشن سا ڈپریشن تھا۔ اور تب اس کی نظر کالونی میں دور ایک درخت سے ٹیک لگائے شخص پہ پڑی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس عام سے مورچال کو بہت حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ تاریکی کے باوجود وہ اس کی آنکھیں پڑھ سکتی تھی۔ وہ تیزی سے نیچے کو بھاگی۔

''نوشیرواں بھائی!'' چند منٹ بعد وہ اپنا گیٹ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کے سیدھا ہوا مگر خاموش ویران آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

''آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟ جانتے ہیں نا' کورٹ میں یہ بات آپ کے خلاف جا سکتی ہے؟ اس لئے چلتے بنیں۔'' درشتی سے وہ بولی تھی۔

''لوزر... سپر لوزر... یہی کہا تھا نا تم نے مجھے۔ اگر پیچھے مڑ کے دیکھو تو یہ سب تمہاری زبان کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔'' وہ تلخی سے بولا تھا' ایسی تلخی جس میں ملال زیادہ تھا۔ حنین چونک کے واپس گھومی۔ ''کیا؟''

''تم دونوں کو کبھی احساس ہوا حنین کہ تم لوگ اپنے احساسِ برتری میں مجھے کتنا ہرٹ کر جاتے تھے؟ میری کتنی بے عزتی کرتے تھے؟ اور آئی ڈونٹ کیئر اگر تم یہ سب ریکارڈ بھی کر لو۔ لیکن میں نے جو کچھ کیا وہ اس لئے کیا کیونکہ تم دونوں نے مجھے ہمیشہ بے عزت کیا۔ کبھی میری عزت نہیں کی۔''

''صحیح!'' حنین نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور سر کو خم دیا۔ ''میں نے واقعی آپ کو بہت ڈی گریڈ کیا ہے۔ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''لیکن اس کے باوجود میں پورے ملک میں بدنام ہو چکا ہوں' اور تمہارا بھائی دو قتل کر کے بھی بدنام نہیں ہوا۔ اس کے خلاف انکوائری نہیں ہوتی۔ وہ ہر دفعہ بچ جاتا ہے۔ کوئی ایک لمحے کے لئے بھی کیوں نہیں سوچتا کہ وہ اور تم... تم دونوں بھی میرا دل دکھاتے تھے۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہا تھا' گویا پھٹ پڑا تھا۔

''کیونکہ ہم ''لوگ'' تھے اور ''لوگ'' باتیں کرتے ہیں نوشیرواں بھائی۔ لوگوں کا کام ہی باتیں کرنا ہے۔ آپ کو لوگوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن آپ بھی کیسے پرواہ نہ کرتے۔'' وہ تلخی سے ہلکا سا مسکرائی تھی۔ ''جب لوگ ہمارے بارے میں باتیں کرتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہمیں لگتا ہے ہماری عزت خراب ہو گئی ہے۔ ہم دوبارہ سر اٹھا کے نہیں جی سکیں گے۔ ہمارا خاندان ہمیں رسوا کر دے تو لگتا ہے ساری زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔ بدکاری کی سزا سنگسار کرنا ہوتا ہے۔ سرِ عام پتھر مار کر ہلاک کرنا۔ یہ ایک توہین آمیز سزا ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے یہی سزا سنائی تھی۔ ان کی عزت ختم کرنے کے لئے۔ کیونکہ لوگ ان کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ ان کے بتوں کو ذمین بوس کرنے والا ہے ایک نوجوان... کہتے ہیں جسے ابراہیم۔ وہ سچے تھے مگر زمانے بھر نے ان کے خلاف باتیں کیں' سازشیں کیں۔ ان کو تنہا کر دیا۔ ان کی عزت ختم ہو کر رہ گئی۔ ان کو ان کے گھر سے نکال دیا گیا' جب آگ میں نہ جلا سکے تو ملک

سے نکال دیا۔ پھر کیا ہوا؟" وہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔ شیرو یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"پھر یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسحق بھی دیے' اسمعیل بھی' اور یعقوب بھی۔ ان کو اللہ نے کعبہ بنانے کا شرف بھی دیا اور ان کے نام کو رہتی دنیا تک ہماری نمازوں کا' ہمارے درود کا حصہ بنا دیا۔ تین بڑے ادیان کے پیروکار یہود... عیسائی... مسلمان... اس بات پہ جھگڑتے ہیں کہ ابراہیم ہمارا ہے۔ سب انہی کو اپنانا چاہتے ہیں' ان کو اپنے دین میں داخل دکھانا چاہتے ہیں جن کو ان کے گھر والوں نے نکال دیا تھا۔ جن کی وہ لوگ عزت نہیں کرتے تھے۔" وہ بول رہی تھی اور اس کا سانس مزید پھولتا جا رہا تھا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ کے تمتمانے لگی تھی اور آواز بلند ہو رہی تھی۔ "اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے لسان الصدق بنائی۔ سچی زبان۔ سچی تعریف۔ نیک نامی۔ جو رہتی دنیا تک اور اس کے بعد بھی قائم رہے گی۔ مگر ہم نوشیرواں بھائی' ہم کتنے بھلکو لوگ ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمیں بے عزت کریں گے تو ہماری عزت اور نیک نامی چلی جائے گی؟ ہم رسوا ہو جائیں گے؟ لوگ ہمارے بارے میں باتیں کریں گے تو ہم کبھی سر اٹھا نہیں سکیں گے؟ تو پھر کون تھا وہ شخص جس نے اپنے وقت کے بڑے بڑے خداؤں کو کلہاڑا مار کے توڑا تھا' جس کے بارے میں سب لوگ بری بری باتیں کرتے تھے مگر آج اس جیسا نیک نام کوئی نہیں؟ نہیں نوشیرواں بھائی... لوگوں کا کام تو ہوتا ہے باتیں کرنا۔ کسی انسان کی عزت لوگوں کی زبانوں سے نہیں بندھی ہوتی کہ وہ زبان کھولیں گے اور عزت گر جائے گی۔ اللہ...' اس نے انگلی اٹھا کے اوپر اشارہ کیا۔ "صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے ہر انسان کی عزت۔ وہ نہ چاہے تو کوئی رسوا نہیں ہو سکتا۔ اور جانتے ہیں کیوں اچھے بھلے دیندار لوگ ایک دن اچانک سے ہماری نظروں سے گر جاتے ہیں؟ جب ان کی سیاہ کاریاں سامنے آتی ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بدل گئے ہیں' مگر وہ پہلے بھی اچھے نہیں تھے۔ ان کی نیت شروع سے خراب تھی اور شروع میں اللہ نے ان کو چانس دیا مگر جب انہوں نے اپنی نیت درست نہ کی تو اللہ نے ان کی تمام محنتوں اور کوششوں کو انہی کے ہاتھوں برے کاموں میں لگایا' یوں ان کی نیتیں سب پہ کھل گئیں۔ انسان بری نیت نہ رکھے تو اللہ اسے کبھی رسوا نہیں کرتا۔ یہی پوچھنا چاہتے تھے نا آپ۔ یہی ہے آپ کا جواب۔ کسی کی عزت کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہمارا سارا خاندان ہماری بے عزتی کرے گا تو اللہ اس سے کئی زیادہ لوگ پیدا کر دے گا جو ہماری عزت کریں گے۔ اگر ہم نے اپنے گناہوں پہ معافی مانگ لی ہے' اور دوسروں کا بھلا سوچنے لگ گئے ہیں نا' ہماری نیت درست ہے نا تو اللہ ہمیں کسی انسان کے ہاتھوں رسوا نہیں کرے گا۔ اگر ہم انسانوں کی بھلائی سوچیں' اور اپنی نیت کو نیک کر لیں تو ملے گی ہمیں وہ عزت جسے کوئی انسان داغدار نہیں کر سکے گا۔ اسلئے ان بتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ کلہاڑا مار کے ان کو توڑ دینا چاہیے۔ کوئی ہمارے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھے تو اس کی آنکھ کو تیر مار کے پھوڑ دینا چاہیے۔ کسی کو نقصان دینے میں پہل کرنے کا نہ سوچنا ہے' نہ یہ کرنا ہے۔ لیکن ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے مرد کردار اگر ہم عام لڑکیوں کو یہ کہہ کے دھمکائیں کہ وہ ہماری تصاویر یا ہمارے راز پوری دنیا کو دکھا دیں گے تو ان کو کہنا چاہیے کہ جاؤ جاؤ... دکھا دو سب کو... تم پھر بھی مجھے رسوا نہیں کر سکتے۔ دنیا کے سارے بدکردار مرد اکٹھے ہو جائیں وہ تب بھی تائب ہوئی ہم عام لڑکیوں کو رسوا نہیں کر سکتے۔ یہ ہوتی ہے توبہ اور اچھی نیت۔ عزت پانا چاہتے ہیں نا آپ؟ تو لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرنا شروع کریں۔ میں بھی عزت پانا چاہتی ہوں' اس لئے میں اب ڈرے

بغیر دوسروں کا سوچوں گی۔ اپنے بھائی کا سوچوں گی جس کے لئے مجھے گواہی دینی ہے۔ پھر تیر مارنا پڑے یا کلہاڑا' اللہ شاہد ہوگا کہ میری نیت بری نہیں تھی۔' اس کی گلابی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ چہرہ دہک رہا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سُن سا ہوا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ اب اندر کی طرف مڑ گئی تھی مگر وہ ہنوز وہیں کھڑا تھا۔ اس کے الفاظ کی بازگشت ابھی تک کالونی کے درختوں سے ٹکرا ٹکرا کے پلٹ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرب چہرے سے ماہ و سال کا دھویا جائے

آج فرصت سے کہیں بیٹھ کے رویا جائے

فارس جس وقت کمرے میں آیا' وہ بیڈ پہ کروٹ لئے لیٹی تھی۔ رخ دوسری طرف تھا۔ آنکھوں پہ بازو رکھے ہوئے تھی۔

"محترمہ... وہ دن کب آئے گا جب میں گھر آؤں گا اور آپ میرے کسی جرم کی پاداش میں مجھ سے خفا نہیں بیٹھی ہوں گی؟" وہ سنگھار میز کے قریب کھڑا' گھڑی اتارتے ہوئے' مسکراہٹ دبائے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا جو ہنوز کروٹ لئے لیٹی نظر آرہی تھی۔ "تو پھر پاکستان پینل کوڈ کی کونسی دفعہ کے تحت میرے اوپر آج چارجز فریم کیے جائیں گے؟ میں آپ سے بات کر رہا ہوں' زمر بی بی۔" گھڑی اتار کر رکھی اور آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے شرٹ کے آستین موڑنے لگا۔

"نہیں لگایا میں نے اس کا دیا ہوا پرفیوم۔ پھر کیا ہوا ہے؟ کس بات پہ ناراض ہو؟" وہیں سے اسے پکارا۔ وہ نہیں ہلی۔ نہ کوئی جنبش، نہ آواز۔ وہ پہلے قدرے حیران ہوا اور پھر گھوم کے اس کی طرف آیا۔ وہ چہرے پہ دونوں بازو رکھے ہوئے تھی' مگر جتنا چہرہ نظر آرہا تھا' وہ... گیلا تھا... بے حد گیلا۔

"زمر... کیا ہوا ہے؟" وہ ششدر سا اس پہ جھکا اور اس کے بازو ہٹائے۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ چہرہ سامنے آیا تو وہ نیچے فرش کو دیکھتی روئے جا رہی تھی۔ پلکوں پہ اتنا پانی لدا تھا کہ حد نہیں۔

"کیا ہوا ہے؟ اٹھو بیٹھو۔" وہ حیران پریشان سا سہارا دے کر اسے بٹھانے لگا۔ اس نے پھر کوئی مزاحمت نہیں کی بس ڈھیلی سی اٹھ کے بیٹھ گئی۔ گھنگریالے بالوں کی پونی ڈھیلی پڑ چکی تھی اور شدتِ گریہ سے ناک اور آنکھیں گلابی ہو کے دھک رہی تھیں۔

"مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" کبھی وہ اس کو شانوں سے تھام کر اپنی طرف موڑتا' کبھی اس کا چہرہ تھپتھپاتا۔ "ادھر دیکھو۔ مجھے بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟"

"مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ میں عام نہیں ہوں۔ بلکہ عام لوگوں سے بہت مختلف ہوں۔ برتر ہوں۔" وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے دوران بولی تھی۔ وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے لگتا تھا میں چونکہ پراعتماد ہوں' مضبوط ہوں' ایک کریڈیبلٹی ہے میری تو ہاشم مجھے کچھ تو سمجھتا ہوگا۔ کورٹ میں مجھے لائٹ نہیں لیتا تو

ایسے بھی نہیں لینا ہوگا۔ مجھے لگتا تھا کوئی تو اہمیت ہوگی میری۔ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے۔ ایک باہمت بہادر عورت ہونے کی حیثیت سے۔ مگر نہیں۔ میں تو ان لوگوں کے لئے ایک چیونٹی سے بڑھ کر نہیں ہوں۔"

"کیا ہوا ہے زمر؟ مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔" وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔ زمر نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ "اس لئے مارا پیٹا تھا تم نے میرے ڈاکٹر کو؟ اسی لئے نا؟"

فارس ایک دم بالکل گنگ سا ہو گیا۔ "کیا؟"

"مجھے پتہ ہے تم نے اسے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ آج ہاشم نے بتا دیا ہے۔"

"کیوں مارا تھا؟" وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ کے بولا تھا۔

"جب تم جیل میں تھے تو اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ میرا کڈنی ناکارہ ہو چکا ہے۔ تم سمجھ گئے تھے میں نہیں سمجھی تھی۔ مجھے لگتا تھا میں بہت عقلمند ہوں، مگر میں عام سی بے وقوف سی عورت ہوں۔" وہ پھر سے بلک بلک کے رونے لگی تھی۔

"یہ.... یہ بتایا ہے اس نے تمہیں؟ بس یہی کیا اس نے یا اس نے کچھ اور بھی؟" وہ سانس روکے پوچھ رہا تھا۔

"اس سے زیادہ وہ کیا کر سکتا تھا؟ فارس اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا تھا؟" وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے چہرہ جھکائے روئے جا رہی تھی۔

"میں نے کیا بگاڑا تھا ان لوگوں کا۔ میں نے ان کو کب نقصان دیا؟ کبھی ان کا دل بھی نہیں دکھایا پھر کیوں مذاق بنا دیا انہوں نے میری زندگی کو؟" فارس نے گہری سانس لی اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

"آئی ایم سوری، مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا، مگر میں نہیں بتا سکا۔ میرے اندر ہمت نہیں تھی تمہیں پھر سے توڑنے کی۔" وہ اس کا سر نرمی سے تھپکتے ہوئے ملال سے کہہ رہا تھا۔

"تماشا بنا دیا میری زندگی کو میں کیا ہوں ان کے لئے؟ فارس میں کیا ہوں ان کے لئے؟" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی جا رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہ دن بہت برے تھے۔ تم جیل میں تھے۔ میں اکیلی تھی۔ میں کسی سے اپنا مسئلہ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ میں کتنی پریشان تھی۔ مجھے لگا میں مرنے جا رہی ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے پھر بھی خود کو مرنے کے لئے تیار کر لیا تھا۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا، دور کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا اور وہ آنکھیں اس کے کندھے پہ رکھے روئے جا رہی تھی۔

"ہر روز مجھے لگتا تھا کہ میں مرنے والی ہوں۔ انہوں نے میری ساری امیدیں توڑ دیں۔ مجھے خواب دیکھنے کا موقع بھی نہ دیا۔ میں نے کیا بگاڑا تھا ان کا؟ مجھے کیوں یہ ہر دفعہ پیر تلے مسل کر چلے جاتے ہیں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میرے سر پہ تلوار لٹک رہی تھی۔ زمر مرنے والی ہے۔ ہر روز یہ الارم بجتا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ٹھیک سے اندر سے خوش بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ اندر ہی اندر مجھے ڈپریشن کھا رہا تھا۔ میں نئی زندگی کو پلان بھی نہیں کر پاتی تھی۔ کیوں کھیلتے رہے وہ میری صحت کے ساتھ؟"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ٹھیک ہو۔ تمہیں اب کچھ نہیں ہو گا۔"

"اب میں کیسے یقین کروں کہ اب میں زندہ رہوں گی؟ میں مرنے کے لئے تیار تھی۔ میں اپنی تیاری کو کیسے بدلوں فارس؟ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔" وہ اسی طرح روئے جا رہی تھی۔ سسکیوں اور ہچکیوں کے باعث اس کی آواز مدغم تھی۔ الفاظ بے ربط اور گڈمڈ سے ہو رہے تھے۔

وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

کیا وہ اسے بتائے؟ کیا وہ اسے ایک دفعہ پھر سے توڑے؟ اونہوں۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ زمر کے آنسو ہنوز آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تُو میرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب مجھے

شوقِ کمال بھی نہیں، خوفِ زوال بھی نہیں!

عدالتی کمرے میں آج عجیب تناؤ زدہ ماحول تھا۔ جواہرات کاردار مطمئن سی سیاہ لباس اور ہیروں کی جیولری پہنے شاہانہ انداز میں بیٹھی تھی۔ نوشیرواں بھی ہر دفعہ کی طرح تیار سا ویران چہرہ لئے موجود تھا۔ ساتھ بیٹھا ہاشم چبھتی مسکراتی نظروں سے کٹہرے میں کھڑی حنین کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک پلندہ بھی تھا۔

اس نے کھلتے ہوئے گلابی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ گلابی دوپٹہ سر پہ لپیٹے' وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف اٹھا رہی تھی۔ آج ماتھے کے کٹے بال ماتھے پہ گرنے کی بجائے پن لگا کر پیچھے کو چوٹی میں کس دیے تھے اور وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ تر و تازہ چہرے کے ساتھ' بہت اطمینان سے کھڑی تھی۔ جج صاحب کرسی پہ پورا گھومے اس کو دیکھ رہے تھے۔ زمر کے قریب بیٹھا سعدی سر جھکائے ہوئے تھا' بار بار اٹھنے کا ارادہ کرتا مگر زمر روک دیتی۔ "اسے اکیلا چھوڑ دو گے؟" اور وہ بیٹھ جاتا۔ آخری کرسیوں پہ بیٹھے فارس نے گردن موڑ کے سیم کو دیکھا جس کی نظریں کٹہرے پہ جمی تھیں۔ فارس غیر آرام دہ سے انداز میں بولا۔

"تمہیں آج نہیں آنا چاہیے تھا اسامہ۔"

اسامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "اسے مورل سپورٹ نہ دوں؟ اکیلا چھوڑ دوں؟ ٹھیک ہے' جب وہ میری الماری سے چاکلیٹس کھا جاتی ہے اور میری کاپی پہ کور نہیں چڑھا کے دیتی تو دل کرتا ہے اس کی گردن مروڑ دوں' لیکن ہے تو وہ میری بہن نا۔"

"او کے تھینک یو اسامہ!" وہ خفگی سے سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔

"اچھا آپ کی عمر کیا ہے؟" جج صاحب نے اس نازک دبلی پتلی' دراز قدم مگر کم عمر لڑکی کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ عام شکل و صورت کی تھی اور

کمزوری دکھتی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں چمکدار تھیں اور پیشانی روشن تھی۔ سوال پہ اس نے نگاہوں کا رخ ان کی طرف پھیرا۔ "بائیس سال یور آنر۔" مگر جج صاحب کو وہ اب بھی "مائنر" لگ رہی تھی سو سمجھاتے ہوئے بولے۔ "اچھا ایسا ہے کہ ابھی یہ مسز زمر آپ سے سوال کریں گی' اس کے بعد وکیل صفائی آپ سے جرح کریں گے اور....."

"جی یور آنر' قانونِ شہادت آرٹیکل 132 کے تحت پہلے جس وکیل نے مجھے بلایا ہے وہ میری examination in chief کریں گی' پھر وکیلِ صفائی مجھے کراس کریں گے' پھر مسز زمر مجھے دوبارہ سے re-examine کر سکتی ہیں مگر صرف ان باتوں کی وضاحت کے لئے جو کراس کے دوران سامنے آئی ہیں' اس کے بعد ہاشم کاردار مجھے دوبارہ سے ری کراس کر سکتے ہیں لیکن وہ نئے سوال پوچھنے کا بھی حق رکھتے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔" وہ ایک ہی سانس میں بولے چلی گئی۔

سیم نے فارس کے قریب سرگوشی کی (اب یہ زیادہ اوور ہو رہی ہے۔) مگر فارس اب غور اور اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا جو غیر معمولی طور پہ کمپوزڈ نظر آ رہی تھی۔ جج صاحب اب پورا گھوم کے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"بہر حال' کاردار صاحب آپ سے جرح کے دوران متعلقہ سوالات کے علاوہ کوئی ایسا سوال بھی پوچھ سکتے ہیں جو..." وہ پھر سے اسے وارن کرنے لگے مگر.....

"جو قانونِ شہادت آرٹیکل 141 کے تحت میری veracity چیک کرنے کے لئے ہو' میرا بیک گراؤنڈ' کام' وغیرہ جاننے کے لئے ہو یا..." نظروں کا رخ ہاشم کی طرف موڑا۔ "میرا کردار مسخ کرنے کے لئے ہو۔ اور کورٹ ان سوالوں کی اجازت دے گی' میں جانتی ہوں۔"

جج صاحب نے کھلے لب بند کیے' پھر بولے۔ "میں صرف یہ تسلی کر رہا تھا کہ آپ کو اپنے رائیٹس معلوم ہیں یا نہیں۔"

"I know my rights more than i know my wrongs , your honour!"

وہ اسی انداز میں بولی تھی۔ دھیما' شائستہ' مسکرا کے بولنے والا انداز۔ ہاشم محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سیم نے پھر سے منہ بنایا (اوور)۔ فارس غیر آرام دہ تھا اور سعدی فکرمند۔ "یہ کیا کر رہی ہے زمر؟"

"وہ حنین ہے اور اس کے دماغ میں کیا چلتا رہتا ہے' میں نہیں جانتی۔" وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے سامنے آ ٹھہری۔

"ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتائیے۔"

"حنین ذوالفقار یوسف خان۔" وہ زمر کو دیکھ کے گردن کڑائے بولی تھی۔

"مدعی سعدی یوسف سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"وہ میرا بھائی اور brother in arms (اچھا ساتھی) ہے۔" سعدی کو دیکھ کے مسکرا کے بولی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

اب زمر اس سے چند چھوٹے موٹے سوالات کرنے لگی۔ وہ اعتماد اور سجاؤ سے جواب دیتی گئی۔

"بیس مئی کی شام جب آپ میرے کمرے میں موجود تھیں تو آپ نے باہر کیا دیکھا؟"

”میں نے دیکھا سعدی یوسف گھر کی پچھلی گلی میں چلتا آ رہا تھا اور وہ فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ مخاطب کو حلیمہ کے نام سے پکار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے باس سے ملنے کل آنا چاہتا ہے۔ یعنی وہ اپائنٹمنٹ لے رہا تھا۔“

”اور آپ کے عزیز و اقارب میں حلیمہ کس کی سیکرٹری کا نام ہے؟“

”ہاشم کاردار کی سیکرٹری ہے وہ۔ ہاشم نے مجھے اور آپ کو خود بتایا تھا جب ہمارے سامنے ان کی سیکرٹری کا فون آیا تھا۔“

”آپ کو یقین ہے کہ آپ نے یہی نام سنا تھا؟“

”جی۔ سو فیصد۔“

”ہمیں نوشیرواں کاردار کے اغوا کے بارے میں بتایئے‘ تا کہ عدالت کو معلوم ہو کہ وہ کس کردار کا حامل ہے؟“ زمر سوال پوچھ رہی تھی اور وہ جواب میں پورا واقعہ بتا رہی تھی کہ کس طرح اس نے نوشیرواں کا ڈرامہ پکڑا۔ شیر وزخمی نظروں سے اسے دیکھے گیا مگر اسے جیسے حنہ سے اب کوئی گلہ نہیں رہا تھا۔

”آخری دفعہ جب ہاشم کاردار آپ کے گھر آئے تھے‘ بریانی فرائیڈے پہ تو کیا کہا تھا انہوں نے؟“

”انہوں نے سب کے سامنے معافی مانگی تھی اور اقرار کیا تھا کہ نوشیرواں اور وہ ذمہ دار ہیں سعدی بھائی کے اغوا اور ارادہ قتل کے۔ انہوں نے ہم سے سب بھول کر آگے بڑھنے کی بات کی تھی۔“ وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتی گئی۔

”حنین آپ کو یقین ہے کہ انہوں نے اعتراف جرم آپ کے سامنے کیا تھا؟“ زمر جج صاحب پہ ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے حنہ سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”جہاں تک مجھے یاد ہے‘ انہوں نے اعتراف جرم کے ساتھ افسوس کا اظہار بھی کیا تھا۔“

”your witness!“ زمر مڑی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا‘ عادتاً کوٹ کا بٹن بند کیا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سعدی کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ چاہ کر بھی چہرہ اٹھا نہیں پا رہا تھا۔ نظریں زمر کے کاغذات پر رکھے کھلے پین پہ جمی تھیں۔ جس کی نب تیز دھار پھل کی طرح چمک رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے اس پین کو مٹھی میں دبا لیا۔ نظریں ہنوز جھکی تھیں۔

”حنین یوسف!“ ہاشم مسکرا کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کا آغاز کرنے لگا۔ ”کیا یہ سچ نہیں ہے کہ....“

”اور لینگوئج کا کیا؟“ وہ تیزی سے بولی۔ ہاشم رکا۔ جج صاحب نے بھی گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

”قانونِ شہادت کے تحت آپ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے کہ میں کس زبان میں زیادہ کمفرٹیبل ہوں اور میرا بیان اسی زبان میں ریکارڈ ہونا چاہیے۔ یہ میرا حق ہے اور آپ نے مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔“

”او کے جی۔ آپ کس زبان میں آرام دہ ہیں؟“

”اردو یا انگلش۔ کسی میں بھی۔“ اس نے کندھے اچکائے۔ ہاشم نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''حسین آپ کے بیان کے مطابق آپ نے سعدی کو مبینہ طور پہ کسی کی سیکرٹری کا نام لیتے سنا تھا۔ حلیمہ۔ کیا یہ درست ہے؟''

''جی!''

''اور کیا آپ نے سرنیم بھی سنا تھا؟ حلیمہ کون؟ اگلا نام؟''

''بھائی نے صرف حلیمہ بولا تھا۔''

''حسین آپ ماشاءاللہ ایک ذہین لڑکی ہیں' اتنا تو جانتی ہوں گی کہ آفیشل capacity میں ایمپلائز کو عموماً ان کے سرنیم کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ مس یوسف' مسز کاردار۔ فرسٹ نیم ٹرم نہیں یوز کی جاتیں۔ کیا ایسا نہیں ہے؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ باسز عموماً اپنی سیکرٹریز کے ساتھ فرینک ہوتے ہیں اور ان کو فرسٹ نیم ٹرم کے ساتھ ہی بلاتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ میرے سامنے اپنی سیکرٹری کا فون اٹینڈ کرنے کے بعد آپ نے ہمیں اس کا نام حلیمہ ہی بتایا تھا۔ نو سرنیم!''

''لیکن کیا آپ نے سعدی کو فون پہ میرا نام لیتے سنا؟ یا نوشیرواں کا؟''

''نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اور وہ حلیمہ کوئی بھی حلیمہ ہو سکتی تھی۔ کسی کی بھی سیکرٹری' رائٹ؟''

''آبجیکشن یور آنر۔'' زمر تیزی سے اٹھی۔ اس سے پہلے کہ زمر اعتراض کی وجہ بتاتی یا جج صاحب رولنگ دیتے' حسین نے جج صاحب کی طرف رخ پھیر کے کہا۔

''کیا آپ مسز زمر کو کچھ دیر کے لئے خاموش رہنے کا کہہ سکتے ہیں کیونکہ مجھے ان کے سوالوں پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں ہر سوال کا جواب دوں گی۔''

''وہ آپ کی وکیل ہیں۔ اور....''

''وہ میری وکیل نہیں ہیں۔ میں اپنی وکیل خود ہوں۔ اب میں جواب دوں؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔ زمر سے نظر بچائی۔ وہ برہمی سے واپس بیٹھی۔ سعدی ابھی تک پین ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔

''جی' وہ کوئی بھی حلیمہ ہو سکتی تھی میں نے صرف فرسٹ نیم سنا تھا۔''

''اور آپ پورے وثوق سے کہتی ہیں کہ آپ کے سامنے میں نے اعتراف جرم کیا تھا؟''

''جی۔'' اس نے ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کے کہا۔ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ گویا ننھی لڑکی کو دیا آخری موقع بھی ضائع چلا گیا ہو۔

''اور کیا سعدی کے واپس آنے سے قبل کیا کبھی آپ نے میرے سامنے ذکر بھی کیا کہ آپ میری سو کالڈ اصلیت سے واقف ہیں۔''

''نہیں۔'' وہ قدرے آہستہ سے بولی تھی۔

''آپ کے بیان کے مطابق آپ بہت پہلے سے واقف ہو گئی تھیں' لیکن کیا آپ نے کبھی مجھے کھل کے کہا کہ میرے بھائی نے آپ کے

بھائی کو اغوا کر رکھا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ لوگ ایک دم سے وہ سب ہمارے خاندان کو مجرم ٹھہرانے لگے کیونکہ آپ مجھ سے بدلہ لینا چاہتی تھیں؟"

وہ اس کے سامنے کھڑا بے رحمی سے جرح کر رہا تھا۔

"کس چیز کا بدلہ؟" سعدی کی گرفت چین پہ سخت ہو گئی۔ جھکی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

"آپ کو اگنور کرنے کا بدلہ۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"کس طرح اگنور کرنے کا بدلہ؟" اس نے سپاٹ انداز میں دہرایا۔

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ چند ماہ تک مجھ سے واٹس ایپ پہ بات کرتی تھیں؟ (سعدی نے آنکھیں زور سے میچیں۔ زمر نے اس کی اکڑی ہوئی مٹھی پہ ہاتھ رکھا۔) اور میری توجہ چاہتی تھیں۔"

"میں آپ سے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھتی تھی جیسے علینا اپنے کلاس فیلوز سے بات کرتی ہے۔"

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ اپنی فیملی سے چھپ کے مجھ سے بات کرتی تھیں۔"

"میں آپ سے فیس بک پہ بھی سب کے سامنے بات کرتی تھی جیسے علینا اپنے کولیگز سے کرتی ہے۔"

"مگر کیا یہ درست نہیں ہے کہ یہ آپ کی فیملی میں غلط سمجھا جاتا ہے؟"

"میری فیملی میں یہ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا علینا کی فیملی میں سمجھا جاتا ہے مگر جیسے علینا ضرورت کے تحت فیس بک پہ اپنے کولیگز وغیرہ سے بات کر لیتی ہے میں بھی کر لیتی ہوں۔"

"ایکسکیوزمی یہ علینا کون ہے؟" ہاشم نے اکتا کے بات کاٹی۔

"جج صاحب کے ریڈر کی بیٹی۔" اس نے معصومیت سے کہہ کر چند کاغذ جج صاحب کی طرف بڑھائے۔ جہاں ریڈر صاحب چونکے وہیں ہاشم ٹھہرا اور زمر نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ (اُف۔ اُف)

"یہ یور آنر ریڈر صاحب کی بیٹی کے فیس بک کے کچھ اسکرین شاٹس ہیں، اور یہ میری ہاشم بھائی سے کی بات کے اسکرین شاٹس۔ علینا اپنی یونیورسٹی میں ایک نہایت باعزت اور برائیٹ اسٹوڈنٹ ہیں اور جیسے وہ بولتی ہیں، میں بھی ویسے ہی بولتی تھی۔ اب ہمارے بڑے اس بارے میں کیا سوچتے ہیں مجھے نہیں پتہ۔ آپ یور آنر کے ریڈر سے پوچھ لیں، کیا وہ اس طرح بات کرنے کو برا سمجھتے ہیں؟"

ہاشم نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ جج صاحب نے کاغذات پہ ایک نظر ڈالی اور عینک کے پیچھے سے گھور کے حنین کو دیکھا۔ "آپ ریڈر کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کر سکتیں۔" انہوں نے تنبیہ کی۔

"یور آنر قانون میں کہیں بھی کوئی بھی شق مجھے منع نہیں کرتی اس چیز سے، سو میں یہ لے آئی۔" معصومیت سے شانے اچکائے۔

''میری بیٹی کا یہاں کیا ذکر؟''

''میں بھی تو کسی کی بیٹی ہوں۔ میرے ذکر کی اجازت بھی تو آپ لوگ دے رہے ہیں نا۔'' پھر ہاشم کو دیکھا۔ ''آپ کیا پوچھ رہے تھے؟ اس چیز کو کیسا سمجھا جاتا ہے ہم جیسی عام فیملیز میں؟'' ریڈر صاحب کی طرف اشارہ کیا جن کے چہرے پہ برہمی تھی۔

''میں آپ کی انٹرنیٹ ایڈکشن کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔'' ہاشم نے تیزی سے پینترا بدلا۔ وہ ایک جج کے ریڈر کی طرف جانے والی گفتگو کا رخ موڑنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا، مگر ابھی بہت سے تیر ترکش میں باقی تھے۔

''کیا یہ درست ہے حنین یوسف کہ آپ کمپیوٹرز وغیرہ میں بہت اچھی ہیں۔''

''بالکل!'' مسکرا کے سر کو خم دیا۔ جج صاحب اب کاغذ رکھ کے واپس ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''اور کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر بھی ہیں؟'' وہ دوبارہ سے روانی پکڑ چکا تھا۔

''جی۔''

''حنین کیا آپ کے اردگرد کے لوگ آپ کے پاس hacking سے متعلق فیورز لینے آتے ہیں؟''

''لوگ میرے پاس فیورز لینے کیوں آئیں گے؟''

''کیونکہ آپ بہترین ہیں، اور وہ آپ پہ زیادہ بھروسہ کر سکتے ہیں۔''

''جی۔ لوگ مجھ سے فیورز لیتے رہتے ہیں۔'' اس نے اعتراف کیا۔ وہ پرسکون تھی۔ زمر بار بار اعتراض کرنے اٹھنے لگتی، پھر رک جاتی۔ کمرہ عدالت میں تناؤ ہر پل بڑھتا جا رہا تھا۔

''کیا 2013 میں ایسا ہوا کہ کسی دوست کے والد نے آپ سے کوئی فیور مانگا؟''

''جی ہاں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ ہاشم کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

''اور کیا اس فیور کا تعلق ان کے خاندان کی کسی عورت کے کسی اسکینڈل سے تھا؟''

''جی ہاں۔''

''اور ان کی مدد کرنے کے لئے آپ کو غیر قانونی ہیکنگ کرنی پڑی؟''

''میرے جواب کے بعد آپ مجھے sue تو نہیں کریں گے نا؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔ جیسے کوئی بچہ پوچھتا ہے۔ ہاشم نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔ ''میں آپ کو sue نہیں کروں گا، حکومت کا کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میری طرف سے بے فکر ہو کر جواب دیجئے۔''

''جی۔ مجھے ان دوست کے والد کے لیے غیر قانونی hacking کرنی پڑی تھی۔''

''اور کیا یہ درست ہے کہ بدلے میں آپ نے ان صاحب سے کوئی فیور مانگا تھا؟''

فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ زمر فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سعدی کا سر جھکا تھا مگر وہ گردن اکڑائے جواب دے رہی تھی۔

''جی میں نے ان سے فیور لیا تھا۔''

''اور یقیناً وہ فیور خاص قسم کا ہوگا کیونکہ میری اطلاع کے مطابق وہ صاحب ایک انتہائی با اثر عہدے پہ فائز تھے۔''

''ایسا ہی ہے۔''حنہ نے اعتراف کیا۔

''کیا آپ کورٹ کو بتانا پسند کریں گی کہ وہ کون تھے اور ان کے کس کام کے بدلے میں آپ نے ان سے ایک خاص فیور لیا تھا؟''

''وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس بات کا تعلق ان کے خاندان کی ایک عورت کی عزت سے ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا بتانا۔''

''یور آنر میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ گواہ کو جواب دینے کا حکم دے کیونکہ ان سوالوں سے گواہ کا کردار عدالت کے سامنے واضح کرنا بہت ضروری ہے' کیونکہ یہ وہ گواہ ہے جو کہہ رہا ہے کہ اعتراف جرم اس کے سامنے ہوا ہے۔''

''گواہ کو جواب دینا ہوگا۔''جج صاحب نے اسے ہدایت کی۔

''اور اگر میرے جواب سے ایک عورت کی عزت خراب ہوتی ہے تو ہو جائے؟ وہ فوت ہو چکے ہیں تو کیا ہم ان کا پردہ نہ رکھیں؟''وہ جذباتی سے انداز میں بولی۔

''یہ سب آپ کا کردار جاننے کے لئے ہو رہا ہے حنین یوسف اس لئے اپنی فکر کیجئے اور جواب دیجئے۔''وہ مسکرا کے بولا تھا۔ چہرے پہ فاتحانہ چمک تھی۔

''کیا آپ واقعی اس عورت کے افیر کو یوں ایکسپوز کرنا چاہتے ہیں؟ اس مرے ہوئے آدمی کی ساکھ کو داغدار کرنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟''وہ دکھ سے بولی تھی۔

''I don't give a damn!''اس نے جج کی آواز نکال کے شانے جھٹکے تھے۔''لیکن آپ اگر چاہیں تو ان کے ناموں کی جگہ ان کا عہدہ بتا دیں تو بتایئے عدالت کو کہ وہ صاحب جن کا ایک کام کیا تھا آپ نے' وہ کون تھے عہدے کے اعتبار سے۔''

حنین نے اس کی آنکھوں پہ آنکھیں جمائے تین حرف بولے۔

''آئی پی پی۔''

سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ادھر ہاشم نے بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے آپ کہنا چاہ رہی ہیں اوسی پی۔''

''جی نہیں کاردار صاحب۔ میں کہنا چاہ رہی ہوں' وہ ایک آئی پی پی تھے۔ اور نگزیب کاردار نام تھا ان کا اور 2013 کے دسمبر میں وہ ایک ذاتی کام لے کر میرے پاس آئے تھے۔ جب نوشیرواں کے اغوا کا پول کھولنے کے بدلے میں انہوں نے مجھے وہ لیپ ٹاپ اور دوسرے gadgets گفٹ کیے تھے' تب انہوں نے مجھے ایک اور کام بھی کہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں مسز جواہرات کاردار کا موبائل ہیک کر کے ان کے اپنے کزن سے چلتے افیر کا پتہ چلاؤں اور.....''

کمرہ عدالت کا منظر ایک دم بدلا تھا۔ سارے رنگ بدلے۔ موسم کا امتزاج بدلا۔ جہاں جواہرات کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں' وہاں ہاشم نے تیزی سے اس پٹ پٹ بولتی لڑکی کو چپ کروایا۔ "او کے تھینک یو ڈیٹس آل حنین۔"

"نہیں' مجھے بتانے تو دیں میرے کردار کو واضح کرنا چاہ رہے تھے نا آپ۔ تو پھر مجھے کرنے دیں نا اپنا کردار واضح۔"

"ٹھیک ہے' بہت ہو گیا۔ آپ جا سکتی ہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر درشتی سے اسے خاموش کروا کے اپنی کرسی کی طرف پلٹ گیا۔ اس کے ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ کنپٹی کی رگ پھڑک رہی تھی۔ ایک دم سے لوگ پرجوش انداز میں چہ مگوئیاں کرنے لگے تھے۔ پیچھے بیٹھے رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ حنین کٹہرے سے ہلی تک نہیں۔ اسی ہٹ دھرمی سے پکار کے بولی۔

"نہیں کاردار صاحب میں آپ کی گواہ نہیں ہوں' آپ مجھے نہیں بھیج سکتے۔ مجھے re-examine کرنے کا حق اس وکیل کو ہے جس نے مجھے بلایا تھا...."

"میں گواہ کو re-examine کرنا چاہوں گی۔ یور آنر۔" زمر تیزی سے کھڑی ہوئی۔ حنین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شانے اچکائے۔ جیسے اجازت دی ہو۔

جواہرات کا ہاتھ اپنی گردن پہ تھا اور وہ بالکل نیچے دیکھ رہی تھی۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ہاشم کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور وہ برہمی سے احتجاج کر رہا تھا مگر جج صاحب نے اسے خاموش کرا دیا۔ صورتحال ایک دم دلچسپ ہو گئی تھی۔

"حنین یوسف' کیا آپ وضاحت کریں گی کہ اورنگزیب کاردار نے آپ کو کیا کام کہا؟"

"یہ ہمارے دوست ہاشم کاردار کے والد اورنگزیب کاردار اور میری ای میلز کا ریکارڈ ہے' اور یہ ٹیکسٹ میسجز کا۔" وہ کاغذات جج صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے بولی تھی۔ "وہ چاہتے تھے کہ میں ان کی بیوی کا فون rat کر کے ان کو دے دوں' یعنی وہ اپنے فون پہ کیا کر رہی ہیں' اورنگزیب کاردار یہ دیکھ سکیں۔ ان کو شک تھا کہ ان کی وائف کا اپنے ایک کزن کے ساتھ جو افیئر رہا ہے ماضی میں' وہ شاید دوبارہ شروع ہو چکا ہے۔ سو مسز کاردار کے فون تک میں نے ان کو ایکسس دی' پھر اورنگزیب انکل کے اصرار پہ ان طیب مطیع نامی صاحب کے فون تک بھی ان کو ایکسس دی۔ یہ طیب مطیع اور مسز کاردار کی ای میلز کا ریکارڈ ہے اور چونکہ ہاشم کاردار کو تو ایک "damn" جتنی پروا بھی نہیں ہے' اس لئے میں یہ بھی آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں۔ میں نے غلط کام ضرور کیا تھا مگر ان کی مدد کر رہی تھی میں۔" آخری چند کاغذات ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ جواہرات خاموشی سے اٹھی تھی' ہینڈ بیگ اٹھایا اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گئی۔ چند رپورٹرز اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ نوشیرواں سرخ چہرہ جھکا کے بیٹھا تھا اور ہاشم برہم بے بس سا اسے بولتے دیکھ رہا تھا۔

"یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے یور آنر۔" وہ آخر میں چلایا۔ غیظ و غضب سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں ان محترمہ پہ ہتک عزت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ بلکہ آج ہی میں آپ کو نوٹس بھیجوں گا۔" انگلی اٹھا کے تنبیہ کی تو زمر فوراً بولی۔

"یور آنر' ایس...." مگر حنین کی آواز نے اس کا فقرہ اچک لیا۔

”Estoppel‘ کے قانون کے تحت آپ چونکہ مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ آپ میرے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کریں گے تو اب اگر آپ کوئی دعویٰ کریں‘ تب بھی عدالت آپ کو estop کر سکتی ہے۔“ حنین اپنی ونٹیس ریپ کر کے آئی تھی۔ زمر گہری سانس لے کر خاموش واپس جا بیٹھی۔ اب حنین جج صاحب کو مزید اس واقعے کی تفصیل بتا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے زمر کو پیچھے سے ٹہوکا دیا۔ تو وہ مڑی۔ پیچھے بیٹھے وکیل نے چٹ سی اس کی طرف بڑھائی۔ وہ سیدھی ہوئی اور کاغذ کھولا۔

”میرا خیال ہے آپ کو وکالت چھوڑ کے کوئی اور کام شروع کر دینا چاہیے زمر بی بی۔ سلائی کڑھائی‘ یا کوکنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ اس نے مڑ کے دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے بظاہر سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر نے چند الفاظ کاغذ پہ گھسیٹے اور اسے مروڑ کے واپس بھیجا۔ جب فارس نے اسے کھولا تو اس پہ لکھا تھا۔

”میرا خیال ہے آپ کو یہ دنیا ہی چھوڑ دینی چاہیے۔“

وہ چہرہ جھکا کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ دو چار افراد نے مڑ کے اسے دیکھا بھی تھا۔

حنین اب اپنی بات ختم کر چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ نیچے اترتی‘ جج صاحب نے اسے روک کے پوچھا۔ ”آپ وکیل ہیں؟“ اس نے سادگی سے ان کا چہرہ دیکھا۔ ”نہیں یور آنر!“

”لاء اسٹوڈنٹ ہیں؟“

”نہیں یور آنر!“

”پھر کیا ہیں؟“

”میں حنین ہوں۔ اور میں ایک عام لڑکی ہوں۔“ وہ اداسی سے مسکرا کے نیچے اتری ایسے کہ اس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور سعدی اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔ اکڑی ہوئی مٹھی میں پکڑا قلم وہ کب کا چھوڑ چکا تھا۔

باہر نکلتے ہوئے حنہ ہاشم کے قریب ٹھہری جس کا چہرہ اہانت سے ابھی تک تمتمایا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

”میں ناڈرامے بہت دیکھتی ہوں۔ ہاں اب میں اتنے ڈرامے دیکھنے کو اچھا نہیں سمجھتی مگر جو دیکھ رکھے ہیں ان میں ایک دفعہ ایک قصہ سنا تھا۔ کہ ایک آدمی کے پاس ایک بدروح آئی اور اسے ڈرانے لگی۔ جب وہ نہیں ڈرا تو وہ بولی۔ جانتے نہیں ہو‘ میں تمہاری جان لے سکتی ہوں۔ وہ آدمی بولا‘ سارا غم اسی جان کا ہی تو ہے‘ جس دن یہ نہ رہی اس دن میں تم سے بڑی بدروح بن جاؤں گا۔ آپ جیسے بلیک میلرز کو یہ جان لینا چاہیے‘ ہاشم کاردار‘ کہ سارا غم اسی عزت کا ہی تو ہے‘ کیونکہ جس دن ہم لڑکیوں کی عزت چلی گئی نا‘ اس دن آپ سے بڑی بلا بن جائیں گی ہم!“ اور آگے بڑھ گئی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ بس اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ سب اس کو دیکھ رہے تھے۔ وہ نظریں.... وہ چہ مگوئیاں.... قیامت سی قیامت تھی۔

حنہ اپنے گروہ کی طرف آ گئی۔ زمر اسے ریڈ روالی بات پہ ڈانٹ رہی تھی۔ سیم اسے اوور کہہ رہا تھا اور سعدی اسے گلے سے لگا کے اسے کہہ

رہا تھا کہ وہ اسے کبھی بھی اس سب میں نہیں گھسیٹنا چاہتا تھا۔مگر اب حنہ کے ہر طرف سناٹا تھا۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور وہ بہت ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی۔

عام لڑکیوں کی طرح۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عجب چیز ہے.... یہ گردشِ زمانہ بھی۔

کبھی زمیں پہ، کبھی مثلِ آسماں گزری۔

قصرِ کاردار میں ایسا ہولناک سناٹا چھایا تھا گویا کوئی مر گیا ہو۔جواہرات سپاٹ چہرے اور جھکی نظروں سے آگے چلتی جا رہی تھی اور وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا۔غیظ وغضب سے سرخ پڑتا چہرہ لئے وہ بے بسی اور نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اندازہ ہے آپ کو میں نے کورٹ روم سے پارکنگ ایریا تک کا سفر کیسے کیا ہے ممی!'' ہاشم کی چنگھاڑتی غراتی آواز پہ بھی وہ نہیں رکی' دھیرے دھیرے آگے بڑھتی گئی۔

''مجھے رسوا کر دیا آپ نے پورے زمانے میں۔وہ ہمارے قرابت دار نہیں تھے' ہمارے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں تھے جو ایسی باتوں کو مسکرا کے ہضم کر جاتے۔ممی وہ ''عام'' لوگ تھے۔وہ وکیل تھے'جج تھے۔ان کی نظریں..ان کی باتیں۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں لئے پاگل ہو رہا تھا۔جواہرات چپ چاپ آگے بڑھتی گئی۔رخ اپنے کمرہ کی جانب تھا۔

''میرا ان دو ٹکے کے بیچ لوگوں کے ساتھ روز کا ملنا تھا ممی۔مجھے ان کا ہر دن سامنا کرنا ہوتا ہے۔وہ میری ورک پلیس تھی۔میں بار الیکشنز کے بارے میں سوچ رہا تھا اور آپ نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں ان کو منہ دکھا سکوں۔آپ نے مجھے رسوا کر دیا۔''

جواہرات نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔وہ پیچھے بولتا جا رہا تھا۔

''اور میں جانتا ہوں طیب مطیع کے بارے میں۔اسی لئے ڈیڈ نے مجھ سے کہہ کر اسے جیل کروائی تھی کیونکہ.....'' شدتِ جذبات سے وہ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔جواہرات نے دروازہ بند کر دیا' اور وہیں نیچے فرش پہ بیٹھتی گئی۔وہ گم صم سی لگتی تھی۔

''میرے مرے ہوئے باپ کو آپ روز رسوا کرتی ہیں۔کبھی ہارون عبید کے ساتھ' کبھی کسی تھرڈ کلاس کزن کے ساتھ۔کیا ہیں آپ ممی! کیا ہیں آپ؟'' وہ باہر کھڑا اسی طرح چلا رہا تھا۔

سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑی سونیا اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔اس کا وجیہہ بہادر سا باپ ایسے کیوں اپنے حواس کھو رہا تھا۔وہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

اندر بیٹھی جواہرات کا فون مسلسل تھرتھرا رہا تھا۔اس نے اسی بے جان سے انداز میں نکال کے دیکھا تو ہارون کا نمبر اسکرین پہ جگمگا رہا تھا۔

اس نے فون کان سے لگایا۔

"بولو!" گھٹی گھٹی شکست خوردہ سی آواز نکلی۔

"میں افسوس کرنا چاہتا تھا۔ سنا ہے آج چھوٹے چھوٹے بچے تمہیں رسوا کر گئے جواہرات۔ مجھے واقعتاً افسوس ہے۔ کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہوں؟" ان کی آواز میں آنچ سی تھی۔ مسکراہٹ فاتحانہ سا انداز۔

ہاں۔ تم بولتے جاؤ۔ میں سنتی جاؤں گی۔ جو غلاظت' جو باتیں کہنی ہیں' کہہ دو۔" اس نے فون کان سے زور سے دبایا' تا کہ صرف ہارون کی آواز سماعت سے ٹکرائے اور باہر چیختے بیٹے کی باتیں اس شور میں دب جائیں۔ تا کہ تکلیف کم ہو۔

"میری بیوی کے ساتھ بھی یہی کیا تھا تم نے۔ اس کو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔"

وہ آنکھیں بند کیے سنتی گئی۔ گرم گرم آنسو آنکھ سے نکل کے چہرے پہ گرتے رہے۔

"اب بھی وقت ہے جواہرات۔ مجھے میری بیوی کے اکاؤنٹ تک ایکسس دے دو۔ اس کی رقم' اس کے زیورات مجھے دے دو۔ میں تمہیں اس سارے اسکینڈل سے نکال لوں گا۔"

"تمہیں لگتا ہے میں ڈھے گئی ہوں؟ ہار گئی ہوں؟ اونہوں۔ ابھی جواہرات کا ردار "باقی" ہے۔ اس سے بڑے طوفان سے گزری ہوں۔ ابھی نہیں ہاروں گی مگر تم بولتے رہو۔ میں سن رہی ہوں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تھی۔ دوسری طرف سے انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔ باہر سے بولتے' چلاتے ہاشم کی آواز پھر سے آنے لگی تھی۔ جواہرات نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

پچھلے سارے طوفان میں اس کا یہ بیٹا اس کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور آج.....؟؟؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ تو ہورات کی سرحد میں اترنے کی سزا

گرم سورج کو سمندر میں ڈبویا جائے!

مارکیٹ میں معمول کا رش تھا۔ مصروف سے لوگ آگے پیچھے گزر رہے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ ایسے میں پارکنگ میں ایک کار کھڑی تھی اور وہ دونوں اگلی نشستوں پہ بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

"امیر کیانی ہر جمعے کی شام اس میڈیکل اسٹور سے دوا خریدنے آتا ہے۔ اس کی ماں کو کوئی chronic بیماری ہے۔ آج ہفتہ ہے' اور آج وہ آئے گا' مگر مسئلہ یہ ہے سعدی کہ وہ کل صبح کی فلائٹ سے عمرے کے لئے جا رہا ہے اور حج سے پہلے نہیں آئے گا۔ ان لوگوں کے پاس عمرہ ویزہ کو حج تک بڑھانے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔" احمر سامنے دکانوں پہ نظر جمائے کہہ رہا تھا۔ سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یعنی ہمارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں اس سے بات کرنے کے لئے۔"

"ہمارے نہیں' تمہارے پاس۔ کیونکہ مجھ سے سخت نفرت ہے ان PMDC والوں کو۔" احمر نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

"کیوں؟ تمہارے پاس کوئی ایم بی بی ایس کی جعلی ڈگری بھی ہے؟" احمر نے جواباً صرف گھورا۔ تردید نہیں کی۔

''او کے۔ تو پھر اس سے بات مجھے ہی کرنی ہو گی۔'' سعدی نے گہری سانس لی۔

''نہ صرف بات کرنی ہے بلکہ اسے راضی کرنا ہے' پیسے بہت لے گا مگر یہ پی ایم ڈی سی کا واحد کلرک ہے جو خفیہ طریقے سے ہمیں پاکستان کے تمام ڈاکٹرز کا ڈیٹا فراہم کر سکتا ہے اور ہم Facial recognition سافٹ ویئر کے ذریعے ڈاکٹر مایا کو ان لاکھوں ڈاکٹرز میں ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن اس شخص کے علاوہ کوئی کلرک ایسا نہیں جو کاروارز کو نہ بتائے۔ ان کے بہت جاننے والے ہیں پی ایم ڈی سی میں۔ وہ محتاط ہو گئے تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔''

''اگر آپ کی نصیحتیں بند ہو گئی ہوں تو میں جاؤں اور عمرے پہ جانے والے شخص کو رشوت کی پیشکش کروں تاکہ وہ میرا ایچ ثابت کرنے میں میری مدد کر سکے۔''

''ایک تو تم لوگوں کی اخلاقیات سے میں بہت تنگ ہوں۔'' احمر نے برا سا منہ بنایا۔ ''اس ملک میں کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا بھائی۔''

''میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس لیے پہلے میں اسے باتوں سے منانے کی کوشش کروں گا' خدا کرے مجھے رشوت نہ دینی پڑے۔'' اس نے کان میں آلہ لگاتے ہوئے دروازہ کھولا اور پھر سر پہ پی کیپ جماتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اندر بیٹھے احمر نے اپنے کان میں آلے کو جمایا اور بولا۔

''شاپ کے قریب کھڑے ہو جاؤ۔ وہ جیسے ہی آئے گا' میں تمہیں خبردار کر دوں گا۔''

''آہستہ بولو۔ میرے کان درد کرنے لگے ہیں۔'' وہ کراہا تھا۔ احمر ہتھیلی پہ لگا مائیک منہ کے بالکل قریب لے کر گیا اور مزید زور سے بولا۔ ''تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' وہ جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا' انگلی سے کان میں لگے آلے کو ذرا ڈھیلا کیا اور ناسمجھی سے پوچھا۔ ''کیا بات؟''

''تمہاری امی نے غازی سے کہا ہے کہ تمہیں سمجھائے اب شادی کر لو مگر اس کا خیال ہے' بندے کو ایک نہیں تین شادیاں کرنی چاہیے' اس لیے تمہیں سمجھانے کی ذمہ داری اس نے مجھے دی ہے۔''

سعدی ہلکے سے ہنس دیا۔ سر جھکائے وہ قدم آگے کو بڑھا رہا تھا۔

''مثلاً؟ کیا چاہتی ہیں امی؟''

''یہی کہ سارے پرانے تجربات بھلا کر شادی کر لو اور ان کو خوش کر دو۔''

''جب تک میں نوشیرواں کو سزا نہیں دلوا دیتا' تب تک نہیں کرنی مجھے شادی۔'' اب کہ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ اس دکان کے قریب ایک اسٹال پہ رکھے میگزین دیکھنے وہ اب رکا کھڑا تھا۔

''یار کیا مل جائے گا تمہیں اس بے چارے کو سزا دلوا کے؟ اس کی شکل نہیں دیکھی تم نے؟ مجھے تو لگتا ہے وہ بہت افسردہ اور نادم ہے۔''

''ندامت کافی نہیں ہوتی۔ اگر اتنا ہی نادم ہے تو اعتراف جرم کیوں نہیں کر لیتا؟''

''انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا سعدی یوسف خان۔''

''اسی لئے میں انصاف لینے گیا ہوں' انتقام نہیں۔'' وہ تلخی سے میگزین کے صفحے پلٹاتے' سر جھکائے بولا تھا۔

''خیر تمہاری والدہ جاننا چاہتی ہیں کہ اگر وہ تمہارے لئے کوئی لڑکی پسند کریں تو تم قبول کر لو گے؟ نہیں اگر قید میں کوئی ایک آدھ پسند آ گئی ہے تو بتا دو' ہم نے یہ آپشن اوپن رکھا ہوا ہے۔''

''آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر ساری ڈیلنگ اس آدمی سے میں نے ہی کرنی تھی تو پیسے کس چیز کے لئے تھے آپ نے؟'' وہ میگزین میں چہرہ دیے بول رہا تھا۔

''بات مت بدلو۔ خیر... اس تک لے کر تو میں ہی آیا ہوں نا۔ اچھا وہ ابھی آنے والا ہے۔ اس کا فون اسی ایریا میں پہنچ گیا ہے۔'' احمر کار میں بیٹھا ٹیبلٹ پہ جی پی ایس چیک کر رہا تھا۔ سعدی اب نگاہیں ادھر ادھر دوڑاتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ میگزین ہاتھ میں تھا اور پی کیپ نے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔

اور یہ تبھی تھا کہ اس نے وہ آواز سنی۔ سیٹیوں کی۔ قہقہوں کی۔ اس نے چونک کے گردن پھیری۔ پلازے کے کونے والی دوکان کے عین سامنے ایک لڑکا بیساکھی کا سہارا لئے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹ تیزی سے ہل رہے تھے اور وہ نفی میں سر ہلاتا' کچھ کہہ رہا تھا' مگر اس کے گرد گھیرا تنگ کیے کھڑے تین لڑکے اس کو بولنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے' البتہ ایک لڑکا اب غصے میں بولنے لگا تھا۔ معذور لڑکے نے جواباً کچھ کہا تو اس نے کھینچ کے اس کے منہ پہ تھپڑ دے مارا۔

''ادھر مت دیکھو۔ اپنے کام پہ فوکس کرو۔'' کان میں احمر کی محتاط آواز آئی تو وہ سر جھٹک کے آف کورس کہتا دوسری جانب دیکھنے لگا' البتہ چہرے پہ اضطراب سا پھیل گیا تھا۔ انکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ معذور لڑکا اب پیچھے ہٹنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس کی طرف تینوں اطراف سے بڑھ رہے تھے۔ معذور لڑکے نے سامنے والے کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اسے پرے ہٹانا چاہا مگر جواباً دوسرے نے اس کی بیساکھی کو پاؤں سے دھکیلا۔ وہ رپٹ کے گرا۔

''سعدی... وہ آنے والا ہے۔ فوکس کرو۔ یہ آدمی آج ہمارے ہاتھ سے جانا نہیں چاہیے۔''

''مجھے پتہ ہے۔''

''بار بار ان کی طرف مت دیکھو۔ وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارا کیس اور اس کی گواہیاں زیادہ اہم ہیں۔'' احمر اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ سر ہلا کے خاموشی سے کھڑا رہا۔ کبھی کوئی کتاب اٹھا لیتا' کبھی کوئی رسالہ۔ انکھیوں سے جھلکتا منظر شدت پکڑ رہا تھا۔ لوگ نظر انداز کیے گزر رہے تھے اور وہ تینوں اب اسے زمین پہ گرا کے مار رہے تھے۔

''وہ آ گیا ہے۔ وہ دیکھو۔ براؤن شرٹ میں' عینک والا۔''

"ہوں!" سعدی سامنے دیکھنے لگا مگر اس کا دماغ فوکس نہیں کر پا رہا تھا۔ لڑکے اسی طرح معذور لڑکے کو مار رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ ایسے میں اسے آنکھ کے کنارے پہ نظر آیا ایک لڑکے نے اپنے بوٹ سے اس کے تیڑھے منہ پہ ٹھوکر ماری تھی۔

بس بہت ہو گیا۔ وہ تیورا کے گھوما اور جارحانہ انداز میں ان کی طرف بڑھا۔

"سعدی..... نو..... واپس مڑو..... سعدی یوسف!" احمر اس کے کان میں گرجا تھا۔

"یو نو واٹ....." اس نے کان میں لگا آلہ دو انگلیوں سے پکڑ کر باہر نکالا اور ہاتھ منہ کے قریب لے جا کر بولا۔ "تم میری ماں نہیں ہو۔" اور اسے جیب میں ڈالتا تیزی سے ان کی طرف لپکا۔ (احمر نے بے اختیار اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔)

"کمزور سے کیوں لڑ رہے ہو؟ ادھر آؤ مجھ سے مقابلہ کرو۔" پی کیپ کا رخ پیچھے کو موڑتا کہ چہرہ سامنے واضح نظر آئے اور آستین اوپر چڑھاتا وہ ان کی طرف آیا۔ وہ چونکے تھے۔ ایک نے منہ بھر کے اسے گالیاں دیں۔ دوسرا اس کی طرف بڑھا' مگر اب اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اور خاور قید خانے کے کمرے میں تھے' وہ کمرہ جس کی دیوار پہ ان گنت لکیریں لگی تھیں۔ اور خاور اس کو بتا رہا تھا کہ اسے کیسے کسی کو مارنا ہے۔ صرف بے ہوش کیسے کرنا ہے۔ اپاہج کیسے کرنا ہے۔ قتل کیسے کرنا ہے۔ اس کے سامنے صرف خاور تھا۔ اور وہ اپنا ہاتھ اور پاؤں گھما گھما کر اس کو مار رہا تھا۔ اردگرد خاموشی تھی۔ صرف وہ دونوں تھے اور ان کے ہاتھوں کی مہارت تھی۔ سر جھکا کے ایک طرف سے نکل جانا اور پلٹ کے دے مارنے کا انداز تھا۔ اردگرد اور کچھ نہیں تھا۔

سرخ دھند چھٹی تو سامنے وہ تینوں اب قدرے زخمی حالت میں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔ بس چند لمحے لگے تھے ان کو بھگانے میں۔ چند راہگیر جو تماشہ دیکھنے رکے تھے اب وہ بھی مڑ گئے تھے۔ اپاہج لڑکا زمین پہ گرا ہوا تھا اور اس کے جسم سے جا بجا خون نکل رہا تھا۔ منہ کی چوٹیں سب سے زیادہ تکلیف دہ تھیں۔ وہ جھکا اور اسے ایک ہاتھ کے سہارے سے اٹھانے لگا۔

لڑکا نیم بے ہوش' مندی آنکھوں سے اسے یک ٹک دیکھتا سہارا لے کر اٹھنے لگا۔

"مجھے اس کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔" وہ دوسرے ہاتھ سے کان میں آلہ دوبارہ لگا چکا تھا۔

"ٹیکسی کر کے جاؤ کیونکہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔" وہ جلا بھنا سا بولا تھا۔ سعدی نے چونک کے دور رکھے میگزین اسٹینڈ کو دیکھا۔ "وہ چلا گیا؟"

"نہیں۔ اس نے یہاں اعتکاف میں بیٹھنا تھا اس لیے دیکھو' شاید ابھی تک ہو۔" وہ سخت تپ چکا تھا۔ "یا تو مجھے کام نہ کہا کرو اور اگر کہا کرو تو میرے طریقے سے عمل بھی کیا کرو۔"

"احمر!" وہ لڑکے کو سہارا دے کر چلا رہا تھا۔ "میں نے یہ جنگ یہ صرف ایک کیس جیتنے کے لیے یا ایک امیر لڑکے کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کی خواہش کے لیے نہیں شروع کی تھی۔ میں نے یہ لڑائی اس لیے مول لی تھی تا کہ کوئی مغرور اور بد دماغ لڑکا کسی عام کمزور لڑکے کو یوں

نہ مار سکے۔ کوئی اپنے گھمنڈ میں کسی کو bully نہ کر سکے۔ اور جب بھی کوئی یہ کرے تو اس کا ہاتھ روکا جائے' اور اگر کٹنے سے نہ رکے تو اس کا ہاتھ توڑا جائے۔ تاکہ خاص لوگ عام لوگوں کو اپنے پیروں تلے نہ روندیں۔ اگر میں یہ ہونے دوں تو میں کیسا انسان ہوا؟" وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بیڑہ غرق تمہاری اخلاقیات کا۔ میں بتا رہا ہوں' آج سے میں نوشیرواں کے ساتھ ہوں۔ کم از کم وہ میری بات تو مان لیتا۔" وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا تھا۔ کم از کم اس وقت وہ اسے اس زخمی کے ساتھ ہسپتال نہیں لے جا رہا تھا۔ خود جائے اب ٹیکسی میں۔ ماں نہیں ہوں میں اس کی۔ ہونہہ۔

اس شام ہاشم کاردار ابھی تک اپنے آفس میں موجود تھا۔ کھڑکیوں کے آگے اندھیرا پھیل چکا تھا اور آفس کی عمارت ملازموں سے تقریباً خالی ہو چکی تھی مگر وہ قطعاً تکان زدہ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سیٹ پہ ٹیک لگائے وہ پورے یقین اور عزم سے سامنے بیٹھے رئیس سے کہہ رہا تھا۔ "چھ دن ہیں ہمارے پاس۔ چھ دن میں تمہیں فول پروف اور ٹھوس منصوبہ بنانا ہے۔"

"میں کر لوں گا سر... آپ بے فکر رہیں۔" وہ جو ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پہ کھٹ کھٹ ٹائپ بھی کیے جا رہا تھا' تسلی آمیز انداز میں بولا۔

"مجھے خاور کی کمی محسوس نہ ہونے دینا۔" ہاشم نے تنبیہ کی تھی' اس نے صرف سر کو خم دیا۔ تب ہی دروازہ افراتفری کے عالم میں کھلا اور ہڑبڑائی ہوئی سی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔ "سر..."

"تم ابھی تک یہیں ہو؟ اب چلے جانا چاہیے تمہیں۔" وہ نرمی سے بولا تھا مگر حلیمہ چہرے پہ دوڑتی ہوائیوں کے ساتھ سامنے آئی۔

"سر یو نو... ہم سیکرٹریز ایک دوسرے سے ان ٹچ ہوتی ہیں' اور بہت سی باتیں شیئر کرتی ہیں۔" وہ پھولے تنفس کے ساتھ بول رہی تھی۔

"آگے بولو۔" وہ تمہید سے بے زار ہوا۔

"سر... نوشیرواں صاحب کی سیکرٹری کی کال آئی ہے مجھے۔ ابھی ابھی۔ انہوں نے.. نوشیرواں نے.. ایک ہوٹل میں میڈیا کے نمائندوں کو بلایا ہے اور وہ ایک ہنگامی پریس کانفرنس کرنے جا رہے ہیں۔" ہاشم بجلی کی سی تیزی سے کھڑا ہوا۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔

"کیسی پریس کانفرنس؟" فون اور والٹ اٹھاتے ہوئے وہ چیخا تھا۔

"کچھ نہیں معلوم' سر' وہ بس کوئی اہم انکشاف کرنے جا رہے ہیں۔" اگلے الفاظ ہاشم نے نہیں سنے۔ اسے بس یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ دوڑ رہا ہے۔ رئیس اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ راہداریاں... آفس کیبن... لفٹ... وہ پسینہ پسینہ ہوتے جسم کے ساتھ عبور کرتا' بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ یوں لگ رہا تھا ساری عمارت اس کے سر پہ گرنے والی ہو... ہر شے ملیا میٹ ہو کر زمین بوس ہونے والی ہو... ساری دنیا جل کر راکھ ہونے والی تھی.....

سڑکوں پہ گاڑیاں.. لوگ... درخت بھاگ رہے تھے.. اور اس کی زندگی پیچھے کو دوڑ رہی تھی۔ برسوں کی محنت... ساکھ.. عزت... سب کچھ نوشیرواں کے اعتراف جرم سے مٹی میں ملنے والی تھی۔ وہ اپنے بھائی کو کھونے جا رہا تھا۔ وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ رئیس اسے رفتار ہلکی کرنے کو

کہہ رہا تھا‘ مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ اسے پسینے آ رہے تھے۔

اس کا بھائی اپنی زندگی ختم کرنے جا رہا تھا۔۔ نظروں کے سامنے اس کے بچپن کے مناظر گھوم رہے تھے۔۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بار بار لڑھک کے گر جاتا تو وہ جھک کے اسے اٹھاتا۔۔ اسے سنبھالتا۔۔ اس کی انگلی پکڑ کے اسے وہ دشوار زینے پار کرواتا۔۔ یہ انگلی کیسے چھوٹ گئی؟ کیسے فیصلہ کر لیا اس نے اس بے وقوفی کا؟ اوہ نہیں شیرو۔ پلیز نہیں.....‘‘

ہال میں رش تھا۔ بے پناہ رش۔ اسے پوڈیم پہ ڈائس کے پیچھے شیرو کھڑا نظر آیا تھا۔ وہ تھری پیس سوٹ اور ٹائی میں تیار کھڑا تھا۔ بال بھی جیل سے جما رکھے تھے اور ایک ہاتھ ڈائس پر رکھے وہ مائیک پہ چہرہ ذرا جھکائے بول رہا تھا۔ سامنے بیٹھا مجمع دھڑا دھڑ تصاویر کھینچ رہا تھا‘ ویڈیوز بنا رہا تھا۔ ہاشم سفید چہرے کے ساتھ آگے بڑھنے لگا مگر رئیس نے اسے بازو سے تھام کے روکا۔

’’سر! ایسے مت کریں۔ تماشا بن جائے گا پوری دنیا کے سامنے۔‘‘

’’اسے روکو۔ بند کرو یہ سب۔ بجلی کاٹو‘ سگنلز جام کرو‘ کچھ کرو۔‘‘ وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ گرجا تھا۔

’’سر میں کچھ کرتا ہوں‘ مگر آپ پرسکون رہیں۔‘‘ رئیس اسے روک کر خود دوسری طرف بھاگا تھا۔ ہاشم گہرے گہرے سانس لیتا‘ بے یقینی اور خوف سے پوڈیم پہ کھڑے شیرو کو دیکھے گیا۔ وہ آج بہت اونچا دکھائی دے رہا تھا‘ شاید اسٹیج کی اونچائی کافی زیادہ تھی۔ اس نے زینے کیسے چڑھے‘ وہ کیوں نہیں لڑکھڑایا؟ وہ بس اسے دیکھے گیا۔

’’میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے پہلا سوال یہی پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا یا نہیں۔ اس لئے بتاتا چلوں کہ کیس عدالت میں ہے اور اس پہ بات کرنا منع ہے‘ لیکن میں صرف وہی کہوں گا جو میں کہہ سکتا ہوں۔‘ بولتے ہوئے اس کی نظریں نیچے مجمع کے درمیان کھڑے ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے دہکتے‘ گیلے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ گویا منت کی۔
(مت کرو شیرو۔ خدارا مت کرو میرے بھائی)

’’اور میں آپ کو اس کیس کے بارے میں وہی کچھ کہہ سکتا ہوں جو میں نے پہلے دن عدالت میں کہا تھا۔ میں بے گناہ ہوں‘ اور میں نے سعدی یوسف پہ حملہ نہیں کیا تھا۔ عدالت کیا فیصلہ کرے گی‘ یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہاں آپ کو اس بات کے لئے نہیں بلایا۔‘‘

ہاشم کاردار بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت لئے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ کلک کلک تصاویر اتاری جا رہی تھیں۔

’’میں آج... اعلانیہ طور پہ اپنی کمپنی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ کمپنی ہم نے اچھی نیت سے شروع کی تھی اور اس کو چائنہ میں رجسٹرڈ کروایا تھا، ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم turbines بنا کر حکومت کو بیچیں تا کہ وہ ان کو تھر کول پاور پراجیکٹ میں کوئلے سے گیس بنانے کے عمل میں استعمال کر سکے۔ میری کمپنی آج اس آسامی کے لئے حکومت کی نظر میں ایک مضبوط امیدوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہم یہ ٹینڈر لے بھی جائیں‘ مگر.....‘‘

ہاشم ہالکل سن سا کھڑا تھا۔ یکدم بجلی بند ہوگئی۔ ہال میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شور سا بلند ہوا۔ ہاہو کی آوازیں آئیں۔ مگر ایونٹ آرگنائزر جلدی جلدی سب کو خاموش کرانے لگا۔ کیمروں کے فلیش آن کر لئے گئے۔ اندھیرے میں پھر سے سفید روشنی ہوگئی۔ صرف مائیک کا مسئلہ تھا' مگر پوڈیم پہ کھڑے نوشیرواں کو پرواہ نہ تھی۔ وہ سر اٹھا کے بولے جا رہا تھا۔ مزید بلند آواز میں۔

''مگر میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کمپنی جو ٹربائن بنا رہی ہے اور جس میں میرے خاندان نے کروڑں روپیہ لگایا ہے' وہ ٹربائن ناقص ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ اس لوڈشیڈنگ سے لڑنے کے لئے....'' انگلی اٹھا کر اندھیر ہال کی طرف اشارہ کیا۔'' اس اندھیرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تھر کے جس کوئلے کو زمین کے اندر ہی گیس بنایا جانا تھا اس عمل کے لیے اگر کسی کمپنی کی ٹربائنز کارگر ہیں تو وہ shell ہے۔ شیل کے علاوہ اس خطے کی تمام کمپنیز کی ٹربائنز ناکارہ ہیں' اور وہ UCG یعنی زیرِزمین کوئلے کو گیس بنانے کے عمل (یعنی کوئلے کو کھود کر نکالے بغیر اندر ہی گیس میں تبدیل کر دینے) کے لئے مکمل طور پہ ناکارہ ہیں۔ یہ پراجیکٹ اگر کسی کمپنی کو ملنا چاہیے تو وہ شیل ہے۔ شیل کے علاوہ حکومت اگر کسی اور کمپنی کو یہ کام سونپتی ہے تو وہ اپنی عوام کے ساتھ دھوکہ کرے گی' اور Tax payer's money کو غلط جگہ استعمال کرے گی۔'' پسینے پسینے کھڑا نوشیرواں موبائلز اور فلیش لائٹس کی روشنی میں سارے ہال سے یکتا اور روشن نظر آ رہا تھا۔ آگے پیچھے ہر جگہ اندھیرا تھا۔ بس اس کا چہرہ روشن تھا۔ چمکتا ہوا۔ ساری مداخلت اور بدانتظامی کے باوجود اب سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''میں اس کمپنی کے سی ای او کی حیثیت سے آج ریزائن کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں اتنے بڑے پراجیکٹ کا اہل نہیں ہوں۔ میرے خلاف چلنے والے ٹرائل سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ میں ابھی تک کچھ نہیں سیکھ پایا۔ اس لئے میں باعزت طور پہ اپنی کمپنی سے الگ ہو کر ایک ملٹی نیشنل میں جاب کے لئے اپلائی کر رہا ہوں۔ جیسے میرے باپ اور بھائی نے محنت کر کے اپنا راستہ بنایا اس طرح میں بھی مشکل راستہ چن رہا ہوں۔ اگر میں لوڈشیڈنگ کو ختم نہیں کر سکتا تو کم از کم میں ان طریقوں کی حمایت بھی نہیں کروں گا۔ جو اس مسئلے کو بڑھاتے ہیں' گھٹاتے نہیں۔ اس لئے نہ صرف میں اپنی کمپنی سے مستعفی ہو رہا ہوں بلکہ اپنی پیرنٹ کمپنی جو کہ ایک IPP ہے سے بھی ریزائن کر رہا ہوں۔ اور آخر میں ایک بات۔'' بلند آواز میں کہتے ہوئے اس نے کاغذات کا ایک پلندہ ان کو دکھایا۔ ''میں اس paper کو پبلش کر رہا ہوں' اور اس کی ایک کاپی آپ سب کو دس منٹ پہلے ای میل کر دی گئی ہے۔ اس میں میں نے آئی پی پی ز کے حکومت سے معاہدوں پہ روشنی ڈالی ہے' کیونکہ میں مزید اب اس نظام کا حصہ نہیں بننا چاہتا جس میں ہم آئی پی پی ز پورے پیسے لے کر آدھی بجلی بناتے رہیں۔ میں اس کو بدل نہیں سکتا' مگر اس کے خلاف آواز ضرور اٹھا سکتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ مجھے اب Whistleblower کہا جائے گا اور مجھے شاید کوئی کمپنی جاب نہ دے اور کوئی میرے ساتھ کاروبار نہ کرے' کیونکہ رات تک لوگ میری کمپنی سے پیسہ نکال کر اسے دیوالیہ کر دیں گے' لیکن میں اب مزید خاموش نہیں رہوں گا۔ میں اپنی تمام کمپنی پوزیشنز سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ شکریہ۔''

اب وہ پوڈیم سے اتر آیا تھا۔ مگر ہاشم یک ٹک پتھر کا بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ رپورٹرز شہد کی مکھیوں کی طرح اس پہ سوالوں کے لئے جھپٹے

تھے مگر وہ خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ زینے خود چڑھا تھا اور وہ زینے خود اتر رہا تھا۔ ہاشم کے ہاتھ برف ہو رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے سکون میسر نہیں تو کیا غم ہے
گلوں کی عمر تو کانٹوں کے درمیاں گزری۔

چھ دن بعد۔

مورچال پہ رات گہری ہو کر اتر رہی تھی۔ سب سو چکے تھے مگر حنین لاؤنج میں موجود تھی۔ آستین اوپر چڑھائے وہ اسٹول پہ کھڑی دیوار پہ stencil لگا کر اس کو پینٹ کر رہی تھی۔ (stencil پلاسٹک کا بڑا سا ٹکڑا ہوتا ہے جس میں ڈیزائن کی جگہ خالی ہوتی ہے جیسے عموماً ہاتھ پہ مہندی لگانے کے لئے ہتھیلی پہ رکھ کر اوپر مہندی لگا دی جاتی ہے اور جب پلاسٹک اٹھاؤ تو نیچے نقش و نگار بن چکے ہوتے ہیں۔) اس کے stencil پہ بڑا سا درخت کٹا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

اندر زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر گھڑی کو بھی دیکھ لیتی۔ گیارہ بجنے کو آئے تھے اور فارس نہیں آیا تھا۔ اور اسی پل اچانک سے اس کا فون بجا۔

فارس کالنگ دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی۔ مگر جب موبائل کان سے لگایا تو لہجہ خشک بنا لیا۔

"جی کہیے۔"

"آہم۔" وہ کھنکھارا تھا۔ "کدھر ہو؟"

"گھر پہ۔ اور کہاں ہو سکتی ہوں؟"

"ایک ایڈریس ٹیکسٹ کر رہا ہوں ادھر آجاؤ۔"

"اس وقت؟ مگر کیوں؟"

"ایک اہم گواہ سے ملوانا ہے۔ زیادہ سوال مت پوچھو بس ایک گھنٹے کے اندر ادھر پہنچو اور سنو۔ صرف تم آنا۔ ساتھ میں پورے گھر کو مت لے آنا۔"

زمر نے چونک کے گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں ایک گھنٹہ تھا۔ ایک بھرپور مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

"اور اگر میں نہ آؤں تو؟" لمحے بھر کے توقف سے وہ بولا۔

"پتہ بھیج رہا ہوں۔ جلدی آؤ۔" اس کی توقع کے خلاف اس نے کوئی تپانے والا جملہ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ زمر نے مسکرا کر اسکرین کو دیکھا جہاں اس کا پیغام جگمگا رہا تھا۔ پتہ پڑھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

حنین نے ابھی درخت کی پہلی شاخ مکمل پینٹ کی تھی جب کھلتے دروازے کی آواز پہ وہ چونکی۔ زمر آہستہ سے کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر رہی تھی۔ سیاہ ڈیزائنر ویئر پہنے، ہلکا میک اپ، ایئر رنگز، کہنی پہ پرس۔ حنین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟"

"اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔" زمر نے بہت سکون سے تصحیح کی۔ حنین چونکی۔

"کل بیس مئی ہے؟ ایک سال ہو گیا؟"

"کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے بیس مئی ہے۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے ڈنرز ڈنر کرنے کے بعد بالآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔"

حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ "کہاں بلایا ہے؟"

"ہم دونوں کے لئے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔"

"وہ تو گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بلا رہا ہے، مگر اکیلے آنے کا کہنا اور وہ بھی بیس مئی کی رات... ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ او کے اللہ حافظ۔" وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے اور واپس آئے، مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔

درخت کی اوپری چار شاخیں بہت محنت اور احتیاط سے وہ پینٹ کر چکی تھی جب بیرونی دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ پھر اندر آنے کی آہٹ۔ حنہ چونک کر پلٹی۔ فارس چابیاں دروازے کے قریب ٹوکری میں ڈالتا اب ادھر آ رہا تھا۔ حنین نے فوراً گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں دس منٹ تھے۔ اسے شدید غصہ آیا۔

"یعنی آپ نے واقعی گواہ سے ملوانا تھا۔ اور وہ اتنی خوش کہ آپ ان کو ڈنر پہ بلا رہے ہیں۔ ویسے کون سا گواہ تھا یہ؟"

اندر آتے فارس نے رک کر اسے دیکھا جو اسٹول پہ کھڑی تھی اور ہاتھ میں stencil برش اور پینٹ کی پلیٹ تھی، دوسرے ہاتھ میں ٹشو تھا۔

"وعلیکم السلام حنین۔" وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"تاریخ بھول گئی تھی کیا؟ ڈنر پہ کیوں نہیں گئے؟"

"کیا شروع ہو گئی ہو گھر آتے ہی؟" وہ نا سمجھی اور اکتاہٹ سے بولا۔ حنین نے ٹھہر کے پہلے اسے دیکھا۔ پھر اس کے کندھے کے پیچھے۔

"زمر آپ کے ساتھ نہیں آئیں؟" اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"وہ میرے ساتھ تو نہیں تھی۔ میں تو ابھی آ رہا ہوں۔" وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے قدموں سے زمین سرکنے لگی۔

"آپ نے ابھی ابھی ان کو کال کی تھی اور کہا تھا کہ آپ ان کو کسی گواہ سے ملوانا ہے... ہے نا..." وہ ہکلائی۔ چند لمحے لگے فارس کو اس کی

بات سمجھنے میں اور ایک دم اس کا پورا دماغ سن ہو اٹھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"حنہ میں نے اسے کوئی کال نہیں کی۔ کہاں ہے وہ؟"

حسین کے ہاتھ سے پینٹ برش سب پھسل گیا۔

"آپ نے ان کو کہا کہ اکیلے آنا۔ وہ اکیلی چلی گئی۔ وہ خوش تھیں۔ بہت زیادہ۔" اس کا گلا رندھا۔ وہ دم بخود کھڑی تھی۔

"کدھر.... کدھر گئی ہے وہ؟" وہ حواس باختہ سا پوچھ رہا تھا۔ شل سی حسین نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ نہیں بتایا۔" فارس بے اختیار پیچھے کو بھاگا۔ ٹوکری سے چابی اٹھائی اور موبائل پہ نمبر ڈائل کرتے اس نے دروازہ کھولا۔

زمر کا فون آف جا رہا تھا.....

اس کی سماعتوں میں ایک فقرہ گونج رہا تھا

He cannot protect his women!

اوہ خدایا.... وہ اتنے دنوں سے غلط عورت کی حفاظت کر رہا تھا؟ اوہ خدایا....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(آخری مراحل میں....)

نمل

نمرہ احمد

قسط نمبر 28

آبزیدان

نمل قسط نمبر۔ ۲۸

"The Aquarium"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

27:6

نمل (نمرہ احمد)

قسط نمبر: 28

"آبزیدان" (The Aquarium) (حصہ اول)

زندگی کے اس سفر میں

ہر چیز کا دایاں اور بایاں "پر" ہے۔

محبت کے پنکھ کے لئے غصہ ہے

قسمت کے پنکھ کے لئے خوف ہے

درد کے پنکھ کے لئے شفا ہے

زخم دینے والے پنکھ کے لئے معافی ہے

غرور کے پنکھ کے لئے عاجزی ہے

آنسوؤں کے پنکھ کے لئے خوشی ہے

وقار کے پنکھ کے لئے ذلت ہے

چھوڑ دینے کے پنکھ کے لئے سنبھالے رکھنا ہے

ہم صرف دو پروں کے ساتھ اُڑ سکتے ہیں

اور دونوں پر ہوا میں تب ہی ٹھہر سکیں گے

جب ان میں ہوگا توازن!

دو خوبصورت پر ہی ہیں اصل کاملیت!

مگر

انسانوں کی ایک نسل ہے جو سمجھتی ہے کہ

کاملیت ان میں سے ایک پر کے

ہر وقت موجود ہونے کا نام ہے۔

لیکن مجھ سے پوچھو تو

ایک پنکھ والا پرندہ نامکمل ہے

ایک پر والا فرشتہ نامکمل ہے

ایک پر والی تتلی مردہ ہے

سو یہ لوگ جو کاملیت کو پانے کے لئے

اپنے ایک پر کو کاٹ کر پھینک دینے میں لگے ہیں

انہوں نے بنا ڈالی ہے

ایک معذور نسلِ انسانی!

(سی جوائے بیل سی)

"اور میں آپ کو اس کیس کے بارے میں وہی کچھ کہہ سکتا ہوں جو میں نے پہلے دن عدالت میں کہا تھا۔ میں بے گناہ ہوں' اور میں نے سعدی یوسف پہ حملہ نہیں کیا تھا۔ عدالت کیا فیصلہ کرے گی' یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہاں آپ کو اس بات کے لئے نہیں بلایا۔"

ہاشم کا ردار بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت لئے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ کلک کلک تصاویر اتاری جا رہی تھیں۔

"میں آج... اعلانیہ طور پہ اپنی کمپنی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ کمپنی ہم نے اچھی نیت سے شروع کی تھی اور اس کو چائنہ میں رجسٹرڈ کروایا تھا، ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم turbines بنا کر حکومت کو بیچیں تاکہ وہ ان کو تھر کول پاور پراجیکٹ میں کوئلے سے گیس بنانے کے عمل میں استعمال کر سکے۔ میری کمپنی آج اس آسامی کے لئے حکومت کی نظر میں ایک مضبوط امیدوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہم یہ ٹینڈر لے بھی جائیں' مگر....."

ہاشم بالکل سُن سا کھڑا تھا۔ یکدم بجلی بند ہو گئی۔ ہال میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شور سا بلند ہوا۔ ہاہو کی آوازیں آئیں۔ مگر ایونٹ آرگنائزر جلدی جلدی سب کو خاموش کرانے لگا۔ کیمروں کے فلیش آن کر لئے گئے۔ اندھیرے میں پھر سے سفید روشنی ہو گئی۔ صرف مائیک کا مسئلہ تھا' مگر پوڈیم پہ کھڑے نوشیرواں کو پرواہ نہ تھی۔ وہ سر اٹھا کے بولے جا رہا تھا۔ مزید بلند آواز میں۔

"مگر میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کمپنی جو ٹربائن بنا رہی ہے اور جس میں میرے خاندان نے کروڑں روپیہ لگایا ہے' وہ ٹربائن ناقص ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ اس لوڈشیڈنگ سے لڑنے کے لئے....." انگلی اٹھا کر اندھیر ہال کی طرف اشارہ کیا۔ "اس اندھیرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تھر کے جس کوئلے کو زمین کے اندر ہی گیس بنایا جانا تھا' اس عمل کے لیے اگر کسی کمپنی کی ٹربائنز کارگر ہیں تو وہ shell ہے۔ شیل کے علاوہ اس خطے کی تمام کمپنیز کی ٹربائنز ناکارہ ہیں' اور وہ UCG یعنی زیرِ زمین کوئلے کو گیس بنانے کے

عمل (یعنی کوئلے کو کھود کر نکالے بغیر اندر ہی گیس میں تبدیل کر دینے) کے لیے مکمل طور پہ ناکارہ ہیں۔ یہ پراجیکٹ اگر کسی کمپنی کو ملنا چاہیے تو وہ شیل ہے۔ شیل کے علاوہ حکومت اگر کسی اور کمپنی کو یہ کام سونپتی ہے تو وہ اپنی عوام کے ساتھ دھوکہ کرے گی اور Tax payer's money کو غلط جگہ استعمال کرے گی۔" پسینے پسینے کھڑا نوشیرواں مو بائلز اور فلیش لائٹس کی روشنی میں سارے ہال سے یکتا اور روشن نظر آ رہا تھا۔ آگے پیچھے ہر جگہ اندھیرا تھا۔ بس اس کا چہرہ روشن تھا۔ چمکتا ہوا۔ ساری مداخلت اور بدانتظامی کے باوجود اب سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

"میں اس کمپنی کے سی ای او کی حیثیت سے آج ریزائن کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں اتنے بڑے پراجیکٹ کا اہل نہیں ہوں۔ میرے خلاف چلنے والے ٹرائل سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ میں ابھی تک کچھ نہیں سیکھ پایا۔ اس لئے میں باعزت طور پہ اپنی کمپنی سے الگ ہو کر ایک ملٹی نیشنل میں جاب کے لئے اپلائی کر رہا ہوں۔ جیسے میرے باپ اور بھائی نے محنت کر کے اپنا راستہ بنایا اس طرح میں بھی مشکل راستہ چن رہا ہوں۔ اگر میں لوڈشیڈنگ کو ختم نہیں کر سکتا تو کم از کم میں ان طریقوں کی حمایت بھی نہیں کروں گا۔ جو اس مسئلے کو بڑھاتے ہیں' گھٹاتے نہیں۔ اس لئے نہ صرف میں اپنی کمپنی سے مستعفی ہو رہا ہوں بلکہ اپنی پیرنٹ کمپنی جو کہ ایک IPP ہے۔ سے بھی ریزائن کر رہا ہوں۔ اور آخر میں ایک بات۔" بلند آواز میں کہتے ہوئے اس نے کاغذات کا ایک پلندہ ان کو دکھایا۔ "میں اس paper کو پبلش کر رہا ہوں' اور اس کی ایک کاپی آپ سب کو دس منٹ پہلے ای میل کر دی گئی ہے۔ اس میں میں نے آئی پی پی ز کے حکومت سے معاہدوں پہ روشنی ڈالی ہے' کیونکہ میں مزید اب اس نظام کا حصہ نہیں بننا چاہتا جس میں ہم آئی پی پی ز پورے پیسے لے کر آدھی بجلی بناتے رہیں۔ میں اس کو بدل نہیں سکتا' مگر اس کے خلاف آواز ضرور اٹھا سکتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ مجھے اب Whistleblower کہا جائے گا اور مجھے شاید کوئی کمپنی جاب نہ دے اور کوئی میرے ساتھ کاروبار نہ کرے' کیونکہ رات تک لوگ میری کمپنی سے پیسہ نکال کر اسے دیوالیہ کر دیں گے' لیکن میں اب مزید خاموش نہیں رہوں گا۔ میں اپنی تمام کمپنی پوزیشنز سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ شکریہ۔"

اب وہ پوڈیم سے اتر آیا تھا۔ مگر ہاشم یک ٹک پتھر کا بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ رپورٹرز شہد کی مکھیوں کی طرح اس پہ سوالوں کے لئے جھپٹے تھے مگر وہ خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ زینے خود چڑھا تھا' اور وہ زینے خود اتر رہا تھا۔ ہاشم کے ہاتھ برف ہو رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے سکون میسر نہیں تو کیا غم ہے
گلوں کی عمر تو کانٹوں کے درمیاں گزری۔

"چھ دن بعد۔"

مورچال پہ رات گہری ہو کر اتر رہی تھی۔ سب سو چکے تھے مگر حنین لاؤنج میں موجود تھی۔ آستین اوپر چڑھائے' وہ اسٹول پہ کھڑی' دیوار پہ

stencil لگا کر اس کو پینٹ کر رہی تھی۔(stencil پلاسٹک کا بڑا سا ٹکڑا ہوتا ہے جس میں ڈیزائن کی جگہ خالی ہوتی ہے جیسے عموماً ہاتھ پہ مہندی لگانے کے لئے ہتھیلی پہ رکھ کر اوپر مہندی لگا دی جاتی ہے اور جب پلاسٹک اٹھاؤ تو نیچے نقش و نگار بن چکے ہوتے ہیں۔) اس کے stencil پہ بڑا سا درخت کٹا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

اندر زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر گھڑی کو بھی دیکھ لیتی۔ گیارہ بجنے کو آئے تھے اور فارس نہیں آیا تھا۔ اور اسی پل اچانک سے اس کا فون بجا۔

فارس کالنگ دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی۔ مگر جب موبائل کان سے لگایا تو لہجہ خشک بنا لیا۔

''جی کہیے۔''

''آہم۔'' وہ کھنکھارا تھا۔ ''کدھر ہو؟''

''گھر پہ۔ اور کہاں ہو سکتی ہوں؟''

''ایک ایڈریس ٹیکسٹ کر رہا ہوں ادھر آ جاؤ۔''

''اس وقت؟ مگر کیوں؟''

''ایک اہم گواہ سے ملوانا ہے۔ زیادہ سوال مت پوچھو بس ایک گھنٹے کے اندر ادھر پہنچو اور سنو۔ صرف تم آنا۔ ساتھ میں پورے گھر کو مت لے آنا۔''

زمر نے چونک کے گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں ایک گھنٹہ تھا۔ ایک بھرپور مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''اور اگر میں نہ آؤں تو؟'' لمحے بھر کے توقف سے وہ بولا۔

''پتہ بھیج رہا ہوں۔ جلدی آؤ۔'' اس کی توقع کے خلاف اس نے کوئی تپانے والا جملہ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ زمر نے مسکرا کر اسکرین کو دیکھا جہاں اس کا پیغام جگمگا رہا تھا۔ پتہ پڑھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

حنین نے ابھی درخت کی پہلی شاخ مکمل پینٹ کی تھی جب کھلتے دروازے کی آواز پہ وہ چونکی۔ زمر آہستہ سے کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر رہی تھی۔ سیاہ ڈیزائنر ویئر پہنے ہلکا میک اپ ایئر رنگز کہنی پہ پرس۔ حنین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟''

''اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔'' زمر نے بہت سکون سے تصحیح کی۔ حنین چونکی۔

''کل بیس مئی ہے؟ ایک سال ہو گیا؟''

''کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے بیس مئی ہے۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے ڈنر ڈنر کرنے کے بعد بلآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔''

حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ ''کہاں بلایا ہے؟''

''ہم دونوں کے لئے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔''

''وہ تو گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بلا رہا ہے' مگر اکیلے آنے کا کہنا اور وہ بھی بیس مئی کی رات... ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ اوکے اللہ حافظ''۔ وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے اور واپس آئے' مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر' حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔

درخت کی اوپری چار شاخیں بہت محنت اور احتیاط سے وہ پینٹ کر چکی تھی جب بیرونی دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ پھر اندر آنے کی آہٹ۔ حنہ چونک کر پلٹی۔ فارس چابیاں دروازے کے قریب ٹوکری میں ڈالتا اب ادھر آ رہا تھا۔ حنین نے فوراً گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں دس منٹ تھے۔ اسے شدید غصہ آیا۔

''یعنی آپ نے واقعی گواہ سے ملوانا تھا۔ اور وہ اتنی خوش کہ آپ ان کو ڈنر پہ بلا رہے ہیں۔ ویسے کون سا گواہ تھا یہ؟''

اندر آتے فارس نے رک کر اسے دیکھا جو اسٹول پہ کھڑی تھی اور ہاتھ میں stencil برش اور پینٹ کی پلیٹ تھی' دوسرے ہاتھ میں ٹشو تھا۔

''وعلیکم السلام حنین۔'' وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''تاریخ بھول گئی تھی کیا؟ ڈنر پہ کیوں نہیں گئے؟''

''کیا شروع ہو گئی ہو گھر آتے ہی؟'' وہ ناسمجھی اور اکتاہٹ سے بولا۔ حنین نے ٹھہر کے پہلے اسے دیکھا۔ پھر اس کے کندھے کے پیچھے۔

''زمر آپ کے ساتھ نہیں آئیں؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''وہ میرے ساتھ تو نہیں تھی۔ میں تو ابھی آ رہا ہوں۔'' وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے قدموں سے زمین سرکنے لگی۔

''آپ نے ابھی ابھی ان کو کال کی تھی اور کہا تھا کہ آپ کو ان کو کسی گواہ سے ملوانا ہے... ہے نا...'' وہ ہکلائی۔ چند لمحے لگے فارس کو اس کی بات سمجھنے میں اور ایک دم اس کا پورا دماغ سنا اٹھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''حنہ میں نے اسے کوئی کال نہیں کی۔ کہاں ہے وہ؟''

حنین کے ہاتھ سے پینٹ برش سب پھسل گیا۔

''آپ نے ان کو کہا کہ اکیلے آنا۔ وہ اکیلی چلی گئی۔ وہ خوش تھیں۔ بہت زیادہ۔'' اس کا گلا رندھا۔ وہ دم بخود کھڑی تھی۔

''کدھر... کدھر گئی ہے وہ؟'' وہ حواس باختہ سا پوچھ رہا تھا۔ شل سی حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ نہیں بتایا۔'' فارس بے اختیار پیچھے کو بھاگا۔ ٹوکری سے چابی اٹھائی اور موبائل پہ نمبر ڈائل کرتے اس نے دروازہ کھولا۔

زمر کا فون آف جا رہا تھا....

اس کی سماعتوں میں ایک فقرہ گونج رہا تھا۔

He cannot protect his women!

اوہ خدایا.... وہ اتنے دنوں سے غلط عورت کی حفاظت کر رہا تھا؟ اوہ خدایا....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا محسن
وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے!

"چھے دن قبل۔"

قصرِ کاردار کی ساری بتیاں رات کے اس پہر بھی روشن تھیں۔ اندر داخل ہوتے نوشیرواں نے گہری سانس لی اور پھر قدم اٹھانے لگا۔ جیسے جیسے وہ چلتا آیا لاؤنج قریب آتا گیا' اور بالآخر وہ بڑے صوفے کے بالکل سامنے آٹھہرا جہاں ہاشم بیٹھا تھا۔ اس نے کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور ٹائی ڈھیلی تھی۔ آہٹ پہ اس نے صرف آنکھیں اٹھائیں جو بے تاثر سی لگتی تھیں۔ مردہ سی۔ پریس کانفرنس کے چند گھنٹے بعد اب ان دونوں کی ملاقات ہو رہی تھی۔

"ویلکم ہوم!" وہ شیرو پہ نظریں گاڑھے بولا تو آواز ایسی سرد تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"آپ کو جو بھی کہنا ہے میری پریس کانفرنس کے بارے میں بھائی' وہ آپ...." وہ ہاتھ اٹھا کے کہنے لگا مگر.....

"یہ ایکویریم دیکھ رہے ہو اپنے پیچھے؟" وہ ٹھنڈے سے انداز میں شیرو پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ نوشیرواں نے گردن موڑ کر دیکھا۔

لاؤنج کی ایک دیوار کے ساتھ نصب وہ ایک خوبصورت سا ایکویریم (آب زیدان) تھا جو برسوں سے اس گھر کا حصہ رہا تھا۔ اس کی شیشے کی مستطیل دیواروں میں ڈھیروں پانی جمع تھا مصنوعی پودے اور پتھر اندرونی فرش پہ بچھے تھے' اور چند مچھلیاں دائیں سے بائیں ٹہل رہی تھیں۔ روشنیاں کچھ اس طرح لگتی تھیں کہ اندرونی ماحول کو منور کیے ہوئے تھیں۔

"تمہیں یاد ہے یہ ایکویریم کون لایا تھا؟ نہیں...." اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ "تمہیں کہاں یاد ہو گا۔ مگر بیٹھو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" اسے اشارہ کر کے وہ خود اٹھا اور قدم قدم چلتا ایکویریم کے قریب آ رکا۔ وہ نوشیرواں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی اداس آنکھیں شیشے کے مچھلی گھر پہ جمی تھیں۔ شیرو نہیں بیٹھا۔ اسی طرح کھڑا رہا۔ متذبذب' خفا سا۔

"تم سترہ سال کے تھے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ ایک ایگزیکٹو میٹنگ میں لے گیا تھا' تمہیں تھری پیس میں ڈریس اپ کروا کے۔ تم اپنی عمر سے بڑے اور اچھے لگ رہے تھے۔ ڈیڈ کو بھی خوشی ہوئی تھی تمہارے آنے سے مگر حسب عادت وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ تم البتہ بے نیاز سے تھے۔ ہمارے ساتھ جا کر بیٹھ گئے تھے اور ہماری باتیں سننے لگ گئے تھے۔ ہم ایک ڈیل کرنے جا رہے تھے اور ہمیں معلوم تھا کہ دوسرا فریق

بعد میں تھوڑے بہت ہیر پھیر سے کام لے گا' مگر یہ بات ان کے منہ پہ نہیں کہنی تھی ہم نے۔ ہمیں سمجھوتہ کرنا تھا صرف نظر سے کام لینا تھا۔"

وہ اب ہولے ہولے شیشے کی دیوار پہ دستک دے رہا تھا۔ اندر تیرتی مچھلیاں مزید تیزی سے بل کھاتی ادھر ادھر چکر کاٹنے لگی تھیں۔

"مگر.... جب تمہیں اس دوران اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بعد میں چیزوں کو manipulate کر سکتے ہیں' تو تم نے ایک دم چڑھ کے بولنا شروع کر دیا۔ ہمارے جی ایم نے تمہیں آنکھیں دکھائیں' ڈیڈ کھنکھارے' مگر تم نے اپنی بات مکمل کر کے دم لیا۔ وہ لوگ Offended ہو گئے اور انہوں نے ہم سے معذرت کر لی۔ ڈیڈ تم پہ بہت غصہ تھے اور مجھ پہ بھی کہ میں تمہیں لایا ہی کیوں' مگر مجھے اطمینان تھا۔ دو باتوں کا اطمینان۔ ایک تو یہ کہ تم میں اتنی سمجھ ہے کہ غلط اور صحیح کا فرق کر سکو۔ بے شک "عقل" نہیں ہے کہ کس وقت بولنا ہے کس وقت نہیں' مگر چلو' سمجھ تو ہے۔ اور دوسرا یہ کہ تم "درست فیصلہ" کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اس دن میں تمہارے لئے یہ ایکویریم لایا تھا۔ اور اس کو ہمارے لاؤنج میں رکھوایا تاکہ تم گزرتے ہوئے اس کو دیکھتے رہو اور تمہیں اپنا بزنس میں دلچسپی لینا بھول نہ جائے۔"

وہ اب بولتے ہوئے آبزیدان کی کانچ کی دیوار کے کنارے پہ انگلی پھیر رہا تھا' گویا کوئی لکیر کھینچ رہا ہو۔ شیرو کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے اور وہ خاموشی سے کھڑا تھا۔

"مگر تم بھول گئے۔ بزنس میں دلچسپی لینا' اپنی سمجھ بوجھ' درست فیصلے کرنے کی طاقت' تم سب بھول گئے۔ میں نہیں بھولا۔ میں اس کی مچھلیاں بدلواتا رہا۔ جب کوئی مر جاتی تو اس سے ملتی جلتی مچھلی اندر ڈلوا دیتا۔ کوئی دن ایسا نہ گزرا جب اس کی مچھلیوں کی خوراک کا میں نے ملازموں سے پوچھا نہ ہو۔ میں تمہیں اکثر بزنس میٹنگز میں جانے سے پہلے یہ ایکویریم یاد کرواتا تھا' تاکہ تم سمجھ پاؤ کہ کاروبار کے سمندر میں تم ڈوب نہیں سکو گے اگر تیرنا سیکھ لو۔ میں نے اپنی امید نہیں کھوئی۔ تم نے سعدی کو گولی ماری' تم نے علیشا کو واپس بلایا' اس کو کمپنی میں سے حصہ دیا' ملک سے بھاگنے کی بجائے ٹرائل کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا' میں اس کی مچھلیوں کی حفاظت کرتا رہا۔ تم مجھ سے دور ہوتے گئے' زمر سے قریب ہوتے گئے' ممی سے بدتمیزی کرتے رہے' میں نے اپنی امید نہیں کھوئی' مگر آج شام...." اب کے وہ پورا گھوما تو نوشیرواں نے اس کا چہرہ دیکھا' اس کی خود پہ جمی ملال بھری آنکھیں دیکھیں اور اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"آج جب تم نے پریس کانفرنس کر کے اپنی کمپنی کو دیوالیہ کر دیا' ہماری پیرنٹ کمپنی کو نقصان پہنچایا' تم نے اپنے ہی خاندان کے کاروبار کے خلاف whistleblowing کی' تم نے ہمارے کانٹریکٹس پہ تنقیدی پیپر لکھ کے پبلش کر دیا' آج تم نے میری کمر میں خنجر گھونپا تو شیرو میں نے تم سے آخری امید بھی کھو دی۔ تم نوشیرواں اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں تو اچھے فیصلے کر سکتے ہو' مگر کاروبار میں تم ہمیشہ فیل رہو گے' اور اسی لئے اب سے تم صرف میرے بھائی ہو۔ کل آفس آ کر اپنی چیزیں لے جانا اور دوبارہ اس بلڈنگ میں قدم نہ رکھنا۔"

"کیا آپ اب بھی میرا کیس لڑیں گے؟" اس سوال پہ ہاشم تلخی سے مسکرایا۔

"میں اب تمہارا کیس پہلے سے زیادہ جانفشانی سے لڑوں گا شیرو کیونکہ تم میرے بھائی ہو' اور اپنی عقل سمجھ سب کھو چکے ہو۔ میرے لئے تمہیں بچانا اب زیادہ ضروری ہو گیا ہے' مگر ہاں' تم نے مجھے آج بہت بڑا دکھ دیا ہے۔ میں نے کیا نہیں کیا اس سارے خاندان کے لئے اور

8

تم سب نے مجھے ہر طرف سے نقصان پہنچایا۔ کیا اپنے بھائی کے ساتھ ایسے کیا جاتا ہے شیرو؟"

نوشیرواں نے سر جھکا دیا۔ "آئی ایم سوری آپ کو ہرٹ کرنے کے لئے' مگر میں اپنے فیصلوں پہ 'سوری' نہیں ہوں۔ میں نے وہ کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔"

"اور میں اب وہ کروں گا جو مجھے ٹھیک لگے گا۔ بہت ہو گیا میرا نقصان' اب جوابی حملہ کرنے کا وقت ہے۔"

شیرو نے چونک کے اسے دیکھا۔ "آپ کیا کریں گے؟"

"تم جا کر سو جاؤ۔" اس نے ہاتھ جھلا کے ڈرا ئنگی سے اس کو جانے کا اشارہ کیا۔ شیرو بھی نہیں رکا۔ خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑی جواہرات اس کے جاتے ساتھ ہی بولی تھی۔

"جب تم اپنے خاندان کو خود سے دور کرو گے تو یہی ہو گا ہاشم!"

ہاشم نے گردن موڑ کے ایک سرسری نظر اس پہ ڈالی۔ "میں ابھی تک کچہری میں وکیلوں کے سامنے اپنی بے عزتی بھولا نہیں ہوں۔ مجھے کچھ وقت لگے گا ممی' تب تک میرے سامنے نہ آئیں تو اچھا ہے۔ میری انجیو۔" آخر میں وہ اتنی بلند آواز میں دھاڑا تھا کہ جواہرات کا جسم تھرا اٹھا۔

"یس سر!" میری دوڑتی آئی۔

"اس ایکویریم کو میرے آفس میں منتقل کروا دو۔ اب اس کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اور میں پانی میں سانس لیتی مچھلیوں کو بے گھر نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اب مدھم آواز میں ہدایت دے رہا تھا اور جواہرات بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اجنبی ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تمام عمر جلاتے رہے چراغِ امید

تمام عمر امیدوں کے درمیان گزری

اگلی شام میں وہ دوبارہ ہسپتال آیا تاکہ اس اپاہج لڑکے کی خیریت اور طبیعت دریافت کر سکے۔ آج اس کو ڈسچارج کیا جانا تھا اور سعدی اس سے پہلے ایک دفعہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ ہسپتال کی راہداریوں میں وہ خاموشی سے آگے بڑھتا گیا۔ دوائیوں اور اسپرٹ کی بو اور عجیب سی ویرانی در و دیوار سے ٹپکتی تھی۔ ابھی اسے چند طویل راہداریاں عبور کر کے مطلوبہ وارڈ تک پہنچنا تھا۔ راستہ طویل تھا اور دل پہ بوجھ ڈالنے والا بھی تھا۔ اس نے رفتار سست کر دی۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتا وہ ہولے ہولے قدم اٹھانے لگا۔

ہسپتال بھی عجیب جگہ تھی۔ یہاں آ کر عجیب سے احساسات ہوتے تھے۔ لوگوں کی آوازیں' شور پکاریں' اور ساتھ میں خاموشی۔ وہ سب مل کر کان میں سیسہ گھول دیتیں۔ اس نے ہینڈز فری کانوں میں ٹھونس لی اور موبائل کی اسکرین کو سر جھکا کے دیکھتا' مطلوبہ آیات کو چھوتا آگے بڑھتا گیا۔

دل کو مریض کی عیادت بھی نرم کرتی ہے اور قرآن کی تلاوت بھی۔ وہ ان دونوں کو ملانے لگا شاید کہ اثر بڑھ جائے۔

میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اب وہ پھر سے اطراف میں دیکھنے لگا تھا۔ قطار در قطار بیڈ..... کھلے دروازوں سے جھانکتے بے حال زرد چہروں والے لوگ۔ وحشت سی وحشت تھی۔

''اور بے شک آپ کا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے

لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔'' (النمل ۔73)

'شکر کیا ہے اللہ تعالیٰ؟'' وہ بول نہیں رہا تھا سوچ رہا تھا اور اسی طرح قدم بڑھا رہا تھا۔ ''آخر یہ شکر کہتے کس کو ہیں؟ جب کچھ نہ ہو پاس تو وہ آنکھ رکھنا جو 'وہ' دیکھ لے جو کبھی نہ کبھی ضرور ملے گا۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو ہر پل پاس ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں پہ فضل کرتے ہیں۔ فضل ''زائد'' دینے کو کہتے ہیں۔ حق سے اوقات سے بڑھ کر دینے کو۔ جیسے آپ ہمیں نعمتیں دیتے ہیں ویسے ہی آپ ہمیں 'مواقع'' بھی دیتے ہیں۔ صرف مادی چیزوں دولت اولاد کامیابی پہ شکر کرتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمیں 'مواقعوں'' پہ بھی شکر کرنا ہے۔ chances پر۔ ہم میں سے جن کے ماں باپ گزر چکے ہوتے ہیں اور وہ ان کی خدمت نہیں کر سکے ہوتے وہ برسوں پچھتاووں اور ملال میں گھرے رہتے ہیں کہ کیا تھا اگر اللہ ان کو زندہ رکھتا اور وہ ان کی خدمت کر پاتے؟ مگر ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ ہمیں دوبارہ موقع ضرور دیتا ہے کسی بوڑھے کو ہمارے قریب لا بساتا ہے چاہے ساس سسر ہوں کوئی لاچار بزرگ ہمسایہ ہو یا کوئی بوڑھا ملازم کوئی ہوتا ہے ہمارے گرد جس کی خدمت کی جا سکتی ہے مگر اپنے پچھتاووں میں ہم مواقع ضائع کر دیتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے ماں باپ کی طرح نہیں سمجھ سکتے مگر سارا مسئلہ یہی ہے کہ ان کو والدین نہیں سمجھنا۔ نہ ان سے والدین کی طرح محبت کرنی ہے۔ صرف ان کی عزت اور خدمت کرنی ہے۔ شادی سے پہلے لڑکیاں چھوٹے بہن بھائیوں کو بہت جھڑکتی ہیں بعد میں پچھتاتی ہیں مگر صرف پچھتانے کا کیا فائدہ جب اپنے اردگرد ویسے ہی چھوٹے بچے دیکھنے اور ان سے نرمی کرنے والی بصیرت ہی نہ رکھے انسان۔ ہم مسلسل روتا روتے ہیں کہ ہمیں کوئی بری لت پڑی ہوئی ہے کوئی ایسا گناہ جو ہم چھوڑ نہیں پار ہے بار بار اس کو کر بیٹھتے ہیں۔ بڑے وعدے کیے اللہ سے بڑی معافی مانگی مگر پھر سے کر دیا۔ کمزور پڑ گئے۔ نفس کے آگے ہار گئے۔ اب روتے ہیں کہ سارا وقت مایوسی..... ڈپریشن..... میں تو کسی اچھائی کے قابل نہیں رہا۔ یہ نہیں دیکھیں گے کہ گناہ کے بعد احساس ہونا اور خود کو ٹھیک کرنے کا اور توبہ کرنے کا موقع دیا ہے اللہ نے۔ یہ ہے اللہ کا فضل جس کو اپنے پچھتاووں میں ہم ضائع کر دیتے ہیں۔ پچھتاوا ہونا چاہیے مگر پچھتاوے کا ڈپریشن لے کر مایوس ہو جانا ان مواقعوں کی ناقدری ہے۔ اور ہم یہ ناقدری روز کرتے ہیں۔ آخر کب ہم اپنے اردگرد وہ تمام ''موقع'' دیکھنے کی آنکھ پیدا کریں گے خود میں جو اللہ نے ہمارے پچھتاووں کے بدلے میں replace کر کے ہمارے سامنے لا رکھے ہیں۔ آخر کب؟'' وہ سفید فرش پہ قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ چہرے پہ ملال سا تھا۔ اردگرد چھائی

وحشت ویسی ہی تھی اور طبیعت کو عجیب مکدر کر رہی تھی۔ پھر مریضوں کی آوازیں، ہسپتال کے عملے کا شور سب سے بڑھتا گیا تو اس نے ہینڈز فری کانوں سے نکال لی۔ مطلوبہ راہداری قریب آ چکی تھی۔

اس لڑکے کا نام شہزاد تھا' اور وہ بستر پہ ٹیک لگائے اٹھا بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ چہرہ کھل اٹھا۔ سعدی مسکراتا ہوا اس کے سامنے بستر کی پائنتی پہ آ بیٹھا۔ وارڈ میں آگے پیچھے لوگوں کا شور اور رش ہر پل بڑھ رہا تھا' ایسے میں جب وہ لڑکا اٹک کے رک رک کے اس سے مخاطب ہوا تو اس کی بات سننے کے لئے سعدی کو آگے جھکنا پڑا۔ اس کی ماں دوائیاں لینے گئی ہے' اور وہ جلد ڈسچارج کر دیا جائے گا' یہ بات وہ بدقت سمجھ پایا تھا۔

''وہ لڑکے کون تھے' تمہیں کیوں مار رہے تھے؟''

''وہ اسٹور سے چیزیں چرا رہے تھے... میں نے... میں نے شاپ کیپر کو بتا دیا تو باہر نکل کے وہ مجھے مارنے لگے...'' وہ ٹیڑھے ہونٹوں کے ساتھ زور لگا کر بولتا تھا۔ سعدی مسکرا کے سنتا رہا۔ لڑکا بے چینی سے پھر سے گویا ہوا۔

''آپ... ٹی وی والے ہو نا... سا... سعدی یوسف؟'' سعدی نے اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا اب وہ لڑکا اس کا شکریہ ادا کرے گا' کہ اس نے کمزور کی مدد کی' طاقتور کے مقابلے میں اور...

''آپ لوگ... آپ سب... بہت... بے وقوف ہو۔'' وہ ہکلا کے بولا تو سعدی کی مسکراہٹ سمٹی۔ پھر یکدم وہ دل کھول کے ہنس دیا۔ اور غور سے اس کم عمر لڑکے کو دیکھا۔ سانولی رنگت اور سیاہ آنکھوں والا شہزاد کافی مضطرب اور بے چین نظر آتا تھا۔

''اچھا... کیوں ہوں میں بے وقوف؟'' وہ جواباً زور لگا کے کچھ بولنے لگا تھا مگر سعدی کی بات جاری تھی۔ ''کیونکہ میں امیر اور طاقتور لوگوں کے خلاف کھڑا ہوا ہوں؟'' لڑکے نے نفی میں سر ہلایا۔

''یا میں اس ملک کے گلے سڑے عدالتی نظام سے انصاف کی امید وابستہ کیے ہوئے ہوں؟''

''نن... نہیں...''

''یا میں چپ کر کے ان سے پیسے لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یا میں ان کے ڈر سے دبک کر بیٹھ نہیں گیا؟ کیوں شہزاد' تم جیسے نوجوان کو سعدی یوسف بے وقوف کیوں لگتا ہے۔''

''میں...'' مگر وہ اس کو نہیں سن رہا تھا۔

''کیا میں اس لئے بے وقوف ہوں کیونکہ میں ایک بے سود کوشش کر رہا ہوں؟ قید میں اپنے پراجیکٹ کے راز ان کے حوالے کر دیتا' تمیں کروڑ لے لیتا' اور نئی زندگی شروع کر دیتا تو عقلمند ہوتا؟ قصاص مانگ رہا ہوں میں۔ اتنا وقت اور پیسہ برباد کر رہا ہوں۔ اس لئے بیوقوف لگتا ہوں نا میں سب کو...'' اس کے لہجے میں جذباتی سا دکھ ابھر آیا تھا۔ لڑکا جو بار بار بے چینی سے نفی میں سر ہلاتا تھا' اب کے پورا زور لگا کے بولا۔

''تم لوگوں نے آپریٹر سے پوچھ گچھ نہیں کی۔'' پورا فقرہ بول کے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ سعدی یوسف بالکل ٹھہر گیا۔

''کیا؟''

''ائیر پورٹ.... کنٹرول روم آپریٹر....میری امی ائیر پورٹ پہ کام کرتی ہے....آپریٹر نے بولا تھا کہ اس نے امیر لڑکے کی فوٹیج ڈیلیٹ کر دی ہے....''

''کون نوشیرواں؟'' وہ تیزی سے بولا مگر آواز دھیمی کر لی۔ ''مگر ہم نے ائیر پورٹ کی ساری فوٹیج چیک کی تھیں' کیس مئی کی اور اگلے ایک ہفتے کی....نوشیرواں کہیں نہیں تھا۔''

''مگر آپریٹر نے خود بولا کسی کو کہ اس نے فوٹیج مٹائی ہے....فوٹیج میں وہ تمہارے گم ہو جانے کے 'بعد' ملک سے جاتا نظر آ رہا تھا۔ ائیر پورٹ پہ سب کو پتہ ہے یہ بات۔ تم بہت مشہور ہو۔ مگر تم نے کسی سے پوچھا نہیں۔ خاموشی سے چلے گئے....''

ٹھنڈی برف کی آبشار تھی جو سعدی یوسف پہ اوپر سے آ گری تھی۔ وہ بے یقینی سے اس کے قریب آیا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ ثبوت نہیں ہے' مگر اس ثبوت کو دیکھنے والا گواہ موجود ہے!''

لڑکے نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ بالآخر وہ اپنی بات سمجھا پایا تھا۔

''اور تمہاری ماں کو یقین ہے کہ اس نے اس آپریٹر کو یہ سب کہتے سنا ہے؟''

''ہاں....ہاں....میری امی جھوٹ نہیں بولتی۔'' سعدی چند لمحے بس اسے دیکھے گیا۔ اندر بہت سے طوفان برپا تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر آبلے پہ درج ہے تفصیلِ زندگی۔

مجھ سے نہ پوچھ میرے سفر کی اذیتیں۔

وارث کی موت کے بعد اس کی آنکھوں پہ چھائی سرخ دھند ابھی ویسی ہی تھی۔ اس روز اس نے زمر کو اپنی واحد گواہ سے ملوانے کے لئے اس کے ہوٹل بلایا تھا' جو گواہی دے سکے کہ فارس غازی قتل کے وقت اس کے ساتھ تھا۔ حنین بھی ان کے ہمراہ تھی اور وہ زمر کو وقت اور جگہ بتا کر اب ہوٹل روم میں بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ فارس خاموش تھا۔ علیشا خاموش تھی۔ حنین خاموش تھی۔ وہ ایسی خاموشی تھی جس میں ہر شخص اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سب کو خود کو بچانے کی فکر تھی۔ خود غرضی نہیں تھی یہ ، بے بس سا سیلف ڈیفنس تھا۔ حنین اپنی جگہ شرمندہ دکھائی دیتی تھی۔ اسے فارس کو اس دن سب سے دور علیشا کے پاس لے جانے میں اپنی غلطی لگ رہی تھی۔ امی جب سے غم سے ذرا نکلی تھیں' اٹھتے بیٹھتے اسے انٹرنیٹ فرینڈز کے نقصان گنوا رہی تھیں۔ زمر اس سے مل لے تو سارا مسئلہ ختم ہو جائے۔ اور سب اس قصے کو بھول بھال جائیں۔

علیشا کو اپنی فکر تھی۔ وہ یہاں ہاشم اور اپنے باپ کے دانتوں سے چند نوالے کھینچنے آئی تھی۔ اسے اپنا جائز حصہ چاہیے تھا مگر ایسے میں وہ

ایک قتل کیس کے مشتبہ شخص کی ایلی بائی بن چکی تھی جو اس کے باپ کا رشتے دار تھا۔ وہ جلد سے جلد اس مشکل سے نکلنا چاہتی تھی۔

فارس الگ پریشان تھا۔ زمر پہ غصہ ابھی تک ویسا ہی تھا۔ وہ اپنا کام تیزی سے کیوں نہیں کر رہی؟ وہ وارث کے باس سے ملنے کب جائے گی؟ وہ وکلا اور پراسیکیوشن آفس کی ازلی سست رفتاری سے واقف تھا' مگر اس وقت کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ہر چیز غصے فرسٹریشن اور پریشانی میں مبہم دکھائی دیتی تھی۔

جب وہ کافی دیر تک نہیں آئی تو فارس اسے فون کرنے لگا۔ کال بار بار ٹوٹ جاتی۔ ''رابطہ ممکن نہیں۔'' ''اس نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا' '' اسے اب زمر پہ افسوس ہونے لگا تھا۔ غصے بھرا افسوس۔ وہ کتنی دیر اس کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹتا رہا۔ حنین درمیان میں ایک دو بار نیچے شاپس سے پھر بھی آئی (وہ اب بور ہونے لگی تھی۔) مگر زمر نہیں آئی۔

زرتاشہ نے موبائل اٹھایا اور فارس کو کال ملائی۔ ایک گھنٹی بجی' پھر دوسری۔ اس نے فون اٹھالیا۔

''ہاں زرتاشہ بولو؟''

''آپ کدھر ہیں؟'' قدرے ہچکچاہٹ سے اس نے پوچھا۔ ساتھ میں اسے خود پر افسوس ہونے لگا' وہ کیسے کسی اجنبی کی کال پہ اعتبار کر سکتی تھی؟

''میں کام سے آیا ہوا ہوں باہر۔ کوئی کام ہے؟''

''نہیں۔ بس میں آپ کا پتا کرنا چاہ رہی تھی۔ آج آپ نے پراسیکیوٹر سے ملوانا تھا اس لڑکی کو وہ سب ہو گیا خیر سے؟''

''ہاں مگر میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اور حنین علیشا کے کمرے میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوٹل میں یعنی کہ....؟'' اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ فارس نے ''بائے'' کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ ایک دم کلس کر رہ گئی۔ پھر موبائل رکھ کر ایک نئے ارادے سے اٹھی۔

غصہ افسوس میں بدلا اور افسوس مایوسی میں۔ سہ پہر طویل ہوتی گئی اور امید چھوٹی ہوتی گئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ بس اب وہ پراسیکیوشن آفس کے چکر نہیں لگائے گا۔ ساری عدالتیں گئیں جہنم میں۔ اب جو کرنا ہے وہ خود کرے گا۔ اس نے حنین کو چلنے کو کہا۔ وہ اس وقت اتنے تنے ہوئے تاثر لیے ہوئے تھا کہ حنہ چوں چراں کیے بغیر اس کے ساتھ آ گئی۔ علیشا کی جان چھوٹی تو اس نے ان دونوں کے جانے پہ گویا سکھ کا سانس لیا تھا۔

اس نے حنین کو ابھی گھر ڈراپ کیا ہی تھا کہ موبائل پہ کال آنے لگی۔ نمبر غیر شناسا سا تھا۔ فارس نے کال وصول کر لی۔

دوسری طرف جانے کون تھا' اس نے کبھی رک کے نہیں سوچا۔ پیشہ وارانہ انداز میں اطلاع دی گئی تھی' جسے سن کر اس کا سارا جسم کانپ اٹھا تھا۔ وہ ششدر رہ گیا تھا۔ ساری آوازیں' ساری آہٹیں دم توڑ گئی تھیں۔ وہ کچھ کہہ بھی نہ سکا بس کار کا رخ موڑ دیا۔ وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا مگر ہر شے سلوموشن میں ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اردگرد لوگ ہارن بجا بجا نہیں تھک رہے تھے' کار کی کھڑکی سے سر نکال کر اسے گالیاں

دے رہے تھے وہ روڈ کے غلط سمت میں تھا اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ کوئی ہوش نہ تھا۔

اس کی بیوی ہسپتال میں تھی۔ اس کی بیوی کو گولیاں لگی تھیں اور اس کے سیل فون میں "ہزبینڈ" کے نام محفوظ شدہ نمبر ہسپتال والوں یا شاید پولیس والوں نے ڈائل کیا تھا۔ کوئی نام کوئی نِک کوئی اور حوالہ نہ تھا۔ صرف ہزبینڈ۔ ایسا رشتہ کہ جیسے سب کو پتہ ہو بس یہی بچانے آئے گا۔ وہ پارکنگ لاٹ میں زنجیریں پھلانگتا گرتا بھاگم بھاگ دوڑ رہا تھا۔ اس کی رنگت سفید تھی اور سانس رک رک کے آتی تھی۔ زندگی ایک دفعہ پھر وارث کے ہاسٹل کے کمرے کے باہر جا پہنچی تھی ایک دروازہ تھا جسے وہ ہاتھ پاؤں مار مار کے کھولنے توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دروازے کے پار ایک اور بے جان جسم منتظر تھا یا...؟ وہ نفی میں سر ہلاتا راہداری میں آگے بھاگتا جا رہا تھا۔ کس سے کیا پوچھا کون اس کو راستہ بتا رہا تھا وہ نہ سن رہا تھا نہ دیکھ رہا تھا۔ بس اس سمت میں بھاگ رہا تھا۔

وہ کمرہ ٹھنڈا تھا۔ ایسے جیسے برف کی دیواریں ہوں پانی کا فرش ہو اور گویا آنکھوں کے سامنے سفید دھند ہو۔ وہ اسے کچھ بتا رہے تھے۔ بہت سے لوگ تھے ادھر اور وہ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ فارس کے قدم اب ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔ وہ اس اسٹریچر کے ساتھ کھڑا تھا جس پہ سفید چادر ڈالی گئی تھی۔ اس کی نظریں چادر پہ جمی تھیں مگر ہاتھ اٹھا کر چادر ہٹانے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کا تذبذب دیکھ کر سامنے کھڑی سفید کوٹ والی عورت نے چادر چہرے سے ہٹائی۔

کسی اپنے کا مردہ چہرہ پہچاننا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ ایسا سفید پیلا اور ٹھنڈا ہوتا ہے ایسے تو وہ سوتے ہوئے بھی نہیں لگا کرتے۔ ایسے آنکھیں تو وہ مذاق میں بھی بند نہیں کرتے۔ ایسے پتھر تو وہ ناراضی میں بھی نہیں بنتے۔ وہ بھی ایسی ہی لگ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پہ سیاہ دھبہ تھا۔ سفید دھند کے باعث اسے وہ دھبہ ہی دکھا تھا۔ وہیں اسے گولی لگی تھی۔ اور ایک سینے میں۔ وہ ہسپتال آنے سے پہلے ہی مر چکی تھی پھر بھی (اسے بتایا جا رہا تھا) کہ اس کو بچانے کی کوشش کی گئی مگر یہ انسانوں کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ تو کیا انسانوں کے ہاتھ میں صرف جان لینا ہوتا ہے؟ زندگیاں اجاڑنا ہوتا ہے؟ وہ تھکا ہارا زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔ پانی کا فرش یخ ٹھنڈا تھا مگر اس کا اپنا جسم بھی برف بن چکا تھا۔ سر نیہوڑائے وہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ وارث کی موت پہ اسے غصہ محسوس ہوا تھا زرتاشہ کی موت پہ خوف محسوس ہوتا تھا۔ ایسا ڈر جو پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔

اس خوف سے رگوں کا خون تک سہم کے جم گیا تھا۔ کوئی اسے کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ دوسری لڑکی بھی تھی جس کی شناخت پرائیکیوٹر زمر کے طور پہ ہوئی ہے اور وہ سرجری میں ہے مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ کون زمر؟ کیسی زمر؟ اسے اب پروا نہیں رہی تھی۔ پیشانی پہ ہاتھ رکھے وہ سر جھکائے وہاں بیٹھا تھا اور گویا پانی کا فرش دھیرے دھیرے اسے نگل رہا تھا۔ وہ ڈوبتا جا رہا تھا۔ ٹھنڈے پانی سے یخ برف بنتا جا رہا تھا۔ سفید پڑ رہا تھا مگر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال

14

ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آب دار تھا۔

وہ رات قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔ آسمان تاریک ہو چکا تھا' اور تاروں کا جہاں ماحولیاتی آلودگی کی گہری تہہ کی وجہ سے شہر کی سڑکوں سے نظر نہیں آتا تھا۔ ایسے میں ہارون عبید کی رہائشگاہ پہ وہ دونوں خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ہارون عبید گاہے بگاہے اس پہ نظر ڈال لیتے جو کھانے کے ساتھ بار بار اپنے موبائل کی اسکرین کو دیکھتی تھی۔

ملازم کو جانے کا اشارہ کر کے ہارون اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''آبی....'' اس نے نہیں سنا۔ سرخ رومال سر پہ اوڑھے ان کی خوبصورت بیٹی رک کر موبائل اسکرین پہ انگلی پھیرنے لگ گئی تھی۔

''آبی۔'' دوبارہ پکارنے پہ وہ چونکی۔ موبائل بجھا کے ان کی طرف سنبھل کے متوجہ ہوئی۔ ''سنا ہے مسز کاردار اینٹی سوشل ہوتی جا رہی ہیں۔''

''مجھے نہیں خبر!'' اس نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔

''تو خبر رکھا کرو نا۔ مجھے وجہ جاننی ہے۔ تم یوں کرو' کل ہاشم سے ملنے چلی جاؤ۔ اس سے پوچھو کہ....''

''بابا۔'' وہ اکتا کر بولی تھی۔ ''اگر آپ کو مسز کاردار کی حالتِ زار میں اتنی دلچسپی ہے تو خود چلے جائیں یا اپنے کسی جاسوس کو بھیج دیں۔ مجھ سے یہ کام نہ کروایا کریں۔''

''بیٹا تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ہاشم سے کہنا ہے تم اس کے پرپوزل پہ غور کر رہی ہو' لیکن تمہاری کچھ شرائط ہیں۔''

آبی نے چونک کے ان کو دیکھا۔ ''کیسی شرائط؟''

''کچھ پیپرز ہیں' تم نے ان پہ ہاشم کے دستخط لینے ہیں لیکن ایسے کہ اسے یقین ہو جائے کہ تم اس کے ساتھ مخلص ہو اور.....''

آبدار نے زور سے کانٹا پلیٹ میں پٹخا' اور موبائل اٹھا کے کرسی دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ غصے اور توہین سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ان کو دیکھ کے وہ بس افسوس سے اتنا بولی تھی۔ ''میں آپ کی بیٹی ہوں یا کٹھ پتلی' آپ ایک دفعہ بتا کیوں نہیں دیتے؟ اور میں مزید آپ کے ہاتھوں استعمال نہیں ہوں گی۔ مجھے ہاشم سے نہ شادی کرنی ہے نہ اسے کوئی امید دلانی ہے۔ آئندہ میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' برہمی سے بولتی وہ نیپکین پرے پھینکتی ساتھ سے نکل کے باہر چلی گئی۔ ہارون اثر لیے بنا اسی طرح سکون سے لقمہ چباتے رہے۔ ان کا ذہن اب اگلا لائحہ عمل سوچ رہا تھا۔

جس وقت وہ کمرے کی طرف جا رہی تھی' اس کا موبائل تھرتھرانے لگا تھا۔ اس نے رک کر اسکرین دیکھی تو چہرے پہ ہیجان سا نمودار ہوا' پھر ہچکچاتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

''ہاشم!'' آج پورے نام سے پکارا۔

''ریڈ....'' وہ جیسے زخمی سا مسکرایا تھا۔ ''مل سکتی ہو؟''

"کیوں؟ خیریت؟"

"مل کے بتاؤں گا۔" انداز میں عجیب سی دھونس تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ احتجاج کرتی' وہ لائن کاٹ چکا تھا۔ وہ متذبذب سی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلتی ہے اب تو سانس بھی اس احتیاط سے

جیسے گزر رہی ہو کسی پل صراط سے

مور چال پہ رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔ زمر کے کمرے میں آؤ تو وہ صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی اپنے موبائل پہ لگی تھی۔ فارس دوسرے کنارے پہ بیٹھا اپنے فون پہ لگا تھا۔ مصروف سی خاموشی کمرے میں حائل تھی۔ تبھی دروازہ زور سے بجا تو وہ دونوں چونکے۔ زمر تیزی سے اٹھی اور دروازہ کھولا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا' ہانپتا کانپتا جیسے بھاگ کے آیا ہو۔

"فوٹیج تھی۔ نوشیرواں کی فوٹیج۔"

"سعدی آرام سے۔ بیٹھو' پانی پیو۔" وہ اسے کہنی سے تھامے اندر لائی جس کا چہرہ اور بال پسینے سے تر تھے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" فارس اسے یوں آتے دیکھ کے حیرت سے اٹھا۔

"نوشیرواں کی فوٹیج ایئرپورٹ سیکیورٹی فورس کے پاس تھی جس میں وہ 22 مئی کی صبح دبئی کے لئے بورڈنگ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔" وہ بے چین سا صوفے کے کنارے بیٹھا۔

"ایسی کوئی فوٹیج نہیں ہے' ہم نے سب پتہ کروایا تھا۔"

"فارس ٹھیک کہہ رہا ہے' ایسی کوئی فوٹیج نہیں ہے' ہوتی تو ہمیں مل جاتی۔"

"ائیرپورٹ پہ ملازم ایک خاتون سے بات ہوئی ہے میری۔ ان کا کہنا ہے کہ فوٹیج آپریٹر نے منادی تھی جب ٹرائل شروع ہوا تھا...." وہ پھولی سانس کے دوران سب کچھ کہتا گیا۔

"مطلب تم پی ایم ڈی سی والے کلرک کے پیچھے نہیں گئے۔" فارس نے اسے برہمی سے دیکھا تو جواباً سعدی نے صرف سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ "کتنا اچھا ہو کہ آپ اس بات پہ فوکس کریں کہ اب ہمیں وہ فوٹیج کیسے نکلوانی ہے۔"

"چوری کروا سکتا ہوں میں' مگر پھر...." زمر کو دیکھا تو اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

"چوری کی فوٹیج کورٹ میں قابل قبول نہیں ہو گی فارس۔ صرف وہی فوٹیج قابل قبول ہو گی جو ائیرپورٹ سیکیورٹی فورس خود ہمارے حوالے کرے۔ قانونی طور پہ۔ اور اگر وہ ڈیلیٹ کر چکا ہے تو نہیں ملے گی۔"

"تو اس آپریٹر کو گواہ کے طور پہ بلائیں۔" سعدی نے بے چینی سے بات کاٹی۔

"وہ تو ہو جائے گا' اور عدالت کہے گی اگلی پیشی پہ آپریٹر کو حاضر کرو۔ مگر ہاشم کو چند دن مل جائیں گے اور وہ گواہ کو غائب کرا دے گا یا

خاموش کرا دے گا۔"

فارس ہلکا سا کھنکھارا۔ "جس شخص نے ہاشم کے پیسے کھا کے فوٹیج مٹائی ہے وہ ہمارے حق میں گواہی دے گا ہی کیوں؟"

"تو اب ہم کیا کریں؟" وہ ان دونوں سے پوچھ رہی تھی اور دونوں جواباً اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا،

میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر۔

"قتل سے پانچ دن قبل۔"

وہ صبح بارش سے نہائی ہوئی تھی۔ قصرِ کاردار کا سارا سبزہ اپنی میل کچیل سے پاک نکھرا اور دھلا دھلایا لگ رہا تھا۔ لاؤنج میں ملازم معمول کی صفائی کر رہے تھے۔ فیونا جواہرات کے کمرے کے باہر کھڑی حکم چلا رہی تھی۔ اب وہ میری سے نہ الجھتی تھی، نہ برے موڈ میں رہتی تھی۔ بس مسکراتی رہتی تھی۔

جواہرات اپنے کمرے میں سست سی آرام دہ کرسی پہ بیٹھی اپنا فون دیکھ رہی تھی۔ بال کیچر میں باندھ رکھے تھے اور چہرے پہ بے زاری تھی۔ دفعتاً دروازہ کھٹکھٹا کر فیونا نے اندر جھانکا۔ جواہرات نے اکتائی ہوئی نظر اٹھائی۔

"میری اجازت کا انتظار کیا کرو۔"

"سوری مسز کاردار، مگر مسز رفیع کا ملازم آیا ہے، آپ کا ڈریس لے کر۔ وہ آپ ہی کا ڈریس ہے نا؟" احتیاطاً پوچھا۔ جواہرات چونکی پھر اثبات میں سر ہلایا۔ "اسے اندر بھیجو۔"

"گارڈز اس کو چیک کر لیں، پھر بھیجتے ہیں۔" ایک مسکراہٹ کے ساتھ فیونا غائب ہو گئی۔ وہ صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔

چند لمحے بعد مسز رفیع کا ملازم ایک کھلا ہوا پیکٹ اس کے سامنے میز پہ رکھ رہا تھا۔ (پیکٹ گارڈز نے کھول کے چیک کیا تھا۔) البتہ اس وقت کمرے میں صرف فیونا تھی۔ ایسے میں جب مسز رفیع کے ملازم نے جھک کے پیکٹ میز پہ رکھا تو جواہرات نے دیکھا اس نے پیکٹ تلے بھی کوئی شے رکھ دی تھی۔ ایک گہری نظر اس پہ ڈال کے وہ سیدھا ہوا اور ادب سے باہر نکل گیا۔

فیونا کے جاتے ہی جواہرات نے کمرے کا دروازہ مقفل کیا اور پیکٹ ہٹایا۔ نیچے چھوٹا سا سیاہ پیکٹ رکھا تھا۔ اس نے وہ جلدی جلدی کھولا۔ اندر ایک موبائل تھا۔ اس نے اسکرین آن کی۔ اسی پل کال آنے لگی۔

"ہم.... یہ کیا طریقہ تھا موبائل بھیجنے کا؟ اگر گارڈز چیک کر لیتے تو؟"

"تو میرا آدمی کہتا کہ یہ اس کا موبائل ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ کم از کم آپ سے رابطے کا کوئی ذریعہ تو ملا۔" وہ دوسری طرف اطمینان کی

سانس بھر کے بولا تھا۔

''خیر.... یہ صحیح کیا تم نے۔ میں تو بالکل قید ہو کر رہ گئی ہوں۔'' وہ واپس ہیر پیار کے صوفے پہ بیٹھی اور تلخی سے فون میں بولے گئی۔ ''میری ہر حرکت پہ نظر ہے ان دو ٹکے کے ملازموں کی۔''

''کیا کوئی ایک بھی ملازم آپ کا وفادار نہیں ہے۔''

''تم ہی ہو۔ باقی یہاں تو سب یوں لگتا ہے مجھ سے کوئی پرانا انتقام لے رہے ہیں۔ خیر' تم بتاؤ' میرے کام کا کیا بنا۔''

''ابھی تک نہیں ہو پایا۔'' احمر مایوسی سے کہہ رہا تھا۔ ''مگر آپ بے فکر رہیں میں جلد کر دوں گا۔'' جواہرات چونکی۔

''ابھی تک ہو جانا چاہیے تھا۔ کہیں تم میری ساری رقم لے کر فرار ہونے کا تو نہیں سوچ رہے۔''

''توبہ کریں مسز کاردار۔'' وہ برا مان کے بولا تھا۔ ''میں آپ کا وفادار ہوں۔ آپ نے مجھے نوکری دی' مجھے عزت دی' میرے لئے ایک مضبوط اور پُرعزم mentor کا کردار ادا کیا' مجھے اتنا کچھ سکھایا' اور آپ کو لگتا ہے کہ میں اتنا احسان فراموش' گھٹیا اور کمینہ ہوں کہ آپ کی دولت اور زیورات لے کر بھاگ جاؤں گا؟'' وہ اب افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھ پہ اعتبار کیا ہے تو پورا کریں۔ مجھے وقت دیں اور بے فکر ہو جائیں۔ آپ کی ساری چیزیں بحفاظت آپ تک پہنچ جائیں گی۔ وہ آپ کی امانت ہیں' اور ان کو آپ تک پہنچانے کے لئے مجھے اپنی جان بھی دینی پڑی تو دے دوں گا' مگر اپنی کمٹمنٹ نہیں توڑوں گا۔'' آخر میں وہ جذباتی ہو گیا تھا۔ جواہرات کے ماتھے کی سلوٹیں ڈھیلی ہوتی گئیں۔ وہ نرمی سے مسکرائی۔

''مجھے تم پہ فخر ہے احمر' کیونکہ تم میرا انتخاب تھے۔ اگر قسمت مجھے مہلت دیتی تو میں آنے والے برسوں میں تمہیں تراشتی' تمہیں سکھاتی اور تمہیں ایک بہترین سکیورٹی آفیسر بنا دیتی۔ خیر ایک دفعہ یہ ٹرائل گزر جائے تو میں تمہیں واپس لے آؤں گی۔''

اور اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں بیٹھا احمر سر ہلاتا ہوا سن رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے فون کان پہ لگا رکھا تھا' اور دوسرے سے وہ میز پہ رکھے زیورات اٹھا اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔ پلیٹینم اور ہیروں سے جڑے زیورات کی چمک اس کی آنکھیں خیرہ کر رہی تھی۔

''آپ بے فکر رہیں۔ میں بہت جلد آپ کے زیورات اور نقدی لے آؤں گا' اور آپ کی امانت آپ کے حوالے کر کے سرخرو ہو جاؤں گا۔'' فون بند کر کے وہ ایک دفعہ پھر سے ان کو ستائش سے دیکھنے لگا۔ پھر احتیاط سے میز پر رکھے سیاہ بیگ میں بھرنے لگا۔ بیگ میں پہلے سے چند نوٹوں کی گڈیاں' چیک بکس' ٹریولر چیکس رکھے دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان کے اوپر وہ پلاسٹک میں سیل کر کے زیور ڈال رہا تھا۔

تبھی گھنٹی بجی۔ وہ چونکا' پھر تیزی سے بیگ میں سارا سامان بھرنے لگا۔ دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ احمر کے ہاتھوں کی رفتار میں مزید تیزی آ گئی۔ پھر لاک کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے بیگ کی زپ بند کر کے جلدی سے اسے صوفے تلے دھکیلا اور فق چہرہ اٹھایا تو.... سامنے دروازہ کھول کے فارس اندر آ رہا تھا۔ احمر کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔

''تم....'' پھر غصہ آنے لگا۔ ''کسی مہذب آدمی کے گھر اس طرح تالہ توڑ کے داخل نہیں ہوتے۔ کوئی شرم ہوتی ہے' کوئی حیا ہوتی ہے' مگر

تمہیں کیا پتہ وہ کیا ہوتی ہے۔"

فارس حسبِ معمول ماتھے پہ بل لئے' گرے شرٹ میں ملبوس' آستین ذرا چڑھائے چلا آرہا تھا۔ اس کے سامنے آ کر رکا اور سنہری آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

"رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟" پھر اندرونی کمرے کے دروازے کو دیکھا۔ "اندر کوئی ہے؟"

"نہیں یار۔ آؤ بیٹھو۔" اس نے جلا کے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ خود دانستہ کھڑا رہا۔ جس صوفے کے آگے کھڑا تھا اسی کے نیچے سیاہ بیگ رکھا تھا۔

"اتنی صبح صبح کون سی آفت آن پڑی تھی؟" برے موڈ سے وہ کہتے اب خود بھی بیٹھا کیونکہ فارس سامنے بیٹھ چکا تھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی تھی۔

"پی ایم ڈی سی کے ریکارڈ access کرنے ہیں' ایئر پورٹ پہ ایک گواہ ڈھونڈنا ہے' رات سے میسج کر رہا ہوں تمہیں۔ کہاں ہو تم؟" فارس خفگی سے کہتا بار بار مشکوک انداز میں اس کو سر سے پیر تک دیکھتا تھا۔

"میں نے سعدی کو موقع دیا تھا۔ اس نے نہیں فائدہ اٹھایا۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ ہاتھ مسلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ فارس کچھ لمحے سوچتا رہا' پھر ایک دم جھک کے نیچے سے کچھ اٹھایا اور اوپر لایا۔ احمر کا سانس رک گیا۔ وہ ایک سبز پاسپورٹ تھا۔

"تم کہیں جا رہے ہو' سلطان بخش؟" پاسپورٹ کھولتے ہوئے اس نے نام پڑھا' پھر ابرو سے احمر کے صوفے تلے جھلکتے بیگ کی طرف اشارہ کیا' جو اسے جانے کیسے نظر آ گیا تھا۔ احمر نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ "شہر سے باہر جا رہا ہوں' کچھ دن کے لئے۔"

"تو پاسپورٹ کس لئے؟"

"تم میری ماں ہو؟"

فارس نے پاسپورٹ میز پہ ڈال دیا اور سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو احمر شفیع کی شناخت کا یہ اختتام تھا؟ تم کوئی لمبا ہاتھ مار کے بھاگ رہے ہو' ہے نا؟" پھر وہ مسکرایا۔ "اس بیگ میں ہوگا کسی کا لوٹا ہوا مال' ہے نا؟"

"دیکھو میں تم لوگوں کی جتنی مدد کر سکتا تھا میں نے کی۔ لیکن اب مزید یہاں ٹھہرنا میرے مفاد میں نہیں ہے۔ مجھے اپنا بھی سوچنا ہوگا اور...."

"اچھنی ہم جس دن دوست بنے تھے میں جانتا تھا کہ تم ایک پیدائشی فراڈ ہو اور میں نے تمہیں تمہاری ان کوالٹیز کے ساتھ قبول کیا تھا اس لئے میرا خیال ہے تم درست فیصلہ کر رہے ہو۔" وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔ نہ کوئی ناراضی' نہ کوئی شکوہ۔ احمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"تم نے اس شہر میں جتنے لوگوں کو مسز کاردار کی وجہ سے خفا کر لیا ہے' اس لحاظ سے تو تمہیں بہت پہلے یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔"

"سوری میں مزید تم لوگوں کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔" وہ ہلکے سے افسوس سے بولا۔ فارس اداسی سے مسکرایا۔

''آوری تم انتہائی گھٹیا ہو' مگر دوست اچھے ہو۔ جاؤ معاف کیا۔'' اور وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تم سے پہلے جو شخص یہاں تخت نشیں تھا

اس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی یقیں تھا۔

فوڈلی ایور آفٹر کی چھت کے عین اوپر آسمانوں پہ سورج سنہرے انگارے کی مانند دہک رہا تھا۔ بارش کے پانی کو اس نے سکھا دیا تھا۔ بالائی منزل کے خالی ہال کے کونے میں زمر اپنی کرسی پہ بیٹھی ایک فائل کے مطالعے میں مصروف تھی۔ سامنے میز کے ساتھ لینڈ لائن کا ریسیور اٹھائے کھڑا جنید دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مس حلیمہ سیل نہیں اٹھا رہیں۔''

''گھر پہ فون کیا؟'' زمر سر جھکائے فائل پہ کچھ لکھتے ہوئے بولی۔

''جی۔ انہوں نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ آفس فون کیا تو میری آواز سے آپ کا نام سن کے رکھ دیا۔ اب سیل ٹرائی کر رہا ہوں۔''

''اور جو خط میں نے اسے بھیجا تھا اس کی وصولی کی رسید آ گئی؟''

''جی۔ آپ کی دراز میں رکھ دی تھی۔'' جنید فون رکھ کے بتانے لگا۔

''تھینک یو جنید۔'' پھر اس نے سر جھکائے کام کرتے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ ''اس سے ٹرائی کریں۔''

جنید اب موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ جیسے ہی دوسری طرف سے ہیلو سنائی دیا اس نے جلدی سے فون زمر کی طرف بڑھایا۔ زمر نے اسی مصروف انداز میں اسے کان سے لگایا۔

''حلیمہ میں زمر یوسف بات کر رہی ہوں' آپ چند لمحے کے لئے میری بات سن لیں گی؟'' اب وہ بولتے ہوئے کاغذ پہ لکیر لگا رہی تھی۔

''میں آپ کے اسسٹنٹ کو بتا چکی ہوں کہ مجھے آپ لوگوں سے بات نہیں کرنی' میں اپنا بیان صرف عدالت میں دوں گی۔''

''حلیمہ مجھے آپ کو ڈرانا دھمکانا نہیں ہے' نہ ہی آپ کو اپنا بیان بدلنے پہ مجبور کرنا ہے' مجھے صرف آپ سے 21 مئی کی دوپہر کے متعلق چند سوالات پوچھنے ہیں' تاکہ میں کیس کو زیادہ اچھے سے سمجھ سکوں۔ کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہیں۔''

''نہیں' مجھے کوئی بات نہیں کرنی' آپ قانوناً مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔'' وہ درشتی سے بولی اور فون رکھ دیا۔ زمر نے اسی مصروف انداز میں موبائل رکھ دیا اور اپنا کام کرنے لگی جیسے اس سے زیادہ اسے اس معاملے میں دلچسپی نہ ہو۔

چند میل دور واقع اس بلند عمارت کے ٹاپ فلور کے کارنر آفس میں حلیمہ ہاشم کے سامنے بیٹھی تھی اور جھرجھری لے کر اپنا موبائل میز پہ رکھ رہی تھی۔ اور ہاشم مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

کونے میں ایک اونچی میز پہ وہ بڑا سا ایکویریم مصنوعی روشنیوں میں چمکتا دمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ خوبصورت رنگ برنگی مچھلیاں اندر تیر

رہی تھی۔ کھیل رہی تھیں۔ ڈبکیاں لے رہی تھیں۔

''اب، سر؟''

''اب کچھ بھی نہیں۔ اس سے تم نے بات نہیں کرنی اور اپنی تیاری مکمل رکھنی ہے۔ اب جو کہنا ہے عدالت میں کہنا ہے۔'' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا تھا' اور کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ لٹکا رکھا تھا۔ بنے ہوئے بال' خوشبو میں بسا وجود' وہ مکمل ترو تازہ اور ہشاش بشاش دکھ رہا تھا۔ شیرو کی پریس کانفرنس سے ہونے والے مالی نقصان کا شائبہ تک چہرے پہ نہیں تھا۔

''تیاری تو آپ نے مجھے کروا دی ہے۔ 21 مئی کو سعدی یوسف ادھر نہیں آیا تھا' اور اس سے پہلے جو میں نے اس کو کالز کی تھیں' وہ بھی ذاتی وجہ سے کی تھیں۔'' وہ پُر اعتماد تھی۔

''میں نے تمہیں Examination in Chief کی مشق کروائی ہے۔ اس کے بعد cross (جرح) ہوگی۔ وہ کراس کے ذریعے تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرے گی۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''اور میں کیا کروں گی پھر سر؟''

''بے وقوف وکیل وہ ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کراس کے دوران ان کا گواہ مخالف وکیل کو ہرا دے' اور اسے خود کو جھوٹا ثابت کرنے ہی نہ دے' مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ہرانے والی باتیں ڈائریکٹ ایگزامینیشن میں کہنی ہوتی ہیں۔ کراس میں صرف سروائیو کرنا ہوتا ہے۔ دفاع کرنا ہوتا ہے۔ کم سے کم نقصان کرنا ہوتا ہے اپنا۔''

''اور میں اس کے سوالوں کا مقابلہ کیسے کروں گی؟'' اس کی آواز میں فکر مندی در آئی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''اور اچھا وکیل وہ ہوتا ہے جو اپنا کیس تو تیار کرے مگر ساتھ میں مخالف کا کیس بھی تیار کرے۔ کبھی کبھی میں اپنے مخالف کے لئے جتنے اچھے دلائل اور نقطے ڈھونڈ کر لکھتا ہوں' کورٹ روم میں وہ اتنے اچھے نقطے پیش نہیں کرتے۔ خیر' اب میں زمر کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات بتاتا ہوں تمہیں۔'' وہ اب میز کے کونے پہ آ بیٹھا تھا اور سامنے بیٹھی توجہ سے سنتی حلیمہ سے کہہ رہا تھا۔

''مس حلیمہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ نے اس تاریخ کو اس وقت سعدی یوسف کو کال کی تھی؟

کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ پچھلے کئی سال سے اس فرم میں ملازمت کر رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے مالک کا ساتھ دیتی آئی ہیں' اور اب بھی اس کے لئے جھوٹ بول رہی ہیں۔ ایسے سوالات پہ میں اعتراض کروں گا' تو وہ ٹون بدل کے یہی سوال مختلف انداز میں پوچھے گی۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ نے ہاشم کاردار کی کمپنی سے قرضہ لے رکھا ہے جو قسطوں میں ادا کرنا ہے۔ اور آپ ان کے احسان تلے دبی ہوئی ہیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ رات دیر تک آفس میں کام کرتی ہیں اور آپ کی اپنے باس سے کافی فرینک نیس ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ کے اپنے باس سے تعلقات ہیں؟''

''کیا وہ اس طرح کا الزام بھی لگا سکتی ہیں؟'' اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''عدالت میں بھی کچھ ہوتا ہے۔ اسے تمہیں جھوٹا ثابت کرنا ہے' اس لئے وہ سخت سے سخت زبان استعمال کرے گی' تلخ انداز اپنائے گی' تیز تیز سوالوں کی بوچھاڑ کر کے تمہیں کنفیوژ کر دے گی۔ اس لئے اب میں تمہیں ان سوالوں کے جوابات کی مشق کروانے لگا ہوں۔ او کے!''

وہ اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

''شیور سر!'' حلیمہ ذرا ٹھہری پھر آنکھیں اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''سر' ایک بات پوچھوں؟''

''یہی کہ میں نے اور شیرو نے یہ سب واقعی کیا ہے یا نہیں؟''

حلیمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں' میں نے یہ کیا ہے' اور مجھے دس بار موقع ملے تو میں دس بار یہ کروں گا۔ اب ہم ریہرسل کریں؟''

حلیمہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ جھٹ اثبات میں سر ہلا کے ''یس سر!'' بولی تھی۔ وہ اب کاغذ اٹھا کے سوالات پھر سے دہرانے لگا تھا۔ چہرہ سپاٹ اور مطمئن تھا۔

واپس فوڈلی ایور آفٹر کی بالائی منزل پہ آؤ تو زمر اسی انداز میں بیٹھی نوٹ پیڈ پہ سوالات لکھے جا رہی تھی۔ سامنے کھڑے جنید نے بے چینی سے پوچھا۔ ''ان کی سیکرٹری تو ملنے پہ راضی ہی نہیں ہوئی اب آپ اس کا بیان اپنے حق میں کیسے کروائیں گی؟''

''مجھے جرح کے دوران گواہ کو سوالات سے مار دینے کا فن آتا ہے' جنید' آپ اپنا کام کیجئے۔'' وہ اب بھی سر جھکائے لکھے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ذرا سی دیر کا ہے یہ عروج مال و منال

ابھی سے ذہن میں سب زاویئے زوال کے رکھ۔

''قتل سے تین دن قبل۔''

قصرِ کاردار کا سبزہ زار اس شام برقی قمقموں اور روشنیوں سے منور تھا۔ اونچے درختوں کے گرد روشنیاں لپیٹ کر ان کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ مرکزی اسٹیج پہ فنڈ ریزنگ تقریب کے بعد اب گلوکار اپنے ساتھیوں سمیت نیچے بیٹھا غزل گا رہا تھا۔ ایسے میں جواہرات یہاں سے وہاں ٹہلتی' مسکرا مسکرا کے مہمانوں سے چند پل ٹھہر کے گپ شپ کر رہی تھی۔ سیاہ جھلملاتی ساڑھی اور نگینوں سے مزین وہ بے حد تر و تازہ اور خوبصورت دکھ رہی تھی۔ اور اس اچھے موڈ کو برقرار رکھنے کے لئے وہ قریب ٹہلتے دونوں گارڈز کو دیکھنے سے خود کو باز رکھے ہوئے تھی۔

محفلِ موسیقی ابھی جاری و ساری تھی جب جواہرات برآمدے کے زینے عبور کر کے اندر جاتی دکھائی دی۔ جیسے کوئی بھولی چیز اٹھانے جا رہی ہو۔

لاؤنج کا دروازہ کھول کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھٹک گئی۔ وہاں چند ہی لوگ تھے جو یا تو موبائل پہ' لگے صوفوں پہ نیم دراز تھے' یا ٹی وی

دیکھ رہے تھے' مگر دیوار کے سامنے کھڑی عورت کو دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ قدم ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے اس کو نہیں بلایا تھا تو پھر....؟

وہ سفید چادر سر پہ جمائے' اس کی طرف پشت کیے کھڑی دیوار پہ نصب فوٹو فریمز دیکھ رہی تھی۔ فریمز ڈیجیٹل تھے' ان کے اندر تصاویر ہیری پوٹر کی دنیا کی طرح چل پھر رہی تھیں۔ چند چند سیکنڈز کے ویڈیو کلپس اور پھر سلائیڈ شو۔ دس منٹ کھڑے ہو کر دیکھو تو ہاشم اور شیرو کی ساری زندگی کی تصویری کہانی سامنے آ جاتی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ بھی وہی دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ پلٹی۔ گوری رنگت اور گہری آنکھیں۔ مسکرا کے جواہرات کو دیکھا۔

جواہرات سست روی سے قریب آئی۔

''خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔ اگر آنا چاہتی تھیں تو مجھے کہلوا دیتیں۔ میں دعوت نامہ بھجوا دیتی۔'' بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہتی وہ اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ چادر والی عورت ذرا سا مسکرائی۔

''لوگ اب مجھے خوشی سے دعوتوں میں نہیں بلاتے جواہرات۔ جب سے تمہارے اس پالتو نے میری زندگی کی جھوٹی کہانیاں زبان زد عام کی ہیں' لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔''

''میں سمجھی نہیں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' جواہرات حیرت سے بولی تھی۔

''تمہیں نہیں پتہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کے اس اسکینڈل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

عورت نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی' پھر ٹھنڈی سانس بھر کے مڑ گئی۔ اور گردن ذرا اٹھا کے اوپر تک پھیلے فوٹو فریمز کو دیکھنے لگی۔

''تمہارے دونوں بیٹے کتنے خوبصورت ہیں ماشاءاللہ۔ ایک دنیا تم پر رشک کرتی تھی' حسد کرتی تھی' مگر پھر اسی دنیا نے دیکھا کہ تمہارے بیٹے نے تمہیں کاروبار سے بے دخل کر دیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ تململا کر بولی۔ مگر عورت بولے جا رہی تھی۔ ''اور جب عدالت میں ایک چھوٹی سی لڑکی تمہاری عزت کا تماشہ بنا کے چلی گئی تو مائیک تمہارے چہرے کے آگے کرتے رپورٹرز کے سامنے تمہارا کوئی بیٹا ڈھال بن کے نہیں آیا۔''

''بہت ہو گیا' آپ یہاں سے جا سکتی ہیں۔'' وہ دبا دبا سا غرائی تھی۔

''ٹھہرنے آئی بھی نہیں تھی میں۔'' وہ اب پوری اس طرف گھومی اور جواہرات کی سلگتی آنکھوں میں جھانکا۔ ''صرف یہ بتانے آئی تھی کہ مجھے اسی وقت کا انتظار تھا۔ کبھی لگتا تھا اس کو آنے میں برسوں لگیں گے' مگر یو سفز کا شکریہ' یہ تو جلد آ گیا۔''

''گیٹ آؤٹ!'' وہ لال بھبھوکا چہرہ لئے دروازے کی طرف بازو لمبا کر کے بولی۔

"جواہرات!" سفید چادر والی عورت دو قدم قریب آئی اور تاسف سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "آج کل تمہاری تباہی میں سب اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ تمہارے بیٹے' یوسف' ہارون عبید' سب سیر ہو کر اپنا حصہ ڈال لیں' تب بھی میرا حصہ پورا نہیں ہو گا۔ تمہاری آنکھوں میں دیکھ کے بس اتنا کہنا تھا کہ آخری حصہ میں ڈالوں گی' اور تم اسے یاد رکھو گی۔" پھر وہ اس کے ساتھ سے نکل کے چلی گئی اور جواہرات غصے اور بے بسی سے کانپتی کھڑی رہ گئی۔ باہر سے اونچے سروں میں بجتی موسیقی کی آوازیں ہنوز سنائی دے رہی تھیں۔

لاؤنج کے مہمانوں کو یہیں چھوڑ کے بغلی راہداری میں آگے آؤ تو سامنے زینے تھے جو نیچے جاتے تھے۔ ان کو پھلانگ کر اترتے جاؤ تو آگے ایک طویل راہداری تھی۔ دونوں اطراف میں کھلے دروازے تھے جو ملازموں کے کمروں میں کھلتے تھے۔ مزید آگے آؤ تو آخر میں کچن تھا۔ قصر کی پشت پہ سبزہ زار نشیب میں تھا اس لئے گو کہ کچن بیسمنٹ میں بنا لگتا تھا' مگر اس کی پچھلی طرف سبزہ زار میں ہی کھلتی تھی۔

کچن کے کھلے دروازے سے اندر جھانکو تو وہاں ملازم غائب تھے۔ صرف دو نفوس موجود تھے۔ ایک ہاشم جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا تھا اور بلینڈر کے جگ میں کٹے ہوئے پھل کین سے نکال کے انڈیل رہا تھا۔ شرٹ کے آستین پیچھے کو موڑ رکھے تھے' اور کوٹ سامنے کرسی کی پشت پہ ڈال رکھا تھا۔ اور دوسری آبدار جو کاؤنٹر کے اس طرف اونچے اسٹول پہ بیٹھی اسے سکون سے دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی ڈر تھا نہ کوئی خوف۔ عادتاً وہ کان میں لٹکتے آویزے کو دو انگلیوں سے مسل بھی رہی تھی۔ آویزے سبز تھے اس کے لباس اور آنکھوں کی طرح' اور سرخ رومال ماتھے سے اوپر بندھا تھا۔ نظریں ہاشم کی پشت پہ جمی تھیں۔

"میں چاہتا تھا ہم ڈنر کریں' مگر تم اسی پارٹی میں ڈنر ایڈجسٹ کرنا چاہتی ہو تو میں یہی کر سکتا ہوں۔" وہ اب بلینڈر کا ڈھکن بند کر کے اس پہ ہاتھ رکھے' بٹن آن کر رہا تھا۔ یکدم مزدوں کی آواز آئی تو آبدار کچھ کہتے کہتے رکی۔ پھر بلینڈر رکا تو وہ بولی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا گریم ریپر اتنا ماہر بارٹینڈر بھی ہے۔"

ہاشم دھیرے سے ہنسا۔ زخمی سی ہنسی۔ سر جھکائے وہ ابھی تک بلینڈر کے ساتھ لگا تھا۔

"زیادہ نہیں' مگر تھوڑا بہت آتا ہے۔ اب تو لگتا ہے کہ جو سیکھا تھا' وہ بھی بھول گیا۔" آواز میں آنچ تھی۔

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" آبی کی آواز ذرا مدھم ہوئی۔ نظریں سامنے کھڑے ہاشم پہ جمی تھیں۔ وہ چونکی تھی مگر خوفزدہ نہیں تھی۔

"جب میں چھوٹا تھا تو مجھے ایک بری عادت پڑ گئی تھی۔" وہ اب اوپر بنے اسٹینڈ میں الٹے لٹکتے گلاس نکال کے کاؤنٹر پہ رکھ رہا تھا۔ نظریں آبی کی بجائے اپنے کام پہ تھیں۔ "مجھے جب کوئی کھلونا پسند آتا' کوئی کتاب اچھی لگتی' میں اسے لینے کی ضد کرتا' روتا جھگڑتا' بس کسی طرح وہ مجھے مل جائے۔ ڈیڈ کو یہ بات سخت ناپسند تھی۔ کچھ عرصہ انہوں نے برداشت کیا' پھر ایک دن انہوں نے مجھ سے میری ساری جمع کی ہوئی کوائن کولیکشن لے لی۔" اب وہ گردن جھکائے جگ سے گلاسوں میں رس انڈیل رہا تھا۔ "اور انہوں نے کہا کہ محبوب شے کو چھین کر لینے یا چرانے سے چیز تو مل جائے گی' مگر محبت ختم ہو جائے گی۔ جن سے محبت ہوتی ہے ان کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ ان کو earn کیا جاتا ہے۔ انہوں نے وہ البم کہیں چھپا دیا تھا' مجھے چند پہیلیاں بتائیں' یاد نہیں کیا تھیں' مگر میں نے پھر اس کو خود ڈھونڈا' شاید کسی دوست کو دے آئے

تھے میں نے اس آدمی کو کنوینس کیا کہ وہ مجھے وہ البم دے دے۔ شائستگی سے' نرمی سے' ڈیل سے۔ اور وہ مجھے مل گئی۔ شیرو میں ڈیڈ بھی یہ عادت نہیں ڈال سکے۔ مجھ سے کبھی نکال نہیں سکے۔ اب مجھے فتح کو محنت کر کے حاصل کرنا اچھا لگتا ہے ریڈ' یہی وجہ ہے کہ چاہوں تو سعدی یوسف کے سارے خاندان کو ایک بم بلاسٹ میں ختم کر دوں مگر نہیں' مجھے اپنے بھائی اور اپنے خاندان کے حق میں فیصلہ "حاصل" نہیں کرنا' بلکہ "جیت" کے آنا ہے۔"

آبدار کے چہرے کے کئی رنگ بدلے' بالی کو مسلتے ہاتھ میں تیزی آ گئی۔ وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "میرے اور تمہارے راستے الگ ہیں۔"

"اونہوں۔ ابھی نہیں۔" اس نے ایک گلاس آبی کے سامنے رکھا' اور دوسرا اپنے سامنے۔ پھر بیٹھا نہیں۔ ہتھیلیاں کاؤنٹر پہ رکھے وہ اسے نرم سے زخمی پن سے دیکھے گیا۔ "ابھی تمہارے پاس چند دن ہیں۔ اس کے بعد تم جو بھی فیصلہ کرو گی' مجھے قبول ہو گا۔"

"تم نے جو اس روز مجھے ٹیکسٹ بھیجے تھے' ان کا کیا مطلب تھا؟" اس نے جی کڑا کے پوچھا۔ ہاشم اسی طرح اس کی آنکھوں میں جھانکے گیا۔

"مطلب تو صاف ظاہر تھا۔ میں نے تمہاری اور فارس کی ایک تصویر دکھا کے پوچھا تھا کہ کیا یہ سچ ہے؟ تم نے جواب نہیں دیا تو میں نے دو تصویریں بھیج کر یہ بتایا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ وہ دو تصویریں زرتاشہ اور زمر کی تھیں۔"

"زمر کی کیوں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ (پرس میں رکھے اس کے فون کی اس چیٹ میں سے اس نے "کیا یہ سچ ہے" والا پیغام اور زرتاشہ اور زمر کی تصویر مٹا دی تھی' صرف "وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا" والا پیغام اور اپنی اور فارس کی تصویر رہنے دی تھی۔ اسی طرح اس نے وہ چیٹ فارس کو دکھائی تھی۔)

"تم جلد جان جاؤ گی' میں نے کہا نا' مجھے ایسے کھیل پسند ہیں۔ کیا تم نے فارس کو بتایا؟" گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے اس نے مسکرا کے پوچھا۔

"یہی کہ تم نے زمر کو دھمکی دی ہے؟ ہاں بتایا تھا۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر اپنے گلاس سے گھونٹ بھرنے لگی۔ دل زور سے دھڑکا۔

"گڈ۔" ہاشم مسکرایا۔ زخم زخم مسکراہٹ۔

"وہ مشہور ہو چکے ہیں' تم ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاشم!" وہ اسی بے نیازی سے بولی تھی۔

"میں ہمیشہ سے unpredictable رہا ہوں۔" اس نے شانے اچکائے اور گلاس اٹھا لیا۔

"مجھے کیوں بلایا ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

"یہ بتانے کے لئے کہ میں تمہیں حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ جیتنا چاہتا ہوں۔ اس کی اصلیت دکھانا چاہتا ہوں' اور...." ہتھیلیاں کاؤنٹر پہ رکھے اس کی طرف جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اور تمہاری اصلیت سے بھی واقف ہوں۔"

آبدار کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ ہاشم پہ جمی نظریں ساکت ہو گئیں۔ "تم نے میرے مقابلے میں فارس کا ساتھ دیا... سعدی کو زہریلی سرنج دی... اس کی فرار میں مدد کی... فارس کو اپنے ساتھ لے کر گئیں... تم نے ہر قدم پہ مجھ سے جھوٹ بولا اور میں ہر قدم پہ تم پہ اعتبار کرتا رہا۔"

آبدار کی گردن میں تھوک نگلنے سے گلٹی ابھر کے معدوم ہوتی دکھائی دی۔

"کیوں کیا تم نے یہ آبی؟" وہ دُکھ سے پوچھ رہا تھا۔ "اس کو مجھ سے اوپر کیوں رکھ دیا؟"

"میں... صرف ایڈونچر چاہ رہی تھی۔" وہ ذرا سا ہکلائی۔

"تو پھر اب میرا ایڈونچر بھی دیکھنا۔"

"مجھے نقصان... نقصان دو گے کیا؟"

"تمہیں؟ کبھی نہیں۔ مگر اسے کہنا کہ وہ... اپنے خاندان کی... عورتوں کی... حفاظت نہیں... کر سکتا!" چبا چبا کے ایک ایک لفظ ادا کیا، پھر سیدھا ہوا، کاؤنٹر کے پیچھے سے نکلا، کوٹ اٹھایا اور باہر چلا گیا۔ اس کا گلاس ان چھوا بھرا ہوا میز پہ رکھا رہ گیا۔

آبدار ابھی تک ٹھنڈے گلاس کو پکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ مشروب کی ٹھنڈک نے اس کی ہڈیوں کو اندر تک جما دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیرگی نے کماں سنبھالی ہے

چاند اور کہکشاں کدھر جائیں!

رات اس اپارٹمنٹ بلڈنگ پہ پر پھیلائے اس کے سارے بھید ڈھانکے ہوئے تھی۔ اپارٹمنٹ کے اندر نیم اندھیرا سا تھا۔ اوپن کچن کی بتی جل رہی تھی، یا پھر احمر کے کمرے کا نائٹ بلب۔ وہ بیڈ پہ لیٹا، موبائل دونوں ہاتھوں میں لئے ٹھک ٹھک ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ساتھ میں جمائی روکنے کو منہ پہ ہاتھ بھی رکھتا۔ یہ تو طے تھا کہ نیند تب آنی تھی جب بیٹری ختم ہو جاتی، سو وہ بنا کسی فکر کے لگا ہوا تھا۔

فیس بک پہ مختلف لوگوں کی زندگیوں میں جھانکتا وہ صفحہ نیچے کرتا جا رہا تھا جب باہر آہٹ سی محسوس ہوئی۔ پہلے وہ چونکا، پھر کسی خیال کے تحت گہری سانس بھری اور تیزی سے بستر سے نیچے اترا۔

"شریف لوگوں میں کوئی تمیز تہذیب ہوتی ہے فارس غازی۔ چاہے آپ کا بیسٹ فرینڈ بھی ہو تو اس کے گھر یوں بنا پوچھے نہیں داخل ہو جاتے۔" سلیپر پہنتے ہوئے وہ زور سے چلایا تھا۔ پھر دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔

"میرے گھر کے باہر گی گھنٹی شکل دیکھنے کے لئے نہیں لگی۔ اس پہ انگلی رکھ کے اسے بجایا جاتا ہے غازی۔ آخر کب سیکھیں گے آپ؟ کیا تیسری دفعہ جیل جانے کے بعد؟" غصے سے بولتا وہ لاؤنج میں آیا اور بتی جلائی۔

لاؤنج سنسان پڑا تھا۔ کچن کی بتی ہنوز جل رہی تھی۔ مرکزی دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ احمر قدرے چوکنا سا آگے آیا۔ احتیاط سے دروازہ

پورا کھولا۔ باہر لابی خالی تھی۔ سنسان۔ ویران۔ اسے نئے سرے سے غصہ آیا۔

''کیا تلاشی لینے آئے ہو غازی؟'' بےزاری سے زور سے دروازہ بند کر کے لاک کیا اور جیسے ہی واپس مڑا' کوئی نوکیلی سی شے اس کی گردن میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ لڑکھڑا کے پیچھے ہٹا۔ اثر تیز تھا۔ فوری تھا۔ بصارت دھندلاتی گئی مگر اتنا نظر آیا کہ سامنے دو بڑے کٹے آدمی کھڑے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں بریٹا پستول تھے۔ احمر پوری قوت لگا کے مڑا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ دو قدم بعد ہی اسے ٹھوکر لگی... اور وہ اوندھے منہ فرش پہ آن گرا... اُٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا جسم سُن ہوتا جا رہا تھا.... بصارت دھندلی ہو رہی تھی اور ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا......

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم کو ہر دور کی گردش نے سلامی دی ہے۔
ہم وہ پتھر تھے جو ہر دور میں بھاری نکلے۔

''قتل سے دو دن قبل۔''

پارکنگ ایریا عمارت کی بیسمنٹ میں بنا تھا اور دوپہر کے باوجود اندھیر پڑا تھا۔ گو کہ مدھم سفید بتیاں روشن تھیں مگر عجب ہولناک سی چھائی تھی۔ ایسے میں ایک ادھیڑ عمر آدمی سامنے سے چل کر آتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بوٹس کی دھمک سناٹے کو چیر رہی تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ قطار میں کھڑی گاڑیوں تک آیا' اور جیب سے چابی نکالتے ایک سفید کار کے قریب رکا۔

تبھی اس کے پیچھے آہٹ سی ہوئی۔ قدموں کی چاپ۔ جیسے کوئی کسی ستون کی اوٹ سے نکلا ہو۔ ریموٹ کا بٹن دبا کر کار کو ان لاک کرتے اس نے مڑ کے یونہی دیکھا تو ٹھہر گیا۔

ستون کے ساتھ کھڑا نوجوان جیبوں میں ہاتھ ڈالے فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مدھم اندھیرے' مدھم روشنی کے ملے جلے ماحول کے باعث ادھیڑ عمر آدمی نے آنکھیں سکوڑ کے دیکھا۔ وہ چہرہ شناسا لگتا تھا' مگر کون....؟

''جب میں ٹین ایج میں تھا تو میں نے ایک ریسرچ پڑھی تھی۔ اس کے مطابق بچہ اپنی پیدائش سے لے کر پہلے چھ ماہ تک بلیک اینڈ وائٹ دیکھتا ہے' اسے رنگ نظر نہیں آتے۔ بائی دا وے میں سعدی یوسف ہوں' اور آپ ائیر پورٹ سکیورٹی میں موجود وہ آپریٹر ہیں جن کو کل صبح عدالت سمن جاری کرے گی۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ....'' قصہ سناتے رک کے سینے پہ ہاتھ رکھے اس نے اپنا تعارف دیا' اور پھر بات جاری رکھی۔ ''چند سائنسدانوں کی ایک تحقیق کے مطابق انسان پہلے چھ ماہ تک بلیک اینڈ وائٹ دیکھتا ہے۔ لیکن اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو ہم ایک عمر تک بلیک اینڈ وائٹ ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ بچپن میں' اور پھر ٹین ایج میں ہر انسان بلیک یا وائٹ لگتا ہے' ہمیں۔ bad guys اور good guys۔ نیک لوگ۔ گناہ گار لوگ۔ ہم اگر کسی ایکٹر' اسکالر' یا سیاستدان سے محبت کرنے لگیں تو اس کو ایسا سفید مجسمہ بنا دیتے ہیں کہ اس میں خامی نظر نہیں آتی' اور جب خامی دیکھ لیں تو اسے دیکھنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن مسعود صاحب' جب ہم میں سے اکثر لوگ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

میری عمر کو پہنچتے ہیں تو جان پاتے ہیں کہ یہاں نہ کوئی سفید ہے' نہ سیاہ۔ سب سرمئی ہیں۔ کوئی گہرا سرمئی۔ کوئی ہلکا سرمئی۔ کوئی مٹیالہ' کوئی کم گدلا۔ مگر بے داغ کوئی نہیں ہے۔" مسعود ادھیڑ بن میں کھڑا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ چابی ہاتھ میں تھی اور نظریں اس پہ ٹکی تھیں۔ سعدی بولتے بولتے قریب آنے لگا۔ قدموں کی چاپ نے پھر سے خاموشی کو چیرا۔

"لوگ کہتے ہیں۔ ہماری choices ہمیں define کرتی ہیں۔ وہ انتخاب جو ہم کرتے ہیں' وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ ہم ہلکے سرمئی ہیں یا گہرے سرمئی' اس کا فیصلہ وہ کام کرتے ہیں جو ہم نے کیے ہوتے ہیں' مگر نہیں۔" وہ اب اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا تھا' اور نفی میں سر ہلا کے اس کی آنکھوں میں جھانک کے کہہ رہا تھا۔

"میں نے دو انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔ میرے مدِ مقابل جو شخص ہے' اس نے میرے خاندان کے دو انسانوں کو قتل کروایا ہے۔ یہ وہ انتخاب ہیں جو ہم دونوں نے کیے۔ کیا یہ ہمیں ڈیفائن کر سکتے ہیں؟ ہمیں ڈسکرائب کر سکتے ہیں؟" سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کے وہ بول رہا تھا۔ "نہیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے ہمارے اچھے یا برے ہونے کا تعین ہمارے چنے گئے راستے نہیں کرتے' بلکہ وہ راستے کرتے ہیں جو ہم نے نہیں چنے ہوتے۔ وہ فیصلے' وہ انتخاب کرتے ہیں جو ہم نے میسر ہونے کے باوجود نہیں لئے ہوتے۔ ہاشم کاردار نے دو انسانوں کو قتل کرنے کا "انتخاب" کیا' مگر اس کے پاس دوسرے راستے بھی تھے۔ نیب میں کیس لڑتا اور خود کو بری کروالیتا' یا پھر اگر فیصلہ اپنے خلاف آتا تو پلی بارگین کر لیتا۔ پیسے واپس کرتا' اور رہائی مل جاتی۔ یا پھر وارث غازی پہ چند الزامات لگوا کے اس کو جاب سے نکلوا دیتا۔ یا پھر دہشت گردوں کے خلاف وعدہ معاف گواہ بن جاتا اور اس کو فوج خود پروٹیکشن دیتی' یہ وہ راستے تھے جو اس نے نہیں چنے۔ اس نے قتل کا راستہ چنا۔ مگر جب میں نے دو قتل کیے تو میرے پاس دوسرا راستہ یہی تھا کہ خود کو مرنے دوں۔ میں نے اپنی جان بچائی۔ سروائیول کو چنا۔ ان دونوں آدمیوں کو قتل کر دینے کو چنا' بہ نسبت ہلاکت کے دوسرے راستے کے۔ آپ مجھے اور ہاشم کو ایک ہی ترازو میں نہیں تول سکتے۔ کیونکہ اس کے پاس آپشنز تھے' میرے پاس نہیں تھے۔ اسی لئے میں یہاں آپ کو کچھ کہنے آیا ہوں!"

آدمی نے شانے اچکائے' جیسے نا سمجھی سے پوچھا ہو کہ "کیا؟" اس کی چابی ابھی تک ہاتھ میں تھی' اور ہاتھ بیچ ہوا کے رکا ہوا تھا۔

"عین ممکن ہے کہ اگلی پیشی پہ آپ کو پیش ہونا ہو۔ درمیان میں جتنے دن آئیں گے' ان میں ہاشم کاردار آپ کو اپروچ کر کے آپ کو خریدنا چاہے گا۔ وہ آپ کو بہت سے راستے دکھائے گا۔ چناؤ کے لئے بہت سے انتخاب۔ میں آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے' اور جو فیصلہ آپ نہیں کریں گے' وہ ساری زندگی کے لئے آپ کے کردار کا تعین کرے گا۔ آپ کیسے انسان بننا چاہتے ہیں' آپ کیسے مسلمان رہنا چاہتے ہیں اور آپ کیسے پاکستانی بن کر دکھانا چاہتے ہیں' اس سب کا فیصلہ آپ کا وہ انتخاب کرے گا جو آپ نہیں لیں گے۔ ساری زندگی مسعود صاحب وہ آپ کو haunt کرے گا۔ کبھی پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے کورٹ میں آئیے گا تو سچ بولیے گا۔ اگر آج جھوٹ بول دیا' تو ساری زندگی آپ خود بھی اپنے کسی سچ پہ اعتبار نہیں کر سکیں گے۔ جھوٹے لوگوں کی ایک بہت بڑی سزا یہ ہوتی ہے کہ ان کو اپنی باتوں اور دعووں پہ خود بھی یقین نہیں آتا۔ کہہ کے بھول جاتے ہیں' اور بھول کے کہہ جاتے ہیں۔" پھر وہ خاموش ہوا اور اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس آدمی نے سر جھٹکا اور اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔ دروازے کو ہینڈل سے باہر کھینچتے اس نے پھر سے مڑ کے دیکھا۔

پارکنگ ایریا سنسان پڑا تھا۔ ستون نیم اندھیر نظر آرہے تھے۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبھی منظر بدلنے پر بھی قصہ چل نہیں پاتا

کہانی ختم ہوئی ہے کبھی انجام سے پہلے۔

کچہری کی راہداری میں وہی دانتے کی جہنم جیسا رش، شور اور افراتفری کا عالم تھا۔ ایسے میں کمرہ عدالت کے دروازے کے باہر کھڑا سعدی شہزاد کو سمجھانے کے لئے قدرے اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ ”مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے اپنی امی کو سپورٹ کیا ہے اور وہ گواہی دے رہی ہیں۔“ انداز میں تشکر تھا۔ بیساکھی تھامے کھڑا لڑکا سر کو بار بار ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”صحیح صحیح۔“

”اب اندر چلتے ہیں۔“ سعدی نے اس کو اشارہ کیا اور پھر یکے بعد دیگرے وہ دونوں آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں کسی کلاس روم کی طرح کی خاموشی چھائی تھی۔ جج صاحب خاموشی سے کٹہرے میں کھڑی خاتون کو دیکھ رہے تھے، جس نے سر پہ دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور وہ سامنے کھڑی زمر کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔ اس کے نقوش اپاہج لڑکے کی مانند بنگالی سے تھے اور رنگت گہری سانولی۔ سعدی اس کو لئے پچھلی کرسی پہ آبیٹھا۔ آج فارس نہیں آیا تھا، البتہ.... سعدی نے گردن موڑ کے دیکھا... قریب میں چشمے والا آدمی خاموشی سے بیٹھا ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر عجیب سی الجھن ہوتی تھی۔

”مسز عصمت، آپ کو پورا یقین ہے کہ آپ نے آپریٹر مسعود عالم کو یہ کہتے سنا تھا؟“ زمر پوچھ رہی تھی۔

”جی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے یہی الفاظ سنے تھے جو میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ جب آپ لوگ سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنے آئے تھے تو آپ کے جانے کے بعد وہ اپنے ایک کولیگ سے کہہ رہے تھے کہ فکر کی کوئی بات نہیں، انہوں نے کاروارز کے لڑکے کی فوٹیج ہینڈل کر لی تھی پہلے ہی۔“

”اور ہینڈل کرنے سے ان کی مراد ڈیلیٹ کرنا تھا؟“

”آبجیکشن۔ گواہ سے رائے مانگی جا رہی ہے۔“ وہ پیچھے سے اکتا کے بولا تھا۔ زمر امپریشن بنا چکی تھی سو ”میں سوال واپس لیتی ہوں۔“ کہہ کر واپس مڑ گئی۔

ہاشم فوراً سے تاثرات بدل کے مسکراتا ہوا اٹھا، کوٹ کا بٹن بند کیا اور کٹہرے کے سامنے آیا۔

”مسز عصمت۔“ مسکرا کے اس کو مخاطب کیا۔ ”کیا آپ نے مسعود عالم صاحب کو مجھ سے یا میرے خاندان کے کسی فرد سے بات کرتے سنا؟“

"نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کیا آپ نے ان کو نوشیرواں کاردار کا نام لیتے سنا؟"

"نہیں مگر انہوں نے کاردارز کالڑ کا کہا تھا اور...."

ہاشم نے جیب سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور اس کے سامنے کیا۔

"اس پہ گورنر اسٹیٹ بینک شاہد کاردار کے دستخط موجود ہیں۔ کیا آپ کو کبھی یہ خیال آیا کہ ہم اس ملک کے واحد کاردار نہیں ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن انہوں نے یہ بات ان کے (زمر کی طرف اشارہ کیا) جانے کے بعد کی تھی۔"

"اور اس بات کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟" نوٹ واپس جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

"تین ماہ شاید۔"

"اور ان تین ماہ میں آپ نے کبھی مسعود صاحب کی شکایت اوپر کی؟"

"میں نے کی تھی' لیکن کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔"

"آف کورس آپ نے کی تھی۔" وہ مڑا اور اپنی میز سے چند کاغذ اٹھائے اور جب واپس عصمت بی بی کی طرف گھوما تو لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ "اور اس سے پہلے آپ ڈیپارٹمنٹ میں تین مختلف لوگوں کی شکایت کر چکی ہیں۔ اور ان میں سے ایک کے خلاف کارروائی کی گئی تھی' نام یاد ہے آپ کو ان کا؟"

"آبجیکشن یور آنر۔ مسز عصمت کے ریکارڈ کا گواہی سے کیا تعلق ہے؟"

"اوور رولڈ۔ جواب دیجیے۔" جج صاحب نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

"طارق محمود۔" عصمت کی آواز پست تھی۔

"جی بالکل۔ طارق محمود صاحب جن کے خلاف آپ نے ہراسمنٹ ایٹ ورک پلیس کی شکایت کی تھی اور ان کو معطل کر دیا گیا تھا' اور ....اوہ واؤ....اور ان کی سیٹ کا چارج آپ سنبھالتی ہیں نا آج کل۔"

"آبجیکشن یور آنر۔" زمر بےزاری سے کھڑی ہوئی۔ "کاردار صاحب گواہ کی کردار کشی کر رہے ہیں۔"

"اوور رولڈ مسز زمر۔ عدالت کو ان کا جواب سننے دیجیے۔ جی بولیے۔" جج صاحب نے خشک لہجے میں خاتون گواہ کو اشارہ کیا۔

"جی۔ ان کا چارج میں سنبھالتی ہوں' مگر انہوں نے واقعی ہراسمنٹ کی تھی اور دوسرے کولیگز گواہ ہیں۔" مگر ہاشم اس کے ساتھ ہی جج صاحب کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔ "یور آنر' یہ صرف ایک heresay (سنی سنائی بات) ہے' ایک ایسی خاتون جن کا کام ہی دوسرے کولیگز کی ٹانگ کھینچنا ہے' ان کے بیان پہ عدالت ائیرپورٹ سیکیورٹی کے کنٹرول روم آپریٹر کو سمن نہیں کر سکتی۔ خاتون ان کی جگہ لینے کے لیے جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"یور آنر! اگر یہ heresay ہے تو اس کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں اس آفیسر کو کورٹ میں پیش کرنا پڑے گا۔ ورنہ کاردار صاحب کا یہ الزام ہم کیسے رد کر سکیں گے؟"

"بس بس!" ان دونوں کے ایک ساتھ بول اٹھنے کے باعث جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کے ان کو خاموش رہنے کا کہا پھر ہاشم کو دیکھا۔

"بات تو ان کی سنی پڑے گی۔ اگر انہوں نے فو یج کے ساتھ ٹیمپرنگ نہیں کی تو ان کو کورٹ میں آ کر اپنی صفائی دینی پڑے گی۔ اس لئے اگلی پیشی پہ....." وہ اب حکم جاری کر رہے تھے۔ کٹہرے میں کھڑی عورت مغموم نظر آتی تھی' اور اس کا اپاہج بیٹا حیران پریشان سا سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

"مم.... میری امی جھوٹ نہیں بولتی کبھی۔ وہ کسی جاب لینے تک.... کے لئے تو ایسا نن.... نہیں کر رہی۔"

"سب کو پتہ ہے۔" سعدی نے اداسی سے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔

"مگر یہ زیادتی ہے۔"

"یہ انصاف کی عدالتیں نہیں ہیں میرے دوست۔ یہ قانون کی عدالتیں ہیں۔" سر جھٹک کے وہ قریب بیٹھے چشمے والے آدمی کو دیکھنے لگا' جو اسے ہی دیکھ رہا تھا' مگر فوراً سے رخ پھیر گیا اور سر جھکا کے اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھنے لگا۔ سعدی نے گھڑی دیکھی اور سوچا' کہ اگر فارس یہاں ہوتا تو کیا کہتا' مگر وہ تھا کہاں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا

میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا!

ہارون عبید کی رہائشگاہ کا آہنی اونچا گیٹ اس کی کار کے نزدیک آتے ہی میکانکی انداز میں سلائیڈ ہو کے کھلنے لگا۔ اسٹیرنگ پہ ہاتھ رکھے فارس چند لمحے انتظار کرتا رہا۔ اس کے چہرے پہ معمولی سی فکرمندی تھی اور ماتھے پہ بل۔ آنکھیں پُرسوچ انداز میں سکڑی ہوئی تھیں۔ گیٹ پورا کھل گیا تو اس نے کار آگے بڑھا دی۔

چند منٹ بعد وہ لان عبور کر کے آبدار کے کلینک کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ جینز پہ سرمئی وی گلے کی شرٹ پہنے' آستینیں ذرا موڑ رکھی تھیں۔

کلینک کے اندر وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی جب دروازہ کھلا۔ آبی فوراً گھومی۔ آنکھوں میں چمک در آئی۔ "شکر آپ آ گئے۔"

"کیا ہوا ہے؟ آپ نے اتنی ایمرجنسی میں بلایا۔ میں کورٹ جا رہا تھا۔" وہ حیرت بھری فکرمندی سے کہتا آگے آیا اور اس کی میز کے سامنے والی کرسی کھینچی۔ ساتھ ہی اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بدقت مقابل کاؤچ پہ آ ٹکی۔ دونوں کے درمیان چند فٹ کا خلا تھا۔

"اب بتائیے' کیوں پریشان ہیں؟" وہ نرمی اور ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔ آبدار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں بہت خوفزدہ ہوں۔"

"مسز کاردار نے کچھ کہا ہے؟"

آبی نے نفی میں گردن ہلائی۔

"پھر؟"

"ہاشم ملا تھا۔ اس سے میں نے پوچھا کہ میری اور آپ کی تصویر بھیج کر اس نے ساتھ یہ کیوں لکھا کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا؟"

فارس ذرا چوکنا ہو کے بیٹھا۔ "پھر؟"

"پھر اس نے کہا کہ... کہ فارس تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا اور یہ کہ... وہ مجھے آپ کی عورتوں میں شمار کرتا ہے۔" وہ روانی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

"اور کیا کہا اس نے؟ حنین یا زمر کا ذکر کیا؟" وہ بے چین ہو گیا تھا۔

"نہیں' ان کا نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "آپ کے خاندان والے اتنے مشہور ہو چکے ہیں' ان کو وہ نقصان پہنچائے گا تو پہلا شک اسی پہ جائے گا' اسی لئے وہ ایسا نہیں کرے گا۔ مگر میں...." اس کا گلا رندھا۔

فارس نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہوا۔ "وہ کچھ نہیں کرے گا۔"

"ارے واہ۔" آبی کی گیلی آنکھوں میں شکوہ در آیا۔ "آپ نے اپنی عورتوں کی خیریت جان لی تو کیسے ریلیکس ہو گئے۔ اور میرا کیا' جسے آپ نے اس سب میں دھکیل دیا۔ یا د رکھیے اس سب میں' میں آپ کی وجہ سے آئی ہوں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس کے چہرے پہ معذرت خواہانہ سا تاثر ابھرا۔ "میں اتنے دن سے آپ کی حفاظت کر رہا ہوں نا' آگے بھی کرتا رہوں گا۔ آپ کے گارڈز کے ساتھ اِن ٹچ ہوں' دن میں کئی دفعہ ان سے آپ کی خیریت پوچھتا ہوں' ہر دو گھنٹے بعد آپ کو فون کرتا ہوں' آپ کی کالونی کے سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ چیک کرتا رہتا ہوں۔ آپ سے کئی کلومیٹر کے فاصلے پہ رہتا ہوں' اتنی دور سے جتنا کر سکتا ہوں وہ کر رہا ہوں نا۔"

"اگر آپ دور نہ ہوتے تو یہ زیادہ آسان ہوتا۔ ہے نا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی تھی۔ وہ ہلکا سا چونکا۔

"سوری؟"

"ضروری تو نہیں ہے کہ آپ دور رہیں۔ آپ قریب بھی تو ہو سکتے ہیں۔"

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر موبائل پہ وقت دیکھا۔ "مجھے چلنا چاہیے۔" آواز میں خشکی سی تھی مگر وہ اسی بے خودی کے عالم میں اسے تکتے ہوئے بولی تھی۔

"اگر آپ مجھ سے شادی کر لیں تو وہ مجھے نقصان نہیں دے سکے گا۔"

کمرے میں ایک دم عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ فارس غازی کی پیشانی کی رگیں ابھر آئیں' آنکھوں میں برہمی در آئی' اور ایک گہری سانس لے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے چلنا چاہیے۔"

وہ تیزی سے اٹھی۔ "اصلی والی شادی نہیں' صرف پیپر میرج۔ صرف اس ٹرائل تک۔ تاکہ وہ مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ میں آپ کی بیوی ہوں تو وہ مجھے کبھی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ وہ آپ سے ڈرتا ہے۔ آپ..... آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ سچ میں۔ ورنہ وہ اور اس کی ماں مجھے مار دیں گے۔"

فارس نے آنکھیں میچیں' انگلی اور انگوٹھے سے بند آنکھوں کو مسلا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔ پھر آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ "چار سال کی جیل' ایک سال سے مدِ مقابل مسائل... اور مجھے لگتا تھا آبدار صاحبہ کہ میں بہت گھاگ ہو چکا ہوں' اب کسی کی باتوں میں نہیں آ سکتا۔ مگر آپ نے ثابت کر دیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔" نفی میں افسوس سے سر ہلاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے جس عورت سے محبت ہے اور جو میری بیوی ہے' وہ ٹھیک کہتی تھی۔ آپ نہیں بدلیں' آپ نے صرف اپنی تکنیک بدلی ہے۔"

"کیا میری حفاظت کے لئے آپ مجھ سے ایک پیپر کانٹریکٹ بھی نہیں کر سکتے؟ میں یہ صرف اپنی حفاظت کے لئے کہہ رہی ہوں۔" آنسو آبی کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

"نہیں' میں نہیں کر سکتا اور میرا نہیں خیال کہ آپ کو کسی حفاظت کی ضرورت ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ آپ کو بلانے کے طریقے آتے ہیں' مگر اب میں نہیں آؤں گا۔ بہت ہو گیا۔" برہمی سے کہتا وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

"اور مجھے جس دلدل میں آپ نے دھکیل دیا اس کا کیا؟"

"آپ نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا تھا۔" وہ خشک لہجے میں کہہ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ آنکھوں میں بیزاری اور برہمی تھی۔ وہ تیز تیز اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ شاید رو بھی رہی تھی۔

"میرے احسان ہیں آپ کے اوپر۔"

"اور میں کب سے ان کی قیمت چکا رہا ہوں۔ زمر سے میرا ریلیشن بار بار بدظنی کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے کیونکہ میں ان احسانوں کی قیمت اتار رہا ہوں مگر اب بہت ہو چکا۔" گردن موڑ کے غصے سے اس کو دیکھا۔ "اب میں مزید آپ کی ان گیمز کا حصہ نہیں بن سکتا۔"

"میں نے ایسا کیا کہا ہے جو آپ غصہ ہو رہے ہیں؟ صرف اتنا ہی تو کہا ہے کہ مجھے سہارا دیں' مجھ سے شادی کر لیں' صرف میری حفاظت..."

وہ جو اپنی کار کا دروازہ کھول رہا تھا' ایک دم آواز سے دروازہ بند کیا اور غصے سے اس کی طرف گھوما۔ "کیا آپ میں تھوڑی سی بھی عزتِ نفس ہے؟ ذرا سی بھی گریس؟ معمولی سی سیلف esteem؟ کیا اپنی خواہشات کے پیچھے خود کو اتنا گرانا ٹھیک ہوتا ہے؟ یو نو واٹ' مجھے فخر ہے اس

بات پہ کہ جو عورت میری زندگی میں ہے وہ عزت اور وقار کا پیکر ہے کبھی کسی کے سامنے حتیٰ کہ میرے سامنے بھی خود کو نہیں گرائے گی۔ اور آج مجھے اس پہ زیادہ فخر ہو رہا ہے۔" اس نے غصے سے کہہ کر دروازہ کھولا۔

"اور اگر وہ بند ہے؟" وہ جو اندر بیٹھ رہا تھا اس کے الفاظ پہ لمحے بھر کو ٹھہرا پھر سر جھٹک کے اگنیشن میں چابی گھسانے لگا۔ دروازہ نہیں بند کر سکتا تھا اس پہ آبی کے ہاتھ تھے۔ وہ آنکھوں میں دکھ غصہ نفرت لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ "اگر وہ مر جائے کیا تب آپ دیکھ پائیں گے کسی دوسرے کی طرف؟ کیا تب احساس کر سکیں گے کہ کون آپ کے لئے خود کو کتنا گرا چکا ہے؟"

فارس نے نظر انداز کرتے ہوئے کار اسٹارٹ کی اور دروازہ زور سے کھینچ کے بند کیا۔ "اب مجھے کال مت کیجئے گا۔" درشتی سے تنبیہ کر کے ریورس کرنے لگا۔

"آپ نے میرا دل توڑا ہے فارس غازی۔ میں آپ کے لئے اتنا گری اتنا جھکی اور آپ اتنے سنگدل ہیں۔ ٹوٹے دل کی بددعا سے آپ کو ڈر نہیں لگتا نا تو پھر ٹھیک ہے۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ اور دکھ سے اسے کار پیچھے کرتے دیکھا۔ "خدا کرے وہ مر جائے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے مر جائے۔ خدا کرے آپ اسے مرتے ہوئے ٹوٹے بکھرے ہوئے دیکھیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے۔ پھر آپ کو میرے دل کے کرب کا اندازہ ہوگا۔" اسے دور جاتے دیکھ کے وہ چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔ اور وہ جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا کار وہاں سے نکال رہا تھا۔ اس کی چیخوں کی آوازیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔ جس لمحے کار باہر سڑک پہ آئی اس نے ریس کو پوری قوت سے دبایا اور کار کو سڑک پہ بھگاتا آگے لے گیا۔

عرصے بعد اسے لگا تھا کہ وہ آبدار کے احسانوں کی زنجیر سے آزاد ہو گیا تھا۔ ہلکا اور آزاد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خزانہ ہزر و گوہر پہ خاک ڈال کے رکھ

ہم اہل مہر و محبت ہیں دل نکال کے رکھ۔

مور چال میں اس رات دس بجے کے ڈرامے کا وقت ختم اور اسامہ کی کلاس کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ لاؤنج ویران تھا بتیاں بجھی ہوئی تھیں مگر ندرت کا کمرہ روشن تھا۔ اندر وہ بیڈ پہ بیٹھیں خفگی سے اسامہ کو لتاڑ رہی تھیں جو بڑی ہی مشکل ضبط کیے سن رہا تھا۔ حسین تماشائی کی طرح باری باری دونوں کے چہرے دیکھتی تھی۔

"اس عمر میں سعدی مغرب کے بعد گھر سے باہر نہیں رہا عشاء پہ نماز پڑھنے جاتا اور سیدھا گھر آتا۔ پھر بھی میں ڈانٹتی مجال ہے جو اس نے برا مانا ہو۔ ہمیشہ سر جھکایا اور اس شہزادے کو کچھ کہہ دو تو موڈ آف ہو جاتا ہے۔"

"امی آپ مجھ پہ ہر وقت شک کیوں کرتی رہتی ہیں؟" وہ بگڑ کے بولا۔ "شاہزیب کا گھر ساتھ والی اسٹریٹ میں ہے میں اس سے نوٹس لینے ہی گیا تھا نماز کے بعد۔"

"مجھ سے پوچھتے ہوئے منہ ٹوٹ جاتا تھا؟ ہاں؟ مجھ سے کیوں نہیں پوچھا۔"

"نہیں نہیں آپ کو لگتا ہے میں نشہ کرنے لگ گیا ہوں یا شاید سڑک پہ کھڑے ہو کر لڑکیاں تاڑتا ہوں' یا لوگوں سے موبائل چھینتا ہوں۔"

"دیکھو دیکھو اس کی زبان۔ ماں کے آگے بڑا بولنا آ گیا ہے۔ سب جانتی ہوں میں' یہ جو اس کے دوست ہیں نا' یہی سکھاتے ہیں اس کو۔"

"ہر وقت میرے دوستوں کے پیچھے پڑی رہا کریں آپ بس۔" وہ سرخ چہرہ اور آنکھوں میں آنسو لئے تیزی سے باہر نکلا اور دروازہ ٹھاہ مارا۔

"امی آپ اس کے دوستوں پہ مت آیا کریں۔" حنہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ندرت نے اتنی ہی اکتاہٹ سے اسے دیکھا۔ "زیادہ بک بک نہ کرو' مجھے پتہ ہے تم بے غیرتوں کو کیسے پالنا ہے۔ اب جا دو سر نہ کھاؤ میرا۔ باپ ہونا نا سر پہ تو میں دیکھتی کیسی زبانیں چلتی ہیں تم لوگوں کی۔ ماں کو دیکھ کر شیر ہو جاتے ہو۔"

"چلیں جی' ہو گیا میلو ڈرامہ شروع۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اوپر آئی تو سیم کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور وہ منہ پہ تکیہ رکھ کے لیٹا ہوا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر اندر آئی اور اس کے سر پہ آن کھڑی ہوئی۔

"امی تم پہ شک نہیں کرتیں۔"

"جاؤ سوئی' مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔" وہ رندھی آواز میں تکیے کے نیچے سے بولا تھا۔

"امی صرف تمہاری حفاظت چاہتی ہیں۔ سب مائیں چاہتی ہیں۔ اگر ماں باپ بچوں کے آنے جانے کے اوقات پہ سختی کرتے ہیں' پوچھ گچھ کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ان پہ شک کرتے ہیں' یا ان کو ان کے دوستوں سے کوئی خطرہ ہے۔ وہ صرف ایکسیڈنٹ' دہشت گردی' چوری چکاری کی وارداتوں سے ڈرتے ہیں' جسمانی نقصان سے ڈرتے ہیں۔ اگر شک کرتے ہوتے تو پوچھ گچھ نہ کرتے' خاموش ہو جاتے یا دوسری انتہا یعنی مار پیٹ پہ جاتے۔ یہ پوچھ گچھ نہ ہوں تو ہماری مائیں' مائیں نہ لگیں' نوکرانیاں لگیں۔ کھانا' کپڑے' آرام' وہ سب تو نوکرانی بھی دیتی ہے۔ تم ٹین ایجرز کو خود فیصلہ کرنا ہے کہ تم ماں کو نوکرانی کی جگہ دینا چاہتے ہو یا ماں کی!"

سیم نے تکیہ ہٹا کے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "ہاں تمہیں جیسے بڑا پتہ ہے' تمہارے کون سے دس بچے ہیں جو تمہیں پتہ ہو۔ اور ...." وہ رکا اور پھر تنک کے بولا۔ "تمہارا تو کوئی ہیرو بھی نہیں ہے۔"

"اسامہ یوسف۔" وہ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھ کے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ کے بولی۔ "میں خود کسی ہیرو سے کم ہوں کیا؟"

اسامہ نے کچھ بڑبڑا کے تکیہ منہ پہ رکھ لیا اور کروٹ بدل لی۔ حنہ آگے بڑھی' الماری دھیرے سے کھولی' اندر سے کچھ نکال کے کمر کے پیچھے چھپایا اور اونچا سا بولی۔ "مجھے ایسے بھی بہت کچھ پتہ ہے۔ زندگی بہت کچھ سکھا دیتی ہے۔" پیچھے ہٹتی گئی اور دروازے تک پہنچ کے رکی۔ "اور چاکلیٹ بھی۔" دروازہ کھلا' اور چاکلیٹ کا پیکٹ پکڑے جھپاک سے باہر غائب ہو گئی۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا' سیم کا جوگر ٹھاہ سے آ کر اس پہ آ کے لگا تھا۔

حنہ اب ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ جہاں کھلی لیپ ٹاپ اسکرین ڈھیروں stencils کے آئیڈیاز لئے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ہوم ڈیکور نشہ آور چیز تھی، مگر اچھی چیز تھی۔۔۔

نچلی منزل پہ آؤ تو زمر کے کمرے کی بتی جلی تھی۔ وہ مخمل پہ تہہ شدہ جائے نماز رکھ کر اب دوپٹہ کھول رہی تھی۔ پھر ایک نظر صوفے پہ لمبے لیٹے فارس کو دیکھا جو مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دن کیسا گزرا؟" زمر نے پوچھا تو اس کے چہرے پہ مزید طمانیت بکھر گئی۔ آزادی اور اطمینان۔

"بس آج تمہاری یاد آتی رہی۔ تمہاری قدر ہوتی رہی۔ تم سے محبت بڑھتی رہی۔"

"پیسے چاہئیں؟" زمر نے مڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر اس کا موڈ نہیں بدلا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو آج۔"

"شکریہ۔" وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی بال جوڑے میں لپیٹ رہی تھی۔

"تم کتنے دن سے ڈنر کا کہہ رہی تھیں نا اگر آج چاہو تو۔۔۔ بلکہ نہیں۔۔۔" فارس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے۔"

"ہیں؟" زمر نے پونی میں بال مقید کر کے حیرت سے آئینے کو دیکھا جس میں اس کا عکس نظر آ رہا تھا۔ "طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

وہ صوفے سے اٹھا اور اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ پھر بہت اپنائیت سے اسے دیکھ کے بولا۔ "کوئی خواہش کرو، کچھ مانگو، کوئی ڈیمانڈ سامنے رکھو۔ جو کہو گی پورا کروں گا۔ ڈائمنڈز، ڈنر، گفٹ، کیا چاہیے تمہیں؟" عادتاً ڈریسر کے کنارے بیٹھا اور محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔ زمر نے پہلے اسے دیکھا، پھر اپنے ہاتھوں کو، پھر دوبارہ اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ایسے پوچھ رہے ہو جیسے مرنے والے سے آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔"

"اونہوں۔ وقت نہ ضائع کرو۔ کچھ مانگو۔"

"اچھا۔ جو کہوں گی کرو گے کیا؟" وہ مسکرا کے بولی۔ فارس نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہوں!"

"تو پھر۔۔۔" وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔ "میں یہ چاہتی ہوں کہ۔۔۔ میرا شوہر۔۔۔ میرے لئے میرے ساتھ مل کر۔۔۔ برتن دھوئے!"

وہ چند لمحے تو سمجھ نہ پایا۔ "سوری؟"

"صداقت اور حسینہ گاؤں گئے ہیں چھٹی پہ۔" اس نے ہاتھ چھڑائے اور آستین اوپر چڑھانے لگی۔ "اور حنین کو کوئی نیا ہوم ڈیکور آئیڈیا مل گیا ہے اور اس کو کچن کی فکر نہیں ہے، سو میں سوچ رہی تھی کچن صاف کر لوں تا کہ بھابھی کو نہ کرنا پڑے مگر بھابھی کا بھائی چونکہ تعاون کرنے والا اور ہمدرد ہے تو میرا آدھا بوجھ تو کم ہوا۔"

اور بھابھی کے ہمدرد بھائی نے بھنویں اکٹھی کر کے خفگی سے اسے گھورا۔ "تمہارے خیال میں۔ میں اتنا زن مرید اور بے وقار، بے غیرت مرد ہوں جو تمہارے کہنے پہ تمہارے ساتھ۔۔۔ اوہ خدایا۔۔۔ کچن میں برتن دھلواؤں گا؟"

"ہاں!" اس نے سادگی سے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

قریباً پانچ سات منٹ بعد وہ کچن سنک کے آگے کھڑا تھا' آستین چڑھے ہوئے تھے' نل کھلا تھا' اور وہ جھاگ بھرے اسفنج کو ایک پلیٹ پہ رگڑ رہا تھا۔

"ویسے اتنا برا کام نہیں ہے یہ۔" نارمل سے انداز میں ساتھ کھڑی سلیب صاف کرتی زمر سے بولا تو اس نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

"جیسے کہ تم نے تو کبھی ہاٹلز' اور بیچلر فلیٹس میں برتن دھوئے ہی نہیں ہوں گے۔"

"کبھی نہیں۔ مجھے ہمیشہ خوبصورت نوکرانیاں مل جاتی تھیں۔" فارس نے سر جھکائے پلیٹ پہ پانی گراتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

ٹھک سے زمر نے پلیٹس کا انبار اس کے سامنے دھرا' فارس نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ آنکھوں میں خفگی لئے اسے گھور رہی تھی۔ وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں' تمہارے مزاج میں اتنی سختی نہ ہوتی' تم واقعی کنٹرولڈ' ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہوتیں تو کتنا اچھا تھا۔"

"میں کہاں سخت ہوں؟" حسب توقع وہ برا مان گئی۔ اب وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی اپنا اسفنج بھگو رہی تھی۔

"ہر وقت غصہ کرتی رہتی ہو' ہر وقت کام کرتی رہتی ہو' بے چارے شوہر کا تو خیال ہی نہیں تمہیں۔ اب اس وقت بھی تم مجھ سے ہیرے جواہرات مانگ سکتی تھیں' پھول یا ڈنر وغیرہ بھی' مگر نہیں' کام ختم کرنے کی پڑی ہوتی ہے تمہیں۔"

"ہیرے جواہرات کے لئے ساری عمر پڑی ہے' کیونکہ تھینکس ٹو ہاشم' میں مرنے نہیں لگی' اس لئے ابھی خاموشی سے برتن دھوؤ۔" فارس نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔ وہ چہرہ جھکائے' آستین چڑھائے' مگن سی ایک ڈونگے کو صاف کرنے میں لگی تھی۔ بال جوڑے میں مقید تھے اور دو گھنگریالی لٹیں چہرے کو چھو رہی تھیں۔ اس کے مسلسل دیکھنے پہ زمر نے پلکیں اٹھا کر بھوری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

"یہی کہ میں کتنا خوش قسمت ہوں' جو تم میری زندگی میں ہو۔"

"نشہ تو نہیں کرنے لگ گئے؟" اسے اب واقعی فکر ہونے لگی تھی۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"یونہی بس۔ پتہ ہے جب میں جیل سے آیا تھا تو ساری دنیا سے بیزار تھا۔ بس یہی مقصد تھا زندگی میں کہ ان سب گناہگاروں کو تڑپا تڑپا کے ماروں' اپنا انتقام لوں' اور پھر..... پھر جو بھی ہو..... جیل جاؤں' مر جاؤں' کوئی فکر نہیں۔" اس کی آواز میں کرب در آیا۔ "مگر پھر..... تم نے مجھ سے شادی کرنے کی ہامی بھری۔ تم مجھے اذیت دینا چاہتی تھیں' اور میں تمہیں۔ تب لگتا تھا ہمارے درمیان کبھی کچھ ٹھیک نہیں ہوگا' مگر تم نے میرے مردہ دل کو زندہ کر دیا۔ اب میں خوش ہوں اور خوش رہنا چاہتا ہوں مگر....." اس نے کھلے نل تلے ڈش کی تو پانی کی دھار نے سارے جھاگ کو بہا دیا۔ "مگر مجھے اپنے مکافات عمل سے بھی ڈر لگتا ہے۔ میرا کارما۔ میرے اعمال کے نتائج۔"

"فارس!" اس نے تحیر سے اسے پکارا۔ "ایسے مت کہو۔"

''نہ کہنے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی۔'' وہ اُداسی سے مسکرایا تھا۔'' میں نے بھی غلط کام کیے ہیں۔غلط لوگوں سے انتقام لینے کے لئے۔ان لوگوں کی زندگیاں تباہ کی ہیں۔کسی کی زندگی کی ساری جمع پونجی جلائی' تو کسی کو ایکسپوز کر دیا' کسی کو لاپتہ کرا دیا' ان کی بھی تو اولادیں تھیں' اور میں اب بھی وہی کر رہا ہوں' میری مجبوری ہے۔میں اپنے ہر کام کو جسٹفائی کرسکتا ہوں مگر اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ مجھے بھی اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔''

''اتنا مت سوچا کرو۔تم قصوروار نہیں ہو۔تم برابر کا' بلکہ ان کے اعمال سے بہت کم کا بدلہ لے رہے تھے۔''اس نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا۔

''انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا۔میں دو قبریں کھود کے نکلا تھا بس میں نہیں چاہتا کہ میرے نام کی قبر میں میری وجہ سے کسی اور کو جانا پڑے۔''اس نے جھرجھری لی۔

''میں نا اب تمہاری چیزوں کی تلاشی لوں گی' اگر مجھے ذرا سی بھی کوکین یا سگریٹ مل گئی تو اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ غصے سے بولی تھی۔وہ پھر ہنس دیا۔''اب فضول باتیں مت کرو' اور کام کرو۔'' دھونس سے کہتی وہ اس کے سامنے مزید برتن سرکانے لگی۔''اور پھر تم نے مجھے اینورسری پہ ڈنر بھی کرانا ہے۔''

''اب کوئی ڈنر نہیں ہوگا۔آپ نے ان برتنوں کی خاطر موقع مس کر دیا۔سوری!'' وہ واپس اپنی جون میں آ کے بولا تھا۔

''ڈنر تو تم مجھے کرواؤ گے' وہ بھی اینورسری والی رات۔یاد رکھنا۔'' نل بند کرتے ہوئے وہ دھمکاتے ہوئے بولی تھی۔اسے پتہ تھا وہ ابھی یونہی کہہ رہا ہے' مگر بعد میں ضرور ڈنر پہ لے جائے گا۔

وہ اس رات کو یادگار بنانا چاہتی تھی۔بہت خوبصورت اور یادگار۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیتے جی مارتی ہے بے چینی
وہ سکوں ہو عطا کہ مر جائیں!

''قتل سے ایک دن قبل۔''

سورج کی تپتی گرم شعاعیں اس بلند عمارت کو دہکا رہی تھیں۔ہاشم اپنے آفس میں تیار سا کھڑا موبائل پہ بات کر رہا تھا' سامنے ذمیس بیٹھا لیپ ٹاپ پہ لگا تھا۔بات کر کے ہاشم اس کی طرف آیا۔

''کام صحیح ہو رہا ہے؟''

''جی سر۔میں ان کے فونز بگ کر رہا ہوں' ریکارڈنگ سن رہا ہوں۔فارس کی بہت سی آڈیو نکال لی ہے۔اور voice modulation کے ذریعے میں اس کو.....''

''کوئی کام کی بات معلوم ہوئی یا نہیں؟'' اس نے بے زاری سے بات کاٹی۔

''یس سر۔ وہ دونوں فون پہ۔ فارس اور زمر... آج صبح مسلسل ڈنر کا ذکر کرتے رہے تھے۔ وہ کئی دن سے اسے کہہ رہی ہے کہ وہ اسے اینورسری پہ ڈنر پہ لے کر جائے اور وہ بات ٹال دیتا ہے۔''

''گڈ۔ ہم اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔'' ہاشم نے اس کا شانہ تھپکا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ راہداری پار کی اور لفٹ میں داخل ہو گیا۔ جس وقت وہ لفٹ سے نیچے لابی میں اترا' سامنے سے آفس بلڈنگ کے استقبالی کے قریب... زمر یوسف آتی دکھائی دی۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے رک گیا۔

''میں کورٹ آرہا تھا' آپ کیا مجھے لینے آگئیں؟''

''نہیں' میں یہ دیکھنے آئی ہوں کہ کہیں آپ ملک سے فرار تو نہیں ہو گئے۔'' وہ اسی طرح مسکرا کے بولی اور لفٹ کے اندر چلی گئی۔ دروازے آپس میں مل گئے تو ہاشم نے موبائل نکال کے نمبر ملایا۔

''حلیمہ... وہ تمہیں سمن دینے آرہی ہے۔ سعدی کی وکیل۔ تم وہی کرو جو میں نے کہا تھا۔ اوکے گڈ۔''

زمر بالائی منزل پہ اتری' اور آگے بڑھتی گئی۔ گھنگریالے بالوں کو پونی میں باندھے' سیاہ کوٹ پہنے' وہ کورٹ کے لئے مکمل تیار تھی۔ بس حلیمہ کو سمن کی کاپی دینے آئی تھی' اور توقع کے مطابق حلیمہ اپنے ڈیسک پہ نہیں تھی۔ اس نے سمن ایک کولیگ کے حوالے کیا' دستخط لیے' ساتھ میں اپنا کارڈ اور ایک نوٹ بھی دیا' اور لفٹ کی طرف واپس آئی۔ جیسے ہی دروازے کھلے اور وہ اندر داخل ہوئی' کوئی عجلت میں چلتا آیا اور دروازے کے بند ہونے سے قبل اندر آ گھسا۔ اس کے ہاتھ میں ایک باکس تھا جس میں چند فائلز' فوٹو فریم اور ایک ننھا سا پودا رکھا تھا۔ کہنی سے اس نے گراؤنڈ فلور پریس کیا اور دروازے آپس میں ملنے لگے۔ تب زمر نے دیکھا' وہ نوشیرواں تھا۔ وہ بھی اسی پل مڑا تو اس کا چہرہ دیکھا۔ زمر رخ موڑ کے کھڑی ہو گئی۔ سنجیدہ اور سپاٹ۔ وہ بھی ایک دم ہچکچا سا گیا۔ لفٹ نیچے اترنے لگی۔

''آپ مجھے ہمیشہ اپنے لئے اسٹینڈ لینے کو کہتی تھیں۔'' وہ اسے دیکھ کے آزردگی سے بولا تھا۔

''نوشیرواں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ بے زاری سے چہرہ پھیرے بولی تھی۔

''مجھے اپنی فیملی کے خلاف آپ نے کھڑا کیا تھا۔ میں سمجھتا تھا آپ مختلف ہیں' شاید آپ کو میرا خیال ہے' مگر... آپ بھی ان سب کی طرح ہی نکلیں۔''

''اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ سعدی کو تین گولیاں آپ نے ماری تھیں۔'' وہ اس کو دیکھ کے تیزی سے بولی تھی۔

''اور اب میں اپنی غلطیوں کو فکس کر رہا ہوں تو آپ مجھے کورٹ میں پراسیکیوٹ کر کے مجھ سے میرے تمام چانسز چھیننا چاہتی ہیں۔''

''اعمال کے نتائج ہوتے ہیں اور وہ بھگتنے پڑتے ہیں۔ اگر میں سونیا کو تین گولیاں مارتی' تب آپ مجھے کورٹ میں گھسیٹتے یا مجھے مواقع فراہم کرتے' کبھی فرصت ملے تو سوچئے گا۔''

وہ ایک دم چپ ہو گیا تھا۔ لفٹ نیچے اتر آئی تھی' دروازے کھل گئے تھے۔ زمر باہر جانے لگی۔

"مگر میں سب کچھ فکس کرنے کی کوشش کر تو رہا ہوں۔" وہ کرب سے بولا تھا۔ زمر اس کی طرف گھومی۔ اور سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیسے؟ استعفیٰ دے کر؟ اپنی کمپنی کی سیاہ کاریاں بتا کر؟ وہ آپ کے دوسرے گناہ ہیں جن سے ہمارا تعلق نہیں ہے۔ سعدی کے لئے کیا کیا آپ نے؟ کورٹ میں اعتراف جرم کر سکتے ہیں؟ نہیں نا۔ ساری دنیا کے سامنے معافی مانگ سکتے ہیں؟ اپنے بھائی کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں؟ نہیں نا۔ پھر میں کیسے مانوں کہ آپ کو موقع ملنا چاہیے؟" سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ باکس اٹھائے باہر آیا اور افسوس سے اسے دیکھا۔

"میں سمجھتا تھا آپ کو میری پرواہ ہے۔ صرف آپ کی عزت کرتا تھا میں آپ کے سارے خاندان میں۔ مگر آپ کو میری کوئی پرواہ نہیں ہے۔" وہ ان سنا کر کے آگے بڑھ گئی۔ لابی میں گزرتے چند لوگوں نے مڑ مڑ کے دیکھا تھا' مگر نوشیرواں کو کوئی فکر نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گردشِ وقت مجھے خاک ڈرا پائے گی

تجربے جتنے بڑھیں اتنا ہی ڈر جاتا ہے۔

دوپہر کے باوجود کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ تین افراد وہاں موجود تھے۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی ٹہل رہا تھا۔ ایک ارد گرد چیزوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ سامان بکھرا ہوا سا تھا۔ تکیے' گدا' کھلے دراز.... ہر شے الٹ پلٹ کر دی گئی تھی۔ سامنے ایک بیگ کھلا پڑا تھا جس میں سے زیورات' احمر کے پاسپورٹ اور نوٹوں کی گڈیاں جھانک رہی تھیں۔

اور اسی کمرے کے ایک کونے میں بیڈ کی پائنتی کے ساتھ وہ بندھا ہوا دوزانو پڑا تھا۔ شدید تشدد کے باعث اس کی شرٹ پھٹی ہوئی تھی' سر سے خون رس رس کر گردن اور کان پہ جم گیا تھا۔ گردن نیچے ڈھلکا کے وہ نقاہت زدہ سا بیٹھا تھا۔ دفعتاً اس نے چہرہ اٹھایا تو اتنا نظر آتا تھا کہ چہرے پہ کوئی زخم وغیرہ نہ تھا۔ پھر اس نے پھٹی ہوئی آواز میں ان کو مخاطب کیا۔ "سب کچھ تو لے لیا ہے تم لوگوں نے۔ اب جان چھوڑ دو میری۔"

سامنے کھڑا آدمی اس کی طرف جھکا اور زور کا تھپڑ اس کے منہ پہ رسید کیا۔

"مزید مال چاہیے۔ بتاؤ کہاں رکھا ہے' ورنہ آج میں تمہیں دفن کر کے سوؤں گا۔" احمر کا چہرہ تھپڑ کے باعث دوسری جانب لڑھک گیا۔ منہ سے کراہ نکلی۔ پھر چہرہ اٹھا کے صوفے پہ بیٹھے آدمی کی طرف دیکھا جو مسلسل فون پہ کسی اجنبی علاقائی زبان میں بات کر رہا تھا۔

"مار تم مجھے نہیں سکتے...." گہری گہری سانس لیتے اپنے بدقت اندر کے خوف پہ قابو پاتے اس نے کہنا چاہا۔ "کیونکہ تم یہ زیور تقسیم نہیں کر رہے۔ جب بھی فیصلے کا وقت آتا ہے..... مجھے کیا کھانے کو دینا ہے' مجھے کدھر باندھنا ہے' مجھ سے کیا چاہیے.... تم تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہو' تم میں کوئی لیڈر نہیں ہے۔ تم میں سے کوئی ان چارج نہیں ہے۔ اس لئے.... میری بات اس سے کرواؤ.... جو تمہارا ان

چارج ہے۔" بدقت کہہ کے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ ان تینوں نے پھر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب کی بار کوئی اسے مارنے کو نہیں جھکا۔ بس وہ خاموش رہے۔ پھر موبائل والا اٹھا اور باہر نکل گیا۔ احمر گردن جھکا کے پھر سے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

میز پہ زیورات ابھی تک کھلے پڑے تھے۔ نیم اندھیرے میں بھی وہ جگر جگر چمک رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اجل خود زندگی سے کانپتی ہے،

اجل کی زندگی پہ دسترس کیا

کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکیاں تیز دھوپ کے لیے بانہیں کھولے کھڑی تھیں۔ سارا ہال سنہرا روشن نظر آ رہا تھا۔ فارس غازی حسب معمول آخری نشست پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ عادتاً کان کی لو مسلتے ہوئے' انکھیوں سے قریب بیٹھے چشمے والے آدمی کو دیکھ رہا تھا' جو سفاری سوٹ میں ملبوس تھا' اور نسوانی انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھا تھا۔ فارس نے سر جھٹک کے توجہ سامنے مبذول کرنی چاہی جہاں وہ ادھیڑ عمر ائیرپورٹ سیکیورٹی کنٹرول روم کا آفیسر کٹہرے میں کھڑا تھا۔ زمر اس کے سامنے' چند قدم نیچے کھڑی تھی' فارس کی طرف اس کی پشت تھی اور وہ ہاتھ میں کاغذ پکڑے سنجیدگی سے سوال پوچھ رہی تھی۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ 22 مئی کی صبح ائیرپورٹ کنٹرول ٹاور میں موجود تھے؟"

"جی ہاں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ پہلی رو میں بیٹھا سعدی آگے کو جھکا' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک ایک لفظ پہ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

"اور کیا آپ نے نوشیرواں کاردار کو 22 مئی کی صبح اسکرین پہ دیکھا تھا؟ یعنی 22 مئی کو کیا وہ ائیرپورٹ پہ موجود تھے؟"

"ائیرپورٹ پہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں' مجھے ہر ایک کی شکل یاد نہیں رہتی۔"

"پلیز اپنے جوابات کو ہاں یا ناں تک محدود رکھیں۔ کیا آپ نے نوشیرواں کو دیکھا تھا یا نہیں؟"

"جی نہیں۔" سعدی نے تھک کر سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔ پھر ذرا سا چہرہ موڑ کے دیکھا تو ہاشم مسکرا کے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی کے دیکھنے پہ اس نے اپنی فائل کا ایک صفحہ یوں ترچھا کیا کہ سعدی کو اس پہ بڑے بڑے لکھے الفاظ صاف نظر آئے۔

"Money Talks" سعدی نے بیزاری سے رخ پھیر لیا۔

"آپ کو یہ شخص نوشیرواں کاردار اس فوٹیج میں بالکل یاد نہیں؟" زمر سپاٹ سا پوچھ رہی تھی۔ اشارہ سامنے بیٹھے شیرو کی طرف تھا۔

"جی نہیں۔" آپریٹر نے شانے جھٹکے۔

"اور کیا آپ نے اپنے دوست کو کہا تھا کہ کاردارز کے لڑکے کی فوٹیج آپ نے غائب کر دی ہے؟"

"جی نہیں۔ میں ان لوگوں کو جانتا تک نہیں ہوں۔"

''مسعود عالم صاحب۔'' زمر نے ایک کاغذ سامنے کیا۔ ''یہ تصویر میں نے آپ کے فیس بک سے لی ہے اس میں کیا یہ آپ ہی ہیں؟''

مسعود نے جھک کے تصویر دیکھی۔ ''جی۔''

''اور ساتھ میں کون ہے؟''

''یہ حمزہ علی عباسی ہیں۔''

''آبجیکشن یور آنر۔'' ہاشم نے بیٹھے بیٹھے پکارا۔ ''فین فوٹوز کا اس اہم گواہی کے درمیان ذکر کرنا؟''

''اوور رولڈ' مگر مسز زمر آپ کنکشن جلد واضح کریں' ورنہ عدالت کا وقت ضائع نہ کریں۔'' جج صاحب نے اسے تنبیہہ کی۔ زمر نے سر کو خم دیا اور چند مزید تصاویر سامنے کیں۔ ''یہ آپ کے ساتھ چند دوسری مشہور شخصیات کی تصاویر ہیں۔ یہ قمر الزمان کائرہ ہیں' یہ راحت فتح علی خان ہیں' اور یہ....؟''

''مصباح الحق۔'' مسعود عالم نے بتایا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو آپ جب بھی کنٹرول روم میں بیٹھے اسکرین پہ ائیر پورٹ پہ کسی شناسا چہرے کو دیکھتے ہیں' تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ تصویر لے لیں۔''

''جی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ اسکرین کو غور سے دیکھتے ہیں' اور کوشش کرتے ہیں کہ کوئی چہرہ unnoticed نہ رہے۔''

''جی ہاں' یہ میرا فرض ہے۔''

''مگر آپ کو نوشیرواں کاردار نہیں یاد؟ نہ 22 مئی کو' نہ 21 مئی کو۔''

''جی نہیں۔''

''کیونکہ ان سیلبر ٹیز کو آپ پہچانتے تھے مگر نوشیرواں کو نہیں۔''

''جی بالکل۔'' وہ اعتماد سے بولا۔

''اور آپ نے کبھی اس سے پہلے نوشیرواں کو نہیں دیکھا تھا؟''

''جی نہیں۔''

''اور آپ ان کے نام تک سے واقف نہیں تھے؟''

''جی نہیں۔ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''مسعود صاحب' آج سے ڈھائی سال پہلے کیا یہ درست نہیں ہے کہ ایک دات نوشیرواں کاردار کی تصویر اور پاسپورٹ کی کاپی ہاشم کاردار نے ائیر پورٹ کے عملے کو بھیجی تھی۔'' اس کے سوال پہ فارس قدرے دلچسپی سے آگے ہوا۔

''آبجیکشن یور آنر۔'' ہاشم تیزی سے اٹھا مگر جج صاحب نے اسے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''بات جاری رکھیں۔'' زمر نے تشکر سے سر کو خم دیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''یہ اس ای میل کی کاپی ہے جو تین مختلف آفیسرز نے ہمیں فراہم کی ہے۔ یہ وہ رات ہے جب مبینہ طور پہ نوشیرواں اغوا ہوا تھا' کوریا میں' اور ہاشم نے یہ تصاویر اور پاسپورٹ کی کاپی بہت سے آفیسرز کو بھیجی تھی تاکہ جیسے ہی یہ شخص واپس پاکستان آئے' اسے فوراً اطلاع کی جائے۔ اس ای میل کے ہیڈر میں بہت سے پتے لکھے ہیں۔ یہ آپ کی ای میل کا پتہ ہے نا؟'' اس نے کاغذ اس کے سامنے کیا۔

''جی' مگر.....''

''اور یہ آپ کا جواب ہے جو آپ نے ریپلائی آل کلک کر کے دیا تھا جس میں لکھا ہے "On it , Sir" یوں یہ جواب سب کو چلا گیا تھا۔''

''مجھے.....یاد نہیں۔'' اس نے پست آواز میں بولا۔

''آپ کے ای میل ریکارڈ کو سب ذرہ ذرہ یاد ہے۔ اس کا مطلب ہے آپ نے وہ ای میل کھولی تھی' اور آپ نے نوشیرواں کا نام بھی سنا تھا اور شکل بھی دیکھی تھی۔''

''دیکھیں اس بات کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ مجھے یاد نہیں تھا۔'' وہ سنبھل کر بولا۔

''کیا آپ اس شوٹنگ کلب کے ممبر ہیں؟'' اس نے ایک کارڈ کی کاپی اس کے سامنے رکھی۔

''جی۔''

''اور آپ تقریباً ہر ہفتے وہاں جاتے ہیں۔''

''جی ہاں۔ تقریباً۔''

''تو کیا آپ نے اس کی لابی میں سال کے بہترین شوٹرز کی تصاویر اور نام نہیں دیکھے؟ پچھلے دو سال سے نوشیرواں کا ردار دوسرے نمبر پہ آ رہے ہیں' ان کی تصویر وہاں نمایاں لگی ہے' جسے آپ ہر ہفتے دیکھتے ہیں۔ تو پھر مجھے صرف اتنا بتائیے کہ آپ نے نوشیرواں کو اسکرین پہ مِس کر دیا' یہ بات تو سمجھ آتی ہے مگر آپ کا حلف لے کر یہ کہنا کہ آپ نے اسے کبھی دیکھا نہیں ہے' ناقابلِ فہم ہے۔ مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔'' وہ سختی سے کہہ کر پلٹ آئی۔

ہاشم نے جھک کر ساتھ بیٹھے نوجوان وکیل سے سرگوشی کی۔ ''ویڈیو بنائی؟''

''جی سر۔ اب حلیمہ کو بھیج رہا ہوں۔ اسے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیسی وکیل ہے اور اسے کیسی تیاری کرنی ہے۔'' ہاشم سر کو خم دے کر اٹھا۔

''مسعود صاحب آپ روز کتنے لوگ سی سی ٹی وی فیڈ کی اسکرینز پہ دیکھتے ہیں؟''

''سینکڑوں۔''

''اور کیا صرف ایک اسکرین کو دیکھنا ہوتا ہے آپ نے؟''

''نہیں' سر' بہت سے مانیٹرز ہوتے ہیں۔''

''اور ایگزٹ کنٹرول لسٹ کے لئے وزارتِ داخلہ سے' اور اس کے علاوہ پولیس اور دیگر ایجنسیز کی طرف سے ریڈ الرٹ کے طور پہ ایک ماہ میں کتنی تصاویر آپ کو بھیجی جاتی ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''آرام سے بھی دو سو سے اوپر۔''

''جب میں نے وہ تصویر ایئر پورٹ بھیجی' صرف اس لئے کہ میرے بھائی کو آنے میں تاخیر ہوگئی تھی' تا کہ وہ اغوا وغیرہ ہوا تھا تو اس واقعے کو آج کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟''

''ڈھائی سال!''

''اور سعدی یوسف کے اغوا کے وقت اس بات کو تقریباً ڈیڑھ سال گزر چکا تھا۔''

''ایسا ہی ہے۔''

''اور اس ڈیڑھ سال کے دوران آپ نے دو ہزار تصاویر بطور الرٹ دیکھی ہوں گی۔''

''اس سے بھی زیادہ۔'' آپریٹر اعتماد سے مسکرایا تھا۔

''تو کیا اسی لئے آپ کے لئے دیکھے ہوئے چہرے کو بھی یاد رکھنا مشکل ہے۔''

''آبجیکشن یور آنر۔ گواہ سے رائے بھی مانگ رہے ہیں کاردار صاحب اور ان کو لیڈ بھی کر رہے ہیں۔'' وہ بیزاری سے بولی تھی۔

''Sustained'' جج صاحب کی رولنگ کے بعد ہاشم سر جھٹک کے اب سوالات کا رخ موڑ کر عصمت بی بی کی طرف لے آیا۔ ذاتی عناد' پروفیشنل جیلسی' وغیرہ وغیرہ اور مسعود صاحب اب اعتماد سے بتا رہے تھے کہ یہ خاتون پہلے کتنے لوگوں کے ساتھ یہ کر چکی ہے۔

سماعت کے بعد زمر باہر آئی تو فارس دروازے کے ساتھ اس کا منتظر کھڑا تھا۔ چہرے پہ حیرانی اور قدرے اچنبھا سا تھا۔ وہ فائلز سینے سے لگائے آگے بڑھنے لگی تو وہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''تمہیں اس کی ای میلو کا کیسے پتہ چلا؟ اور تم نے ایئر پورٹ کے اتنے سارے لوگوں سے ان کے ایفی ڈیوٹ اور ای میلو کیسے لیں؟'' وہ واقعی متحیر تھا۔

''اسے oppo research کہتے ہیں' اور چونکہ میں وکیل ہوں تو مجھے وہ کرنی آتی ہے۔'' وہ مسکراہٹ دبائے چلتی جا رہی تھی۔

''مگر تمہیں کیسے پتہ کہ وہ بھی اسی کلب کا ممبر ہے جہاں نوشیرواں بھی جاتا ہے؟''

''کیونکہ میں ایک اچھی وکیل ہوں۔ تم کیا مجھ سے متاثر ہو رہے ہو؟''

اس کے ساتھ چلتے فارس کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

''ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔'' زمر نے چہرہ موڑ کے مسکرا کے اسے دیکھا۔''میری زندگی میں وہ وقت پتہ نہیں آئے گا بھی یا نہیں!''

''مجھے تو آثار نہیں نظر آ رہے۔'' وہ بھی مسکراہٹ دبا کے بولا تھا۔

''ماموں!'' سعدی پیچھے سے پکارتا ہوا آ رہا تھا۔ فارس نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟ پریشان لگ رہے ہو؟''

''یہ احمر شفیع کہاں ہے؟ فون آف ہے اس کا اتنے دن سے۔'' وہ جھنجھلایا ہوا بھی تھا۔ فارس کی نظروں کے سامنے وہ بیگ، زیور، پاسپورٹ گھوم گئے۔ اس نے گہری سانس لی۔

''وہ کہیں شہر سے باہر گیا ہوا لمبے عرصے کے لیے۔ اس کو تنگ مت کرو۔''

''ایسے کیسے چلا گیا؟ میرے ساتھ اتنے کام کرنے تھے اس نے۔''

''اس کے پیچھے مت پڑو۔ اس کو اپنی مرضی سے جانے دو۔'' زمر نے بھی نرمی سے کہا تھا۔

سعدی کشمکش و پیچ میں مبتلا کھڑا رہ گیا، اور وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ پتہ نہیں کیوں، وہ مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔ احمر کچھ بھی کر سکتا تھا، مگر جتنا سوشل وہ تھا، وہ اپنا فون اور واٹس ایپ یوں بند نہیں کر دیتا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ مری عمر کا صحرا، مرے دھلوں کا سراب

سر مژگاں نہ رہے گا تو کدھر جائے گا!

وہ ایک گرم صبح تھی۔ حبس آلود، گھٹن زدہ۔ فضا میں کوئی ان دیکھی سی نمی تھی۔ جیسے کوئی خاموش آسیب ناک میں بیٹھتا ہے اور دلوں کی دھڑکن سنتا رہتا ہے۔

مور چال کے پورچ میں اندر سے اڑ اڑ کے آتی ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں محسوس ہو رہی تھیں۔ زمر اپنی کار کا دروازہ کھولے کھڑی تھی، کوٹ پہنے، پرس کاندھے پہ ڈالے، تیار اور مصروف سی اور بس آخری منٹ میں گویا فارس کو ہدایات دے رہی تھیں۔

''گھر جلدی آنا۔ پھر تم نے مجھے ڈنر پہ لے کر جانا ہے۔''

''اینورسری کل ہے مادام، اور جہاں تک ڈنر کا تعلق ہے تو کل حسینہ بنائے گی نا کدو گوشت۔'' وہ سادہ سی شرٹ پہنے، جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا، ہشاش بشاش سا مسکراتا کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم آج رات بارہ بجے نہیں سلیبریٹ کر سکتے؟'' وہ خفا ہوئی۔

''کس چیز کو سلیبریٹ کرنا ہے؟ آپ نے مجھ سے انتقام کے لئے، میری زندگی کو جہنم بنانے کی نیت سے جو عقد کیا تھا اس کو سلیبریٹ کرنا

ہے کیا؟"

"نہیں، تمہاری دولت اور اس شاندار جاب کو سیلیبریٹ کرنے کے لئے جس پہ تم روز جاتے ہو اور جس کے لئے میں نے تم سے شادی کی تھی۔" وہ جل کر بولی تھی۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ گرم صبح بھی خوشگوار لگنے لگی تھی۔

"میں تمہیں کسی ڈنر پہ نہیں لے جا رہا۔ تم نے موقع ضائع کر دیا مجھ سے برتن دھلوا کے۔" ابھی وہ اور بھی کچھ کہتا جب گیٹ کے باہر ٹائر رگڑ کر رکنے کی آواز آئی۔ وہ دونوں چونکے۔ ایک کار کی دروازے کھلے اور پھر بیل بجی۔ فارس آگے آیا اور دروازہ کھولا۔

"شہرین!" وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ زمر نے اس کے کندھے کے پیچھے سے جھانکا۔ باہر شہری کھڑی تھی۔ باب کٹ سنہرے بالوں کو کھلا چھوڑے، گلے میں اوٹ پٹانگ مالائیں ڈالے، ایک کان میں بالی پہنے دوسرا کان خالی، وہ ہیجان کا شکار نظر آتی تھی۔ اسے دیکھ کر بے چینی سے بولی تھی۔

"فارس تم میرے لئے کیا کرو گے اگر میں تمہارے کیس میں تمہاری مدد کروں؟"

"وعلیکم السلام شہری، مجھے بھی تم سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔" وہ تحمل مگر غور سے اسے دیکھ کے بولا تھا۔

"مجھے کسی ایک سائیڈ پہ ہونا ہے کیونکہ جلد ہی گواہی کے لئے بلائی جاؤں گی۔ اس لئے مجھے بتاؤ، تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟" شہرین نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتے ہوئے سوچتا رہا۔

"یہ منحصر ہے اس پہ کہ تمہارے پاس کیا ہے۔"

"نوشیرواں کا لائسنس، جو اس کی گلاک گن کا ہے۔"

فارس کے ابرو بے یقینی سے اٹھے اس نے مڑ کے زمر کو دیکھا جو اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"اندر آجاؤ۔"

"تمہارا گھر وائرڈ ہو سکتا ہے، میں خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تمہیں باہر آنا ہوگا۔"

"اوکے۔" اس نے ایک نظر زمر پہ ڈالی... اس وقت کی ایک آخری نظر... اور باہر نکل گیا۔ زمر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ گلاک گن میں اٹکا ہوا تھا، مگر دل فارس میں۔ ابھی وہ اس پہ خفا ہو رہی تھی، مگر ایک دم وہ گھر سے گیا تو لگا جیسے سب کچھ خالی ہو گیا ہے۔ کاش وہ نہ جائے، آج کا دن اس کے ساتھ گزارے، مگر اونہوں۔ وہ سر جھٹکتی واپس کار کی طرف آئی۔ وہ ضروری کام سے گیا ہے، اتنا خود کو کسی کا عادی نہیں کرنا چاہیے زمر بی بی۔ خود کو دل میں پکارا اور خود ہی ہنس دی۔ (زمر بی بی؟ واؤ!)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بندہ پرور جو ہم پہ گزری ہے

جو ہم بتائیں تو کیا تماشہ ہو

سورج سوا نیزے پہ تھا جب سعدی اس فلیٹ بلڈنگ کی لفٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ ساتھ میں گردن ادھر ادھر گھما کر اندازہ بھی کر رہا تھا کہ درست جگہ پہ ہے یا نہیں۔ عمارت تو یہی تھی' فلیٹ نمبر بھی اسے مدھم مدھم سا یاد تھا۔ فلور کے بارے میں وہ قدرے متذبذب تھا۔ پھر اندازے سے ایک بٹن پہ انگلی رکھی تو لفٹ کے دروازے بند ہونے لگے۔

مطلوبہ فلور پہ اتر کے وہ غیر شنا سا نظروں سے اطراف میں دیکھتا آگے آیا۔ پودا' راہداری' فلیٹ کا دروازہ۔ غالباً یہی تھا احمر کا فلیٹ' مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہاں ہر فلور ایک سا لگتا تھا۔ ایک سے پودے۔ ایک سے دروازے۔ خیر۔ وہ آگے آیا اور دروازے کے ساتھ لگی بیل بجائی۔ پھر سر پہ جمی پی کیپ درست کرتا' ذرا ہٹ کے کھڑا ہو گیا' تاکہ دروازے کے سوراخ سے دیکھنے والا اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ (شاید احمر اس کو avoid کر رہا ہو تو کم از کم یوں وہ کسی اور کے دھوکے میں دروازہ تو کھول دے گا۔)

اندر فلیٹ نیم اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ صرف کمرے کی بتی جل رہی تھی جس میں وہ تین آدمی اس کے سر پہ کھڑے تھے۔ وہ ہنوز بندھا ہوا نیچے بیٹھا تھا' اور سر نیہوڑا رکھا تھا۔ گھنٹی کی آواز پہ سب چونکے۔ احمر نے بھی سر اٹھایا۔ وہ پہلے سے زیادہ نقاہت زدہ دکھتا تھا۔

"ارے اس وقت کون آ گیا؟ ہاں؟ بول۔" ان کے سرغنہ نے اس کو بالوں سے پکڑ کے جھٹکا دیا۔

"جا کر خود کیوں نہیں دیکھ لیتے؟" وہ تلخی سے بولا تھا تو اس نے جھٹکے سے اس کا سر چھوڑا۔ پھر باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد واپس آیا۔

"کوئی آدمی ہے' شکل نہیں دکھائی دے رہی۔ اس طرف منہ کر کے کھڑا ہے۔ سر پہ کیپ پہن رکھی ہے۔" اس نے موبائل پہ میجک آئی سے تصویر بنالی تھی اور اب احمر کو دکھا کے پوچھ رہا تھا۔ "کون ہے یہ؟"

احمر نے ایک بے نیاز نظر تصویر پہ ڈالی۔

"یہ؟ یہ تو پزا والا ہے۔ اس کے آؤٹ لٹ کا بل دینا تھا مجھے۔ دو ہزار روپے۔"

پھر سے گھنٹی بجی۔ تیز چنگھاڑتی آواز۔ تینوں نے باری باری ایک دوسرے کو دیکھا۔

"خود ہی تھک کے چلا جائے گا۔ بجانے دو گھنٹیاں۔" ایک نے مشورہ دیا۔

"ویسے بھی کوئی اور تو اس کے پاس آتا جاتا نہیں ہے۔ سو کسی کو نہیں شک ہو گا۔"

"اور ہم نے اس کو یہیں رکھنا ہے' یہاں سے لے جا بھی نہیں سکتے۔" ان کی مدھم آوازیں احمر شفیع کو سنائی دے رہی تھیں۔

"میری کار پارکنگ میں کھڑی ہے۔ اس پزا بوائے نے وہ دیکھ لی ہو گی۔ اسے پتہ ہے کہ میں گھر پہ ہوں۔ اس نے اپنی طرف سے پیسے دے کر کھانے میں غلط اعداد و شمار لکھے تھے' اور اب وہ پیسے لئے بغیر نہیں جائے گا۔ دروازہ نہ کھولا تو پارکنگ میں جا کر میری کار کے شیشے توڑ دے گا' نتیجتاً گارڈز اوپر مجھے بلانے آئیں گے' پھر کیا کرو گے تم لوگ؟"

"چپ کر کے بیٹھو۔" ایک غرایا تھا۔

"میرے ہاتھ کھولو اور مجھے دو ہزار دے دو' تاکہ میں اسے پکڑا کے چلتا کروں۔ مجھے پتہ ہے تم لوگوں نے مجھے مارنا نہیں ہے۔ اور

تمہارے مالک سے ملنے کا مجھے خود بھی کافی شوق ہے تو میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ پکڑے جاؤ۔ میرے ہاتھ کھولو میرا منہ دھلواؤ‘ تاکہ میں اس کو چلتا کروں۔“ ان تینوں نے پھر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ گھنٹی ہنوز بج رہی تھی۔

چند منٹ بعد دھلے چہرے والا احمر دروازے کے ساتھ کھڑا تھا‘ اس کے ہاتھ میں ہزار ہزار کے دو نوٹ تھے‘ اور اس کی پشت سے ایک آدمی نے پستول کی نال لگا رکھی تھی۔ اندر کی ساری بتیاں بجھا دی تھیں‘ تاکہ وہ دروازہ کھولے تو باہر والا اندر سے نہ جھانک سکے۔

”پہلے پوچھو کہ کون ہے‘ اور کوئی چالاکی مت کرنا۔“ وہ ابھی تک مشکوک تھا۔ احمر نے گہری سانس لی اور کھنکھار کے آواز لگائی۔

”اے.... پزا بوائے ہو نا؟“

”ہاں جی‘ پزا بوائے ہوں۔ اب دروازہ کھولو۔“ وہ خفگی سے بولا تھا۔ احمر نے فاتحانہ نظروں سے اغوا کار کو دیکھا اور پھر آگے بڑھا۔ دروازہ ذرا سا کھولا اور سر باہر نکالا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا۔

”مرے کیوں جا رہے ہو دو ہزار روپے کے لئے؟ گھنٹی بجا بجا کے دماغ خراب کر دیا ہے میرا۔ دو پزے کیا منگوا لئے‘ تم لوگ تو جان کو آ جاتے ہو۔ یہ پکڑو۔“ غصے سے بولتے اس کے ہاتھ میں نوٹ تھمائے۔ سعدی ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ ”خبردار جو اب گھنٹی کی۔ دفع ہو جاؤ ادھر سے۔ اور اگر اب دروازہ بجایا تو کان کھول کر سن لو میں سیکیورٹی والوں کو بلا لوں گا۔“

”کیا.... کیا...؟“ وہ سنبھل کے کچھ بول بھی نہ پایا تھا کہ احمر نے اس کے منہ پہ دروازہ بند کر دیا۔ سعدی نے بے اختیار دروازہ بجایا۔

”احمر... ایک منٹ میری بات سنو۔“

”دفعہ ہو جاؤ‘ خاور‘ ورنہ میں سیکیورٹی کو بلا لوں گا۔“ وہ حلق پھاڑ کے چلایا تھا۔ سعدی کا ہاتھ رک گیا۔ ساکت۔ شل۔ (خاور؟) وہ چند لمحے کھڑا ہاتھ میں پکڑے نوٹ دیکھتا رہا‘ پھر شل سا پلٹ گیا۔

ان کا سرغنہ میجک آئی سے باہر جھانک رہا تھا۔ وہ چلا گیا تو اسے سکون آیا۔ وہ واپس مڑا اور احمر کے ہاتھ پیچھے باندھ کر ہتھکڑی لگانے لگا۔ احمر نے کوئی مزاحمت نہیں کی‘ خاموشی سے خود کو بندھواتا رہا۔

سعدی اسی شل سی کیفیت میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ لفٹ کی بجائے وہ زینوں سے جا رہا تھا‘ جانے کیوں۔ بار بار الجھ کر احمر کے الفاظ پہ غور کرتا۔ شاید اندر کوئی لڑکی ہو اور وہ اسے بھگانا چاہ رہا ہو۔ مگر.... پزا بوائے.... جب پہلی بار ادھر آیا تھا تو احمر اسے پزا بوائے سمجھا تھا۔ آج برسوں بعد اس لقب سے پکارا تھا۔ مگر ”خاور؟“ اور یہ نوٹ۔ اس نے وسط سیڑھیوں پہ رک کر ان دو نوٹوں کو دیکھا۔ وہ لپٹے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو کھولا۔

دونوں نوٹوں کے درمیان.... تازہ خون لگا تھا۔ بالکل تازہ سرخ بوندیں۔ سعدی یوسف سناٹے میں رہ گیا۔

اور اب وہ احمر شفیع کو اندھیر لاؤنج سے گزار کے روشنی والے کمرے میں لے جا رہے تھے۔ جیسے ہی وہ اندر آیا‘ روشنی میں اس کے ہاتھ کی پشت عیاں ہوئی‘ جس پہ ایک کٹ لگا تھا (جو اس نے اندھیر راہداری میں دروازے کے لاک کے ساتھ رگڑ کے لگایا تھا) اور یہاں پہنچنے تک

اس کو مسلسل دوسرے ہاتھ سے دبا کر رکھنے کے باعث اس سے خون رسنا رک گیا تھا۔ زائد خون وہ کپڑوں سے رگڑ کر صاف کر چکا تھا اور جس لمحے ان تینوں نے اسے واپس بیڈ کے قریب باندھا' اس کے ہاتھ پہ ان کو ایسا کچھ نہ دکھا جو ان کو کسی شک میں ڈالتا۔ اب وہ ٹولی کی صورت کھڑے باتیں کر رہے تھے' اگلا لائحہ عمل طے کر رہے تھے' اور احمر خاموشی سے بیٹھا وال کلاک کو دیکھ رہا تھا۔ گھڑی لحہ بہ لحہ وقت کو گن رہی تھی۔ ٹک ٹک..... ٹک ٹک......

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا بہاروں نے نئے عہد کی دستک دی ہے

شہریاروں کی خزاؤں کا سحر جاتا ہے۔

اس چھوٹے سے آفس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ کمپیوٹر کے سامنے ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ماؤس چلا رہا تھا اور فارس اس کے کندھے پہ جھکا' اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ شہرین دوسری طرف کھڑی تھی۔

"ملا کچھ؟" وہ بے چینی سے بولی تو فارس نے سنجیدگی سے اسکرین کو دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "نوشیرواں کے نام سے کوئی ریکارڈ نہیں آ رہا۔"

"ہاشم کاردار کے نام سے کچھ کنز آ رہی ہیں میڈم۔" آفیسر نے اطلاع دی۔

"نوشیرواں کا ریکارڈ وہ مٹا چکے ہوں گے۔ جب ہمیں اتنی آسانی سے منسٹری کے ڈیٹا بیس تک ایکسس مل گئی ہے' تھینکس ٹو یور فادر شہری' تو ان کو بھی مل گئی ہو گی۔" فارس افسوس سے کہتا سیدھا ہوا۔ "تمہارا شکریہ مگر وہ ریکارڈ مٹا چکے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"ہارڈ کاپیز کہاں ہوتی ہیں؟" شہری نے افسر کو سوچتے ہوئے مخاطب کیا۔ فارس ایک دم چونکا۔ "ہاں واقعی' ہارڈ کاپیز کا ریکارڈ تو ہو گا نا۔"

"وہ تو میم....." وہ ذرا ہیجان سے بولا۔ "ایک دوسری بلڈنگ میں ہیں' اور وہاں آپ کو میں یوں نہیں لے کر جا سکتا۔" شہری نے تندہی سے اسے گھورا اور پرس کھولا۔ چند گلابی کڑک دار نوٹ نکالے اور اس کے سامنے میز پہ ڈالے۔

"ہمیں وہ فائل چاہیے' اس لئے اب تم ہمیں اس بلڈنگ میں لے کر جاؤ گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے میم' مگر....." اس نے ڈھیرے سے نوٹ اٹھائے۔ "شفٹنگ کے دوران فائلز کو ڈبوں سے نکال لیا گیا تھا۔ ان کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔ اتنے بڑے تین کمرے فائلز سے بھرے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں پورا دن لگ جائے گا۔"

"یعنی اگر ہاشم نے وہ فائل نکالنی ہوتی تو اسے بھی کئی بندے لگا کے کئی گھنٹے کام کروانا پڑتا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ اتنا خوار کون ہو' اور صرف سافٹ کاپی مٹانے پہ اکتفا کیا ہو۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شہری کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

"یعنی فائل مل جانے کے چانسز زیادہ ہیں۔ گڈ۔ فاروق ہمیں ادھر لے چلو۔ چلو نا' اب شکل کیا دیکھ رہے ہو؟" شہری نے آنکھیں دکھائیں تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"سنو۔" پھر وہ اس کے قریب آئی۔ "اگر لائسنس ڈھونڈ دیا میں نے تمہیں تو تم بھی میرا ایک کام کرو گے اچھا۔" اسے یاد دلایا۔ فارس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"پہلے لائسنس مل جائے پھر دیکھتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوا کی زد پہ.....ہمارا سفر ہے کتنی دیر

چراغ ہم کسی شامِ زوال ہی کے تو ہیں۔

مورچال پہ رات اُتر آئی تھی۔ حنین یہ تسلی کرنے کے بعد امی سو چکی ہیں اور اب اس کو ڈانٹ نہیں سکتیں اپنی الماری سے وہ سارا سامان نکالنے لگی جو stencil پینٹ کرنے کے لئے اسے چاہیے تھا۔ صبح یا تو امی لاؤنج کی دیوار پہ ایک خوبصورت شاہکار دیکھیں گی یا صرف "شاہکار"! تب تک جو بھی ہو وہ اپنا کام اچھا یا برا کر چکی ہو گی۔ بہت جوش سے چیزیں اکٹھے کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

زمر اپنے کمرے میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے فون اٹھا کے دیکھ لیتی۔ فارس صبح کا گیا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وال کلاک پہ سیکنڈ والی سوئی ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

باہر حنین اب stencil کے خاکے کو دیوار پہ چپکا رہی تھی۔ اس کی خالی جگہوں پہ اس نے رنگ بھرنا تھا......

فارس ایک نیم اندھیر آفس میں کھڑا تھا۔ بتیاں بند تھیں اور وہ الماری سے فائلوں کا تھبا نکال کے زمین پہ رکھ رہا تھا۔ قریب میں اسٹول پہ بیٹھی شہری فائلوں کے ڈھیر میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ افسر بھی ساتھ بیٹھا ایک ایک صفحہ کھول کے دیکھ رہا تھا۔ بتیاں بند تھیں اور وہ تینوں پینسل ٹارچز کی مدد سے کام کر رہے تھے۔ فضا میں گرد اور گھٹن تھی۔ سست روی تھی۔ وقفے وقفے سے شہری کھانستی پھر ناک رگڑتی اور کام کرنے لگ جاتی......

احمر شفیع کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر کار میں موجود سعدی خاموش سا بیٹھا تھا۔ بالکل چپ۔ جیسے کسی کا منتظر ہو۔

اوپر فلیٹ میں وہی گھٹن زدہ ماحول چھایا تھا۔ اغوا کاروں کا ایک کارندہ دوسرے سے بے چینی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ "اسے پنڈی والے گودام لے چلتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ کوئی اور آجائے اس کا پوچھنے۔"

"نہیں اس کو کہیں نہیں لے کر جانا۔ باہر موو کرنے میں بہت خطرہ ہے۔ یہیں کرنا ہے جو کرنا ہے۔"

نیچے بندھے احمر کی نظریں ہنوز گھڑی پہ جمی تھیں۔ دل بھی اسی آواز کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ ہر گزرتے سیکنڈ پہ ایک دفعہ ڈوب کر ابھرتا۔

کیا کوئی آئے گا اس کی مدد کے لئے؟ کیا سعدی سمجھ پائے گا؟ یا وہ بے نام و نشان یہیں مر جائے گا؟

مورچال کے لاؤنج میں حنہ اسٹول پہ کھڑی دیوار پہ پینٹ کر رہی تھی جب آہٹ پہ چونکی۔ تیاری زمر کمرے سے نکل رہی تھی۔ حنہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟"

"اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔"

"کل بیس مئی ہے؟ ایک سال ہو گیا؟"

"کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے بیس مئی ہے۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے ڈنر ڈنر کرنے کے بعد بالآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔"

حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ "کہاں بلایا ہے؟"

"ہم دونوں کے لئے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔"

"وہ تو گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بلا رہا ہے' نگرا کیلئے آنے کا کہا' اور وہ بھی بیس مئی کی رات..... ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ اوکے اللہ حافظ"۔ وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے' اور واپس آئے' مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر' حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔

حنہ مسکرا کے واپس پینٹ کرنے لگی۔

اندھیر آفس میں وہ تینوں زمین پہ بیٹھے فائل پہ فائل چیک کیے جا رہے تھے' جب فارس نے جیب سے موبائل نکالا۔ نو سگنل۔ شاید یہاں جیمر لگے تھے۔ وہ موبائل واپس ڈال کے کام کرنے لگا۔

چند لمحے گزرے تھے جب شہری کا موبائل بجا۔ سر جھکائے کام کرتے فارس کے ہاتھ بالکل تھم گئے۔

"ہاں ٹھیک ہے' تم اس کو دوا دے دو اور....." سونی کو بخار تھا اور وہ فون پہ ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھی۔ فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے' وہ ساتھ ہی فائل کے صفحے بھی الٹ رہی تھی۔ فارس دم سادھے بیٹھا رہا۔ شہری نے فون بند کیا تو فارس نے اپنی جیب سے موبائل نکال کے پھر دیکھا۔ نو سگنل۔

اب کی بار اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ مختلف نظریں تھیں۔ غور سے چبھتے ہوئے انداز میں شہری کو دیکھا۔ "تم بہت سست روی سے کام کر رہی ہو۔ جلدی ہاتھ چلاؤ۔" بظاہر مصروف سے انداز میں بولا تھا۔ شہری "کر تو رہی ہوں' ڈسٹ بہت ہے" کہہ کر نزاکت سے کھانسی' اور پھر اگلی فائل اٹھالی۔

وہ فائلز اٹھائے کھڑا ہوا اور دروازے کے ساتھ نصب الماری کے سامنے جا رکا۔ فائلز اندر رکھیں اور یونہی الماری میں سر گھسائے چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ کنکھیوں سے وہ دونوں کو دیکھ بھی رہا تھا۔ شہری کی اس طرف پشت تھی' البتہ آفیسر کبھی ادھر جاتا' کبھی ادھر۔ ساتھ ہی بار بار کلائی کی گھڑی پہ بھی ٹارچ مارتا۔ شہری کے ہاتھ بھی سست روی سے چل رہے تھے۔ دونوں کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر کس کا؟

وہ چند ثانیے الماری میں سر دیے کھڑا رہا۔ جیسے ہی اس نے دیکھا کہ آفیسر کی اس طرف پشت ہوئی ہے' وہ سرعت سے پیچھے ہٹا اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ بنا چاپ پیدا کیے وہ راہداری عبور کر کے زینوں کی طرف لپکا۔ جوتے اتار کے ہاتھ میں پکڑ لئے اور تیز تیز سیڑھیاں اُترنے لگا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ماتھے پہ پسینہ تھا۔

اندھیر کمرے میں شہری اسی طرح بیٹھی ٹارچ کی روشنی فائلز پہ ڈال رہی تھی۔ دفعتاً وہ سیدھی ہوئی اور گردن تھکاوٹ کے انداز میں دائیں بائیں موڑی تو چونکی۔ تیسری ٹارچ کی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس نے جلدی سے ٹارچ الماری پہ ڈالی۔

وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ حواس باختہ سی اٹھی اور باہر دوڑی۔ راہداری' دوسرے آفسز کے مقفل دروازے' زینے' سب سنسان پڑے تھے۔ اس نے بے اختیار ماتھا چھوا۔

''اوہ نو۔'' پھر پیچھے گھومی اور چلائی۔ ''وہ بھاگ گیا ہے' جاؤ اسے ڈھونڈو۔'' آفیسر ہڑبڑا کے اٹھا اور باہر کو لپکا۔ وہ اب پریشانی سے فون کان سے لگائے ہوئے تھی۔

''ہاشم..... پولیس مت بھیجو۔ وہ جا چکا ہے۔ میرا کیا قصور؟ مجھے واقعی نہیں علم ہو سکا۔'' وہ جھنجھلا کے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شمعیں باغی ہیں خاک کر دینگی

آندھیوں سے کہو سدھر جائیں۔

احمر شفیع کے فلیٹ کی بلڈنگ اسی طرح سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کے اوپر..... آسمان پہ چمکتا ہوا تھال جیسا چاند نظر آ رہا تھا۔ زیرِ زمین پارکنگ میں کار کھڑی کر کے سعدی باہر نکلا۔ سر پہ کیپ تھی' آنکھوں پہ گلاسز تھے' اور دونوں ہاتھوں میں گروسری کے شاپر پکڑ رکھے تھے۔ مصروف سے انداز میں جیسے کوئی تھکا ہارا مکین گھر کو لوٹتا ہے' وہ سیدھا لفٹ تک آیا اور گارڈز کو نظر انداز کر کے اندر سوار ہو گیا اور مطلوبہ بٹن دبائے۔

لفٹ منزل بہ منزل فضا میں اوپر سفر کرنے لگی۔ احمر کا فلور آیا تو وہ باہر نکلا۔ سامنے مخالف سمت میں کئی دروازے بند پڑے تھے۔ سعدی جلدی سے نیچے زمین پہ بیٹھا' اور دونوں لفافوں سے پیکٹ نکالے' پھر ان کو کھول کے زمین پہ الٹنے لگا۔ ان میں سرمئی سفید سا سفوف تھا جس کی عجیب سی بدبو تھی۔ سفوف کا ڈھیر لگا کے اس نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں کوئی آ تو نہیں رہا؟ مگر راہداری سنسان پڑی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے دوسرے لفافے سے ایک بوتل نکالی' ڈھکن کھولا' دوسرا ہاتھ ناک پہ جمایا اور مائع سفوف پہ الٹ کر ایک دم پیچھے ہٹا۔ سرسر کی آواز آئی اور نہ کوئی آگ لگی' نہ شعلے بلند ہوئے مگر سفوف جلنے لگا' اور سیاہ دھواں فضا میں بلند ہونے لگا۔ شاپرز وغیرہ کو ڈسٹ بن میں پھینکتا' وہ تیزی سے دیوار پہ لگے فائر الارم تک آیا اور اسے کھینچ دیا۔ پھر بھاگ بھاگ کے چاروں دروازوں کو کھٹکھٹانے لگا۔ مگر فائر الارم کی آواز اتنی بلند تھی کہ دستک کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پوری بلڈنگ ایک دم جاگ اٹھی تھی۔ ساری راہداری دھوئیں سے بھر گئی تھی' گویا

نچلے فلور پہ آگ لگی ہو اور دھواں اٹھ کے یہاں تک آ رہا ہو اور سعدی یوسف ناک پہ ہاتھ رکھے ایک ایک دروازہ بجا رہا تھا۔

''باہر نکلو۔ آگ لگی ہے۔ جلدی نکلو۔'' احمر کا دروازہ بجا کے وہ دھڑکتے دل سے چلایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ جو ٹھہرا ہوا بظاہر ہے اذیت ہے مری

جو تلاطم ہے اندر ہے سکوں ہے میرا۔

وہ خوبصورت ہوٹل آج بھی روشنیوں سے منور اور عالیشان دکھتا تھا جیسا کہ ماہ کامل کی اس حسین رات میں اسے لگا تھا۔ رات کے گیارہ بجنے کے باوجود لابی میں خاصی گہما گہمی تھی۔ زمر لبوں پہ مسکراہٹ سجائے' سیاہ جھلملاتے لباس میں تیاری ادھر ادھر چہرہ گھماتی آگے بڑھ رہی تھی۔ نظریں فارس کو تلاش کر رہی تھیں۔ سارا دن اس کو دیکھا نہیں تھا' وہ واقعی اسے مس کرنے لگی تھی۔

''فارس غازی کے نام سے ٹیبل ریزروڈ ہے؟'' اس نے استقبالیہ پہ کھڑے باوردی افسر سے پوچھا۔

''جی' ادھر آجائیے۔'' وہ اسے مودب سے انداز میں آگے لے گیا۔ وہ مسکراہٹ دبائے آگے چلتی گئی۔

ہاشم کاردار کے آفس میں صرف ایک بتی روشن تھی۔ یا پھر کونے میں رکھے ایکویریم کی بتیاں جل رہی تھیں۔ عجیب نیم اندھیر' پراسرار سا ماحول بنا ہوا تھا۔ وہ شرٹ کے کف موڑے کھڑا' رئیس کے کندھے کے اوپر سے جھک کر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں چمک تھی۔

''وہ ہوٹل میں آگئی ہے' سر!''

''گڈ۔ تمہیں کیسے پتہ چلا وہ اس ہوٹل کا سن کر مان جائے گی؟''

''کیونکہ وہ چند دن پہلے غازی سے فون پہ کہہ رہی تھی کہ اسے اس ہوٹل میں ڈنر کرنا ہے۔ شاید وہ اس سے پہلے بھی یہاں آچکے ہیں۔''

''ویری گڈ۔ اب اس کو کال ملاؤ۔ اور ہاں' فارس کے سگنلز کھول دو۔ اب تک وہ گھر پہنچ گیا ہوگا' اس کو پریشان ہونے دو۔'' کھیل شروع ہو چکا تھا' وہ دلچسپی سے کہہ رہا تھا۔ مزا تو اب آنے لگا تھا۔

''راجر' باس!'' رئیس نے سر کو خم دیتے چند کلکس کیے' اور پھر اسپیکر پہ گھنٹی جانے کی آواز سنائی دینے لگی.....

آبدار عبید اپنے کمرے میں بیٹھی لیپ ٹاپ پہ کام کر رہی تھی' جب دروازہ زور سے بجا۔ اس کے ابرو بھنچے۔ گردن موڑ کے دیکھا۔

''اندر آجاؤ۔'' تحکم مگر ناگواری سے پکارا۔ دروازہ کھلا اور سامنے ملازمہ نظر آئی۔

''ہاشم کاردار صاحب نے آپ کے لئے کار بھیجی ہے۔ آپ کو آفس بلوایا ہے۔'' وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذرا حیران' ذرا پریشان۔

''بابا کہاں ہیں؟''

''وہ گھر نہیں آئے۔''

"میری کار نکلواؤ' ڈرائیور اور دو گارڈز کو بولو تیار رہیں میں آ رہی ہوں۔" ملازمہ کے جاتے ہی اس نے تیزی سے موبائل اٹھایا۔ اوپر ہاشم کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

"It's about Faris Ghazi۔" چار الفاظ میں ساری بات ہی ختم کردی تھی اس نے۔ وہ چند لمحے متذبذب سی کھڑی رہی۔ پھر پلٹ کے خود کو آئینے میں دیکھا۔ سفید لمبی قمیص کے ساتھ سفید ٹراؤزر پہنے' وہ سرخ بالوں کو کیچر میں اونچا باندھے ہوئے' عام سے حلیے میں نظر آتی تھی۔ دل اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ لباس بدلنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے سرخ رومال اٹھایا' ماتھے کے اوپر باندھا' بالوں کو پھر سے کیچر میں کسا اور باہر کو لپکی۔

ہوٹل کا ریستوران ایریا زرد روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ پسِ منظر میں بجتی مدھم سروں کی موسیقی' جا بجا سجے خوشبودار پھول' اور اس کی میز کے وسط میں رکھی موم بتی' سب مل کر خوبصورت پرفسوں ماحول بنائے ہوئے تھے۔ وہ کہنیاں میز پر رکھے' ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرائے منتظری ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ انتظار کی خوشی اب بے چینی اور فکر میں بدلتی جا رہی تھی.....

احمر کے اپارٹمنٹ کا دروازہ دھڑا دھڑ کھٹکھٹایا جا تا رہا تھا۔ دروازے کی درز سے دھواں اندر بھی داخل ہو رہا تھا۔ باہر لوگوں کی چیخ و پکار لگ تھی۔ کمرے میں نیچے بندھے احمر نے چونک کر وہ فائر الارم سنا تھا' پھر اس نے تینوں کی طرف سر گھمایا جو ایک دم پریشان ہو گئے تھے۔

"بلڈنگ میں آگ لگ گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے یہ فالس الارم ہو۔" سرغنہ مشکوک تھا۔

"کیا کر رہے ہو؟ نکلو یہاں سے۔ ہم سب ورنہ جل کر مر جائیں گے۔" احمر شفیع چلایا تھا۔ سرغنہ ابھی تک متذبذب دکھائی دیتا تھا' مگر دوسرے دونوں اغوا کار جلدی جلدی ساری نقدی' چیک بکس' کارڈز وغیرہ زیورات والے بیگ میں بھرنے لگے۔ باہر کا شور و غل پہلے سے مزید بڑھ گیا تھا۔ سرغنہ چند لمحے کھڑا دیکھتا رہا' پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ لاؤنج عبور کیا' اور بیرونی دروازہ کھولا۔ پھر ایک دم پیچھے کو ہٹا۔

باہر دھواں ہی دھواں تھا۔ سیاہ گھنا دھواں۔ وہ کھانستے ہوئے ذرا سا آگے بڑھا۔

"کیا ہوا ہے۔ کدھر آگ لگی ہے؟" اس نے ادھر ادھر بھاگتے لوگوں سے پوچھا۔ چیخ و پکار اور افراتفری میں ایک جملہ کان میں پڑا تھا۔ "آگ نہیں ہے' کسی نے کوڑا جلایا ہے شاید' دھواں ہے اس کا۔" وہ لوگ بالٹی بھر بھر کے اس سڑتے سفوف پہ ڈال رہے تھے' جس سے دھوئیں کا رنگ مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

"اوہ۔" سرغنہ فوراً اندر کو لپکا اور دروازہ بند کیا۔ اپارٹمنٹ کے اندر بھی کافی دھواں بھر چکا تھا۔ وہ کھانستا ہوا آگے آیا۔ اور احمر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ احمر بندھا پڑا تھا اور وہ دونوں جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے میں لگے تھے۔

"کوئی آگ واگ نہیں لگی۔ ذرا سا دھواں ہے بس۔ واپس رکھو سب کچھ۔ ہم کہیں نہیں جا رہے۔" وہ ڈپٹ کے بولا تو احمر کی رنگت پھیکی پڑنے لگی۔ اس نے بے چینی سے گھڑی کو دیکھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔

سرغنہ کرسی کھینچ کے پھر سے اس کے سامنے آ بیٹھا۔

"چلو پھر سے تفتیش شروع کرتے ہیں۔ ہاں تو مزید کتنا پیسہ ہے تمہارے پاس؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آدمی کو خدا نہ دکھلائے

آدمی کا کبھی خدا ہونا

روشنیوں سے مزین ہال کی چند میزیں ہی بھری تھیں' باقی سب خالی تھیں۔ لوگ اُٹھ اُٹھ کے اب جانے لگے تھے۔ زمر اُداسی سے بیٹھی گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی' جب اس کا فون تھرتھرایا۔ اس نے گہری سانس لے کر اسے کان سے لگایا۔

"کہاں ہو تم فارس؟"

"تم کہاں ہو؟ میں کب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔"

"انتظار تو میں کر رہی ہوں۔ ریسٹورانٹ ایریا میں بیٹھی ہوں۔ تم بتاؤ' تم کہاں ہو' میں وہیں آ رہی ہوں۔"

"اوہ میں سمجھا ابھی تم پہنچی بھی نہیں ہو گی میں اوپر ہوں۔ ففتھ فلور پہ۔ روم نمبر 507 میں۔ تم ادھر ہی آ جاؤ۔ ہمارا گواہ یہاں ہی ہے۔"

"گواہ۔" وہ پرس اٹھاتے ہوئے ٹھٹکی' پھر ایک نظر میز پہ سجے پھولوں کو دیکھا۔ "گواہ سے ملوانا تھا؟ واقعی؟ تو یہ ٹیبل کیوں ریزرو کروائی تھی؟"

"آ جاؤ پھر بتاتا ہوں۔ جلدی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

زمر چہرے پہ خفا سے تاثر سجائے' فون کان سے لگائے اٹھی اور آگے بڑھنے لگی۔ "ویسے کون ہے یہ گواہ؟"

"تم خود دیکھ لو گی۔"

"اچھا مگر یہ ہوٹل میں کیوں ہے؟" وہ لفٹ کے سامنے جا رکی۔ تین لفٹس کے بند دروازے نظر آ رہے تھے۔ سب اوپر تھیں۔ اس نے باری باری تینوں کو نیچے آنے کا بٹن پریس کیا۔ جو جلدی آ جائے غنیمت ہو گی۔

"کچھ فائلز تھیں اس کے پاس' اس سے لینے کے لئے یہاں آنا پڑا۔ آرام سے دے نہیں رہا تھا تو.... کمپرومائز پوزیشن میں لانا پڑا۔" لفٹ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ تبھی اس نے دیکھا' کونے والی لفٹ آ چکی تھی اور دروازے کھل گئے تھے۔ اندر سے وہ خالی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

"اوہ گاڈ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ؟ اچھا مجھے مت بتاؤ۔" لفٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے '5' کا بٹن دبایا اور فون کان سے لگائے بولی۔ "مجھے اپنے جرم پہ گواہ مت بنانا۔"

"تم میرے خلاف گواہی نہیں دے سکتیں۔"

''اچھا' وہ کیوں؟'' وہ مسکراہٹ دبائے پوچھ رہی تھی۔ لفٹ کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے' وہ انکھیوں سے لفٹ کی دو مخالف دیواروں کو دیکھ سکتی تھی جو آئینے سے ڈھکی تھیں۔ دائیں بائیں' گویا دو بڑے بڑے آئینے لگے ہوں۔ پیچھے کی دیوار لوہے کی تھی۔

''بھئی تم میری بیوی ہو' اور Spousal privilge کے تحت تم میرے خلاف گواہی نہیں دے سکتی۔ اب آ جاؤ' میں انتظار کر رہا ہوں۔''

زمر ایک دم بالکل ٹھہر گئی۔ لفٹ فضا میں اوپر کو اٹھ رہی تھی۔

''Spousal privilge?'' اس نے دہرایا۔ (یہ قانونِ شہادت میں ایک آرٹیکل ہے۔ جس کے تحت میاں بیوی کو دوران شادی کی گئی گفتگو کے بارے میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا' ماسوائے اس کے کہ کیس وہ دونوں آپس میں لڑ رہے ہوں جیسے طلاق بچوں کی کسٹڈی یا کوئی اور کیس۔)

''ہاں' ہزبینڈ وائف پریولیج۔''

''اور آرٹیکل نمبر کیا ہے اس کا؟'' زمر کی سوچتی نظریں لفٹ کی ننھی اسکرین پہ لگی تھیں جس پہ ہندسے بدل رہے تھے۔ دوسرا فلور۔ تیسرا....

''کیا؟'' وہ جواباً بولا تھا۔

(رئیس نے ٹائپ کرتے ہوئے گڑبڑا کے ہاشم کو دیکھا۔ ''اس کو شک ہو گیا ہے شاید۔'')

''تم عموماً آرٹیکلز کو ان کے نمبرز کے ساتھ کوٹ کرتے ہو' مجھے متاثر کرنے کے لئے' آج نہیں کیا تو میں پوچھ رہی ہوں کہ اس کا آرٹیکل یاد ہے یا بھول گیا؟ آخر لیکچر رہی ہوں میں تمہاری۔'' وہ محتاط سا پوچھ رہی تھی۔

(ہاشم تیزی سے کی بورڈ پہ جھکا اور ٹائپ کرنے لگا۔)

''میں اس وقت کافی فکرمند ہوں' اور تمہارا منتظر بھی اس لئے کہہ نہیں سکا۔ قانونِ شہادت آرٹیکل نمبر 5۔ خوش؟'' خفگی سے بولا تھا وہ لفٹ کا نمبر '4' سے بدل کر اب '5' ہو گیا تھا۔ دروازے کھلے مگر زمر باہر نہیں نکلی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ بولی تھی۔

''اور جس فارس غازی کو میں جانتی ہوں' وہ انتہائی بےکار اسٹوڈنٹ تھا (اس نے دروازے بند ہونے کے بٹن پہ انگلی رکھی اور گراؤنڈ فلور پریس کیا۔) اور اس کو اس قانون کا آرٹیکل نمبر یاد ہونا تو دور کی بات' اس کو یہ تک معلوم نہیں ہو گا کہ قانون شہادت میں ایسا کوئی آرٹیکل ہے بھی یا نہیں۔ مگر وہ واحد شخص جو انگلیوں پہ آرٹیکلز یاد رکھتا ہے' وہ ہاشم کاردار ہے' اس لئے بہت شکریہ میری اینورسری برباد کرنے کے لئے ہاشم' مگر میں اب مزید تمہاری اسکیم کا حصہ نہیں بنوں گی۔ سنا تم نے؟'' وہ صدمے اور دکھ سے چلائی تھی۔ دوسری جانب چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ لفٹ نیچے اتر رہی تھی۔ 3.....2.....1.....

''اب بہت دیر ہو چکی ہے' ڈی اے۔'' فارس کی آواز میں کہا گیا۔ اور لائن مردہ ہو گئی۔ زمر کی رنگت سرخ دہکنے لگی تھی۔ اس نے فون پرس میں ڈالا' اور لفٹ کے دروازے کو دیکھنے لگی۔ دل و دماغ میں طوفان برپا تھے۔

1 سے 6 ہوا اور پھر.... لفٹ ہنوز نیچے اتر رہی تھی۔ وہ چونکی۔ جلدی سے بٹنوں پہ ہاتھ مارا۔ دروازہ کھولنے کا بٹن دبایا۔ ایگزٹ۔ بار بار مگر بٹن مردہ تھے۔ لفٹ نیچے کا سفر کرتی جا رہی تھی۔ B1 اور پھر.... B2 ... اور ایک دم وہ ایک جھٹکے سے رک گئی۔ لفٹ کی بتی جلنے بجھنے لگی۔ ہر طرف سکوت چھا گیا۔ زمر نے پریشانی سے بار بار ایگزٹ دبایا، مگر لفٹ مردہ ہو چکی تھی۔ زمین سے دو منزل نیچے، وہ یقیناً پارکنگ ایریا۔ وہ بھی تہہ خانے کی اندھیر پارکنگ میں رکی پڑی تھی۔ وہ تیزی سے لفٹ کے فون کی طرف لپکی، ریسیور کان سے لگایا اور کال کا بٹن دبایا۔ رابطہ ملنے کی ٹون پہ وہ جلدی سے بولی۔ ''پلیز ہیلپ می میں بی ٹو میں ہوں لفٹ میں ہوں' لفٹ جام ہو گئی ہے اور......

''اور میں نے کہا نا' اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب آپ کی کسی عقلمندی کا فائدہ نہیں' مسز زمر!'' وہ ہاشم تھا اور وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔ زمر سناٹے میں رہ گئی۔

''کتنے اعتماد اور ڈھٹائی سے اتنے ماہ آپ کورٹ میں میرے خلاف بولتی رہیں' آپ کو کیا لگا تھا؟ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا؟ میں تو سب کچھ ٹھیک کرنے جا رہا تھا میں تو گلٹی تھا' مگر آپ کو انصاف چاہیے تھا۔ یو نو واٹ زمر اب میں گلٹی نہیں ہوں۔ اب مجھے افسوس نہیں ہو رہا۔ اب میں جان گیا ہوں کہ میں نے تم لوگوں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کیا جو تم ڈیزرو نہیں کرتے۔ تم سب کا یہی انجام ہونا چاہیے۔''

''فارس تمہیں جان سے مار دے گا' ہاشم۔ مجھے باہر نکالو۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلائی تھی۔

''فارس کی جان ہی تو لے رہا ہوں۔ یہ اوپر کونے میں کیمرہ دیکھ رہی ہو؟ سی سی ٹی وی کیمرہ؟'' زمر نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ سر اوپر اٹھایا۔ ''اس میں تمہاری فوٹیج بنتی جائے گی۔ تمہیں مرنے میں ابھی ایک یا سوا ایک گھنٹہ لگے گا۔ تمہارے مرنے کے بعد میں یہ فارس کو دے دوں گا' وہ اسے روز دیکھے گا' اور وہ اس کو دیکھ دیکھ کے پاگل ہو جائے گا' مگر اب مجھے افسوس نہیں ہو گا۔ وہ اسی قابل ہے۔''

''اللہ پوچھے گا تم سے ہاشم۔'' اس نے ریسیور واپس پٹخا اور اپنا موبائل نکالا۔ موبائل پہ نو سگنل نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کی سم کو ڈس ایبل کر چکے تھے۔ اس نے ایس ایم ایس واپس بھیجنے کی کوشش کی' ایمرجنسی کال کرنے کی کوشش کی۔ سب بے سود۔ موبائل ناکارہ ہو چکا تھا۔

وہ اسے پرس سمیت نیچے فرش پہ رکھے دروازے تک آئی اور اسے پیٹنے لگی۔ ''کوئی ہے؟ ہیلپ می۔ کوئی ہے؟ مجھے باہر نکالو۔'' دونوں ہاتھوں سے وہ بار بار دروازہ بجا رہی تھی' بلند آواز میں چلا رہی تھی' مگر کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اندھیر سنسان پارکنگ ایریا میں۔ سطح زمین سے کئی فٹ اندر۔ آئینوں سے ڈھکے ایک ڈبے میں وہ مقید تھی' اور اس سے دو منزلیں اوپر' زمین پہ ٹہلتے لوگوں کو معلوم بھی نہ تھا کہ وہ یہاں ہے......

''کوئی ہے؟ پلیز مجھے کوئی باہر نکالے۔'' گھٹن سے اس کو پسینے آ رہے تھے۔ اس کا سانس بوجھل ہو رہا تھا' مگر وہ پوری قوت سے چلا رہی تھی۔ آنکھ سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے تھے۔ فارس' آ جاؤ۔ پلیز آ جاؤ۔ فارس پلیز.... آواز ڈوب رہی تھی' دل ڈوب رہا تھا.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ابھی ابھی گھر آیا تھا اور حنین جو اسے بتا رہی تھی' وہ اس کے قدموں سے زمین کھینچ لینے کے لئے کافی تھا۔ لمحے بھر میں ذہن میں سارے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

پزل کے ٹکڑے آپس میں مل گئے تھے۔ شہری.... پولیس.... اس کا نو سگنل دیتا فون.... وہ بے اختیار باہر کو بھاگا۔ فون آن کر کے دیکھا تو اب سگنل آ رہے تھے۔ اس نے تیزی سے زمر کا نمبر ڈائل کیا مگر آگے سے رابطہ ممکن نہیں کی ٹیپ چلنے لگی تھی۔ وہ چابی لئے باہر کو دوڑا۔

اسٹول پہ کھڑی حنین کے ہاتھوں سے پینٹ برش سب گر گیا تھا۔ وہ چند لمحے تو حق دق، شل سی کھڑی رہی، پھر ایک دم جست لگا کر نیچے اتری اور ننگے پیر باہر کو بھاگی۔

''ماموں رکیں۔ میری بات سنیں۔''

وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا جب وہ تیزی سے آئی اور اس کا بازو تھام لیا۔ ''ہٹو سامنے سے حنین۔'' اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا، پورا جسم پسینے میں نہا رہا تھا، اور یوں لگتا تھا گویا جان نکل رہی ہو۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''یہ سب ہاشم نے کیا ہے، میں اسے جان سے مار دوں گا۔'' وہ غرایا تھا۔

''کیا اس کو نہیں پتہ ہو گا کہ آپ یہی کریں گے؟ اگر یہ سب اسی نے.... یقیناً یہ سب اسی نے کیا ہے تو وہ آپ کے انتظار میں ہو گا، وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔'' وہ کہنے کے ساتھ رو بھی رہی تھی، ابھی تک اس کی کہنی تھام رکھی تھی۔

''تمہارا دماغ درست ہے؟ زمر مشکل میں ہے، زمر ٹھیک نہیں ہے اور تم کہتی ہو میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھا رہوں؟ ہٹو۔'' اس نے بازو چھڑایا اور کار کا دروازہ کھولا۔

''نہیں.... نہیں....'' حنہ نے پوری قوت سے دروازہ واپس دھکیلا، فارس کی انگلیاں درمیان میں آ گئیں، مگر اس نے دروازے کو دھکیلے رکھا۔

''اس طرح زمر تو نہیں ملیں گی۔ اس نے زمر کو کسی جگہ پہ بلایا تھا۔ جو آپ دونوں کے لئے یادگار ہے۔ اپنے گھر نہیں۔ ہاشم سے بعد میں نپٹ لیجئے گا، پہلے زمر کو ڈھونڈ دیں ماموں۔ زمر زیادہ اہم ہیں۔ ہر انتقام، ہر بدلے سے زیادہ اہم۔''

فارس نے آنکھیں بند کیں اور چند گہرے سانس اندر کھینچے۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تو حنہ نے بھی دروازہ چھوڑ دیا۔

''کسی جگہ کا نام لیا تھا اس نے؟'' وہ اب ذرا سنبھل کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں، مگر ہم ان کے فون کی آخری جی پی ایس لوکیشن چیک کر سکتے ہیں۔'' وہ تیزی سے اندر کو بھاگی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا۔ شاک میں، ملال میں۔ اس کو کیوں لگتا تھا کہ اب وہ لوگ مشہور ہو چکے ہیں تو ہاشم ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا؟ وہ غلط تھا۔ اور وہ غلط عورت کی حفاظت کرتا رہا تھا۔

سر جھٹک کے اس نے چند مزید گہرے سانس لئے اور اندر آیا۔ حنہ اوپر اپنے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے ابھی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے سے آ کر جھکا اور اسکرین دیکھی۔

''کچھ پتہ چلا؟''

''انہوں نے زمر کے فون کی لوکیشن کلون کی ہوئی ہے۔ تقریباً پچاس، پچپن، مختلف جگہوں پہ زمر کے فون کے سگنل اس وقت آ رہے ہیں۔''

اس نے خوفزدہ سی ہو کر فارس کو دیکھا۔ ''اب کیا کریں؟''

وہ اب پہلے سے ٹھنڈا اور سنبھلا ہوا لگ رہا تھا۔ چند لمحے سوچتی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتا رہا، پھر سیدھا ہوا۔

''میں اسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔''

''مگر کہاں؟'' وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

''ہاشم کے گھر!'' اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ اب کی بار وہ غصے میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ صرف کچھ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپارٹمنٹ بلڈنگ کی راہداریوں میں چھایا دھواں اب ختم ہوتا جا رہا تھا۔ شور وغل کی آوازیں بھی ماند پڑ گئی تھیں۔ احمر کے فلیٹ کے اندر سیاہ مرغولے بھی بیٹھتے جا رہے تھے۔ ایک آدمی اس کے سر پہ کھڑا تفتیش کر رہا تھا، بے معنی سوالات جو صرف اس کو تھکانے کے لئے وہ دن سے پوچھے جا رہے تھے، جبکہ باقی دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

یہ تب ہی تھا جب ایک نے آواز سنی۔ کھانسنے کی مردانہ آواز۔

وہ ایک دم چونک کے بیٹھا۔ پستول نکال لیا۔ آواز ذرا بلند ہوئی۔ ایک فوراً دروازے کی طرف آیا اور کان لگا کر سننا چاہا۔ مگر آواز باہر سے نہیں آ رہی تھی، وہ اپارٹمنٹ کے اندر سے آ رہی تھی۔ لاؤنج میں کھلتے گیسٹ باتھ روم کے دروازے کے پار۔

دوسرے نے آواز کا منبع پہلے ہی تلاش کر لیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں پستول پکڑ کر سیدھا تانے دبے قدموں باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔ باتھ روم کے اندر کوئی کھانس رہا تھا۔ اور کھانسے جا رہا تھا۔ اغوا کار باتھ روم کے دروازے کے سامنے پستول تانے رکا، اور پیر سے دروازہ دھکیلا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔

اندر سنک پہ جھکا نوجوان بری طرح کھانس رہا تھا۔ بار بار نل سے منہ پہ پانی ڈالتا، پھر کھانسنے لگ جاتا تھا۔ اغوا کار کو چند لمحے سمجھ ہی نہیں آئی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ یہ گھر میں کیسے گھسا؟ اور اسے دیکھتے ہی گولی مار دینی چاہیے یا نہیں؟ مگر وہ نقاہت سے کھانس رہا تھا۔ اسے گولی نہیں ماری جا سکتی تھی۔ وہ تیزی سے آیا، اور اسے شرٹ کی پشت سے دبوچ کر باہر کی طرف کھینچا۔

''اے... کیا کر رہے ہو... کیا کیا کر رہے ہو'' وہ نوجوان چلایا تھا، مگر وہ پستول اس کی گردن سے لگائے، ڈپٹ کر خاموش رہنے کا کہتا اسے اپنے ساتھ گھسیٹ کر آگے لے جانے لگا۔ دوسرا ساتھی سامنے سے آ گیا، اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ سعدی نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ ''گولی مت چلانا۔ پلیز گولی مت چلانا۔ میں بیمار ہوں۔''

چند لمحوں بعد اسی اغوا کار نے سعدی یوسف کو احمر شفیع کے ساتھ فرش پہ پھینکا تھا۔ ان کے سرغنہ نے بے یقینی سے نوارد کو دیکھا اور پھر اپنے

دونوں ساتھیوں کو۔ ''یہ کون ہے؟'' اور احمر نے اس سے زیادہ بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ دھوئیں کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔ وہی ہے جس کو اس نے دو ہزار روپے دیے تھے۔'' سرغنہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔ اس نے گریبان سے پکڑ کے سعدی کو کھڑا کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا۔ ''کون ہو تم؟''

سعدی نے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔ ''میں احمر کا دوست ہوں۔ اس نے جو نوٹ دیے تھے ان میں خون لگا تھا، میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ مگر اس سے پہلے میں نے ڈھائی گھنٹے پارکنگ ایریا میں بیٹھ کر تم لوگوں پہ نظر رکھی تھی اور تمہارا یہ ساتھی.....'' اس نے انگلی سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔ ''کھانا لینے جب باہر نکلا تھا تو میں نے اس کی تصویر کھینچ لی تھی اور اپنے ایک دوست کو بھیجی تھی۔ اس نے اس کا شناختی کارڈ نکال دیا تھا مجھے اور وہاں پہ موجود پتے کے خانے میں تمہاری مالکن صاحبزادی صاحب کے ایف ٹین والے گھر کا پتہ لکھا تھا اور چونکہ میں بہت مشہور ہوں تو مجھے پولیس کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ میں ایک نیوز اینکر کو کہہ آیا ہوں کہ اگر میں ایک گھنٹے تک اس سے رابطہ نہ کروں تو وہ چینل پہ چلا دے کہ صاحبزادی صاحب نے مجھے اغوا کر کے مار دیا ہے۔ مرنے سے پہلے قاتل کا نام بتا دینا قانونی طور پہ بہت اہمیت رکھتا ہے، ہے نا! اس لئے تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے۔ ہم دونوں کو اپنی مالکن کے پاس لے چلو اور مجھے ان سے بات کرنے دو۔ ٹھیک!'' سنجیدگی سے کہتے جھٹکے سے گریبان چھڑایا۔ وہ تینوں ڈرائیور اور گارڈ لیول کے غنڈے ایک دوسرے کو تکنے لگ گئے تھے۔ پھر ایک آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ پیچھے موڑے۔ سعدی نے مزاحمت نہیں کی۔ چپ چاپ خود کو بندھوا تا رہا۔ پھر وہ تینوں تیزی سے باہر نکل گئے۔

احمر ابھی تک بے یقینی سے اسے گھور رہا تھا۔ ''اور تم پولیس کو فارس کو کسی کو نہیں لے کر آئے؟ کوئی اسلحہ کوئی چیز ساتھ نہیں لائے؟''

''ریلیکس۔ میں اپنی زبان ساتھ لایا ہوں۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''لعنت ہے تم پہ سعدی۔ وہ ہمیں مار دیں گے۔'' وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔

''بے فکر رہو، مجھے اغوا ہونے کی عادت ہے۔ میرا تجربہ اس فیلڈ میں تم سے زیادہ ہے۔ اس لئے چپ کر کے انتظار کرو۔'' کہنے کے ساتھ اس نے گھڑی کو دیکھا۔ وہ اب بھی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ لمحہ لمحہ ریت کی مانند پھسل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زمر لفٹ میں ادھر ادھر ٹہل کر دروازے پہ ہاتھ مار مار کے اب تھک چکی تھی۔ وہ دروازے کے بالکل ساتھ ٹھنڈے فرش پہ اکڑوں بیٹھ گئی تھی اور بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لئے تھے۔ ذرا ذرا وقفے سے وہ مٹھی سے دروازہ بجاتی تھی۔

''کوئی ہے؟ کھولو اسے۔ مجھے باہر نکالو۔'' آواز بیٹھ گئی تھی اور آنسو چہرے پہ لڑھک لڑھک کر خشک ہو چکے تھے اور اپنے نشان چھوڑ گئے تھے۔ وہ بار بار ذہن سے اپنے ذمے کے خیال کو جھٹکتی تھی۔ ہاں اسے دمہ تھا، مگر آج وہ کوئی اٹیک خود پہ نہیں ہونے دے گی۔ وہ چند گھنٹے گزارا کر لے گی اور صبح تک کوئی اسے نکال ہی لے گا۔ ہاشم اس کی موت کو حادثاتی دکھانا چاہتا ہے تو اب بم سے تو نہیں اڑائے گا نا اسے۔

بس چند گھنٹے اور......

ٹپ.....ٹپ.....کوئی عجیب سی آواز تھی جس پہ اس نے چونک کے گردن گھمائی۔آگے پیچھے دائیں بائیں.....ہر طرف دیکھا۔یہ کس شے کی آواز تھی؟ پھر گردن اٹھائی تو منہ کھل گیا۔لفٹ کے اوپر،کسی ننھے سے سوراخ سے پانی کی باریک سی دھار نیچے گر رہی تھی۔زمر کی نگاہوں نے دھار کا نیچے تک تعاقب کیا۔وہ لفٹ کے فرش پہ پانی گرا رہی تھی۔

ایک گھنٹہ لگے گا تمہیں مرنے میں!اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ایک گھنٹے میں وہ لفٹ پانی سے بھر جائے گی۔وہ اسے ایک زندہ انسان کا آبزیدان بنانے جا رہا تھا۔وہ اسے ڈبو کے مارنا چاہ رہا تھا۔اوہ خدایا۔وہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور پھر سے دروازہ پیٹنے لگی۔

''مجھے باہر نکالو۔پلیز کوئی ہے.....پلیز میری مدد کرو۔''اس دفعہ آواز میں خوف اور وحشت تھی۔

اندھیر آفس میں بیٹھا ہاشم سنجیدگی سے اسکرین پہ نظر آتی فوٹیج کو دیکھ رہا تھا۔پانی فرش کو گیلا کرنا شروع ہو گیا تھا اور وہ لڑکی اب بدحواس ہو رہی تھی۔

''لیکن پھر.....یہ مرنے کا کتنا شاندار طریقہ ہوگا فارس غازی!ایکویریم میں مرنا۔''اس نے زیرِ لب تبصرہ کیا۔رئیس نے صرف ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور اپنا کام کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی ان شاءاللہ آئندہ ماہ۔)

قسط کے ساتھ سانسیں بھی یہیں رُک گئیں.....!!باب کی طوالت کی وجہ سے مزید صفحات شامل نہیں کیے جا سکے۔کس کردار کی جان گئی؟ یہ آپ دسمبر کے خواتین ڈائجسٹ (آبزیدان کے حصہ دوم) میں جان سکیں گے۔دسمبر میں آنے والی قسط نمل کی Second LastEpisode ہو گی۔آخری قسط جنوری کے شمارے میں شائع ہو گی۔ان شاءاللہ۔

(پوئٹری ایکٹوٹی جو اس قسط کے لیے رکھی گئی تھی، اس میں سے منتخب اشعار اس قسط کا حصہ تھے۔جو آپ لوگوں کا انتخاب تھے۔اگلے صفحے پر اشعار آپ لوگوں کے نام کے ساتھ درج ہیں۔دیکھنا نہ بھولیے گا۔)

نمل کی اٹھائیسویں قسط میں "منتخب اشعار"

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا محسن
وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے! (اُمِ ایمن نسیم)

میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا
میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا (اُمِ ایمن نسیم)

مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا،
میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر (علینا عرفان احمد)

اجل خود زندگی سے کانپتی ہے،
اجل کی زندگی پہ دسترس کیا (علینا عرفان احمد)

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آب دار تھا (فرزانہ تبسم)

چلتی ہے اب تو سانس بھی اس احتیاط سے
جیسے گزر رہی ہو کسی پل صراط سے (منہا حسن)

ہم کو ہر دور کی گردش نے سلامی دی ہے
ہم وہ پتھر تھے جو ہر دور میں بھاری نکلے (دانیا شفیق)

تم سے پہلے جو شخص یہاں تخت نشیں تھا
اس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی یقیں تھا (ایمان فاطمہ)

کیا بہاروں نے، نئے عہد کی دستک دی ہے!
شہریاروں کی خزاؤں کا سحر جاتا ہے۔ (صفا رکن الدین)

گردشِ وقت مجھے خاک ذرا پائے گی
تجربے جتنے بڑھیں اتنا ہی ڈر جاتا ہے۔ (صفا رکن الدین)

شمعیں باغی ہیں خاک کر دینگی
آندھیوں سے کہو سدھر جائیں
تیرگی نے کماں سنبھالی ہے
چاند اور کہکشاں کدھر جائیں
جیتے جی مارتی ہے بے چینی
وہ سکوں ہو عطا کہ مر جائیں۔ (صفا رکن الدین)

بندہ پرور جو ہم پہ گزری ہے
جو ہم بتائیں تو کیا تماشہ ہو (راحیلہ عبدالرشید)

کبھی منظر بدلنے پر بھی قصہ چل نہیں پاتا
کہانی ختم ہوئی ہے کبھی انجام سے پہلے (شمائلہ مظہر)

ہر آبلے پہ درج ہے تفصیلِ زندگی۔
مجھ سے نہ پوچھ میرے سفر کی اذیتیں۔ (محمد سعدی)

یہ مری عمر کا صحرا مرے دجلوں کا سراب
ہر مژگاں نند ہے گا تو کدھر جائے گا (ماہی خان)

ہوا کی زد پہ..... ہمارا سفر ہے کتنی دیر
چراغ ہم کسی شامِ زوال ہی کے تو ہیں (انعم خالد)

یہ جو ٹھہرا دکھتا ہر ہے اذیت ہے مری
جو تلاطم ہے اندر ہے سکوں ہے میرا (عینی ابرز)

آدمی کو خدا نہ دکھلائے
آدمی کا کبھی خدا ہونا (مرجان طارق)

خزانہ خذرو گوہر پہ خاک ڈال کے رکھ
ہم اہل مہر و محبت ہیں دل نکال کے رکھ
ذرا سی دیر کا ہے یہ عروج مال و منال
ابھی سے ذہن میں سب زاویے زوال کے رکھ۔ (ہامان خان)

Like , Tag , & Share www.paksociety.com #TeamNA

نمل

نمرہ احمد

نمل (نمرہ احمد)

#MegaEpisode

قسط نمبر 29:

''آبزیدان'' (حصہ دوم)

کچھ اور بڑھ گئے جو اندھیرے تو کیا ہوا

مایوس تو نہیں ہیں طلوع سحر سے ہم

مور چال پہ رات طویل ہوتی جا رہی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ایسے میں حنین بے چین سی دائیں سے بائیں لاؤنج میں چکر کاٹ رہی تھی۔ دیوار پہ آبشار کی صورت بہتے پینٹ اور فرش پہ لڑھکے ننھے برش اور ڈبے سے بے نیاز وہ بار بار گھڑی دیکھتی تھی۔ فارس کہاں ہے؟ زمر کہاں ہے۔ یہی دو سوال پچھلے پون گھنٹے سے ہر طرف گونج رہے تھے اور اب ایک دم بجلی کا ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔

سعدی کہاں ہے؟

وہ تیزی سے اوپر بھاگی۔ اس کا کمرہ کھولا۔ خالی اندھیر کمرہ۔ وہ کھڑکی تک آئی اور پردے سرکائے۔ نیچے پورچ میں اس کی کار بھی نہیں تھی۔ کہاں گیا وہ؟ کب سے گھر نہیں آیا؟ اسے احساس کیوں نہیں ہوا؟ وہ وہیں کھڑی جلدی جلدی اسے فون ملانے لگی۔

گھنٹی جا رہی تھی اور جاتی جا رہی تھی مگر جواب ندارد۔ اسے اب نئی پریشانی نے آن گھیرا تھا۔

احمر شفیع کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی پارکنگ میں موجود کار کے ڈیش بورڈ پہ رکھا سائیلنٹ موبائل جل بجھ رہا تھا مگر اس کو دیکھنے کے لئے کوئی وہاں موجود نہ تھا۔

اوپر عمارت میں آؤ اور احمر کے فلیٹ میں جھانکو تو باہر پھیلی گھپ رات کے برعکس اندر اب روشنی تھی۔ لاؤنج روشن تھا اور وہ تینوں وہاں کھڑے دبی آواز میں بحث کر رہے تھے۔ پھر ان کا سرغنہ وہاں سے ہٹا اور اندر آیا۔ دروازہ کھولا۔ یہ کمرہ بھی روشن تھا اور بیڈ کے قریب وہ دونوں بندھے ہاتھوں کے ساتھ زمین پہ اکڑوں بیٹھے نظر آتے تھے۔ آہٹ پہ دونوں نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر تر و تازہ چہرے اور چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا بولا۔

''پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔ پون گھنٹے میں یہاں پولیس آ جائے گی۔ رپورٹرز الگ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس سے بھی جلد آ جائیں۔ میری

بات کرواؤ اپنی مالکن سے۔"

"زیادہ ہوشیار مت بنو۔قریب کے کسی تھانے میں تم نے رپورٹ نہیں درج کی۔کوئی پولیس نہیں آ رہی۔ہم نے پتہ کروالیا ہے۔" وہ نخوت سے بولا تھا۔احمر نے بے اختیار سعدی کا چہرہ دیکھا مگر سعدی حیران نہیں ہوا تھا۔

"میں تمہیں پکڑوانا نہیں چاہتا۔بس تمہاری مالکن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ان سے بات کروا دو ہماری یا ہمیں ان کے پاس لے چلو پولیس کے آنے سے پہلے۔"

"کہہ رہا ہوں نا' ہم نے پتہ کروالیا ہے' کوئی پولیس نہیں آ رہی۔اب تم سیدھی طرح بتاؤ' تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔" وہ اس کے سر پہ کھڑا ہو کے غرایا۔احمر نے پھر سعدی کو دیکھا۔اب کی بار غصے سے۔

"تمہاری مالکن سے بات کرنی ہے۔اس کو صرف اتنا کہو کہ وہ اپنی ای میل چیک کر لے۔آگے وہ سمجھ جائے گی۔"

وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا' پھر بوٹ سے زور سے اس کے کندھے پہ ٹھوکر ماری تو سعدی توازن برقرار نہ رکھ سکا' اور دوسری جانب لڑھکا۔سرغنہ تن فن کرتا باہر نکل گیا اور سعدی دانت پہ دانت جما کے ضبط کرتا واپس سیدھا ہو کے بیٹھا۔احمر وہیں سے غصے سے اس آدمی کو پکار کے لعن طعن کرنے لگا تھا۔پھر اس کی طرف گھوما۔

"تم نے پولیس بلائی نہ رپورٹرز۔خود کو بھی مشکل میں ڈالا۔پاگل۔"

گرنے سے اس کی کہنی رگڑی گئی تھی' وہ دونوں ہاتھوں سے شرٹ اور آستین جھاڑتے ہوئے تلخی سے مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

"جن لوگوں نے تین دن سے تمہیں بند کر رکھا ہے' جن کو تمہیں سرے سے مارنا ہی نہیں ہے' جو ڈرائیور اور مالی کے لیول کے گارڈ ہیں' اور صرف تمہیں کنگال کرنے' سبق سکھانے' اور مار پیٹ کرنے آئے ہیں' انہوں نے مجھے مار کے کیا کرنا ہے؟ میں ایسے ہی نہیں آ گیا۔بلڈنگ کی سی سی ٹی وی چیک کی تھی۔تمہارا ٹریک ریکارڈ بھی یاد ہے۔یہ خاتون خاندانی قاتلوں کے جیسی نہیں ہیں۔یہ تنہا ہیں۔تمہاری حرکت کی وجہ سے ان کا خاندان ان کو abandon کر چکا ہے' اور ان کی سیاسی سیٹ ان سے چھن گئی ہے۔یہ اپنے آبائی گاؤں تک واپس نہیں جا سکتیں۔نہ ان کے پاس خاندان کے مردوں کی سپورٹ ہے۔ایسی عورت نے کسی کو قتل نہیں کروانا۔وہ صرف اپنی فرسٹریشن نکالنا چاہ رہی ہیں' ایسی عورت سے ہم نپٹ سکتے ہیں۔"

"کب؟ جب تک وہ ہم دونوں کو مار چکے ہوں گے؟"

"دیکھی ہیں میں نے ٹریش کین میں خالی سرنجز۔پستول کا دستہ تک نہیں مار سکے تمہیں وہ۔ٹرینکولائزر گن سے بے ہوش کیا۔یہ قاتل نہیں ہیں۔ایک ڈپریشن کی ماری ہوئی عورت کے احکامات کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں۔میں تمہیں صرف نکالنا نہیں چاہتا' اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یہاں سے بہت پہلے بھاگ جانا چاہیے تھا۔" وہ افسوس سے سر دائیں بائیں جھٹک کر کہہ رہا تھا۔"میں نے اس شہر میں بہت سے

لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ میرے اپنے اعمال ہیں سعدی!"

"ایسا ہی ہے۔" سعدی نے رسمی تردید بھی نہ کی۔ احمر نے سر جھکا کر پیشانی تھام لی۔ "میں اتنا فراڈ اتنا دھوکے باز اتنا Complusive liar بن چکا ہوں سعدی کہ اب چاہوں بھی تو ٹھیک نہیں ہو سکتا۔"

"اپنے چاہنے سے کوئی ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔ اللہ کا چاہنا زیادہ ضروری ہے۔ اور پھر کوشش کرنا۔"

"اب کیسی کوشش؟ مسز جواہرات نے اعتبار کیا مجھ پہ' میں وہ بھی خاک میں ملا کر ان کا زیور لوٹ کر جا رہا تھا۔ ایسا آدمی ہوں میں۔ ایسے آدمی کے دوست ہو تم۔" وہ تلخی سے چہرہ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ تین دن سے بندھے ہونے کے باعث وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھا۔

"جانتا ہوں مگر ہر شخص خطا کار ہوتا ہے اور بہترین خطا کار وہ ہوتا ہے جو توبہ اور رجوع کرتا ہے۔"

"خطا کار اور گناہگار میں فرق ہوتا ہے۔" وہ پھر زہر خند ہوا۔

"ہاں۔ سب گناہگار نہیں ہوتے' مگر خطا کار سب ہوتے ہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرا کے سر جھکائے فرش پہ ناخن سے رگڑ کر لکیریں بنانے لگا۔

"میں ایک عمر تک یہ سمجھتا تھا کہ انسان آزمائش آنے پہ دو طرح سے رد عمل دیتا ہے۔ یا وہ پاس ہوتا ہے' یا فیل۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام ہر آزمائش پہ پورا اترتے تھے' یا جیسے ہم لوگ جو بار بار فیل ہو جاتے ہیں۔ ہر دفعہ تہیہ کرتے ہیں' اب یہ غلط کام نہیں کرنا' ماں باپ سے غصے سے بات نہیں کرنی' بری عادت کی طرف واپس نہیں جانا۔ مگر اللہ آزماتا ہے' اور ہم پھر وہی کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آزمائش کے دو ہی نتیجے ہوتے ہیں۔ پاس کر لو تو درجے بلند' اور فیل کر لو تو درجہ وہی رہے گا یا نیچے جاؤ گے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ احمر خاموشی مگر مایوسی سے سنے گیا۔ وہ اس طرح کی باتوں سے خود کو ریلیٹ نہیں کر پاتا تھا۔

"میں بہت عرصے سے قرآن بھی پڑھتا آ رہا تھا' مگر کبھی سورۃ صٓ کے اس واقعے پہ غور نہیں کیا۔ قید میں ایک دفعہ موقع ملا تو اس واقعے کا مطلب ہی بدل گیا میرے نزدیک۔ وہ داؤد کا واقعہ ہے' مشہور سا۔ داؤد علیہ السلام اپنی ذاتی زندگی میں کوئی غلطی' کوئی کمی بیشی کر رہے تھے' یہود نے تو بہت سی بے ہودہ کہانیاں گھڑ رکھی ہیں مگر چونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اس لئے ہم مسلمانوں کو اس واقعے کی گہرائی میں نہیں جانا چاہیے' بلکہ اصل سبق جو لینا ہے وہ لینا چاہیے۔ تو ہوا یہ کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کے لئے دو فرشتے انسان کے روپ میں اللہ نے بھیجے۔ وہ ان کے پاس دیوار پھاند کے آئے اور ایک نے کہا کہ میرے پاس ایک دنبی ہے اور اس کے پاس 99۔ یہ اب میری ایک بھی ہتھیانا چاہتا ہے۔ قصہ مختصر' داؤد علیہ السلام نے ان کا مسئلہ حل کروایا اور ان کو نصیحت کی۔ نصیحت کے اس عمل کے دوران ان کو احساس ہوا کہ ان کو خود بھی کوئی ایسا ہی معاملہ درپیش ہے اور اللہ ان کو آزما رہا تھا۔ ہوتا ہے نا بعض دفعہ ہمارا ہی مسئلہ کوئی اور آ کے ہم سے بیان کرتا ہے اور ان کو جواب دیتے دیتے ہمیں اپنے مسئلے کا حل نظر آ جاتا ہے۔ تو داؤد کو احساس ہوا کہ وہ آزمائش پہ پورے نہیں اترے۔ بات ختم نا؟ آزمائش آئی' وہ پورے نہیں اتر سکے' بات ختم؟ مگر نہیں۔ ساری بات ہی یہی ہے کہ آزمائش کا مقصد اس کو پاس یا فیل کرنا نہیں ہے' ہمیں کچھ سکھانا ہے۔ ہم کبھی وہ فیل ہو کر سیکھتے ہیں کبھی پاس ہو کر۔ داؤد کو جب اپنی کمی کا احساس ہوا تو وہ اللہ کی طرف پلٹے اور توبہ کی۔

4

آگے اللہ فرماتا ہے' ہمارے پاس اس کے لئے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس آزمائش کے ذکر کے ساتھ ہی درجے کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آزمائش ہوتی ہی درجوں کی بلندی کے لئے ہے تو کسی کوتاہی کے باوجود ان کو اعلیٰ درجہ کیوں مل گیا؟ آزمائش کے ذکر کے فوراً بعد درجے کا ذکر ظاہر کرتا ہے کہ یہ درجہ ان کی توبہ سے منسلک ہے۔ یعنی احمر شفیع اگر ہم آزمائش میں فیل ہو جائیں' مگر سبق سیکھ لیں' اور توبہ کر لیں تو ہمیں پاس ہونے جیسا درجہ مل جاتا ہے۔ آزمائش اللہ اذیت دینے کے لئے نہیں کچھ سکھانے کے لئے ڈالتا ہے' جتنی جلدی سیکھ لیں گے اتنی جلدی وہ دور ہو گی۔'' احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تم اچھے آدمی ہو۔ میں نہیں ہوں۔ سمپل۔''

سعدی ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دروازہ زور سے کھلا تو ان دونوں نے چونک کر دیکھا وہ تینوں تیزی سے اندر آ رہے تھے۔

''چلو۔ بی بی نے بلایا ہے۔'' ایک جھک کر اس کے ہاتھ کھولنے لگا۔ احمر نے چونک کے سعدی کو دیکھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تجربہ بولتا ہے۔'' اور سر کو خم دیا۔ احمر نے گہری سانس لی اور خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میری شناخت کے پتھر میں شگل باقی ہے

میرے وجود کے ذروں میں زندہ ہے کوئی

رات گہری مہیب سی اس ہوٹل بلڈنگ کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔ زمین سے دو منزلیں نیچے... اس لفٹ میں زمر ایک کونے میں اکڑوں بیٹھی تھی' بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے اور تھوڑی ان پہ جما دی تھی۔ چہرہ زرد تھا۔ نظریں پانی کی دھار پہ لگی تھیں۔ فرش پہ ایک دو انچ جتنا گہرا پانی جمع ہو چکا تھا۔ اس کا لباس بھیگ رہا تھا' مگر اب وہ مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔ بس دھار کے بہتے قطروں کو دیکھ رہی تھی۔ ٹپ ٹپ... وہ گویا اس کے دل پہ گر رہے تھے... وہ بار بار چہرے پہ ہاتھ پھیرتی' ناخن دانتوں میں دباتی۔ وہ خوفزدہ تھی' ہراساں تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ کوئی ایسی شے نہ تھی جس کے سہارے وہ اوپر چڑھ جاتی اور انگریزی فلموں کی طرف لفٹ کا ڈھکن کھول لیتی۔ وہ بس ساکن بیٹھی تھی۔ سانسیں گن رہی تھی۔

قصرِ کاردار اس وقت رات کی تاریکی میں ڈوبا تھا۔ کہیں کہیں مدھم بتیاں جلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ فارس سڑک پہ کار کے ساتھ کھڑا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ اور سرد سا تھا۔

دفعتاً گیٹ کھلا اور کوئی باہر آتا دکھائی دیا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس نیند سے بُری آنکھیں لئے نوشیرواں۔ ادھر ادھر دیکھتا سامنے آیا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

''فیونا نے مجھے اٹھایا کہ تم... فارس تم ادھر کیا کر رہے ہو؟'' وہ اس کے عین سامنے کھڑا ہوا تو چہرہ چاند کی روشنی میں واضح ہوا۔ شیرو حیران اور الجھا ہوا لگتا تھا۔ ''دیکھو اگر تم مجھے مارنے آئے ہو تو یاد رکھنا عدالت تم پہ...'' اس کے سنگین تاثرات دیکھ کر شیرو نے احتیاط سے بات شروع کی۔

''ہاشم نے زمر کو اغوا کرلیا ہے۔'' وہ چبا چبا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا تھا۔ شیرو گنگ رہ گیا۔ ''کیا؟''

''تمہارے بھائی نے زمر کو کہیں بلوایا ہے میرے دھوکے میں اور وہ چلی گئی ہے اور اس کا اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ وہ اسے مار دے گا صرف مجھے اذیت دینے کے لئے۔''

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم لوگ مشہور ہو ہاشم بھائی بھی.....'' فارس نے جھٹکے سے اس کو گریبان سے پکڑا اور گاڑی سے لگایا۔

''بکواس بند کرو۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے۔''

وہ ایک دم اس جارحیت پہ ڈر گیا تھا۔ ''مجھے نہیں پتہ، مجھے سچ میں نہیں پتہ۔'' فارس نے جھٹکے سے اس کو چھوڑا۔

''مجھے پتہ کر کے دو۔ ہاشم کے پاس جاؤ اور مجھے پتہ کر کے دو۔ وہ اس وقت آفس میں ہے۔ اس کے فون کے سگنلز وہیں کے آرہے ہیں۔''

شیرو کو چند لمحے لگے بات سمجھنے میں۔ ''مجھے کچھ نہیں پتہ۔ یہ میرا معاملہ نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے مسئلے خود سنبھالو۔'' اب کے وہ درشتی سے ہاتھ جھلا کے بولا تھا۔

''نوشیرواں!'' فارس نے بہت ضبط سے اس کو مخاطب کیا۔ ''تم نے اگر کچھ نہ کیا تو وہ مر جائے گی۔''

''وہ مجھے کورٹ میں پراسیکیوٹ کر رہی ہیں، ان کی وجہ سے میں مرنے جا رہا ہوں۔ میں ان کی مدد کیوں کروں گا؟ اور تمہیں کیا لگتا ہے، میں بھائی کو دھوکہ دوں گا اور تمہارے ساتھ مل جاؤں گا تو بھائی مجھے چھوڑ دے گا؟ بھائی مجھے جان سے مار دے گا۔'' وہ برہمی سے بولا اور سر جھٹک کر واپس گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''اگر آخر میں تم نے مرنا ہی ہے تو کسی کے اقدامِ قتل کے جرم میں مرنے سے بہتر کسی کی جان بچا کر مرنا نہیں ہے کیا؟''

اس اندھیری رات، سڑک پہ آگے بڑھتے شیرو کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ بالکل سن رہ گیا۔ گویا پتھر کا ہو گیا ہو۔

''اگر تمہیں مرنا ہی ہے تو کیا تم کسی لوزر کی طرح مرنا چاہتے ہو؟ کیا تم ساری عمر ایک لوزر رہو گے یا تم واقعی اپنے نام جیسے بننا چاہتے ہو؟ کیا تم ''نوشیرواں''..... ہیرو.... سپر ہیرو کی طرح مرنا چاہو گے، شیرو؟ اگر مرنا ہی ہے تو کیا تم اس زمر کے لئے مرنا چاہو گے جس نے تمہیں تمہارے کمپلیکسز سے نکال کر دنیا کے سامنے اُٹھ کھڑا ہونا سکھایا؟ کیا تم اس زمر کو بچانے کے لئے کچھ کرنا چاہو گے، جو اس سب میں تمہارے کیس کی وجہ سے پھنسی ہوئی ہے؟''

کسی خواب کی سی کیفیت میں نوشیرواں اس طرف واپس گھوما۔ ٹکر ٹکر وہ فارس کا چہرہ دیکھے گیا جو اس وقت بہت دکھی نظر آرہا تھا۔ چاندنی زدہ اندھیر ماحول میں اُداسی کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔ اور نوشیرواں اور تخریب کار دار نے خود کو کہتے سنا۔ ''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''دو آپشنز ہیں تمہارے پاس۔'' وہ چند قدم طے کر کے اس کے سامنے..... بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تو شیرو نے دیکھا اس کی آنکھیں سرد تپش سے بھری تھیں اور چہرے پہ بلا کی سختی تھی۔

"یا تو میں تمہیں گن پوائنٹ پہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور ہاشم سے کہوں کہ وہ زمر کو چھوڑ دے ورنہ میں تمہیں مار دوں گا۔"

"تم مجھے اغوا کر کے نہیں لے جا سکتے۔" وہ ششدر سا بولا تو آواز حلق میں پھنسی۔

"لے جا سکتا ہوں مگر لے کر نہیں جاؤں گا کیونکہ ہاشم پھر بھی اسے مار دے گا' کوئی بھی مغوی کو زندہ واپس نہیں کرتا کہ وہ جا کر پولیس کو بیان دے دے' اور بدلے میں مجھے تمہیں مارنا پڑے گا' اور زمر یہ کبھی نہیں چاہے گی۔ اس لئے دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم میری مدد کرو' ہاشم کے پاس جاؤ' اور پتہ چلاؤ کہ وہ کدھر ہے' مجھے اس جگہ کا بتاؤ' اور پھر میں اسے وہاں سے نکال لاؤں گا۔ نوشیرواں تمہارے پاس کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے کیونکہ اگر ہاشم نے اسے نقصان پہنچایا تو خدا کی قسم میں تمہارے اس محل کو آگ لگا دوں گا۔" وہ غصے سے بول رہا تھا۔ اس کا چہرہ اذیت سے پُر تھا۔

شیرو اسے یک ٹک دیکھے گیا۔ فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اِک بے کسی کا جال ہے پھیلا چہار سُو

اِک بے بسی کی دُھند ہے دل سے نگاہ تک

ہاشم کاردار کے آفس میں نیم اندھیرا تھا۔ دو کمپیوٹرز کی اسکرین روشن تھیں اور ہاشم ٹیک لگائے بیٹھا' سرد مہری سے اس اسکرین کو دیکھ رہا تھا جس میں وہ لفٹ کے کونے میں بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ خوفزدہ' سہمی ہوئی۔ پانی سے جھلکتی اس کے پاؤں تقریباً ڈوب گئے تھے۔ موبائل گھٹنوں کے گرد لپٹے ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا اور پرس بھیگنے سے بچانے کو گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔

"سر' پانی کا فلو زیادہ نہیں ہونا چاہیے؟ اس طرح تو اسے ڈوبنے میں گھنٹہ لگ جائے گا۔" رئیس نے اسے پکارا۔ ہاشم نے دائیں بائیں نفی میں سر ہلایا۔

"اونہوں۔ اسی طرح چلنے دو۔ یہ زیادہ دلچسپ ہے۔ میں بعد میں یہ ویڈیو فارس کو دکھا دکھا کر پاگل کرنا چاہتا ہوں۔" وہ محظوظ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس پُر تپش نگاہیں اسکرین پہ گاڑھے ہوئے تھا۔ انتقام کی آگ تھی کہ بجھائے نہ بجھتی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ ہاشم نے سر اٹھایا' پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ ٹھہری۔ چوکھٹ میں آبی کھڑی تھی۔ حیران' الجھی ہوئی۔

"ہاشم کیا ہوا ہے؟ فارس کہاں ہے؟" وہ ایک قدم اندر آئی۔ ہاتھ ہنوز ڈورناب پہ تھا۔ رئیس اٹھا اور ایک کرسی اٹھا کر سامنے رکھی' گویا اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا ہو۔ ہر حرکت' ہر جنبش گویا طے شدہ تھی۔ وہ الجھن سے ان دونوں کو دیکھے گئی۔

"آؤ ریڈ۔ تمہارے لئے تو سجائی ہے یہ بساط۔ تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا جری مرد ہے۔"

وہ متحیر سی کھڑی رہی۔ نیم اندھیر آفس...کونے میں اونچی میز پہ رکھا روشنیوں سے جگمگاتا ایکوریم...اسکرینز کی نیلی روشنی سے دمکتے ہاشم اور رئیس کے چہرے۔ ماحول عجیب پُراسرار سا تھا اور آبی کے قدم جم گئے تھے۔ پھر بدقت وہ آگے بڑھی۔ قدم قدم اٹھاتی ہاشم کے قریب آ

کھڑی ہوئی۔چہرہ اسکرین کی طرف موڑا۔آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ذرا جھک کر دیکھا۔"یہ کون ہے؟"

"دیکھو!وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔زمر ایک لفٹ میں قید ہے اور وہ لفٹ جلد ایکو یریم بننے جا رہی ہے مگر وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکا۔میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں بیٹھو اور میرے ساتھ یہ تماشہ آخر تک دیکھو۔یہ بے چاری عورت اس کا آخری سانس تک انتظار کرے گی مگر وہ نہیں آئے گا۔اس کی ساری بہادری اس کی ساری جرات مندی اور دلیری آج تم دیکھ لو گی۔بیٹھو ناریڈ کھڑی کیوں ہو۔"

آبدار کی نظریں اسکرین پہ ساکن ہو چکی تھیں گویا پتلیاں حرکت کرنا بھول گئی ہوں۔بدقت ان بے یقین نظروں کا رخ اس نے ہاشم کی طرف پھیرا۔

"تم پاگل ہو چکے ہو۔"وہ اسے واقعی اس وقت ذہنی مریض نظر آ رہا تھا۔

"عجیب بات ہے ریڈ مگر پاگلوں نے اس دنیا کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ذہین لوگوں نے پہنچایا ہے۔سارے بم سارے ہتھیار ساری جنگیں یہ سب ذہین لوگوں کے ذہنوں کی کارستانی ہیں۔بیٹھو اور تماشا دیکھو۔"

وہ شل سی کرسی کے کنارے بیٹھی۔لب ادھ کھلے تھے اور اسکرین پہ جمی آنکھیں پلک تک نہ جھپک پا رہی تھیں۔"تم اس کے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہو؟"

"تمہارے فیصلے آسان کرنے کے لئے۔اس کی اصلیت تمہیں دکھانے کے لئے۔اس کے بعد تم اس پہ کبھی اعتبار نہیں کر سکو گی۔وہ کبھی اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا آبدار۔"

آہستہ آہستہ آبدار کا ذہن جاگنے لگا۔اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا۔

"تم واقعی اسے مار دو گے؟صرف فارس کو نیچا دکھانے کے لئے؟"

"میرے اس کی طرف بہت سے حساب نکلتے ہیں میں سب کو ایک ہی دفعہ میں بے باک کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم اس کے خاندان سے آخری بدلہ لے رہے ہو۔اگر زمر کو کچھ ہوا تو ... وہ سب ..."وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔"وہ سب ... مر جائیں گے۔مگر فارس اس کے بعد کیا کرے گا؟وہ بدلہ لے گا۔"وہ ٹیک لگائے مطمئن سا بیٹھا تھا۔

"کیا تمہارے خیال میں میں اسے بدلہ لینے کے قابل چھوڑوں گا؟"اس کی آواز کی سنگینی .... آبدار کی ہڈیوں کے اندر تک سرد لہر دوڑ گئی۔

"تم ایک تیر سے اپنے دشمنوں کو ختم کرنا چاہتے ہو۔تباہ و برباد۔"اس کی آواز میں دکھ سا ابھر آیا پھر جیسے وہ نیند سے جاگی۔شل ذہن بیدار ہونے لگا۔اس نے ہاشم کی طرف چہرہ گھمایا۔"ایسے مت کرو۔وہ اچھی عورت ہے۔زمر۔اس کے ساتھ یہ مت کرو۔"

"اچھا میرا خیال تھا تم اس کو نا پسند کرتی ہو۔"وہ محظوظ ہوا تھا۔اس نے بہت سے ذہنی مریض دیکھے تھے یہ ان سے بھی الگ لگ رہا تھا۔

"ہاشم .... یہ مت کرو۔پلیز تم اس کو نہیں مار سکتے۔لفٹ کھول دو۔اسے نکالو۔"وہ منت کرنے کے انداز میں آگے بڑھی کہ خود کی بورڈ پہ کچھ دبائے اسے نہیں معلوم کیا مگر کچھ دبا دے لیکن ہاشم نے کہنی سے پکڑ کر اسے واپس کرسی پہ بٹھایا۔"آرام سے بیٹھو۔"وہ غرایا تھا اور وہ

سہم گئی۔ تنفس تیز ہو گیا۔

''ہاشم... پلیز...'' پھنسی پھنسی سی آواز حلق سے نکلی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''اسے چھوڑ دو۔''

''یہ تو تمہارے فارس غازی پہ منحصر ہے۔ کہاں ہے وہ آبدار؟ کیوں نہیں آیا وہ؟ کیا اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' ساتھ ہی اس نے رئیس کو اشارہ کیا جو سامنے گونگوں بہروں کی طرح بیٹھا تھا۔ اس نے سر کو خم دیا اور کی بورڈ پہ کیز دبانے لگا۔ وہ زمر کے نمبر کی لوکیشن آن کر رہا تھا۔

مورچال میں حنین دل مسوس کر بیٹھی تھی۔ لاؤنج پہ پیر اوپر کیے۔ بار بار آنسو صاف کرتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ ہاتھ میں زمر کا انکریپٹڈ فون تھا جس سے وہ بار بار فارس اور سعدی کو کال کر رہی تھی۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ تبھی نوٹیفکیشن کی آواز آئی۔ وہ چونک کر میز کی طرف جھکی۔ کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ زمر کے فون کی لوکیشن جو پہلے مختلف جگہوں پہ بکھری نظر آ رہی تھی اب صرف ایک جگہ موجود تھی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جلدی سے فون پہ ٹائپ کرنے لگی۔ (یہ وہ فون تھا جو انکریپٹڈ تھا اس کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا تھا۔)

''زمر کے فون کی لوکیشن مل گئی ہے۔ وہ آپ کی پرانی یونیورسٹی میں ہیں۔''

اندھیر سڑک پہ وہ کار دوڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی مسلسل اندر ابلتے غصے کو جھٹک کر دماغ کو آلودہ ہونے سے بچاتا تھا۔ وہ اور زمر ایک دفعہ پھر ہاشم کی بساط کے مہرے بن گئے تھے اور وہ ان کی ڈوریں کھینچ رہا تھا۔ ایسا ایک دفعہ پہلے بھی ہوا تھا۔ یا شاید کئی دفعہ۔ وہ ہمیشہ اس سے مار کھا جاتا تھا۔ مگر آج نہیں۔ آج وہ زمر کو کچھ نہیں ہونے دے گا۔ آج وہ ہاشم کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

جیب میں رکھا بھدا موبائل بجا تو اس نے چونک کر کار آہستہ کی۔ وہ کتنی دیر سے بج رہا تھا' اس نے خیال نہیں کیا تھا۔ اس نے فون نکال کر دیکھا۔ حنین کا پیغام تھا۔ ایک دم اس نے بریک لگائی اور پھر فون فرنٹ سیٹ پہ ڈالتے' کار کا رخ موڑا۔ اسے لائبریری جانا تھا۔ یونیورسٹی کی لائبریری۔ وہ یادگار جگہ تھی۔ ان دونوں کے لئے۔

نیم اندھیر آفس میں وہ تینوں اسی پوزیشن میں بیٹھے تھے۔ آبی ہراساں نظر آتی تھی۔ اسکرین کے منظر سے زیادہ وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھ کر سہم جاتی تھی۔ وہ ایسا سفاک تو نہ تھا' ایسا ابنارمل بھی نہیں۔ یہ سب کیا ہوتا جا رہا تھا؟

تبھی باہر آوازیں آئیں۔ شور سا اٹھا۔ جیسے کوئی گارڈز سے بحث کر رہا ہو۔ رئیس چونک کر اٹھا' ساتھ ہی اسکرین کو بھی دیکھا۔ ''فارس نہیں ہو سکتا' اس کے موبائل کے جی پی ایس کے مطابق وہ تو لائبریری جا رہا ہے۔'' رئیس عجلت میں دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ ہاشم چونکا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔

''شیرو؟ کیا ہوا؟'' ہاشم جگہ سے اٹھا۔ آنکھوں میں حیرت تھی۔ نوشیرواں ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس تھا' آنکھیں ہنوز خوابیدہ تھیں' اور منہ دھوئے بغیر آ گیا تھا غالباً۔ بس الجھا ہوا لگتا تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ''کیا ہو رہا ہے بھائی؟''

''تم ادھر کیسے؟'' ہاشم کرسی کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف گیا۔ آبدار ذرا سا اسکرین کی طرف جھکی۔ کوئی ایسی کمانڈ جو وہ دبا سکے لفٹ کا

دروازہ کھولنے کو۔ "آہم۔" مقابل بیٹھا رئیس کھنکھارا اور پستول جیب سے نکال کر میز پہ رکھ دیا۔ آبی سست سی پڑ کے واپس پیچھے کو ہو گئی۔

"کیا آپ نے واقعی ڈی اے کو..... زمر کو غائب کروا دیا ہے؟" وہ حیران تھا۔

"تمہیں کس نے کہا؟"

"فارس نے۔ وہ گھر آیا تھا۔"

"وہ گھر آیا تھا؟ گارڈز نے نہیں بتایا۔ اس نے نقصان تو نہیں کیا کوئی؟" ہاشم تیزی سے بولا۔ "ممی ٹھیک ہیں؟ اور سونی؟" اس سارے میں وہ پہلی دفعہ مضطرب ہوا۔

"او ہو بھائی سب ٹھیک ہے۔ اس نے مجھے باہر بلایا تھا۔ کہہ رہا تھا میں زمر کو بچانے کے لئے اس کی مدد کروں' آپ سے پوچھوں کہ وہ کہاں ہے اور اس کو بتا دوں۔" وہ اتنا کر کہتا آگے آیا اور جھک کر اسکرین کو دیکھا۔ آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا۔ "یہ لفٹ میں بند ہے؟ یہ کیسے کیا آپ نے؟"

"نوشیرواں درست کہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھیں۔" رئیس جلدی سے فارس کی لوکیشن چیک کرنے لگا۔ کچھ دیر پہلے وہ واقعی ان کے گھر والے علاقے میں موجود تھا۔

"اور کیا کہا اس نے؟" ہاشم سنجیدگی سے پوچھتا واپس کرسی پہ بیٹھا۔

"یہی کہ اگر میں اس کی مدد کروں اور زمر کو بچا لوں تو وہ لوگ میرے خلاف کیس واپس لے لیں گے۔" وہ جھک کر غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ "آؤچ' مگر اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ یہ واقعی مر جائے گی کیا؟"

"تم نے اس کو کیا کہا؟" ہاشم نے سپاٹ سے انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ وہ اپنی شکل گم کر لے کیونکہ مجھے اس عورت کو بچانے میں دلچسپی نہیں ہے جو کورٹ میں مجھے پراسیکیوٹ کر رہی ہے۔ وہ چلا گیا' مگر بھائی.... " وہ الجھن سے سیدھا ہوا۔ "اس کو مار کے ہمیں کیا ملے گا؟"

"زمر مر جائے گی' فارس جیل چلا جائے گا۔ سعدی کے لیے ایک اور پلان ہے میرے پاس۔ ان کا خاندان ایک دفعہ پھر الٹ پلٹ ہو جائے گا اور وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ سمپل۔" وہ اب گہرا سانس لے کر اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"گڈ۔ کہاں ہے یہ ویسے؟"

"کل کی نیوز میں دیکھ لو گے۔" وہ تلخی سے بولا۔ شیرو "واٹ ایور" کہہ کر سیدھا ہوا اور کندھے اچکائے۔ پھر آبدار پہ نظر پڑی تو چونکا۔

"آپ بھی انوالوڈ ہیں؟ واؤ۔"

"میں نہیں انوالوڈ۔" وہ چبا چبا کر بولی اور ایک ملامتی نظر ہاشم پہ ڈالی۔

شیرو نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا' پھر چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ "میں ذرا.... فریش ہو لوں۔" ذرا سا کھسیا کر بولا۔

"بالکل!" ہاشم نے ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔ شیرو باہر نکل گیا۔ راہداری عبور کی' اور اپنے پرانے آفس میں آیا۔ دروازہ بند کیا۔ تیزی سے باتھ روم میں داخل ہوا' یہ دروازہ بھی مقفل کیا' اور جیب سے فون نکالا' پھر ایک نمبر ڈائل کر کے اسے کان سے لگایا۔ ساتھ ہی بے چینی سے سنک کے اوپر آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ اس کو اپنا چہرہ سخت مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"بولو۔" فارس کی آواز سنائی دی۔

"یو شیور تمہارا یہ نمبر ٹریس نہیں ہو رہا کیونکہ دوسرا تو ہو رہا ہے؟"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ تم بتاؤ' وہ کیا جو میں نے کہا تھا؟"

"ہاں۔ میں آفس آیا ہوں۔ بھائی کو بتایا تمہارے آنے کا۔ جو تم نے کہا وہ بھی۔ مگر....." وہ الجھا۔ "اس طرح تو وہ مجھ پہ شک کرے گا' نہیں؟"

"یہ ضروری تھا' ورنہ وہ اچانک تمہارے بغیر وجہ کے آنے پہ شک کرتا۔ بتایا اس نے وہ کدھر ہے؟"

"نہیں۔ آبدار بھی یہیں ہے۔ کسی hostage کی طرح۔ بھائی نے زمر کا مجھے نہیں بتایا۔ مگر وہ اسکرین پہ نظر آ رہی ہے۔ سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ میں۔" فارس نے جھٹکے سے بریک لگائی۔ سارا جسم دہل کر رہ گیا تھا۔

"کیا؟ کدھر ہے وہ؟ وہ ٹھیک ہے؟"

"وہ کسی لفٹ میں ہے۔ اور اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ وہ کونے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ خوفزدہ سی۔" شیرو نے جھرجھری لی۔ "اگر تم نے اسے نہ نکالا تو وہ مر جائے گی۔ ڈوب کر۔"

"کیسی لفٹ ہے؟ کوئی نشانی' کوئی سائن؟"

"دو طرف مرر لگے ہیں۔ آئینے۔ اور بیک پہ براؤن سی وال ہے۔ اور کچھ نہیں سمجھ آیا۔ میں اپنے بھائی کو دھوکہ دے رہا ہوں' میں بس اتنا کر سکتا ہوں۔" وہ تلخ ہو گیا۔

"کچھ اور سمجھ آئے تو بتانا' اور میرے اوپر کوئی احسان نہیں کر رہے تم۔ اپنے اور اپنے بھائی کے گناہوں کو دھونے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ تلخی سے بولا تھا اور فون بند کر دیا۔ شیرو نے سر جھٹکا' فون جیب میں ڈالا اور منہ دھونے لگا۔

وہ واپس آیا تو سب اسی طرح بیٹھے تھے۔ آبی کہہ رہی تھی۔ "میں اس کو پسند نہیں کرتی۔ بالکل بھی نہیں' مگر یہ وحشیانہ سلوک..... ہاشم۔ ایسا مت کرو۔ پلیز۔" وہ منت کر رہی تھی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے آبی۔ تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا قابل ہے۔ میرے لئے اسے اپنی انگلیوں پہ نچانا کبھی مشکل نہیں رہا۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"مگر وہ تو آزاد گھوم رہا ہے' ہمارے گھر تک آ گیا۔" شیرو کرسی سنبھالتے ہوئے بولا تھا۔ "وہ زمر کو ڈھونڈ لے گا' پھر؟"

ہاشم نے کوفت سے اسے دیکھا۔ "تم گھر جا سکتے ہو۔"

"اب مجھے نیند نہیں آئے گی' اور میں یہ تھیٹر مس نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اطمینان سے رئیس کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔ "سو فارس اسے کیوں نہیں بچا سکے گا؟" سرسری سا پوچھا۔

"کیونکہ سر' اسے منسٹری کے ایک آفس سے غیر قانونی طور پہ فائلز نکالتے ہوئے گرفتار ہو جانا تھا۔ ہم رات گہری ہونے کا انتظار کر رہے تھے' مگر وہ وہاں سے نکل گیا۔ پلان بی۔ وہ اب لائبریری جا رہا ہے' وہاں پولیس کی ایک وین اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ وہاں سے گرفتار ہو جائے گا۔"

شیرو کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسکرین پہ وہ فارس کی لوکیشن دیکھ سکتا تھا۔ جی پی ایس سگنل سڑک پہ آگے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ نوشیرواں نے بظاہر "واؤ" کہتے پہلو بدلا۔ (اب وہ کیسے دوبارہ اپنے آفس جائے اور اسے فون کرے؟)

"سر آپ اپنا فون مجھے دے دیں۔" رئیس نے ایک دم اسے مخاطب کیا تو وہ چونکا۔ "مگر کیوں؟"

"کیونکہ آپ فارس سے مل کر آئے ہیں۔ وہ آپ کے علم میں لائے بغیر آپ کو ٹیگ یا بگ کر سکتا ہے' اور آپ کی سیکیورٹی کے لئے مجھے آپ کے تمام gadgets لینے ہوں گے۔ بس آبدار کا فون بھی ہم نے اینٹرنس پہ رکھ لیا تھا۔"

"اوکے!" بظاہر بے پرواہی سے کہتے ہوئے اس نے فون میز پہ رکھ دیا۔ رئیس اسے اٹھا کر باہر چلا گیا۔ (وہ لاکڈ تھا' اور شیرو کال ریکارڈ مٹا چکا تھا۔) اب نوشیرواں ان دیکھی رسیوں سے بندھا ہوا تھا اور فارس کو لائبریری تک جاتے اور ایک اور پھندے میں پھنستے دیکھنے پہ مجبور تھا۔

ہاشم اب اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ اردگرد سے بے نیاز۔ منتقم آنکھیں گویا اسکرین میں چبھ چبھ رہی تھیں۔ آبی صدمے اور ترحم سے زمر کو دیکھ رہی تھی۔ گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی وہ بے بس نظر آتی تھی۔

زمر اسی طرح لفٹ کے کونے میں بیٹھی تھی۔ گٹھڑی بنے۔ سمٹی ہوئی۔ ٹھنڈے پانی میں اس کا آدھا وجود ڈوب چکا تھا' مگر جائے تو جائے کہاں۔ سو بیٹھی رہی۔ پرس اور موبائل ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے دروازے پہ بند ہتھیلی مار دیتی۔ چند آوازیں بھی لگاتی مگر اندھیر پارکنگ ایریا میں رات کے اس پہر کسی نے نہیں آنا تھا غالباً۔

ساری زندگی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح سے گھوم رہی تھی۔ گونگی بہری فلم۔ ٹوٹے پھوٹے سین۔ وہ فارس کو کتنی اذیت دیتی تھی' اس سے کتنی تلخی سے پیش آتی تھی۔ ساری بری باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ساری اچھی باتیں بھول گئی تھیں۔

وہ موبائل روشن کر کے دیکھنے لگی۔ ایس او ایس ایمرجنسی کالنگ کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس نے گیلری کھولی۔ اپنی اور فارس کی نئی پرانی تصویریں دیکھیں..... سعدی جینن..... مور چال..... اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ سگنل ہنوز بند تھے۔ ایمرجنسی کال تک نہ جاتی تھی۔ نوٹیفکیشن بار نیچے کیا تو ذرا ٹھہری۔ وائی فائی کا بٹن عادتاً آن تھا۔ اس نے اسے زور سے دبایا تو وائی فائی کا خانہ کھل گیا۔ موبائل ازسرنو قریبی وائی فائی

نیٹ ورکس کو ڈھونڈنے لگا۔زمر کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔سر اٹھا کے اوپر دیکھا۔

کیمرہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس نے موبائل ذرا ترچھا کر کے پکڑ لیا۔

دفعتاً فون نے اطلاع دی۔قریب میں ایک نیٹ ورک آن تھا۔شاید کوئی اپنی کار میں کوئی تھری جی ڈیوائس رکھے ہوئے تھا جو آن تھی اور اس کے سگنل لفٹ تک آتے تھے۔اس نے اسے دبایا۔پاسورڈ؟

وہ کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کرنے لگی۔12345678۔یہی سب سے کامن پاسورڈ تھا۔"غلط" نشان ابھرا۔اس نے لب کاٹتے ہوئے ایک سے نو اور پھر ایک سے دس تک گنتی لکھی۔غلط۔دل بار بار ڈوب رہا تھا۔ڈوب کر ابھر رہا تھا۔پانی اس کے گھٹنوں تک آ گیا تھا اور آنکھوں سے پانی ویسے بھی بہہ رہا تھا۔"پاکستان" اس نے دوسرا سب سے کامن پاسورڈ ٹائپ کیا۔غلط۔مگر وہ تھکی نہیں۔بار بار ٹائپ کرتی رہی۔الفاظ ہندسے۔اپنے گھر والوں کے نام۔یونہی بے کار میں۔

زمر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وائی فائی کنکشن کے نام میں جو بارہ ہندسے لکھے تھے' وہی اس کا پاسورڈ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

حنین لاؤنج میں اداس سی بیٹھی تھی۔ایک ہی پوزیشن میں پاؤں رکھنے کے باعث وہ سن ہو گئے تھے۔وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن دانتوں میں دبا کر کترے جا رہی تھی۔وہاں زمر کی لوکیشن لکھی دکھائی دے رہی تھی۔اس نے دوسری ونڈو میں فارس کی لوکیشن چیک کی۔وہ یونیورسٹی کے قریب تھا۔اسے کچھ تسلی ہوئی۔شکر ہے وہ اس قابل تھی کہ کسی کی موبائل لوکیشن چیک کر سکے اور حالات کا اندازہ کر سکے ورنہ تو مارے ٹینشن کے اس کا برا حال ہو جاتا اور.....

یکدم وہ ٹھہر گئی۔ ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔اس نے تیزی سے فون اٹھایا اور کال ملائی۔

"کیا ہوا حنہ؟" وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا تھا۔

"ماموں' مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔کوئی گڑبڑ ہے۔دیکھیں' پہلے ہمیں زمر کی لوکیشن مل نہیں رہی تھی' پھر اچانک سے مل گئی' اور اگر مجھے آپ کی لوکیشن معلوم ہو سکتی ہے تو ان کو بھی ہو سکتی ہے۔آپ.....آپ وہاں نہ جائیں۔"

"میں وہاں جا بھی نہیں رہا۔"

وہ ٹھہر گئی۔"ہیں؟ کیوں؟"

اور اس بلند و بالا ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترتے ہوئے فارس نے فون کان سے لگائے والٹ سے چند نوٹ نکال کر ٹیکسی والے کو تھمائے اور آگے چلتا آیا۔اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں نظر آتا تھا۔صرف سنجیدگی اور ٹھہراؤ۔

''کیونکہ میں ہمیشہ اس کے داؤ میں اس لئے پھنس جاتا ہوں کیونکہ میں اس کی طرح نہیں سوچتا۔ وہ صرف جرم کرنے کا نہیں سوچتا' وہ کور اپ کا بھی سوچتا ہے۔ جرم کے بعد الزام کس کے سر جائے گا' یہ طے کر رکھتا ہے۔'' وہ تیز تیز چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''پہلے اس نے سوچا کہ وہ شہری کے ذریعے مجھے گرفتار کروا دے' لیکن اسے اندازہ تھا کہ عین ممکن ہے میں گھنٹے بھر میں چھوٹ جاؤں' تو اس نے یقیناً پلان بی بھی رکھا ہوگا۔ اب وہ چاہتا ہے میں یونیورسٹی جاؤں' اور میں چلا بھی جاتا اگر میں اپنے کریڈٹ کارڈ کا ریکارڈ نہ دیکھ لیتا۔''

''کریڈٹ کارڈ کہاں سے آ گیا؟''

''میرے بلز کو وہ عموماً مجھے پھنسانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اسے گمان ہوگا کہ اتنی افراتفری میں مجھے اپنا اکاؤنٹ دیکھنے کا ہوش کہاں ہوگا۔ مگر زمر نے تمہیں کہا تھا کہ وہ ڈنر پہ جا رہی ہے۔ وہ یقیناً کسی ہوٹل یا ریسٹورانٹ گئی ہوگی۔ لائبریری نہیں۔ اور چند گھنٹے پہلے میرے کارڈ سے دو دن کے لئے اس ہوٹل میں روم بک کیا گیا ہے' جہاں زمر اور میں ایک دفعہ آئے تھے' اور جو ہارون عبید کی ملکیت ہے۔'' وہ ہوٹل کے داخلے کی طرف تیز قدموں سے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور ہاشم ہمیشہ ہارون عبید کے ہوٹلز استعمال کرتا ہے' جیسے سعدی بھائی کی دفعہ کیا تھا۔'' وہ جوش سے بولی۔

''بالکل۔''

''اور یقیناً آپ نے کسی کے ہاتھ اپنا فون یونیورسٹی بھجوا دیا ہوگا کیونکہ وہ مسلسل اسی طرف جا رہا ہے۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے کر بولی۔

''نہ صرف فون بلکہ کار بھی۔''

''تو آپ زمر کو اتنے بڑے ہوٹل میں کیسے ڈھونڈیں گے۔ کیا پتہ وہ اب تک وہاں نہ ہوں۔''

''کسی نے بتایا ہے کہ وہ لفٹ میں ہے' اور یہ کہہ کر اس نے میری نظر میں اپنے سارے گناہ دھو ڈالے ہیں۔'' اس نے موبائل بند کر کے جیب میں ڈالا اور داخلے کے قریب آیا۔

''میرا روم بک ہے۔ مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔'' اس نے شناختی کارڈ نکالتے ہوئے سیکیورٹی آفیسر سے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا۔ نہ کوئی روک ٹوک' نہ کوئی پوچھ گچھ۔ اسے ادب اور خوش دلی سے اندر جانے دیا گیا۔

البتہ داخلے کے قریب موجود گارڈ کو اس کی شکل دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

لابی میں داخل ہوتے ہی اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ وہ ریسیپشن کی طرف بھاگا۔ سیکیورٹی آفیسر نے فوراً ہتھیلی لبوں تک لے جا کر کچھ کہا۔ ہوٹل کے کنٹرول روم میں بیٹھے اہلکاروں میں سے ایک نے کان میں لگا آلہ دبا کر غور سے سنا اور پھر آگے کو ہو کر کی بورڈ پہ بٹن دبائے۔ اسکرین پہ چوکھٹے ابھرے لابی اور ریسیپشن کا منظر اور ایک طرف بھاگتا غازی۔ اس نے برق رفتاری سے فون اٹھایا۔

نیم اندھیرا آفس میں وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ اسکرین پہ لفٹ میں نظر آتی زمر پانی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سکڑی' سمٹی' اور مسلسل موبائل پہ بٹن دبائے جا رہی تھی۔ پانی اس کے کندھوں سے بالشت بھر نیچے تھا اور وہ ہاتھ اٹھا کر موبائل اوپر پکڑے ہوئے تھی۔ چہرے پہ آنسوؤں

کے نشان تھے جیسے ہر شے ختم ہو چکی تھی اور وہ بار بار پاسورڈ ٹائپ کر رہی تھی۔ فوٹیج میں اتنا دکھائی دیتا تھا کہ وہ ٹائپ کیے جا رہی ہے۔ کیا؟ یہ سمجھ نہ آتا تھا۔ یکدم اس کے ہاتھ سے موبائل پھسلا اور اس نے سنبھل کر اسے تھامنا چاہا مگر وہ پانی میں ڈبکی کھا کر ڈوبتا چلا گیا۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ نہیں مارے۔ بس سر بند دروازے سے لگا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ پرس موبائل' سب ڈوب چکا تھا۔ پانی اب اس کے کندھوں کے قریب پہنچتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کمزوری نہیں ہوئی۔ آنکھیں موندے' زیرِ لب کوئی دعا پڑھنے لگی۔ (میرے بعد میرے خاندان والے کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائیں اللہ تعالیٰ۔ میرے خاندان والے.....)

"یہ تو ہارون عبید کی ہوٹل لفٹ ہے نا؟" نوشیرواں کو بالآخر یاد آ ہی گیا۔ "آپ کو کیسے پتہ تھا کہ وہ اسی لفٹ میں داخل ہو گی جس کو آپ لوگ کنٹرول کر سکیں گے؟"

"نہیں سر۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ اوپر روم تک جائیں۔ ہم نے وہاں ان کو ہراساں کرنے کے لیے کچھ لوگ اکٹھے کر رکھے تھے۔ وہ فوراً بھاگتیں اور دونوں ایلی ویٹرز کو مصروف پا کر اسی میں سوار ہو جاتیں۔ ان کو لگتا کہ وہ بچ جائیں گی مگر ایسا نہ ہوتا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ پہلے ہی اسی لفٹ میں سوار ہو گئیں۔"

تبھی فون کی بیل پہ وہ رکا اور موبائل کان سے لگایا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ فارس غازی ہوٹل کیسے پہنچ سکتا ہے؟ وہ تو کہیں اور جا رہا تھا۔" رئیس ششدر سا فون پہ بولا تھا۔ ہاشم لمحے بھر کو بالکل سن سا رہ گیا۔ پھر اس نے فون رئیس کے کان سے کھینچا۔ "کہاں ہے غازی؟ فوٹیج مرر کرو ہمارے سسٹم پہ۔" وہ غرایا تھا۔

آبدار نے پہلے اسے دیکھا' پھر نوشیرواں کو۔ شیرو آگے ہو کر بیٹھا تھا' دم سادھے۔ آبی کو دیکھتے پا کر نظریں چرا گیا۔ وہ اسے چند لمحے دیکھے گئی۔ پھر رخ موڑا۔

اسکرین پہ وہ لابی عبور کرتا نظر آ رہا تھا۔ دائیں سے بائیں بھاگتا۔ وہ ایک طرف جاتا' پھر دوسری طرف۔ ہاشم سانس روکے اسے دیکھے گیا۔ فون کان سے لگا تھا۔

"سنو... اسے نہیں معلوم کہ وہ لڑکی کدھر ہے۔ تماشا نہ بننے دینا کیونکہ بعد میں مرڈر کیس بنے گا تو کور اپ بھی کرنا ہے۔ آرام سے اپنے سکیورٹی آفیسرز لے کر جاؤ' اور اس کو detain کر لو۔ بس چند منٹ کے لئے اسے قابو میں رکھو پھر چھوڑ دینا۔"

"مگر اسے پتہ کیسے چلا کہ زمر کہاں ہے؟؟" شیرو سرسری سا لہجہ بنا کر بولا۔ آبی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم نے فون نیچے کر کے اچنبھے سے کہا۔ "ہو سکتا ہے زمر نے گھر سے نکلتے ہوئے کسی کو بتایا ہو' بہر حال وہ ہمیں دھوکہ دینے کے لئے کسی کے ہاتھ اپنا موبائل یونیورسٹی بھجوا کر خود یہاں آیا ہے' لیکن اتنے بڑے ہوٹل میں وہ اسے اتنی جلدی نہیں ڈھونڈ پائے گا۔" پھر فون کان سے لگایا۔ "وہ سکیورٹی کی مدد مانگے گا' کنٹرول روم کے کیمروں تک رسائی چاہے گا' اس کو روک کر رکھ لینا۔" وہ تیز تیز ہدایات دے رہا تھا۔ چہرے پہ غیظ و غضب چھایا تھا مگر وہ ہار نہیں مانے گا' یہ طے تھا۔ آج وہ فارس کو کچھ نہیں کرنے دے گا۔

"سر.... میرا نہیں خیال اس کی ضرورت ہے۔" رئیس اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ "وہ سیکیورٹی سے مدد مانگ بھی نہیں رہا۔"

واپس ہوٹل کی لابی میں آؤ تو روشنیوں اور فانوسوں سے مکمل روشن تھی۔ اونچی چھت' سرمریں فرش' درمیان میں فوارہ۔ آگے پیچھے ٹہلتے لوگ۔ غالباً وہاں کوئی کنسرٹ ہو رہا تھا اور ابھی ختم ہوا تھا تو رش کافی تھا۔ فارس پہلے ایک رخ سے دوسرے رخ تک دوڑا' پھر واپس آیا۔

اب وہ لابی کے وسط میں کھڑا تھا۔ نگاہیں تیزی سے چاروں طرف دوڑاتے' اس نے لمحے بھر میں دیکھ لیا تھا کہ دور کھڑے سیکیورٹی اہلکار اسی کو دیکھ کر آپس میں بات کر رہے تھے۔ زمر کے پاس وقت کم تھا۔ اسے جو کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔

"سنو.... میری بات سنو۔" وہ کنسرٹ سے لوٹتے لڑکوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھا' ایسے کہ اس کی سانس پھولی تھی' چہرہ پسینے سے تر شدید پریشان لگتا تھا۔ اپنے اپنے موبائلز پہ سر جھکائے گزرتے لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"میری بیوی.... میری بیوی لفٹ میں پھنس گئی۔ اس کی کال آئی ہے۔ واٹر لائن پھٹ گئی ہے' اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔ اور یہ ہوٹل والے مدد نہیں کر رہے۔ پلیز سنو....رکو.... میرے ساتھ چلو.... بات سنو...." وہ ان کے ساتھ ساتھ قریبی گزرتے لوگوں سے بھی التجا کر رہا تھا۔ چلا چلا کر۔ بہت سے چہرے مڑے' بہت سے قدم اس کی طرف اٹھے۔ چند لپکے۔ چند دوڑے۔

"اوہ گاڈ یہ کیسے ہوا؟"

"کہاں ہیں آپ کی وائف؟" وہ انکھیوں سے دیکھ سکتا تھا کہ سیکیورٹی گارڈز تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے' مگر ایک دم سے لابی میں کہرام مچ گیا تھا۔ جیسے ہی وہ اس طرف دوڑا جہاں لفٹس لگی تھیں' انسانوں کا ایک ریلا اس کے ساتھ بھاگا۔

"کوئی ریسکیو کو کال کرے۔"

"میں کر رہی ہوں آپ لوگ ادھر جائیں۔" شور۔ آوازیں۔ بہت کم لوگ تھے جو بیٹھے رہے' یا دیکھتے رہے' مگر ایک رش سا تھا' جس میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی' جو اپنے موبائل اور ہینڈز فری جیبوں میں اڑستے فکرمندی سے اس کی طرف دوڑے تھے۔ سیکیورٹی گارڈز کا راستہ رک گیا۔ کسی کو دھکے لگے' کسی کو ٹھڈا آیا۔ کوئی کچن کی طرف بھاگا کسی اوزار کی تلاش میں' کوئی آگ بجھانے والا آلہ اٹھا لایا۔

فارس دوڑتے ہوئے لفٹس کی طرف آیا تھا۔ "کون سی لفٹ میں ہے وہ؟" کوئی اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ تیز تنفس اور دھڑکتے دل کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ "انہی میں سے کوئی ہے۔" "ایک لفٹ کو نیچے بلانے کا بٹن دبایا۔ پھر دوسری کی طرف بھاگا' پھر تیسری کی طرف۔ سب کو نیچے بلایا۔ لوگ آگے پیچھے جمع ہو گئے تھے۔ کسی نے پولیس کو بلایا' کسی نے فائر بریگیڈ کو۔ ہوٹل کے ریسکیو کے اہلکار (جو ہاشم کے احکامات تلے نہیں تھے) اطلاع ملنے پہ لفٹ کھولنے کا سامان لے کر اپنے آفس سے باہر کو دوڑے تھے۔ اور وہ اتنے رش اور شور میں کھڑا ان تینوں لفٹس کے باری باری نیچے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ دفعتاً یکے بعد دیگرے دو دروازے کھلے۔ پہلی.... دوسری.... وہ ٹھیک تھیں۔ تیسری لفٹ کی بتی جلی تھی۔ وہ B2 پہ تھی۔ مگر اوپر نہیں آ رہی تھی۔

"یہی ہے۔ یہی ہے۔ بی ٹو۔ کہاں ہے بی ٹو؟" وہ مڑ کر چلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کسی نے سمت کا بولا تو وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔

بہت سے نوجوان اس کے ساتھ بھاگے۔ سکیورٹی اہلکار بے بسی سے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

اور اسکرین پہ یہ مناظر دیکھتے ہوئے ہاشم کی رنگت بالکل سیاہ پڑ گئی تھی۔ وہ چپ تھا۔ بالکل چپ۔ رئیس چلا چلا کر فون میں ہدایات دے رہا تھا۔ گالیاں نکال رہا تھا۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں سر۔ ریسکیو اہلکار ہر وقت ایسی ٹریجڈیز کے لیے تیار ہوتے ہیں' ان کو یہ کہیں کہ وہ لفٹ میں پھنسی لڑکی کو بچانے نہ جائیں؟ یہ کہنے پہ وہ رکیں گے تو نہیں' البتہ ہم پہ شک کریں گے۔"

"ان کے کام میں تاخیر ڈالنے کی کوشش کرو۔" رئیس بے بسی سے کہہ رہا تھا' بار بار خائف نگاہ ہاشم پہ بھی ڈالتا۔ جس کی خاموش نظریں اسکرین پہ گڑی تھیں۔

"سر' پولیس کو بلایا گیا ہے' ہوٹل کی سیکیورٹی ٹیم کے درجنوں ممبران موجود ہیں ادھر' اور وہ سب تو ہمارے ساتھ نہیں ملے ہوئے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

ہاشم نے فون رئیس کے کان سے کھینچا اور سختی سے اس میں بولا۔ "وائپ آؤٹ کرو سب۔ ساری ویڈیوز۔ ثبوت۔ ریکارڈ۔ کالز ریکارڈ۔ سب کلین کرو۔ جلدی۔"

"یس سر!" اور اس نے فون میز پہ پھینک دیا۔ پرتپش نظریں اسکرین پہ جمی تھیں اور تنفس تیز ہوتا جا رہا تھا۔

فارس دھڑکتے دل کے ساتھ تیز تیز زینے پھلانگ رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے بہت سے مناظر گھوم رہے تھے۔ مگر وہ بار بار نفی میں سر ہلاتا۔ وہ اسے بچا لے گا۔ وہ وقت پہ پہنچ جائے گا۔ محسوس ہو رہا تھا کہ اس شور شرابے میں بہت سے نوجوان' ملازم' سیکیورٹی گارڈز اس کے آگے پیچھے دوڑ رہے ہیں' مگر وہ کسی کا نہ انتظار کر رہا تھا' نہ جواب دے رہا تھا۔ دیوانہ وار زینے پھلانگتے ہوٹل کی سب سے نچلی بیسمنٹ میں داخل ہوا۔

وہاں طویل اور نیم اندھیر پارکنگ ایریا تھا۔ ایک کونے میں لفٹس لگی تھیں۔ وہ ان کی طرف دوڑا۔ تیسرے نمبر کی لفٹ کے دروازے پکے بند تھے۔ جڑے ہوئے' یوں لگا جیسے قدیم وقتوں کا کوئی زندان ہو۔ وہ اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ بھاگتا ہوا دروازے تک پہنچا اور اسے دھڑ دھڑایا۔ "زمر.... زمر...." وہ زور سے چلایا۔ آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ خوف تھا۔

دوسری جانب خاموشی تھی۔ کوئی آواز' کوئی آہٹ نہیں۔ وہ دیوانہ وار دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ "زمر جواب دو۔ زمر...." اس کے ہاتھ سرخ پڑ رہے تھے۔ اور وہ لوہے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ لوگ قریب آ چکے تھے۔ رش کے درمیان سے راستہ بناتے ریسکیو اہلکار آئے' اور اسے ہٹانا چاہا' تا کہ وہ دروازے کو مشینری کی مدد سے کھول سکیں۔ کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر پرے دھکیلنا چاہا' مگر وہ کندھا جھٹک کر مڑا' اور ریسکیو اہلکار کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ "یہ مجھے دو' اور پیچھے ہٹو۔" غصے سے غراتے اس کے ہاتھ سے آلہ لیا اور اسے پرے ہٹایا۔ دوسرے اہلکار نے نیچے سے اور اس نے پھر اوپر سے آلہ لفٹ کے دروازوں کی درمیانی درز میں زور سے گھسایا۔ اندر سے پانی

رسنے لگا۔ ذرا ذرا۔ اب وہ دونوں ایک سمت میں زور لگانے لگے۔ بلیڈ پکڑے اس کے زور لگاتے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی' بے قرار نظریں دروازے پہ جمی تھیں' سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ ایک دفعہ پہلے بھی دروازہ توڑا تھا۔ وہ ایسا منظر دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ٹوٹے دروازوں کے پار چھوٹتے رشتے دیکھ دیکھ کر تھک چکا تھا۔ اب نہیں' اللہ' اب نہیں۔

لوگ اونچا اونچا بول رہے تھے' ہمت بندھا رہے تھے' اور وہ دونوں زور لگا رہے تھے۔ دروازے کو دائیں طرف دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک..... دو..... تین..... عجیب سی آواز کے ساتھ دروازہ ذرا سا دائیں طرف دیوار میں گھسا۔ ایک دم پانی کا ریلا سا باہر کو چھلکا۔ سب بے اختیار پیچھے کو ہٹے۔ آلے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ بس وہ پیچھے نہیں ہوا۔

پانی پوری قوت سے باہر کو گر رہا تھا۔ وہ مکمل بھیگ چکا تھا۔ مگر ابھی کچھ نظر نہ آتا تھا کہ دوسری طرف کیا ہے۔ دروازہ بھی بالشت بھر ہی کھلا تھا۔ اس نے آلہ چھوڑ دیا اور آگے بڑھا۔ دونوں ہاتھوں سے دروازے کا کنارہ پکڑ کر زور سے اندر کو دھکیلا۔ دانت جما لئے..... بازوؤں کی رگیں ابھر آئیں۔ تکلیف ہونے لگی۔ شاید اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا' اور خون نکل رہا تھا۔ ہر شے گیلی تھی۔

پانی کا سیلاب اسی طرح باہر نکل رہا تھا۔ سب پیچھے ہٹ چکے تھے۔ صرف وہ کھڑا تھا۔ بھیگتا ہوا۔ لبوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا۔ اس کا نام' اس سے کی جانے والی منتیں۔ دھیرے دھیرے بھاری دروازہ اندر کو گھستا گیا۔ ایک فٹ تک۔ دو فٹ۔ اس نے دروازہ چھوڑ دیا۔ گہرے گہرے سانس لیتا وہ بھیگا ہوا چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اور ادھ کھلے دروازے سے نظر آتا تھا۔

اندر گیلے فرش پہ وہ اوندھے منہ گری پڑی تھی۔ اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ بس ایک لمحے کو پیر زنجیر ہوئے' پھر وہ اندر کو لپکا۔ اس کو سیدھا کیا۔ وہ بھیگی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی یخ۔ آنکھیں بند تھیں۔ گیلی لٹیں چہرے کے ساتھ چپکی تھیں۔ ہونٹ جامنی تھے۔

"زمر....." اس پہ جھکے فارس نے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ وہ اتنی ٹھنڈی تھی کہ اس کے اپنے ہاتھ پیر بھی ٹھنڈے پڑنے لگے۔ "زمر....." اس نے پکارنے کے ساتھ اس کی گردن پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چہرے پہ۔ سانس محسوس کیا۔

وہ زندہ تھی۔ اوہ خدایا۔ وہ زندہ تھی۔ زمین پہ بیٹھے' تھک کر اس نے چہرہ اوپر کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ گہرے گہرے سانس لئے۔ وہ زندہ تھی۔ اس نے دیر نہیں کی تھی۔

ریسکیو اہلکار اس کے پاس آ گئے تھے' کسی نے اسے تھرمل بلینکٹ تھمایا' کسی نے کندھا تھپکا۔ کوئی اسٹریچر لانے کی اطلاع دے رہا تھا۔ وہ کسی کو نہیں سن رہا تھا۔ بس اسے کمبل میں لپیٹ رہا تھا۔ خود بھی بھیگا ہوا تھا' چہرے پہ بہت سے قطرے تھے' بالوں سے قطرے ٹپک رہے تھے' آنکھوں سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ "وہ زندہ ہے..... وہ ٹھیک ہے۔" وہ اسے اٹھا کر اب اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا اور خود کو کہتے ہوئے سن رہا تھا۔ وہ لڑکے اس کو مبارکباد دے رہے تھے' اس کا کندھا تھپک رہے تھے۔ وہ ہنس بھی رہا تھا' وہ شاید رو بھی رہا تھا' مگر وہ کسی کو جواب نہیں دے رہا تھا۔ وہ احتیاط سے اسے اسٹریچر پہ لٹا رہا تھا۔

دسمت کی سی سی ٹی وی فوٹیج نیم اندھیرے آفس میں رکھی اسکرین پہ مرر ہو کر آ رہی تھی۔ ہاشم دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ رئیس سر پکڑے

بیٹھا تھا۔نوشیرواں منہ میں ناخن ڈالے انہیں کترے جا رہا تھا۔اور آبدار...اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔وہ بس اسکرین پہ پچھلے منظر کو دیکھ رہی تھی۔وہ گیلے بالوں' گیلے کپڑوں والا مرد' اپنی آنکھیں انگلیوں سے رگڑتا' کسی کے شانہ تھپکانے پہ سر جھٹک کر ہنستا' کمبل میں لپٹے وجود کو اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا۔پانی آیا تھا تو سب پیچھے ہٹ گئے تھے۔بس وہی کھڑا رہا تھا۔بس اسی نے لمحے بھر کی غفلت نہیں کی تھی۔
اور اب وہ اسٹریچر کو آگے دھکیل رہا تھا۔لوگ اسے مبارکبادیں دے رہے تھے' خوش ہو رہے تھے' آوازیں نہ سنائی دیتی تھیں مگر چہروں کے تاثرات اور مسکراہٹیں سب کہہ رہی تھیں کچھ لوگ ان پہ رشک کر رہے تھے۔ایسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے' خیال رکھنے والے شوہر۔
یہ ہوتی ہے محبت۔اور آبدار نے ڈبڈبائی آنکھیں اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔یہ ہوتی ہے محبت؟
وہ ماتھے پہ بل لیے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔کوٹ پرے پھینکا پڑا تھا اور آستین اوپر چڑھے تھے۔وہ سخت غصے میں' بے بس سا نظر آتا تھا۔بار بار پیشانی مسلتا۔نفی میں سر ہلاتا۔رنگت سیاہ پڑ رہی تھی۔
"یہ کیسے ہوا؟ اسے ہوٹل کا کیسے پتہ چلا؟"
"شاید مسز زمر نے گھر میں بتا رکھا ہو۔"
"مگر اسے یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ لفٹ میں ہے؟" ہاشم چونکا۔"وہ جیسے ہی ہوٹل میں داخل ہوا' وہ فوراً لفٹ کی طرف بھاگا تھا۔اس نے لوگوں کو اکٹھا بھی لفٹ کی طرف کیا۔"
نوشیرواں نے بہت سا تھوک بدقت نگلا اور سرسری سا بولا۔"شاید اس نے اندازہ لگایا ہو۔" ہاشم نے چونک کے اسے دیکھا۔اور پھر ٹھہر کے دیکھتا گیا۔
"تمہارے پاس آیا تھا وہ۔کیا وعدہ کیا تھا اس نے تم سے؟ زمر کو بچا لو تو کیا دے گا وہ؟ کیس میں معافی؟" نوشیرواں سناٹے میں رہ گیا۔پھر بدقت بولنا چاہا۔
"بھائی' کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ مسز زمر کہاں ہیں۔میرا تو فون بھی رئیس نے لے لیا۔اور یاد کریں' آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ وہ ہوٹل میں ہے۔اور پھر میں اسے کیوں بتاؤں گا؟ میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔" وہ جلدی میں غیر ضروری صفائیاں دینے لگا۔مگر ہاشم مشتبہ نظروں سے اسے گھورے جا رہا تھا۔

"The lady doth cry too much!"

رئیس نے بھی شیرو کو سنجیدگی سے دیکھا۔
"آپ میرے موبائل لینے سے پہلے باتھ روم گئے تھے۔تب موبائل آپ کے پاس تھا۔"
"اے تم چپ کرو۔" وہ ڈپٹ کر بولا۔"اگر اپنا پلان فیل ہوا ہے تو مجھے ذمہ دار نہ ٹھہراؤ۔پہلے ہی ساری رات برباد کی میری۔" اکتا کر کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔اس نے ہاتھ بڑھایا۔"میرا فون واپس کرو تا کہ میں جاؤں۔ایک تو تم لوگوں کا ساتھ دو' اوپر سے باتیں بھی سنو۔"

"کیا کسی انسان کے لئے مرنا صحیح ہوتا ہے؟ Is that worth it? "ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ذرا دائیں کندھے کی طرف جھکائے' سر کے اوپر سرخ رومال بندھا تھا جس سے سرخ بال کانوں اور گالوں پہ نکل نکل کر گر رہے تھے۔ رنگت سفید زردی پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔ دکھ تھا۔ صدمہ تھا۔

(ہاشم نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے گھٹنوں کے قریب 'میز کا نچلا دراز کھول رکھا تھا اور اس میں رکھی کسی کے موبائل یا ٹیب کی ناکارہ ہینڈز فری دونوں ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔ البتہ جس جگہ نوشیرواں کھڑا تھا' اسے آپی کے گود میں رکھے ہاتھ صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ متحیر ہوا تھا۔)

"شاید نہیں!" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ گرنے لگے۔ شیرو کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ پھسلیں۔ آبدار نے ائیر بڈ کو ایک ہاتھ سے کھینچا تو وہ تار سے الگ ہو گیا۔ اس نے ننھا ائیر بڈ مٹھی میں دبا لیا اور ٹوٹا ہوا ہینڈز فری دراز میں ڈال کر اسے اندر دھکیلا۔ کھڑی ہوئی۔ گیلی آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو بالکل ٹھہر کے' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(میں آبدار عبید ہوں اور میں ایک بری لڑکی نہیں تھی۔ میرا بھی ایک دل تھا جیسے آپ سب کا ہوتا ہے۔) مگر زبان سے وہ کہہ رہی تھی۔

"میں نے اس کے لئے کیا کیا نہیں کیا؟ اپنا پیسہ خرچ کیا' وقت صرف کیا' جان کو خطرے میں ڈالا' جو اس نے مانگا میں نے لا کر دیا۔" انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دیتی وہ گلابی آنکھوں کے ساتھ چلائی تھی۔ "میں نے اس کے لئے سب کچھ کیا۔ صرف یہی منظر دیکھنے کے لئے؟" ہاشم اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا اور رئیس اور نوشیرواں بالکل سانس روکے۔

(اور کیا برا کیا میں نے اگر ہمیشہ دل کی سنی؟ دل کی مانی؟ کیا عشق مرضی سے کیا جاتا ہے؟ نہیں۔ یہ تو مرض ہے جو یوں لگتا ہے جیسے کسی کو فلو لگ جاتا ہے۔ اور کسی کا فلو کینسر بن جاتا ہے۔)

"میں نے سعدی کو نکلوایا' میں نے ان کو میری اینجیو کے خلاف ثبوت لا کر دیے' فارس کو سری لنکا میں سہولیات میں نے فراہم کیں۔ مگر اسے اس وقت صرف زمر نظر آ رہی ہے۔ وہ کسی اور کو دیکھ ہی نہیں پا رہا۔ وہ اس کے لئے وہ سب نہیں کرے گی جو میں کر رہی ہوں۔ مگر اس کے لئے فارس نے خود کو خطرے میں ڈال دیا۔"

ہاشم کی آنکھوں میں برہمی ابھری۔ لب کھولے' پھر بھینچ لئے۔ وہ اب قدم بقدم آگے آ رہی تھی۔ (وہ میرا کبھی نہیں ہو سکے گا اور میں نہیں جانتی کہ کسی انسان کے لیے جان دینا یا جان لینا صحیح ہے یا نہیں مگر میرا دل کہتا ہے.... آج میں سب ختم کر ہی دوں۔) اس کے چہرے پہ ذمانوں کا دکھ اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ "یہ میں تھی جو اس کی "جان" بچانے کے لئے رات کے اس پہر تین قاتلوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔" بند مٹھی سے ایک انگلی نکال کر تینوں کی طرف اشارہ کیا۔ "مگر وہ اس وقت میرے بارے میں نہیں سوچ رہا ہو گا۔ وہ زمر کا ہے اور وہ زمر کا رہے گا۔ پھر میں نے اس کی غلامی کیوں کی؟"

ہاشم کی آنکھیں ذرا سکڑیں۔ "تم نے بتایا اس کو؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

(آج میرا من کہتا ہے کہ جہاں اتنا کیا ہے اس کے لیے وہاں ایک آخری بازی بھی لگا دوں۔)

''مگر میم میں نے آپ کا فون پہلے ہی لے لیا تھا۔'' رئیس بھی چونکا۔

''مجھے اپنے ہوٹل کی لفٹ پہچان کر فارس کو زمر کی لوکیشن بتانے کے لئے کسی فون کی ضرورت نہیں جب کہ میرے پاس اس کا دیا گیا بگ موجود تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے مٹھی کھولی' ائیر بڈ دو انگلیوں میں پکڑ کر ان کو دکھایا اور اس سے پہلے کہ کوئی حرکت کرتا' آبی تیزی سے ایکویریم تک آئی' ائیر بڈ دانتوں میں ڈال کر کچلا' پھر ایکویریم پہ چہرہ جھکا کر اندر تھوک دیا۔ ٹوٹا ہوا ائیر بڈ پانی میں ڈوبتا گیا۔

ہاشم دھک سے رہ گیا۔ ''تم.... تم یہاں ہوئی ساری گفتگو اس تک پہنچا رہی تھی؟'' اسے یقین نہیں آیا۔

(اگر میں ہمیشہ بری ہی تھی تو آج میرا دل کہتا ہے کہ ایک برا کام اور کر دو۔ عجیب بات.... میں اب بھی اپنی دنیا اور اپنی آخرت نہیں سوچ رہی۔ میں اس انسان کا سوچ رہی ہوں۔ یہ عشق تو غلامی ہے غلامی۔)

نوشیرواں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے' مگر آواز پھنس گئی۔ وہ بگ نہیں تھا' وہ تو اسی شکل کا عام سا ائیر پیس تھا مگر وہ نہیں کہہ سکا۔

''ہاں۔ اسے شیرو نے نہیں میں نے بتایا ہے کہ زمر کہاں ہے۔ میں نے فارس کی ''جان'' بچائی ہے۔ میں نے!'' سینے پہ مٹھی سے دستک دیتی وہ زور سے چلائی تھی۔ رئیس اٹھا' تاکہ ایکویریم سے بڈ نکالے' مگر وہ دونوں اس ایکویریم کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ سمجھ نہیں آیا کہ کیا کرے۔

''آبی!'' اس کے مقابل کھڑے ہاشم کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ تحیر بھرا صدمہ۔ ''تم نے کیوں....؟''

''کیا میں نہیں جانتی تم نے مجھے کیوں بلایا ادھر؟ تم مجھے انتخاب کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ تم میرے سامنے ایک عورت کو مار کر مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔ تم اس طرح مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مجھے ساری زندگی کے لئے خوف میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے۔ تم ہاشم.... تم مجھے اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ آج وہ مر جاتی تو میں تمہاری دہشت اور رعب کی غلام بن جاتی۔'' اس نے ہتھیلی سے گیلا چہرہ رگڑا اور نفرت سے اسے دیکھا۔ ''تم میری فارس کے لئے محبت کو خوف کی تھپکی دلا کر سلانا چاہتے تھے۔ کیا یہ تمہیں اتنا آسان لگتا ہے؟ محبت کو undo کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا ہاشم۔ مگر میں نے اس سے محبت نہیں کی۔'' وہ دو قدم مزید قریب آئی۔ ہاشم لب بھینچے ناگواری مگر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہولے ہولے سانس لے رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر غرائی۔

''میں نے اس سے عشق کیا ہے۔ عشق غلامی ہے۔ مجھے اس زندگی میں اس سے کبھی آزادی نہیں مل سکتی۔ تم مجھے اس سے آزاد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تم مجھے ایک دوسری غلامی میں ڈالنا چاہتے تھے۔ اوہ ہاشم' تمہیں کیا لگا تھا؟ میں ڈر جاؤں گی؟ تمہاری غلام بن جاؤں گی؟ اس کو سوچنے اور اس سے بات کرنے سے بھی ڈرنے لگوں گی؟ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا' اسی خوف سے اس کو چھوڑ دوں گی؟''

چنگاریوں سے دہکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے آبی نے نفی میں سر ہلایا۔

(اور آج میں یہ جان گئی ہوں کہ انسان کی غلامی نہیں کرنی چاہیے مگر میں اس چھوٹی لڑکی جیسی بہادر نہیں ہوں۔ میں خود کو اس پھندے سے آزاد نہیں کر سکتی۔)

وہ اسی طرح دھیرے دھیرے سانس لیتا اسے دیکھے گیا۔ بنا پلک جھپکے۔ بنا ہلے۔ بنا بولے۔

"تم نے میری جان بچائی تھی' مجھے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ مگر میں نے تمہیں مسیحا نہیں مانا۔ موت کا فرشتہ مانا۔ موت کا فرشتہ کہا۔ گریم ریپر۔ جو موت بانٹتا ہے۔ ایک عجیب سا موت کا احساس تھا جو تمہارے ساتھ منسلک ہو گیا تھا۔ ہم ایک تکون بن گئے تھے۔ میں' تم اور موت۔ جب بھی تم بیمار ہوتے' میں تمہیں دیکھنے آتی' تا کہ موت بھاگ جائے۔ ہم تینوں اس تکون میں قید تھے۔ میں' تم اور موت۔ پھر وہ آیا اور میں نے اس کو اپنی تکون میں ڈالنا چاہا۔ پر وہ نا چاہا۔ نہ تم جانے پہ تیار تھے' نہ موت جانے پہ تیار تھی۔ اسے ہی نکلنا پڑا۔" اس نے بازو لمبا کر کے میز پہ کھلی اسکرینوں کی جانب اشارہ کیا۔ "وہ چلا گیا۔ وہ اپنی زندگی کے ساتھ اس تکون میں سے نکل گیا۔ ہم تینوں پھر سے اس میں رہ گئے۔ قید۔ مگر آج میں اس قید کو توڑ کر آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں ہاشم کہ ہماری فیری ٹیل کے بھیڑیے تم ہو!" وہ درد سے پھٹی آواز سے چلائی تھی۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔ وہ ہلکے ہلکے سے سانس لیتا سنتا گیا' اسے دیکھتا گیا۔

(اور کتنی عجیب بات ہے کہ میں اسے بھیڑیا کہہ رہی ہوں مگر اندر سے وہ مجھے عزیز بھی تھا تب ہی تو میں نے کبھی اسے اپنی قید سے آزاد نہیں ہونے دیا۔ قیدی کیسے برے لگتے ہیں؟)

ایکویریم کے پانی میں جگمگاتی روشنیوں کا عکس آبدار کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ وہ عجیب سی لگ رہی تھی۔ "تم ہو ہر مسئلے' ہر فساد کی وجہ۔ تم نے ہم سب کو برباد کیا ہے۔ وہ تمہاری ماں تھی' جس کی وجہ سے میری ماں مری۔ اور جیسے سعدی نے کورٹ میں بتایا۔ کرنل خاور کی زندگی بھی تم لوگوں نے برباد کی۔ باقی سب سے زیادہ تم قصوروار ہو۔ مجرم ہو۔ تم نے وارث غازی کو مارا۔ ڈاکٹر سارہ اور اس کی بیٹیوں کو تباہ کیا۔ تم نے زمر کو تباہ کیا۔ فارس کو تباہ کیا۔ نوشیرواں نے تو سعدی کو زخمی کیا تھا' مگر تم نے اس کو اتنے مہینے قید رکھ کے ذہنی مریض بنا دیا۔ تم نے خاور کو بھی برباد کیا۔ تم نے ہی اس چھوٹی لڑکی کا دل دکھایا ورنہ وہ کورٹ میں یوں نہ بولتی۔ تم نے سعدی کی ماں کا دل دکھایا۔ تم نے میرا دل توڑا۔ تم نے اپنے ہی بھائی کو بگاڑ کے رکھ دیا۔ مجھے کہتے ہو کہ فارس اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ نہیں ہاشم۔ انسانوں کے بس میں حفاظت کرنا نہیں ہوتا' مگر عزت کرنا تو ہوتا ہے۔ وہ اپنی عورتوں کی عزت تو کرواتا ہے نا۔ تم نہیں کروا سکتے۔ تم نے اپنی ماں کو کچہری میں رپورٹرز کے سوالوں کے سامنے تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بیوی کو تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بہن کو جیل میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیا۔ پورا شہر جانتا ہے کہ اصل بھیڑیے تم ہو۔ اصل قاتل' اصل گناہگار تم ہو۔ بس کر دو یہ گلٹ کی باتیں۔ مجھے افسوس ہے' مجھے دکھ ہے' بس کر دو یہ سب کہنا۔ تم جھوٹ بولتے ہو کہ تمہیں افسوس ہے اپنے گناہوں کا۔ تمہیں کبھی افسوس نہیں تھا۔ تم جھوٹے ہو۔ عدالت میں جھوٹ بول بول کر اپنے جھوٹ تمہیں سچ لگتے ہیں۔ خود سے بھی سچے نہیں ہو تم۔ تمہیں.....کوئی.....گلٹ.....نہیں ہے ہاشم۔ تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اور تم نے کبھی بھی اپنے خاندان کو بچانے کے لئے' خاندان کی حفاظت کرنے کے لئے نہیں کیا۔ تم نے جو بھی کیا' اپنی طاقت قائم رکھنے کے لئے کیا۔ جب جاہ کے لئے کیا۔" وہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

(اور میں نے جو کیا' حب جاہ کے لئے کیا۔ جاہ اور جاہ میں فرق ہوتا ہے۔ مگر دونوں کی ہوس انسان کو برا تی ہے۔ میں ہار گئی ہوں مگر جیتنے

ہاشم کو بھی نہیں دوں گی۔ آج میں اگر کامیاب ہوئی تو فارس کے سارے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔)

"تم بھیڑیے ہو' اور تمہاری ساخت ہی ایسی ہے کہ تم بھیڑ بکریوں کو ہی کھا سکتے ہو' تم معصوموں کا خون پینے' ان کا دل نکالنے' اور ان کا جگر کاٹنے والے بھیڑیے ہو' تم ایک ایسے شیطان ہو جس کو اب وقت آ گیا ہے کہ ختم کر دینا چاہیے...." چلا چلا کر ہذیانی انداز میں بولتی آبدار ایک دم میز کی طرف لپکی، پیپر نائف اٹھائی اور ہاشم کے سینے میں گھسانی چاہی مگر ہاشم نے چابکدستی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا۔ وہ پوراز ور لگا رہی تھی مگر ہاشم نے اسے موڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کو گردن کی پشت سے دبوچا اور اس کا چہرہ ایکویریم میں پوری قوت سے ڈبو دیا۔

(اور اگر میں ناکام ٹھہرتی ہوں تو بھی فارس کے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ پھر کیا ہو جو میں اپنے دل کی مان لوں؟ اس دل کی جو میری مانتا ہی نہیں۔)

نوشیرواں چلا کر بڑھا تھا' مگر رئیس نے فوراً سے اسے دبوچ کر روک دیا۔

"بھائی... اسے چھوڑو... وہ مر جائے گی۔" وہ بدقت رئیس کو ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا جو اسے آگے نہیں بڑھنے دے رہا تھا۔ مگر اس کی مزاحمت شاک کے زیر اثر ہلکی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھیں اس طرف جمی تھیں' جہاں وہ آبی کو گدی سے پکڑے' پانی میں اس کا سر ڈبوئے ہوئے تھا۔

آبدار کے ہاتھ ایکویریم کی دیواروں پہ سختی سے جمے تھے اور وہ سر ادھر ادھر پانی میں ہلانے کی کوشش کر رہی تھی' مگر اس پہ جھکے' اس کو اندر کی طرف دھکیلتے ہاشم کی قوت زیادہ تھی۔ چاقو کب کا نیچے گر چکا تھا۔

(اور میں کبھی نہیں تسلیم کروں گی کہ میں ایک بری لڑکی تھی... میں بری نہیں تھی۔ میرا دل برا ہو گیا تھا۔ اور دیکھو... میں اب بھی اسی آدمی کو سوچ رہی ہوں۔ کیا یہ عشق ہے یا کوئی آسیب؟)

"سب کچھ کیا میں نے تمہارے لئے... اور تم نے اس کے لئے مجھے دھوکہ دیا..." وہ سرد سرخ آنکھوں سے غراتے ہوئے اس کا سر پانی میں ڈبوئے ہوئے تھا۔ نوشیرواں اب پھڑ پھڑا نہیں رہا تھا۔ ششدر' ساکت کھڑا تھا۔ آبی چلا رہی تھی۔ ہاتھ پیر مار رہی تھی مگر سب بے سود تھا۔

"میں نے تمہاری جان بچائی تھی..." اس کے ڈوبے سر کے قریب جھک کر' مسلسل نیچے کی طرف زور لگاتے' وہ زور سے چیخا تھا۔

"تمہاری زندگی پہ سب سے بڑا حق میرا تھا۔ اور تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ تم نے اس کے لئے مجھے دھوکہ دیا۔" آبدار کی دبی دبی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ پانی میں ادھر ادھر ہلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

(اور میں کوئی پہلی دفعہ مرنے نہیں جا رہی۔ میں آبدار ہوں۔ پانی سے بنی۔ میں ایک دفعہ پانی میں پہلے بھی مر چکی ہوں۔ مگر اس وقت چند سوال ادھورے رہ گئے تھے۔ آج ان کے جواب مل جائیں گے۔ کم از کم اب میں نیوٹرل نہیں رہی۔ میں نے ایک سائیڈ چن لی تھی۔ میرے

دل کی سائیڈ۔ کم از کم اب وہ نورانی وجود مجھ سے ناراض نہیں ہوگا۔۔۔اور دیکھو میں اپنی ماں کی روح کو یہاں سے بھی دیکھ سکتی ہوں۔ ہاں اب میں اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ رہی ہوں۔۔۔۔)

پھر اس کے شیشے کی دیواروں پہ جمے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ جسم کو ہلکے سے جھٹکے آئے۔ مزاحمت کم ہوتی گئی۔ ہاتھ نیچے گر گئے۔ ایکوریم کے پانی میں خون کی بوندیں شامل ہوئیں۔ آبی کا سرخ رومال کھل کر پانی میں بہہ گیا۔ اس کا سر بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

(لیکن میں تمہیں بتاؤں۔۔۔انسان کے عشق میں جان دینا صحیح ہوتا ہے یا نہیں۔۔۔۔مگر اس کی اُجرت کسی جہان میں نہیں ملتی۔)

ہاشم نے اسے گردن سے کھینچ کر باہر نکالا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔ ہونٹ جامنی تھے۔ آنکھیں ساکت تھیں۔ ہاشم نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ وہ پورے قد سے زمین پہ آ گری۔ بے جان۔۔۔۔ساکت۔۔۔۔۔

نوشیرواں پلٹا اور باتھ روم کی طرف لپکا۔ دیواروں کا سہارا لیا۔ لیمپ کو تھاما۔ لیمپ نیچے گر گیا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ پکڑتے' ٹٹولتے' وہ ڈگمگاتے قدموں سے سنک کے قریب آیا' اس پہ جھکا تو منہ سے قے نکلنے لگی۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکلنے لگے۔۔۔۔۔

نیم روشن آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ رئیس بالکل ششدر' چپ کھڑا تھا۔ اور ہاشم کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس کی شرٹ اور بازو گیلے ہو چکے تھے۔ پھر وہ میز تک آیا۔ ٹشو باکس سے ٹشو باہر کھینچے۔ چہرے پہ گرے چھینٹے صاف کیے۔ گردن اور گریبان سے پانی کی بوندیں صاف کیں۔ ٹشو پرے اچھالا۔ تہہ شدہ آستین آگے کو کھولنے لگا۔ کلائی تک لایا۔ کف کے بٹن بند کیے۔ اس کی رنگت سفید تھی' برف جیسی۔ سارے تاثرات جم گئے تھے' گلیشیئر ہو گئے تھے۔ سپاٹ' سرد۔ اس نے گردن جھکائے' ٹائی کی گرہ کسی۔ پھر اسٹینڈ سے کوٹ اٹھا کر پہنا۔ نادیدہ شکنیں درست کیں۔ ذرا سا کالر جھاڑا۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ان کو گویا درست کیا۔ موبائل جیب میں ڈالا۔ اب کے مڑا تو آبدار کا بے جان وجود فرش پہ گرا نظر آیا۔

"کیا اس کے گارڈز باہر ہیں؟" اس نے بدلی ہوئی ٹھنڈی ہموار آواز میں پوچھا۔ رئیس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی۔ ان کی کار ان کے ساتھ آئی تھی۔"

"کتنے ہیں؟" وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا اور نہیں بھی لگ رہا تھا۔

"تین۔"

"اور گھر میں کتنے لوگوں نے اسے ہماری کار میں بیٹھتے دیکھا تھا؟"

"چار ملازموں نے۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔"

"کل ہوئے سات۔ ان ساتوں کا بندوبست کرو۔ ان کو خرید لو یا خاموش کرا دو۔ آبدار آج رات یہاں نہیں آئی۔ وہ راول لیک گئی تھی۔ اسے موت اور ڈوبنے کی obsession تھی۔ وہ راول لیک میں ڈوب کر خودکشی کر لیتی ہے' اور دوا دمی۔۔۔۔تمہارے کوئی سادہ دکھنے

والے آدمی.... اس کی لاش ہسپتال لے کر جاتے ہیں۔ سرکاری ہسپتال۔ وہاں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر آفتاب واسطی اس کا پوسٹ مارٹم کرے گا اور لکھے گا کہ موت جھیل میں ڈوبنے سے ہوئی۔ ہارون شہر سے باہر ہے اس کے آنے سے پہلے رپورٹ تیار ہو جانی چاہیے۔ کل دوپہر میں جنازہ ہو جائے گا۔ میرا سیاہ شلوار سوٹ تیار کروا دینا۔ اور اب تم اس سارے میس کو صاف کرو۔" اشارہ فرش پہ گری آبی' پانی' لڑھکے فلور لیمپ وغیرہ کی طرف کیا۔ پھر آبدار کے ساتھ سے نکل کر ایکوریم تک رکا۔ اس کی سطح پہ تیرتا سرخ ریشمی رومال اٹھایا' مٹھی میں بھینچ کر نچوڑا' اور اسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ قدم قدم چلتا دروازے تک آیا تو نوشیرواں باتھ روم سے نکلتا دکھائی دیا۔ اس کا گیلا چہرہ یرقان کے مریض جیسا دکھتا تھا' اور آنکھوں میں بہت سا غم تھا۔ "اس کی جان کیوں لی؟" وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔ ہاشم نے کندھے اچکائے۔

"کیونکہ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے افسوس نہیں ہے۔ دس دفعہ موقع ملے' میں دس دفعہ بھی کروں گا!" وہ جا چکا تھا' سوسرسری سے انداز میں اطلاع دی اور باہر نکل گیا۔ لفٹ کی طرف جاتے اس کے قدموں میں ذرا سی لرزش تھی' اور چہرہ مردوں کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں بے جان تھیں۔

قصر کاردار کے لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ سونی کے کمرے کے باہر رکا' اور دروازہ کھولا۔ وہ اندر لحاف میں دبکی سوتی دکھائی دے رہی تھی۔

"تم اور میں۔ ہم اکیلے ہیں سونیا۔ مجھے سب نے دھوکہ دیا ہے۔ ممی' شیرو' سعدی' آبی۔ سب نے مجھے میری محبت کی سزا دی ہے۔ انہوں نے مجھے بھیڑیا بنا دیا ہے' اور اب میں ان کو دکھاؤں گا کہ بھیڑیا کیا ہوتا ہے۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے' مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے خود کو دریافت کر لیا ہے۔ میں نے سارے رشتے کھو دیے ہیں' سوائے تمہارے سونی۔ مگر اب مزید میں ان کو جیتنے نہیں دوں گا۔ یہ مجھے جتنا ہرا سکتے تھے' انہوں نے ہرا لیا۔" سونی کو دیکھتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

"But I am not going down without a fight"

اس نے ایک عزم سے دروازہ بند کیا' اور اپنے کمرے میں آیا۔ کوٹ اتارا اور وہ گیلا سرخ رومال بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ پھیلا دیا۔ پھر میڈیسن کیبنٹ کھولی۔ نیند کی گولیوں کی ڈبی نکالی' چند گولیاں پھانکیں' اور بغیر پانی کے نگل گیا۔ اب وہ بیڈ پہ بیٹھا جھک کر جوتے اتار رہا تھا۔ اس کے لب ایک ہی فقرہ بڑبڑا رہے تھے۔

"I am not going down without a fight"

(ختم آبزیدان)

نمل باب:

"شہ مات"

"میں تمہیں ایک پتے کی بات بتاتی ہوں لڑکی!"

ملکہ نے بہت تفاخر سے کہا تھا۔

"اور وہ یہ ہے کہ....

ہر فیری ٹیل کا

خوشگوار انجام

نہیں ہوتا۔"

وہ چند قدم چل کر قریب آئی'

اور ملکہ کے کان میں بولی۔

"آپ نے درست فرمایا تھا ملکہ عالیہ!

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ

ہر فیری ٹیل کا

خوشگوار انجام ہو'

لیکن ایک بات طے ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ.....

ہر فیری ٹیل میں....

ہر ظالم ملکہ.....

اپنے برے انجام کو

ضرور پہنچتی ہے۔"

(شوٹنز ارائمز)

صبح کی نیلی روشنی سارے میں پھیل رہی تھی۔اس پر تعیش ڈائننگ روم کی کھڑکیوں سے نیلاہٹ سے ڈھکا لان نظر آتا تھا جس میں پرندوں

کے بولنے کی آوازیں کسی مدھر نغمے کی مانند گونج رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں وہی تینوں ملازم احمر اور سعدی کو بٹھا کر ان کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اور اب وہ دونوں وہاں تنہا تھے۔

احمر کا لباس داغدار اور میلا کچیلا لگتا تھا۔ آستین چڑھائے، بکھرے بال، تین راتوں سے جاگتے رہنے اور تشدد سہنے کے آثار چہرے پہ شدید تھکن اور اضطراب کی صورت نمایاں تھے۔ سعدی بھی تھکا ہوا تھا، مگر احمر کی نسبت کافی بہتر تھا اور چوکنا سا بیٹھا ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

"سو پلان کیا ہے؟" تھکے تھکے بیزار سے احمر نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"پلان ہے تو آیا ہوں نا، ورنہ اتنا اچھا نہیں ہوں کہ کسی کے لئے یوں خطرے میں کود پڑوں۔"

بار بار کے ایک ہی سوال سے وہ بھی اکتایا۔ احمر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے شدید پریشانی ہو رہی تھی۔ سر الگ پھٹ رہا تھا۔

چوکھٹ پہ آہٹ ہوئی تو دونوں چونکے۔ پھر بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

صاحبزادی صاحبہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ قیمتی چادر سلیقے سے سر پہ اوڑھے، ایسے کہ بالوں کا ہیئر اسٹائل، کانوں کے بندے، اور گردن کا زیور صاف نظر آ رہا تھا، (آخر یہ سیاسی عورتیں دوپٹہ کرتی ہی کیوں ہیں اگر کچھ بھی ڈھکنا نہیں ہوتا۔؟) وہ شاہانہ سے انداز میں مقابل بڑے صوفے پہ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اور تمکنت سے ساتھ کھڑے ملازم کو اشارہ کیا جس نے وہ سیاہ بیگ میز پر رکھ دیا اور پھر باہر نکل گیا۔

"یہ زیورات لے کر میں تمہیں چھوڑ دوں گی، کیا یہی سمجھا تھا تم نے؟" سرمئی آنکھوں میں چبھن لئے احمر کو دیکھا تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ شرمندگی سے نہیں، شاید مصلحت سے۔ صاحبزادی صاحبہ نے نظروں کا رخ سعدی کی طرف پھیرا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ سادگی تھی، البتہ آنکھوں میں چمک بھی تھی۔

"آپ یہ زیورات رکھ سکتی ہیں، لیکن ہم دونوں کو آپ کو چھوڑنا ہی ہو گا۔"

"ہوں!" اس نے غور سے سعدی کو سر سے پیر تک دیکھا۔ "تم نے اپنی ای میل میں لکھا تھا کہ تم احمر کے فلیٹ میں جا رہے ہو جہاں میرے آدمی نادانستگی میں تمہیں یرغمال بنا لیں گے، اور چونکہ تم مشہور ہو چکے ہو تو مجھے تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ بلکہ تمہاری آفر سننی چاہیے۔ سو بولو تمہیں کیا کہنا چاہیے؟"

"احمر کو جانے دیں۔ حفاظت اور امن سے اور دوبارہ اس کا کبھی پیچھا نہ کریں۔" وہ سنجیدگی سے شرائط سامنے رکھ رہا تھا۔ احمر نے پوری گردن گھما کر سعدی کو دیکھا۔ پلان کیا تھا آخر؟

وہ دھیرے سے ہنس دی۔ "اس کو جانے دوں؟ جس نے میرے خلاف میڈیا مہم چلائی۔ مجھے میرے خاندان نے شہر بدر کر دیا۔ میرا کیریئر ختم ہونے پہ آ گیا۔ اور تم کہتے ہو کہ میں اس کو جانے دوں؟"

"سیاست کوئی ہفتہ وار کھیل نہیں ہوتا کہ کسی اسکینڈل، کسی کیس سے کوئی تباہ ہو جائے۔ آپ کا کھیل جاری رہے گا۔ اور اس نے جو بھی کیا، وہ اپنی مالکن کے کہنے پہ کیا۔ آپ اس کی مالکن سے حساب کیوں نہیں لیتیں؟ اگر میں آپ کو اس کی مالکن کا پتا لا کر دوں تو؟"

''یہ زیور۔ یہ وہی مشہورِ زمانہ زیورات ہیں نا جو ہارون عبید کی بیوی کے تھے اور غائب ہو گئے تھے؟ یہ اب جواہرات کو چاہیے ہیں نا؟ ان زیورات کے لئے میں تمہارے دوست کو کیوں چھوڑوں گی جبکہ میں ان کو حاصل کر چکی ہوں۔'' اس نے تفاخر سے کندھے اچکائے تھے۔

احمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ (گھامڑ بک بھی دے پلان کیا ہے؟)

''میں نے کہانا' زیورات آپ رکھ سکتی ہیں ہم ان کی بات نہیں کر رہا۔'' وہ احمر کی گھوریوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔

''پھر؟''

''مسز کاردار آج کل ہاشم کے زیرِ عتاب ہیں' اور ہاشم ان سے متنفر ہے۔ وہ اس کا دل دوبارہ جیتنے کی کوشش کر رہی ہیں۔''

احمر نے پھر مضطرب سے ہو کر سعدی کو دیکھا۔ (یہ سب تو تجھے رات کو میں نے بتایا ہے' بے غیرت۔ اپنا کیا لایا ہے تو؟) مگر وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ اس وقت ہاشم سے ذرا سا بھی بگاڑ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ مال ہے' نہ اولاد۔ وہ بالکل بے بس ہیں تو آپ ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیں۔''

صاحبزادی صاحبہ کی بھنویں دلچسپی سے اکٹھی ہوئیں۔ ''اور وہ کیسے؟''

''آپ کوئی پیشہ ور مجرم ہیں نہیں۔ یا اپنے ڈرائیور اور مالی ٹائپ لوگوں سے آپ نہ لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں' نہ اغوا اور قتل۔ آپ ایک' معذرت کے ساتھ ٹیپکل خاتون ہیں تو عورتوں والی لڑائی لڑیں نا' جو زبان سے لڑی جاتی ہے۔ طعنوں' طنز' اور چیخ و پکار کر کے۔''

''تم کچھ جانتے ہو جواہرات کے بارے میں؟'' وہ ذرا آگے کو ہوئی۔

''میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے کچھ ایسا کیا ہے جو اس کے بیٹوں کو نہیں معلوم' اور اگر پتہ چل گیا تو وہ ان دونوں کو کھو دے گی۔''

احمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھی مزید دلچسپی سے آگے ہوئی۔

''ہوں۔ ایسا کیا ہے؟''

''آپ کے قبیلے کے لوگ اپنے وعدے سے نہیں پھرتے۔ پہلے ہم سے وعدہ کریں کہ اگر میں وہ بتا دوں تو آپ ہمیں جانے دیں گی۔'' پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''زندہ سلامت۔''

''اگر وہ معلومات کسی لائق ہوئی' تو ضرور۔ میرا وعدہ ہے۔''

''صاحبزادی صاحبہ۔'' سعدی ہلکا سا مسکرایا۔ ''ہر معلومات کی اچھی بھلی قیمت ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے وعدے سے پھریں تو میں نے غازی کو بھی میل کر دی تھی' وہ ہم دونوں کو ویسے بھی نکلوا لے گا یہاں سے' مگر میں اس تسلی کے ساتھ جانا چاہتا ہوں کہ آپ احمر کو کچھ نہیں کہیں گی دوبارہ۔''

''چلو۔ وعدہ کیا۔ اب بتاؤ۔''

کمرے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ احمر کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا سعدی کیا کہنے جا رہا ہے۔

"جواہرات کاردار نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ہاشم اور نوشیرواں کے باپ اورنگزیب کاردار کا۔"

لمحے بھر کو کمرے میں ہوا کے ساتھ سانسیں بھی ساکن ہو گئیں۔

"اور اس کے بیٹے نہیں جانتے؟" وہ سانس روک کے بولی۔

"نہیں!" وہ دونوں ایک ساتھ بولے اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔دوسرا کیسے جانتا تھا' دونوں نے سوچا۔صاحبزادی صاحبہ کی آنکھوں میں ایسی چمک ابھری جو میز پر رکھے زیورات سے زیادہ آنکھیں چندھیا دینے والی تھی۔

"ہاطور خان...." اس نے جذبات سے مخمور آواز میں زور سے آواز لگائی۔ملازم بھاگتا ہوا آیا۔

"ناشتہ تیار کرواؤ' اور پھر گاڑی لگواؤ۔ہمارے مہمان ناشتے کے بعد واپس چلے جائیں گے' تب تک میں ان سے کچھ بات کر لوں۔" خوشگوار موڈ میں اس کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔وہ فوراً مؤدب سا پلٹ گیا۔اب وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کیا ثبوت ہے اس کا؟"

"ثابت تو نہیں کرنا آپ نے عدالت میں۔صرف اس کے بیٹوں کو بتانا ہے۔آگے جواہرات کا چہرہ بتادے گا کہ وہی قاتل ہے۔" سعدی نے اطمینان سے کہا تو احمر نے جلدی سے اضافہ کیا۔"مگر ہم آپ کو وہ واقعات بتا سکتے ہیں جو اس قتل کے آس پاس یا اس کی وجہ سے ہوئے' آپ ان کا ذکر کریں گی ہاشم کے سامنے وہ مان جائے گا۔"

"گڈ۔" وہ مسکرا کے پیچھے ہوئی۔"میں سن رہی ہوں۔تم بولتے جاؤ۔"

ڈیڑھ گھنٹے بعد جب صبح پوری طرح روشن اور چمکدار ہو چکی تھی' وہ دونوں احمر کی فلیٹ بلڈنگ کے سامنے کھڑے تھے اور جو کار ان کو عزت و اکرام سے ادھر چھوڑ کے آئی تھی' وہ اب زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔احمر اس کی طرف گھوما اور ایک دم غصے سے اسے دیکھا۔

"اب جواہرات سے کیسے بچیں گے ہم؟ ان کا اتنا بڑا راز کھول دیا ہے تم نے۔میں کبھی بھی ان کو ایسا دغا نہ دیتا اگر تم نہ بات شروع کرتے۔"

"او ہاں لکل' تم ان کو لوٹ سکتے ہو' ان کا مال لے کر بھاگ سکتے ہو' مگر ان کو دغا نہیں دے سکتے۔ٹھیک ٹھیک۔"

"بک بک نہ کرو۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور جیسے اضطراب کم کرنا چاہا۔"اب میں جواہرات کا کیا کروں گا؟"

"جیسے کہ میں جانتا ہی نہیں کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ویسے ایسے موقعوں پہ جان بچانے والے کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔" سعدی نے قدرے خفگی سے یاد دلایا۔احمر کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ اُمڈ آئی۔"شکریہ۔اب کیا کچھ کھلاؤں تمہیں؟ صبح والا ناشتہ؟ نہ کہ وہ خوف والے ماحول جیسا ناشتہ۔" جھرجھری لیتے اس نے جیب پہ ہاتھ رکھا۔

"جو والٹ انہوں نے تمہارا واپس کیا تھا احمر' وہ تمہاری اس پاکٹ میں نہیں ہے' بلکہ دوسری میں ہے۔"

احمر کا ہاتھ رک گیا' مگر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔"تم بدل گئے ہو بڑا ہوائے!"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

29

"I learned from the best!"

وہ بھی سادگی سے مسکرایا تھا۔ دونوں اس خوشگوار صبح میں کھلے آسمان تلے عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔

"پھر تم یہاں سے بھاگ رہے ہو یا نہیں؟" سعدی نے پوچھ ہی لیا تھا۔ وہ جوتے سے زمین کو مسلتا سر جھکائے بولا۔

"There are three ways for a person to disappear. The first is to die. The second is to lie. And the last is to be reborn."

اور پھر ٹھہر کے بولا۔ "ولیم شیکسپیئر۔" سعدی نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں سمجھ گیا۔ اپنا خیال رکھنا۔ اب میں چلتا ہوں۔" احمر نے اس کا شانہ جواباً تھپتھپایا اور مسکرا کے بولا۔ "تم بھی شادی کر لینا۔" وہ الوداعی ملاقات کسی بھی جذباتی سین کے بغیر ختم ہوئی اور وہ دونوں محض گلے ملے، پھر ہاتھ ملایا، اور سعدی پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔

اپنی کار میں آ کر بیٹھا تو دیکھا موبائل زوں زوں کر رہا تھا۔

"امی، میں آ رہا ہوں گھر اور نہیں، میں نے کورٹ میرج نہیں کر لی، آپ بے فکر رہیں۔" کار اسٹارٹ کرتے ہوئے خوشگوار سے انداز میں بولا تھا، مگر دوسری طرف کے الفاظ سن کر وہ دھک سے رہ گیا۔ "زمر؟ کیا ہوا زمر کو؟ کس ہاسپٹل میں؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ نہیں ہوتی

وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی۔

ہسپتال کا وہ کمرہ خاموش سرد سا لگتا تھا۔ میز پہ رکھے تازہ پھولوں کی خوشبو نے مگر اسے معطر کر رکھا تھا۔ یہ پھول حنین لائی تھی، اور خود جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا اس وقت کوئی نہیں تھا۔ وہ یوں چت لیٹی تھی کہ سرہانے سے بیڈ اٹھا ہوا تھا، سو تکیوں پہ رکھا سر اونچا دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ پہلو میں رکھے تھے اور ان پہ نالیاں لگی تھیں۔ چند ایک خراشیں، گلا خراب، بخار، شاک۔ اس سے زیادہ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ دیکھنے میں ذرا زرد مگر پرسکون نظر آ رہی تھی۔

بیڈ پہ اس کے قریب بیٹھا، اسے دیکھتا فارس تھکا تھکا سا چہرہ لیے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھامے فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "زمر!" پھر نرمی سے پکارا۔ زمر نے نظریں پھولوں سے ہٹا کر اس کی طرف موڑیں۔ ملائمت سے مسکرائی۔ بولی کچھ نہیں۔

"شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔" جانے کس دل سے اس نے کہا اور وہ بھی کس دل سے مسکرائی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ رات والے لباس میں تھا۔ آستینیں اسی طرح چڑھا رکھی تھیں۔ چہرے پہ تھکن سے زیادہ فکر تھی۔

"ہوں!" اس نے لیٹے لیٹے سر کو ذرا سی جنبش دی۔

"میں بہت ڈر گیا تھا۔ مجھے لگا میں تمہیں کھو دوں گا۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ برقرار رہی۔

"تم بھی ڈر گئی تھیں؟"

"ہوں!" اس نے پھر سے سر کو خم دیا۔

"اب ذہنی طور پہ کیسا محسوس کر رہی ہو؟" فارس نے بات کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

"ہوں!" اس نے ساتھ ہی ذرا سے شانے اچکائے' گویا' ٹھیک ہوں' کہہ رہی ہو۔ فارس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"تمہاری آواز تو ٹھیک ہے نا؟ کیا گلا بیٹھ گیا ہے؟ تمہیں بہت چلانا پڑا ہو گا' ہے نا۔"

"اونہہ!" اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ جانے وہ تین میں سے کس بات کا جواب تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے فضا میں خاموشی پھولوں کی مہک سے لپٹی' ساکن کھڑی رہی۔ وہ بار بار لب کھولتا' پھر ٹھہر جاتا۔ وہ ایسا کیا کہے کہ آگے سے وہ کچھ بولے؟ کوئی بات کرے؟

"کچھ بولو۔ کچھ کہو۔"

وہ اسی طرف خاموش رہی۔ اسے زمر کو شاک سے نکالنا تھا۔ کچھ تو اسے خود کہنا پڑے گا۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا۔ بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھا مگر نہیں بتا سکا۔ کل رات مجھے پہلے سے زیادہ یہ بات محسوس ہونے لگی تھی۔" وہ اب کے نظریں جھکا کر بولا تھا۔ تکیے پہ سر رکھے لیٹی زمر اسی سادگی سے اسے دیکھے گئی۔

"مسز کاردار نے صرف تمہاری کڈنی رپورٹ میں ردوبدل نہیں کیا تھا۔ وہ تمہاری منگنی تڑوا کر تمہیں کو لیٹرل ڈیمج بنانا چاہتی تھیں' تاکہ تم میرے خلاف گواہی دو۔ اس لئے انہوں نے......" اس نے سر جھٹکا۔ "وہ سب ایک جھوٹ تھا۔ کہ تم ماں نہیں بن سکو گی۔ کہ تمہاری کبھی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ تمہاری فیملی ہو گی زمر! تمہاری...... ہماری فیملی ہو سکتی ہے زمر!" وہ اب بھی نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ "مجھے یہ بات تب معلوم ہوئی جب ہم نے زندگی ابھی شروع کی تھی۔ اسی لئے میں نے تمہارے ڈاکٹر کو پیام تھا۔ اور میں شاید تمہیں بتا بھی دیتا مگر اسی رات سعدی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ مجھے لگا ابھی اپنے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔ پھر بعد میں' میں نے کافی عرصہ تمہیں یہ سب نہیں بتایا' کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم ایک خاندان بنانے کی آرزو میں اپنی صحت داؤ پہ لگاؤ۔ یہ ممکن ہے مگر مشکل ہے اور میں تمہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ آئی ایم سوری' مجھے یہ سب نہیں چھپانا چاہیے تھا مگر میں نے وہی کیا جو مجھے تمہارے لئے بہتر لگا۔" اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ اسے اسی طرح دیکھ رہی تھی۔ نرمی' اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے۔ اسے شک سا گزرا۔

"تم جانتی تھیں؟"

"اونہوں۔" اس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ نہیں جانتی تھی مگر جان کر بھی کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ فارس نے گہری سانس لی۔

"تمہیں برا لگا میرا تم سے چھپانا؟"

اس نے پھر نفی میں گردن کو جنبش دی۔فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کچھ تو بولو زمر۔کوئی تو بات کرو۔کل رات کی کوئی بات کرو' کچھ کہو۔مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے لب کھولے۔"قانونِ شہادت میں وہ کون سا آرٹیکل ہے' جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا؟"اس کی آواز صاف تھی۔

فارس بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔اچنبھے اور پریشانی سے۔"کیا؟"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایسا آرٹیکل موجود ہے' جس کے تحت میاں بیوی ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے پابند نہیں ہوتے؟"

فارس نے تحیر سے نفی میں سر ہلایا'تو زمر نے مسکرا کے اثبات میں گردن ہلائی۔

"دیکھا!میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"تم.....میرا خیال ہے تم آرام کرو۔میں آپا اور حنین کو دیکھتا ہوں۔"وہ الجھا ہوا سا اس کا ہاتھ چھوڑ کے کھڑا ہو گیا۔زمر نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں۔

"وہ ذہنی طور پہ ٹھیک نہیں ہے۔"باہر آ کر وہ حنہ کے ساتھ آرکا اور دھیرے سے بولا۔"مجھ سے قانونِ شہادت کے آرٹیکلز کا پوچھ رہی ہے۔استغفراللہ۔"

"ہیں!"حنہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔پھر اسے افسوس ہوا...اس ساری ٹریجڈی میں قانونِ شہادت کو لانے کا کیا مطلب تھا؟یقیناً وہ ذہنی طور پہ شدید ہل کر رہ گئی تھی۔

"تم لوگ اس سے اب ایسی کوئی بات نہ کرو۔"ندرت ان دونوں کو ٹوکتیں اندر بڑھ گئیں اور اسی پل دوسری جانب سے سعدی آتا دکھائی دیا۔فارس اور حنین جو سرگوشی میں بات کر رہے تھے'اس کو دیکھ کر اسی جانب گھوم گئے۔اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"زمر ٹھیک ہیں نا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے'تم کیسے ہو؟اور یہ کیا ای میل کی ہے تم نے مجھے؟"وہ برہمی سے بولا۔

"اہم مشکل میں تھا' ساری تفصیل بتاتا ہوں'پہلے میں زمر سے مل لوں۔"پریشانی سے کہتا وہ دور جاتی ندرت کے پیچھے لپکا۔فارس آنکھیں مشکوک انداز میں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس تلخ اور اندھیری رات کا اختتام ہو چکا تھا اور یہ صبح کافی امید افزا لگتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جلا ہے جسم جہاں،دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے۔

قصر کاردار پہ عجیب سی مردنی چھائی تھی۔ صبح طلوع ہو چکی تھی اور ملازم نئے سرے سے اس محل کو سجانے سنوارنے میں لگ گئے تھے۔ مگر کوئی عجیب ویرانی اور ہولناکی سی در و دیوار سے ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں جواہرات شب خوابی کے لباس میں ملبوس لاؤنج کی کرسی پہ تمکنت سے بیٹھی' اخبار سامنے پھیلائے ہوئے مطالعے میں منہمک تھی۔ تبھی دروازہ زور سے کھلا تو اس نے عینک کے پیچھے سے نگاہیں اٹھا کے دیکھا۔

دروازہ واپس دے مار کے شیرو اندر آیا تھا۔ چال میں عجیب سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ رات کا ملگجا لباس' اور سرخ آنکھیں' بکھرے بال۔ جواہرات نے ناپسندیدگی اسے دیکھا۔

"تم ساری رات سے کدھر تھے؟ اور کیا منہ دھونے کا وقت بھی نہیں ملا تھا؟"

وہ جو چلتا جا رہا تھا' آواز پہ رکا' اور سرخ آنکھیں گھما کر تنفر سے اسے دیکھا۔

"کیا آپ کے بڑے بیٹے نے بتایا نہیں کہ اس نے کیا کیا ہے؟" جواہرات نے چونک کر اخبار نیچے کیا۔ "ہاشم؟ کیا ہوا؟ وہ ٹھیک تو ہے؟"

"بھائی نے.... ممی.... زمر کو ہوٹل کی لفٹ میں بند کر دیا.... تاکہ.... تاکہ وہ مر جائے۔" وہ درد سے تنفر سے' غصے سے دبی دبی آواز میں غرایا تو وہ سکتے میں آ گئی۔ "مگر وہ نہیں مری۔ فارس نے اسے بچا لیا' تو پتہ ہے بھائی نے کیا کیا؟ آبی کو.... آبدار کو مار دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کو میرے سامنے مار دیا۔ آبدار مر گئی' ممی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کے چہرے پہ لڑھک گئے۔ جواہرات سن سی بیٹھی رہ گئی۔

"آبدار.... مر گئی؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا۔

وہ اب دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھتا اوپر جا رہا تھا۔ مگر ملکہ ابھی تک برف بنی بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابھی بادباں کو تہہ رکھو ابھی مضطرب ہے رخ ہوا

کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا....!!

مور چال میں شام اتری تو گھر کی رونقیں پھر سے جاگ اٹھیں۔ زمر ڈسچارج ہو کر آ گئی تھی اور اپنے کمرے میں صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ بیڈ پہ لیٹے رہنا اسے گوارا نہیں تھا۔ بال آدھے بندھے تھے اور ناک سرخ لگتی تھی۔ پانی میں پڑے رہنے کے باعث اسے بخار اور فلو ہو گیا تھا۔ سو ہاتھ میں ٹشو بھی پکڑ رکھا تھا۔ البتہ چہرے پہ بس مسکراہٹ تھی۔ بالکل ساتھ بڑے ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی' اور وہ فکرمندی سے اس کی طرف جھکے' اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھ رہے تھے۔ اور وہ ہلکی سی آواز میں جواب دے رہی تھی۔ کسی نے کسی سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ سوائے ملازموں کے' سب ہی جان گئے تھے کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا۔

"آخر یہ ہاشم کب ہماری جان چھوڑے گا؟" ابا نے نم آواز میں اس سے پوچھا تھا۔ "یہ سب کب ختم ہوگا؟"

زمر نے گہری سانس لے کر ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "پتہ نہیں۔"

"زمر!" حنہ دروازے سے اندر آئی۔ زمر نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ قدرے جھجک کر داخل ہو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں ایک سی ڈی پکڑ رکھی تھی۔ پریشان، مرجھائی ہوئی لگتی تھی۔ "صرف ہاشم نہیں، اور بھی لوگ شامل تھے اس میں۔ مثلاً وہ شہرین۔" اس کی آواز بے بسی سے ذرا کانپی۔ "اس کا بھی کچھ کرنا ہوگا۔"

"چھوڑو حنین۔" زمر نے سر جھٹکا مگر اس نے وہ سی ڈی اس کی طرف بڑھائی۔

"یہ شہری کی ویڈیو ہے، جو احمر نے دی تھی بہت پہلے۔" بڑے ابا کی موجودگی کے باعث اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (کارڈ گیم، کلب والی ویڈیو!) "آپ اس کو شہری کے خلاف....."

زمر نے سی ڈی اس کے ہاتھ سے لی اور کھٹ کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ حنین کچھ بول نہیں سکی۔

"انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا حنہ۔ چھوڑو۔ جانے دو۔" اس نے دونوں ٹکڑے بے نیازی سے میز پہ ڈال دیے۔ حنہ نے سر جھکا دیا۔ چند لمحے تینوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر حنہ نے آنکھیں اٹھائیں۔ "آپ کچھ بات تو کریں۔" گویا شکایت کی۔

زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ "تمہاری آنکھیں اب کیسی ہیں؟"

"میری..... آنکھیں؟"

"ہوں..... آپریٹ ہوئی تھیں نا۔ لیزک سرجری۔ عینک اتارنے کو۔ اب نظر ٹھیک آتا ہے؟"

"جج..... جی۔" ایک عجیب حیران سی نظر اس پہ ڈالی اور "میں آتی ہوں" کہہ کر باہر نکل گئی۔

کچن کے کھلے دروازے سے دیکھا تو فارس اور سعدی کھڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی۔

"زمر کو واقعی کچھ ہو گیا ہے۔ عجیب باتیں کرنے لگی ہیں۔" وہ فکرمندی سے بولی تھی مگر وہ دونوں متوجہ نہیں تھے۔ حنہ نے ان کے تاثرات دیکھے۔

"آپ لوگ زمر کی فکر کریں، نا کہ مسز جواہرات کی۔ مار دیا انہوں نے اپنے شوہر کو، اب قصہ ختم کریں ان کا۔" صبح سے وہ ساری کتھا سن کر وہ بے زار آ گئی تھی۔

"ہم اس بات کو زیادہ اچھے طریقے سے استعمال کر سکتے تھے۔" کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا فارس افسوس سے بولا تھا۔ ساتھ ہی بار بار نفی میں سر ہلاتا، پھر سعدی کو گھورتا۔ "اگر تم مجھے وقت پہ بتا دیتے....."

"جیسے آپ تو کبھی کچھ چھپاتے ہی نہیں ہیں۔"

"زیادہ بک بک مت کرو۔" ان کے اپنے مسئلے تھے۔

اندر کمرے میں ابا زمر سے سوال کر رہے تھے۔ "تم اتنی چپ چاپ کیوں ہو؟"

"کیونکہ میں ہمیشہ بولتی ہی رہتی ہوں' ابا۔" وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔ "آوازیں ہوا کی لہروں پہ اوپر اٹھتی ہیں' دائیں بائیں بکھرتی ہیں۔ پانی میں دب جاتی ہیں۔ اتنا سارا پانی دیکھا ہے میں نے کہ میں اب بولنا' لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتی۔" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "میں سکون' صلح صفائی سے رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ہر بات کے سوجواب نہیں دینے' مجھے بحث نہیں کرنی۔ بہت گزار لی زندگی لڑتے جھگڑتے' بحث کرتے۔ اب میں تھک گئی ہوں۔ میں سکون چاہتی ہوں۔"

"ماموں.... بھائی.... زمر...." اسامہ کی لاؤنج سے چلاتی ہوئی آواز پہ وہ چونکی' دل زور کا دھڑکا' پھر ایک دم اٹھ کر باہر کو دوڑی۔ ٹشو کہیں نیچے گر گیا۔

لاؤنج میں سب بھاگم بھاگ جمع ہوئے تھے۔ اسامہ دیوار پہ نصب ٹی وی اسکرین کے سامنے کھڑا تھا جہاں خبر چل رہی تھی' نیوز کاسٹر بول رہی تھی' تصویریں چمک رہی تھیں' مگر اسامہ سکتے سے صرف ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

"آبدار عبید.... ڈوب کر.... مر گئی....." لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور بدقت صوفے پہ بیٹھتی چلی گئی۔ حنین نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ سعدی نے پریشانی سے کچھ بڑبڑاتے جلدی سے موبائل نکالا تھا اور فارس..... وہ..... خالی خالی نظروں سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈوب کر مری تھی۔ وہ پانی میں مری تھی۔ وہ آبدار تھی۔ پانی سے بنی..... کانچ سے بنی.... وہ اسکرین کو دیکھ رہا تھا اور اس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قبریں ہی بتا سکتی ہیں.... اس شہر جبر میں
مر کر دفن ہوئے ہیں.... کہ زندہ گڑھے ہیں لوگ

دو دن بعد:۔

ہارون عبید کی رہائشگاہ کے سبزہ زار پہ گزشتہ دو روز سے عجیب سناٹا چھایا تھا۔ سارے پرندے سہم کر اڑ گئے تھے۔ مور اپنے پنجروں میں دبک کر بیٹھے تھے۔ جانور ساری ساری رات عجیب سی آوازیں نکالتے تھے' اور ایک سفید ایرانی بلی تھی جو درد سے چلاتی سارے میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔ ہر شے پہ جھپٹتی' ہر کونا سونگھتی' مگر قرار کہیں نہیں تھا۔ اس وقت بھی وہ سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر بھاگتی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ راہداری عبور کی اور اسٹڈی کے ادھ کھلے دروازے کے سامنے جا رکی۔ درد سے عجیب آوازیں نکالتی وہ وہیں ڈور میٹ پہ بیٹھ گئی اور سر اپنی کھال میں دے دیا۔

اسٹڈی میں نیم اندھیرا تھا۔ ہارون آرام دہ کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دو انگلیوں میں سگار دبا تھا جس سے دھوئیں کے مرغولے اڑ اڑ کر فضا میں گم ہو رہے تھے۔ سارے میں سفید دھواں سا ابھرا محسوس ہوتا تھا اور نکوٹین کی بو۔ ان کا لباس بے داغ' کلف لگا' نفیس سا تھا' بال شیو سب بنے تھے۔ بس چہرے پہ گہری ویرانی تھی۔ آنکھوں میں خالی پن تھا۔ ایسا درد دل کو کاٹتا تھا جو نہ کبھی پہلے محسوس ہوا تھا نہ کبھی محسوس کرنا

چاہا تھا۔ میز پہ ایک فوٹو فریم رکھا تھا جس میں سرخ رومال سر پہ باندھے مسکراتی ہوئی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ ہارون کی ویران نظریں اس شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔

ساتھ رکھا موبائل زوں زوں کرنے لگا تو وہ گہری سانس لے کر سیدھے ہوئے۔ سگار ایش ٹرے میں ڈالا' اور کھنکھار کے خود کو کمپوز کیا' پھر فون کان سے لگایا۔

"تمہاری بیٹی کا مجھے بہت افسوس ہے۔" جواہرات کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ "جنازے میں سرسری ملاقات ہو سکی تم سے۔ تفصیل سے بات ہی نہیں ہو پائی۔ سوچا چوٹ ذرا ٹھنڈی پڑ جائے تو کال کروں گی۔"

"سن رہا ہوں بولو۔" ان کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"ظاہر ہے' میں نے ہی بولنا ہے کیونکہ تم ہر لحاظ سے سننے کی پوزیشن میں ہو۔"

"میں جانتا ہوں یہ سب تمہارے بیٹے نے کیا ہے۔" ان کی آواز کانپی۔

"کیوں خود کو تھکا رہے ہو یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی؟ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم اسے استعمال کرنا چاہتے تھے' اس کے گارڈز میں اضافہ بھی اس لئے کیا تھا کہ کوئی اس کو تمہاری کمزوری سمجھ کر تمہارے خلاف استعمال نہ کر سکے۔ تم اس کے ذریعے ہماری دولت اور طاقت میں شراکت چاہتے تھے' اور یوسفز کے ذریعے ہمیں تباہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ دونوں کام تم خود کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اس لئے....." وہ رکی۔ سانس لی۔ "اب تمہارا غم ہلکا ہو ہی گیا ہو گا تو میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی چلوں۔ میں اور ہاشم تمہیں تمہارے منہ مانگے شیئرز اور کمپنی assets دینے کے لئے تیار ہیں۔"

وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ بولے کچھ نہیں۔ آنکھیں مزید سرخ پڑ رہی تھیں۔

"تم ایک سیاستدان ہو ہارون' اور سیاستدانوں کی طاقت کے لئے ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تم ہم سے بگاڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکو گے۔ اور ہمارے وہ دوست جن کے پیسے کو وزیرستان سے آگے جانے کے لئے ہماری مدد چاہیے ہوتی ہے' ان کو بھی اچھا نہیں لگے گا اگر تم اور ہم آپس میں بگاڑ لیں۔ تو یوں کرو' ہمارے گھر آ جاؤ۔ آج ہی ہم ڈیل کر لیتے ہیں۔"

"مجھے ہر چیز کاغذات پہ چاہیے' بلیک اینڈ وائٹ میں۔ اور زر نگار کے زیورات بھی۔" وہ سرد مہری سے بولے تھے۔

"وہ بھی مل جائیں گے۔ مگر شیئرز اور دوسرے اثاثہ جات کی بات پہلے ہو گی۔ میں لنچ پہ انتظار کر رہی ہوں۔" خوشگوار سے انداز میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو ہارون نے موبائل بیزاری سے میز پہ ڈال دیا اور آنکھیں میچ لیں۔

قصر کاردار میں واپس آؤ تو ہاشم کے کمرے کے پردے بند تھے' اور وہ رف سی جینز ٹی شرٹ میں ملبوس صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ دوپہر کے باوجود اندھیرا لگتا تھا' مگر ہاشم کا ویران چہرہ' بڑھی شیو' بکھرے بال' سب مجمل لیمپس کی زرد روشنی میں نظر آ رہا تھا۔ کھڑکی کے قریب کھڑی جواہرات نے موبائل میز پہ رکھا اور اپنائیت سے مسکراتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ وہ سنجیدگی سے سامنے

دیکھتا رہا۔ سپاٹ۔ سرد سا۔ جواہرات نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے دبایا۔ "میں تمہیں سمجھ سکتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تھینکس۔" اس کے چہرے پہ چھائی سرد برف میں دراڑ پڑی۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟ دو دن سے کمرے سے نہیں نکلے۔"

"ٹھیک ہوں' ممی!" وہ دھیرے سے بولا۔

"تمہیں گلٹ ہے؟" وہ نرمی سے کہتی اس کے ساتھ بیٹھی۔

"نہیں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے جو کیا' ٹھیک کیا۔" وہ گردن کڑا کے بولا تھا۔ "اور اب جو بھی مجھے دکھ دے گا' میں اس کو اپنے ہاتھوں سے عبرتناک شکست دوں گا۔" اس کی آنکھوں میں آگ کی لپٹیں سی اٹھ رہی تھیں۔ جواہرات مسکرائی۔

"گڈ۔ امید ہے اب تم مجھے سمجھ سکو گے۔ میں نے خاور اور سعدی کی موت کا حکم نامہ اس لئے جاری کیا تھا کیونکہ میں تمہیں مزید تکلیف سے بچانا چاہتی تھی۔ اگر وہ دونوں مر گئے ہوتے تو اس دن کی نوبت نہ آتی۔"

ہاشم نے محض سر کو خم دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ جواہرات غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ اسے تسلی ہوئی۔ سرد دیوار پگھل رہی تھی۔

"کل سے میں تمہارے ساتھ آفس آؤں گی۔ ان کاغذات کو واپس لے لو۔ ہارون سے متعلق بہت سے معاملات مجھے ہی سنبھالنے ہوں گے۔" ملکہ کو اپنا تخت واپس مل گیا تھا۔ ولی عہد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اسے دیکھا۔

"ہارون..... کیا مجھے یونہی جانے دے گا؟" وہ ذرا حیران تھا۔ جواہرات بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی گوری رنگت میں گلابیاں سی گھل گئیں۔

"ارے تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ ہر انسان کو اپنی اولاد سے اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی مجھے ہے؟ نہیں ہاشم۔ ہر طاقتور' ہر دولتمند انسان اپنی اولاد کی میری طرح پرستش نہیں کرتا۔ ہم اس کے غم کا مداوا کر دیں گے تو وہ ہمارے سامنے آواز تک نہیں نکال سکے گا' اور پھر جو بھی ہو' تمہاری ماں.... " اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"تمہارے ساتھ ہے!" ہاشم نے اب کے نرمی سے شکریہ کہا تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آ رہا تھا۔ اور جواہرات کسی ایسی فیری ٹیل ملکہ کی طرح لگ رہی تھی جو کسی نوجوان خوبصورت لڑکی کا خون پینے کے بعد پھر سے جوان ہو جاتی ہے۔

سائیڈ ٹیبل پہ رکھا... ابھی تک گیلا محسوس ہوتا سرخ رومال... اسی خاموشی سے وہاں پڑا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوداگری سے ہم کو سودا نہیں ہے کچھ بھی

کوئی جیچ جیچ کھائے گاہک بدل بدل کے

سورج سوا نیزے پہ تھا۔ اور فوڈ ڈلی ایور آفٹر کی اونچی کھڑکیاں دھوپ سے چمک رہی تھیں۔ پارکنگ لاٹ میں کار روک کر فارس باہر نکلا تو وہ سنجیدہ سا دکھائی دیتا تھا۔ بھوری شرٹ پہنے' بال تازہ چھوٹے کٹے تھے۔ بھنویں بھینچے وہ دروازہ لاک کر رہا تھا جب نوشیرواں اس کے قریب جا رکا۔ وہ احساس ہونے پہ پلٹا۔ اس سے نگاہ ملی تو خاموشی سے واپس مڑ کے کار کا لاک پھر سے چیک کرنے لگا۔

"آبدار مر گئی' فارس!" شیرو کے الفاظ ٹوٹے ہوئے تھے مگر حلیہ آج ٹھیک تھا۔ وہ ڈریس شرٹ اور کوٹ میں ملبوس تھا' اور شیو بھی بنی ہوئی تھی مگر ناک گلابی تھی' اور آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔

"جانتا ہوں۔" وہ سپاٹ سا واپس گھوما' ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔ "کیوں آئے ہو؟"

"وہ وہیں تھی۔ اس رات... میں نے لفٹ کا بتایا تمہیں مگر اس نے الزام اپنے سر لے لیا۔ ہاشم بھائی نے میرے سامنے اس کو مار دیا۔"

"تم کیوں آئے ہو؟" وہ دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں نے زکام زدہ انداز میں ناک سے سانس اندر کھینچی۔

"خیر..." اس نے سر جھٹکا۔ "ہماری ڈیل کا کیا؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ کیس واپس لے لو گے۔"

"اچھا۔ مجھے ایسا کوئی وعدہ یاد نہیں۔"

"کیا؟" شیرو کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"میں نے کہا تھا' سعدی سے کہوں گا کہ تمہیں معاف کر دے۔ وہ میں کہنے کی کوشش کروں گا' جب عدالت تمہیں سزا سنا دے گی.... تب!!! اور کچھ؟"

"میں نے تمہاری..." وہ زور سے بولنے لگا' پھر ارد گرد آتے جاتے لوگوں کا احساس کر کے قریب آیا اور دبا دبا سا غرایا۔ "میں نے تمہاری مدد کی۔ زمر کو بچایا۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ تم صرف کوشش کرو گے؟ اور اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو؟"

"تم نے آبدار کو بچانے کی کوشش کی؟ کیا تم اس میں کامیاب ہوئے؟" وہ تندہی سے بولا تھا۔ شیرو لمحے بھر کو کچھ کہہ نہیں سکا۔

"وہ میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔"

"اور یہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔" وہ رکھائی سے کہتا پلٹ گیا مگر نوشیرواں تیزی سے اس کے سامنے آیا۔

"میرے خلاف کیس واپس لے لو' مجھے باعزت بری ہونے دو' میں ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا' نئی زندگی شروع کر لوں گا' اور میں آبدار کے قتل کیس میں گواہی دینے کو بھی تیار ہوں۔ میں نے خود ہاشم بھائی کو اسے مارتے دیکھا ہے۔"

فارس نے افسوس اور ترحم سے اسے دیکھا۔ "ہمیشہ اپنا ہی سوچتے ہو تم۔ جو بھائی تمہیں بچانے کے لئے سب کر رہا ہے' اس کے خلاف کھڑے ہونے کو تیار ہو؟ واہ۔"

"مگر آبدار کے قتل کیس میں تم لوگوں کو اس سے بڑی گواہی کہاں سے ملے گی؟"

"اے... کون سا قتل کیس؟ کہاں کا کیس؟ ہم کوئی کیس نہیں کر رہے کسی پہ۔ ہم آبدار کی فیملی نہیں ہیں۔ جو کیس ہو گا' وہ اس کا باپ کرے گا۔ ہم نہیں کر سکتے۔ اس لئے میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں نے کہا نا' سعدی سے بات کروں گا' آگے اس کی مرضی۔"

"میں نے زمر کی جان بچائی ہے فارس!"

"یہ مت بھولو کہ وہ اس سب کا شکار بھی تمہاری وجہ سے ہوئی تھی۔ کوئی احسان نہیں کیا تم نے اس پر۔ اور یہاں سے چلتے بنو۔ تمہارے بھائی کے ہرکاروں نے دیکھ لیا تو تمہاری جان لے لے گا۔" اور ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں دبے دبے غصے سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ فارس بے حس نہیں ہے۔ وہ ڈسٹرب ہے۔

اور قصر کاردار کے ڈائننگ ہال میں اشتہا انگیز مہک پھیلی تھی۔ طویل میز انواع و اقسام کے طعام سے سجی تھی۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھی جواہرات دائیں ہاتھ براجمان ہارون کی طرف کاغذ بڑھا رہی تھی جنہیں وہ انہماک سے پڑھنے لگے تھے۔ پھر مقابل بیٹھے 'شیو بنائے' بال جمائے' تازہ دم سے ہاشم نے قلم ہارون کی طرف بڑھایا تو انہوں نے اسے تھامتے ہوئے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی پھر دستخط کر دیے۔ وکلاء نے اٹھ کر ہاتھ ملائے' جواہرات نے مبارکباد دی اور ہاشم نے فاتحانہ نگاہوں سے ہارون کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا جسے انہوں نے بدقت مسکرا کے تھاما۔ سارے سودے طے ہو گئے' سارے حساب ختم ہو گئے۔ اور ملکہ اپنی سربراہی کرسی پہ لوٹ آئی تھی۔ کیا زندگی اس سے بھی زیادہ حسین ہو سکتی تھی؟ جواہرات نے سوچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

نوشیرواں کے جانے کے بعد فارس کچھ دیر فوڈی ایور آفٹر کے کاؤنٹر پہ بے مقصد حساب کتاب چیک کرتا رہا' پھر باہر نکل آیا۔ وہ بہت خاموش تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ۔ جیسے ہر طرف سکوت ہو۔ سناٹا ہو۔ وہ اسی خاموشی سے کار میں بیٹھا اور اسے بے مقصد سڑکوں پہ دوڑاتا گیا۔ تارکول کی گرم دہکتی سڑکیں.... ساتھ سے بھاگتے درخت... اور زندگی بھی پیچھے کو بھاگنے لگی تھی......

زرتاشہ کے قتل کو دو دن ہوئے تھے شاید۔ وہ اب روز زمر کی خیریت پوچھنے جانے لگا تھا۔ بار بار۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس روز وہ اور زرتاشہ وہاں کیا کر رہی تھیں۔ جب زمر ہوش میں نہ آئی اور اسے کوئی جواب نہ مل پایا تو وہ دوسرے رشتے داروں سے جواب مانگنے لگا۔ اس کی دوستیں' گھر والے' کسی کو کچھ بتایا ہو گا زرتاشہ نے۔ مگر کوئی بھی باخبر نہ تھا۔ سفید دھند آنکھوں سے ہٹی تو اس کی ساری حسیات جاگنے لگیں۔ وہ زرتاشہ کی موت کا سراغ لگا کر رہے گا' یہ تو طے تھا۔ مگر کہاں سے اور کیسے؟ اس نے زرتاشہ کا کمرہ کھنگالا۔ ہر شے تلپٹ کر دی' اور تب ہی اس کو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے وہ سی ڈی ملی۔ وہ ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ کی مووی تھی' وہ کیپشن پڑھ کر ہی رکھ دیتا مگر یونہی

باکس کھولا تو اندر ایک پیلا پوسٹ اٹ نوٹ لگا تھا۔ زرتاشہ کی عادت تھی، گھر میں ہر جگہ بالخصوص فریج پہ پیلے نوٹس لگا کر رکھتی تھی۔ گروسری میں کیا لانا ہے، کس کی سالگرہ آنے والی ہے۔ یہ بھی اس نے لگایا تھا۔ وہ ٹھہر کر دیکھنے لگا۔ اس میں دو مختلف نمبرز لکھے تھے۔ دو اوقات۔ دونوں کے درمیان تقریباً دو گھنٹے کا وقفہ تھا۔ وہ مووی اٹھالایا اور اسے لیپ ٹاپ میں لگا کر دیکھنے لگا۔ وہ پارٹی کے ہی اوقات کار تھے (ویڈیو کے کونے میں وقت لکھا آرہا تھا۔) اس نے متعلقہ وقت تک ویڈیو فارورڈ کی۔ وہ لاؤنج کا منظر تھا۔ اس نے دوسرے وقت تک فارورڈ کی۔ وہ بھی لاؤنج کا منظر تھا۔ ان دونوں مناظر میں کچھ خاص نہ تھا۔ تقریب کے عام سے مناظر تھے۔ ان میں سب ہی مہمان موجود نظر آتے تھے۔ پھر زرتاشہ نے ان دونوں اوقات کو نوٹ کیوں کیا؟ وہ دوبارہ دیکھنے لگا۔ پہلے وقت میں خاور سیڑھیاں اترتا دکھائی دے رہا تھا، اور دوسرے پوائنٹ پہ وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ باقی سب ویسے ہی تھے۔ البتہ ان دونوں نقاط کے درمیان ڈیڑھ دو گھنٹے کے لئے خاور کہیں نظر نہ آتا تھا۔ تب پہلی دفعہ اسے شک سا ہوا، مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ مگر پھر زیادہ موقع نہ ملا کیونکہ اگلے روز پولیس اس کو گرفتار کرنے آن پہنچی۔ زمر یوسف نے بیان میں نہ صرف اس کو نامزد کیا تھا بلکہ لمبی سی کہانی بھی سنائی تھی۔ فارس نے کبھی امید نہیں کی تھی کہ وہ گرفتار بھی ہو سکتا ہے۔ اس گرفتاری نے اسے شدید دھچکا لگایا تھا۔

سعدی بار بار آتا، صفائیاں دیتا، امیدیں دلاتا، مگر اس کا غصہ اور فرسٹریشن بڑھتی جا رہی تھی۔ تھانے کا حوالات عجیب سا تھا۔ گھٹن زدہ جگہ جہاں مستقبل تک تاریک نظر آتا تھا۔ اور انہی تاریک راتوں میں وہ بیٹھ کر زرتاشہ کی سی ڈی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اگر وہ پارٹی میں نہیں تھا تو خاور بھی نہیں تھا۔ اور خاور کو تو ہاشم چلاتا تھا۔ تو کیا ہاشم.....؟ لیکن پھر اور کون ہو سکتا تھا؟ کون اس کے گھر سے اس کی گن نکال سکتا تھا، اس کی کار میں ثبوت رکھوا سکتا تھا۔ اتنا قریب کون تھا آخر؟

اس روز سعدی اسے جیل میں دیکھنے آیا تو وہ پھٹ پڑا۔ کہہ دیا کہ اسے ہاشم پہ شک ہے۔ سعدی الگ اسے ملامت کرنے لگا اور اندر آتا ہاشم الگ طریقے سے شروع ہو گیا۔ وقتی طور پہ وہ چپ ہو گیا۔ کیا حوالات اسے ذہنی طور پہ اتنا پست بنا چکے تھے کہ وہ اپنوں پہ شک کرنے لگا تھا؟ اس نے پھر سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔

سارا خاندان ایک طرف اور زمر ایک طرف۔ زمر نے بیان واپس نہیں لیا، نتیجتاً اس کو چودہ روز بعد جیل بھیج دیا گیا۔ تھانے کا حوالات مختلف شے تھی۔ دنیا میں تمام ملزموں کو تھانے کے حوالات میں رکھا جاتا ہے، ملزم یعنی وہ جس کے کیس کا ابھی فیصلہ نہیں آیا۔ مگر پاکستان وہ ملک ہے جہاں ملزموں کو بھی 'مجرموں' کے ساتھ جیل میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور جیل حوالات جیسی نہیں ہوتی۔ جیل ایک بہت بڑی تاریک مہیب سی دنیا تھی جس کے اندر عجیب لوگ بستے تھے، عجیب داستانیں پنپتی تھیں۔

جیل میں اے، بی، اور سی کلاس تھی۔ ہر کلاس کے اپنے بلاک تھے۔ تعلیم یافتہ اور دولتمند لوگوں کو اے یا بی کلاس میں بھیجا جاتا تھا۔ اس کو بھی اے کلاس الاٹ ہوئی تھی۔ یہ الاٹمنٹ عدالت نے کر کے دی تھی، مگر جس لمحے وہ جیل میں داخل ہوا، وہ ساری کہانیاں جو اس نے "قراطین" کے بارے میں سن رکھی تھیں، وہ سچ ثابت ہونے لگیں۔ اسے ڈرایا گیا، سمجھایا گیا کہ جیل کا Quarantine آفیسر جس کو

دیسی انداز میں قراطین کہا جاتا تھا' جیل کے سیاہ اور سرمئی کا مالک ہے کیونکہ یہاں کوئی سفید نہ تھا۔ وہ طے کرے گا کہ آپ کس بلاک میں جائیں گے' وہ طے کرے گا کہ آپ کو جیل کا کھانا کھانا ہے یا آپ کے رشتے داروں کا بھیجا من وسلویٰ آپ کو مل سکتا ہے۔ وہ طے کرے گا کہ آپ چار پانچ افراد کے ساتھ مل کر خفیہ چولہا رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ ہانڈی وال آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے' اور آپ کے رشتے داروں کو ہر ملاقات پہ اسے 25 ہزار رشوت دینی ہے یا 50 ہزار' یہ سارے فیصلے قراطین کرے گا۔ اسے قراطین سے نہیں بگاڑنی تھی۔ اسے قراطین کو خوش رکھنا ہے۔ اور قراطین نے اسے دیکھتے ہی پہلی بات یہ کہی تھی کہ تم وہی ہو نا جس کی بیوی اور جس کا بھائی..... اور دوسری بات کا موقع وہ اسے دے نہیں سکا۔ حوالات کی ساری فرسٹریشن اس نے قراطین پہ نکالی۔ وہ اسے دبوچ کر' گرا کے مارنے لگا۔ اتنا پیٹا' اتنا پیٹا کہ آنکھ کے قریب سے خون ندی کی صورت بہنے لگا۔

اس کے بعد قراطین نے چند ہفتے کسی کو اس سے ملنے نہ دیا' اور اس کو سی کلاس عنایت کر دی۔ اس کو کھانے میں سب سے گھٹیا نسل کا کھانا ملتا اور بات بات پہ رشوت طلب کی جاتی۔ اس قراطین کا نام جلال الدین آتش تھا اور اس سے ہر شخص خار کھاتا تھا۔ کوئی اس کے تعلقات سے جلتا تھا تو کوئی اس کی طاقت سے خائف تھا۔ آتش اس جیل کا بادشاہ تھا۔ وہ جان کر فارس غازی کے سامنے ایسے مواقع پیدا کرتا' ایسی باتیں کہلواتا کہ فارس اس کو غصے میں آ کر مارنے لگ جائے' مگر وہ اسے دوبارہ نہیں مار سکا۔ قراطین کو پہلے دن مارنے اور پھر جیل میں آگے پیچھے آدھ درجن قیدیوں کو مختلف مواقع پہ پیٹنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اکیلا ہوتا جا رہا ہے۔ اسے ہر وقت اپنی نگرانی خود کرنی پڑتی تھی۔ اس کا کوئی دوست نہ تھا' اور وہ ہر ایک سے چوکنا تھا۔ اسے تہہ دیکھ کر کوئی بھی اسے مار دیتا' یہ خوف اس کے اندر جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔

چند دن بعد اسے احساس ہوا تھا کہ جیل کے کسی قیدی کی شکایت کسی پولیس اہلکار سے نہیں کی جاتی۔ چاہے دنیا کا کوئی بھی ملک ہو' اور چاہے وہ قیدی آپ کو چاقو بھی نہ کیوں مار دے' بس اتنا کہو کہ حادثہ تھا' بس اتنا بتاؤ کہ میری اپنی غلطی تھی۔ کیونکہ اس قیدی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا' مگر بعد میں آپ دونوں کو ایک ساتھ ایک ہی جیل میں گزارا کرنا ہے۔ جب کوئی قیدی کسی دوسرے کی شکایت کرتا ہے تو سارے قیدی اس کے خلاف ہو جاتے ہیں' اور کوئی اس پہ اعتماد نہیں کرتا۔ ایک ایسی جگہ جو عادی مجرموں' قاتلوں' غنڈے اچکوں سے بھری ہوئی ہے' وہاں دوستوں کے بغیر گزارا نہیں ہے اور دوست اس کے کوئی تھے نہیں۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' وہ مزید غیر محفوظ اور فکرمند رہنے لگا۔ اس نے لڑنا جھگڑنا بالکل ترک کر دیا۔ خاموش رہتا۔ چوکنا رہتا۔ پریشان رہتا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ دوست کیسے بنائے۔ ساتھی کہاں سے ڈھونڈے۔ اسے ایک دوست چاہیے تھا۔ ایک مضبوط طاقتور ساتھی۔ سیکرٹری صاحب جیل کے دورے پہ آئے تھے۔ ایک دن پہلے سے سارے میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پروٹوکول' نمود و نمائش' چھوٹے ریکارڈز۔ وہ خاموشی سے اپنے حصے کا کام کرتا رہا۔ جس وقت سیکرٹری صاحب اس کے قریب سے مع اپنے مصاحبین کے گزرے' اس نے ان کو انگریزی میں مخاطب کیا اور کہا۔

"سر لوگ میرے بارے میں جھوٹ گھڑ رہے ہیں' میڈیا رپورٹرز کو ایئر فورس بیس حملہ میں ملوث عناصر کی اس جیل میں موجودگی کی خبر میں

نے نہیں دی۔ نہ ہی میں نے پولیس حکام کے اس دہشت گردی کے واقعے میں ملوث ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ میں تو صرف اپنے گھر والوں کو خط لکھتا ہوں۔ پولیس کے عملے کو منع کریں مجھے تنگ نہ کرے۔"

سیکرٹری صاحب اس کو آفس میں لے گئے۔ اس کو چائے پلوائی گئی اور اس سے نرمی سے پوچھا کہ وہ کیا جانتا ہے' اور اگر اس نے میڈیا والوں کو اس جیل میں دہشت گردوں کے سہولت کاروں کا بتایا بھی تھا تو خیر ہے وہ ان پہ اعتماد کر سکتا ہے۔

یہ ایک ایسا کیس تھا جس پہ گرفتاری سے پہلے وہ کام کر رہا تھا اور اس کے کچھ اہم نکات جانتا تھا۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا مگر جتنے تردد سے وہ انکار کر رہا تھا، سامنے بیٹھے اعلیٰ افسران کو گمان ہوا کہ پولیس اس کا منہ بند کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس سب کے دو نتائج نکل سکتے تھے۔ یا اس کو رہا کر کے کیس پہ کام کرنے دیا جاتا۔ یا ملوث اہلکاروں کو بھی جیل میں پھینک دیا جاتا۔ دونوں آپشن اچھے تھے۔

وہ بار بار انکار کرتا رہا' کہ وہ اس سب خبر کے لیک کرنے میں شامل نہیں تھا' اور نہ ہی اس نے قراطین آتش کا نام لیا ہے۔ آتش بالکل بے قصور ہے اور وہ تو ایسا آدمی ہے ہی نہیں جو شوال کی فلاں مسجد سے تعلق رکھتا ہو۔ اس وقت تو اس کو عزت سے واپس بھیج دیا گیا' مگر اگلے روز سے کسی نے آتش کو جیل میں نہیں دیکھا۔ اسے سادہ کپڑوں والے اٹھا کر لے گئے تھے' اور کافی عرصہ اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر جب تفتیش کے دوران وہ دہشت گردی کے سہولت کاری کے الزام سے بری ہو گیا' مگر دوسرے کئی جرائم قبول کرنے پڑے تو اس کو واپس اسی جیل بھیج دیا گیا۔ مگر ایک قیدی کے روپ میں۔

اور جس وقت وہ جیل میں داخل ہو رہا تھا' اس کی آنکھ کے زخم کے نشان کو دیکھتے ہوئے فارس غازی مسکرایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جیسا ایک اکیلا مسافر بھی اس جہنمی مسافر خانے کا مہمان بننے آ چکا ہے۔ یہ وہ جیل تھی جہاں آتش ہر قیدی کا قرض دار تھا۔ کسی کے جسم پہ چوٹیں لگوانے' کسی کو معذور کرنے' اور کسی کو کنگال کرنے کا مجرم تھا وہ۔

اس وقت کے قراطین نے اس کو بھی سی کلاس میں بھیجا تھا۔ نہ پولیس اس کی رہی تھی' نہ قیدی اس کے ہمدرد تھے۔ اس کا غرور' اکڑ' طنطنہ سب خاک میں مل چکا تھا۔ وہ خاموشی سے آیا اور فارس غازی کے قریب بیٹھ گیا۔

اس روز سے وہ دونوں ساتھی بن گئے۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بھولا کہ دوسرے نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا' مگر جیل میں سروائیول سب سے زیادہ اہم تھا۔ اور جب جلال الدین اس کا دوست بنا' تو اس نے فارس کو ایک نئی دنیا سے روشناس کروایا۔ گروہ بنا کر جتھے کی صورت کیسے رہنا ہے' جیل کے باقی بدمعاشوں سے کیسے مقابلہ کرنا ہے' اپنی دھاک کیسے بٹھانی ہے' بڑے بڑے گروہوں کی خوشنودی کیسے حاصل کرنی ہے' اسے جلال الدین سکھاتا تھا۔ وہ قراطین رہ چکا تھا' بہت سوں کو اچھے سے جانتا تھا' اور اپنی ڈھال کے لئے ایک تنومند' زور آور آدمی درکار تھا اسے۔ فارس اس کے لئے وہ ڈھال بن گیا اور وہ دونوں ایک ساتھ جیل میں ایڈجسٹ کرتے گئے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برابر کا برا کر چکے تھے' سو وقت کے ساتھ ساتھ کینہ بھی نکل گیا۔ عجیب سیاستیں تھیں جیل کی۔

وہ فارس کو کہتا تھا' اپنے غصے کو قابو میں رکھو۔ اپنی ذات کے لئے نہ لڑو۔ بھائی اور بیوی کے متعلق ہر بات خاموشی سے سن جاؤ اور پی جاؤ'

انسان کا ذہن تب کھلتا ہے جب وہ غصے کو مہار ڈالنا سیکھ لیتا ہے۔ مگر وہ آگے سے کہتا تھا کہ وہ انتقام ضرور لے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جلال الدین کو اس سے ہمدردی ہوتی گئی۔ وہ پولیس میں رہ چکا تھا' اے ایس پی سرمد شاہ سمیت بہت سے لوگوں کو جانتا تھا۔ وہ اسے کہتا' سارے میں یہی کہا جا رہا ہے کہ تمہارے ماموں زاد نے تمہیں پھنسوایا ہے۔ اور فارس اندر سے جانتا تھا' کہ اس کا دل گواہی دیتا تھا یہ ہاشم ہی ہے' مگر پھر جلال الدین نے اسے خاموش رہنا بھی سکھا دیا تھا۔ جب ایک دن سعدی اس سے پوچھنے آیا کہ وہ مشتبہ افراد کی فہرست دے جو زرتاشہ اور وارث کے قتل میں ملوث ہو سکتے ہیں تو اس نے ہاشم کا نام نہیں لیا۔ وہ ہاشم کا راز نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ اسے پہلے باہر نکلنا تھا' پھر جلال الدین کی توسط سے بنے دوستوں کو استعمال کر کے اپنا انتقام پورا کرنا تھا' پھر ساری دنیا جان ہی لے گی کہ اصل مجرم کون تھا۔ مگر ابھی نہیں۔

چار سال اس جیل میں گزارنے کے بعد وہ وہاں کا عادی ہو چکا تھا۔ جب نکلنے لگا تو محسوس ہوا' ایک زیادہ بڑی جیل میں جا رہا ہے اس روز جلال الدین نے اسے کہا تھا' کہ اب چونکہ وہ اس سے ہمدردی کرنے لگا ہے تو اس کو ایک نصیحت کرے گا اور وہ یہ کہ وہ انتقام چھوڑ دے اور اگر لینا ہی ہے تو اسے دو قبریں کھودنی پڑیں گی۔ فارس غازی کے پاس انتخاب کا وہ آخری موقع تھا۔ اس نے دو قبریں چن لیں۔

کار قبرستان کے قریب روک کر چند لمحے وہ خالی خالی نظروں سے دور نظر آتی قبروں کو دیکھتا رہا۔ یہیں آبدار کو دفن کیا گیا تھا۔ وہ ایک دفعہ بھی ادھر نہیں آسکا تھا' کیونکہ دور اندر' وہ یہ جانتا تھا کہ ہاشم کے بعد اگر کوئی اس کی موت کا ذمہ دار تھا تو وہ خود تھا۔ زمران گزرے تین دنوں میں بار بار زمر سے اسے کہتی رہی تھی کہ وہ گلٹی محسوس نہ کرے' اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا' مگر وہ جانتا تھا' جس کارنامے سے وہ دور اندر ڈرتا آیا تھا' یہ اس کی پہلی قسط تھی۔

وہ باہر نہیں نکلا۔ شیشہ اوپر چڑھایا اور ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ چہرہ ابھی تک سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پندار کے خوگر کو نا کام بھی دیکھو گے؟

آغاز سے واقف ہو، انجام بھی دیکھو گے؟

آج بھی عدالتی احاطے میں ویسا ہی رش تھا جیسا وہ پچھلے کئی ماہ سے دیکھتے آ رہے تھے۔ گرمی اور حبس میں اضافہ ہو گیا تھا۔ زمر سب سے تاخیر سے پہنچ رہی تھی' اور اسکے اندازے کے مطابق باقی سب اس وقت کورٹ روم کے باہر پہنچ چکے تھے۔ وہ گھڑی دیکھتی راہداری میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سینے سے فائلز لگا رکھی تھیں۔ گھنگریالے بال آدھے باندھ رکھے تھے' اور سن گلاسز ماتھے پہ ٹکی تھیں۔ چہرہ سنجیدہ مگر پرسکون نظر آتا تھا۔ ایک موڑ مڑی تو بے اختیار ٹھٹکی۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا اور اسی کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں آمنے سامنے رک گئے۔ زمر نے ساتھ موجود دونوں وکلاء کو آگے جانے کا اشارہ کیا اور خود گہری سانس لے کر فرصت سے شیرو کی طرف متوجہ ہوئی۔ "آپ کو اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مجھ سے بات....."

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زمر نے لب بھینچ لئے۔ پھر اثبات میں سر کو خم دیا۔ ذرا سا مسکرائی۔ "ٹھیک ہوں۔" مسکراتی بھوری آنکھوں کو اس کے چہرے پہ جمائے' وہ عادتاً گال سے ٹکراتی لٹ انگلی پہ لپیٹنے لگی تھی۔ "اور اس سب کا بھی تھینک یو جو آپ نے میرے لئے کیا۔"

"اچھا۔" وہ تلخی سے ہنس دیا۔ "مجھے لگا آپ لوگ ایکنالج تک نہیں کریں گے۔"

"میں ایکنالج کر رہی ہوں۔ اسی لئے کہہ رہی ہوں' تھینک یو۔"

"اور کیا کوئی میرے خلاف کیس واپس لینے کا سوچے گا بھی نہیں؟"

"نوشیرواں!" زمر نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔ "آپ نے میرے اوپر ایک احسان کیا ہے۔ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں آپ کے ساتھ ایک اچھے مشورے کی صورت بھلائی کرنا چاہوں گی۔ آج سے ہاشم کو اپنے گواہ پیش کرنے ہوں گے' مگر اس سے پہلے جج صاحب آپ کو کٹہرے میں بلائیں گے۔"

شیرو کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔ "مگر میں کہہ چکا ہوں کہ حلف لے کر اپنے خلاف گواہ نہیں بنوں گا۔"

"وہ اور چیز ہوتی ہے۔ یہ اور چیز ہے۔ اس میں حلف نہیں لینا اور سچ بولنے کی پابندی بھی نہیں ہے۔ جھوٹ بولیں گے تو بھی سزا نہیں ہو گی۔ چاہیں تو خاموش بھی رہیں۔ جج صاحب کو اختیار ہو گا کہ آپ سے چند سوالات پوچھیں اپنی کنفیوژن کلئیر کرنے کے لئے' اور آپ کے جوابات حتیٰ کہ آپ کی خاموشی سے بھی وہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ سچ بول دیں۔ یہ آپ کی اپنے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ہو گی۔"

"سچ بولا تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔" وہ دبا دبا سا غرایا تھا۔

"آپ کا دن اچھا گزرے!" وہ ساتھ سے نکل کر چلی گئی۔

کورٹ روم کے باہر ہاشم کھڑا' موبائل پہ ٹیکسٹ کر رہا تھا۔ ساتھ چند دوسرے افراد کے ہمراہ حلیمہ بھی کھڑی تھی۔ دفعتاً حلیمہ ہاشم کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "میرے اوپر جرح مسز زمر کریں گی؟ کیونکہ پانچ روز پہلے جب اچانک پیشی ملتوی ہو گئی تھی اور اس دن میں گواہی نہیں دے سکی تھی تو آپ نے کہا تھا کہ مسز زمر اب مجھے کراس نہیں کر سکیں گی۔"

"اوہ سوری!" اس نے پیشانی چھوئی۔ "میں بتانا بھول گیا' اس روز ہی تمہاری گواہی ہو جاتی لیکن زمر نے اپنے کسی گواہ کو پیش کرنے کے لئے مہلت مانگ لی تھی' اور پھر... میرا خیال تھا وہ کسی لمبے سفر پہ جانے والی ہیں' مگر..." اس نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لئے آج وہی تمہارے اوپر جرح کریں گی۔" وہ ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ بات کرتے کرتے مڑا تو دیکھا' زمر سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ہاشم مسکرا کے آگے بڑھا۔ "مسز زمر... میں نے سنا تھا' کسی حادثے میں پھنس گئی تھیں۔ پھول بھجوائے تھے میں نے ہاسپٹل۔ اب ٹھیک ہیں آپ؟"

وہ اس کا تر و تازہ چہرہ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی۔ ''مارنے والے سے بچانے والا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔''

''گڈ!'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ ''مگر مجھے مایوسی ہوئی کہ آپ نے پولیس میں رپورٹ تک نہیں کروائی۔ چچ۔''

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ ''وہ کیا ہے نا ہاشم کہ پانچ سال سے رپورٹ رپورٹ کھیل کر اب تھک گئی ہوں۔ اس دفعہ جس عدالت میں رپورٹ کروائی ہے نا' وہ زیادہ قابلِ بھروسہ ہے۔ آپ کا بھی دن اچھا گزرے۔'' نرمی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

جواہرات آج کورٹ نہیں گئی تھی۔ وہ کاردار گروپ آف کمپنیز کے ہیڈ آفس میں اپنے مصاحبین کے ساتھ ادھر ادھر چکر کاٹ' نئے نئے احکام دے رہی تھی۔ گردن کا سریا واپس آ چکا تھا۔ لباس پہلے سے زیادہ شوخ رنگ کا ہو چکا تھا۔ لپ اسٹک زیادہ سرخ تھی۔ دو تین معمولی ملازموں کو جاب سے فارغ کیا' دو چار پہ کام کا زیادہ بوجھ ڈالا' کسی کو جھاڑا' کسی کو سراہا' اور ہر ایک کو احساس دلا کر کہ وہ واپس آ چکی ہے' وہ اپنے آفس میں چلی آئی تھی۔ اور اب گھومنے والی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھی مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

کوئی فنڈ ریزر منعقد کرے؟ کوئی گالا؟ تا کہ جب وہ دونوں بیٹوں کے ہمراہ شان سے کھڑی ہو تو سارے میں اس کی مجروح ہوئی دھاک پھر سے بیٹھ جائے۔ مگر گالا کا تھیم کیا ہو؟ لیکن اس سے پہلے ایک معمولی سی پلاسٹک سرجری کروا لی جائے؟ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ حسین دکھنا چاہتی تھی۔

اس نے ٹیبلٹ اٹھایا اور اسے چہرے کے قریب لائے' سر کرسی کی پشت سے ٹکائے انگلی اس پہ پھیرنے لگی۔ چند ایک سرجنز کو کھوجا۔ پھر سوشل نیٹ ورکس دیکھنے لگی' اور تب ہی ایک جھٹکے سے وہ سیدھی ہوئی۔ شیرنی جیسی بھوری آنکھیں پہلے حیرت سے اور پھر غضب سے پھیلیں۔ اسکرین پہ کسی دعوت کی تصویر میں صاحبزادی صاحبہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکے چہرے کا نیم رخ واضح تھا۔ ڈی ایس ایل آر کی تصویر جہاں اس کی جلد کے ہر مسام تک کو دکھا رہی تھی' وہاں کان میں موجود زمرد اور ہیرے جڑے ایئر رنگز بھی دکھائی دیے تھے' جس پہ وہ اپنی دو انگلیاں پھیر رہی تھی اور.....جواہرات کی نظریں انگلی پہ پھسلیں.....ایک انگلی میں نیلاہٹ بھرے ہیرے والی خوبصورت سی انگوٹھی دمک رہی تھی۔ ایک زیور ہوتا تو وہ کاپی کہہ سکتی تھی' مگر یہ دو مختلف زیورات ایک ساتھ.....زرتاشہ کے یہ زیور تو اس کی ملکیت میں تھے.....مگر یہ صاحبزادی کے ہاتھ میں.....جواہرات کے ہاتھوں سے ٹیبلٹ میز پہ لڑھک گیا۔ وہ شل سی بیٹھی رہ گئی۔

احمر.....لب پھڑپھڑائے اور پھر شیرنی کی آنکھوں میں غصے بھری سرخی ابھری.....

احمر نے اس کی سب سے قیمتی متاع اس کی دشمن کو دے دی تھی' مگر کیا اس نے صرف یہی متاع دی تھی؟ یا کچھ اور بھی؟ کوئی راز.....کوئی بھید.....

وہ تیزی سے احمر کو فون ملانے لگی۔ مگر ریکارڈنگ نے خبردار کیا کہ مطلوبہ نمبر اب نہیں مل پائے گا۔ جواہرات نے فون رکھ دیا۔ اور کسی بت کی طرح وہیں بیٹھی رہ گئی۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بہت برداشت کر لیا اس نے دوسروں کو خود کو دباتے ہوئے۔ اب وہ نہیں دبے گی۔ دفاع نہیں' جارحیت۔ بہترین حکمتِ عملی۔ شیرنی کی آنکھیں آگ کی طرح لپٹوں سے بھری سوچ میں گم دکھائی دیتی تھیں۔

کمرہ عدالت میں واپس آؤ تو ہر شخص اپنی مخصوص نشست پہ براجمان تھا۔ سعدی پہلی کرسیوں پہ بیٹھا تھا اور گاہے بگاہے دور پیچھے بیٹھے گول چشمے والے آدمی کو دیکھتا تھا جو آج بھی خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا۔

جج صاحب کے سامنے ہاشم اور زمر قریب قریب کھڑے تھے اور وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ "مسز زمر نے آج بھی اپنا آخری گواہ پیش نہیں کیا نہ اس کی کوئی معلومات مہیا کی ہیں۔ کیا اب یہ عدالت کا وقت یونہی ضائع کرتی رہیں گی یا ہم آگے چلیں گے یور آنر!"

"یور آنر' مجھے آخری گواہ کو پیش کرنے کے لئے وقت درکار ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ایک نظر پیچھے بیٹھے سعدی پہ ڈالی جس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ وہ ابھی تک ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔

"آپ پہلے بھی کافی تاخیر کر چکی ہیں' بہر حال ہم کارروائی شروع کرتے ہیں' آپ ڈیفنس کے کلوزنگ آرگومنٹ تک گواہ پیش کر دیں گی تو میں قبول کر لوں گا' ورنہ یاد رکھیے گا مسز زمر!" جج صاحب نے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھتے ہوئے تنبیہ کی۔ "اگر کاردار صاحب کے اختتامی دلائل تک آپ نے گواہ پیش نہ کیا تو عدالت یہی سمجھے گی کہ آپ تاخیری حربہ استعمال کر رہی ہیں۔"

"تھینک یو یور آنر۔ میں اس سے پہلے گواہ لے آؤں گی۔" اس نے تابعداری سے سر کو خم دیا۔

(زمر کے گواہ مکمل ہو چکے تھے' اب ہاشم کے گواہان کی باری تھی۔ اس کے بعد اختتامی دلائل تھے اور پھر جج نے فیصلہ سنانا تھا۔)

"مزید آگے چلنے سے پہلے' عدالت نوشیرواں کاردار سے حلف کے بغیر چند سوالات کرنا چاہے گی۔" جج صاحب نے مصروف سے انداز میں حکم دیا۔ ہاشم نے شیرو کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھا اور سپاٹ سے انداز میں کٹہرے میں آ کھڑا ہوا۔ زمر اب واپس جگہ پہ بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی غور سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"نوشیرواں' آپ 21 مئی کو کہاں تھے؟" جج صاحب رخ اس کی طرف موڑے نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

"سر میں دبئی میں تھا۔" وہ خشک سے انداز میں بولا۔ زمر سر جھٹک کر اپنے کاغذ الٹ پلٹ کرنے لگی۔

"کیا آپ نے سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں؟"

"نہیں یور آنر' یہ محض ایک بہتان ہے۔ میں تو اس وقت ملک میں بھی نہیں تھا۔ ہاں میرا سعدی سے جھگڑا ضرور ہوا تھا' اور کئی جھگڑے رہ چکے تھے' مگر گولی.... نیور....." وہ اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ سعدی بس چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور سعدی کے اغوا میں آپ کا ہاتھ تھا؟"

"سعدی اغوا ہی نہیں ہوا' یور آنر۔ مجھے یونیورسٹی کے پرانے دوستوں نے بتایا تھا کہ وہ شوال میں رہتا رہا ہے اتنا عرصہ' وہاں وہ دہشت گردوں کی تنظیم...." وہ رٹے رٹائے انداز میں بولتا رہا۔ جب وہ کٹہرے سے اترا تو بس ایک ملامتی نظر زمر پہ ڈالی اور واپس آ کر بیٹھ گیا۔

اب وہ اپنے فیصلے خود لے گا' اس نے ثابت کر دیا تھا۔

"تو آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ اکیس مئی کو سعدی یوسف آفس بلڈنگ میں نہیں آیا تھا؟" ہاشم کٹہرے میں کھڑی حلیمہ سے جس وقت پوچھ رہا

تھا اسی وقت پچھلی نشستوں پہ فارس غازی آ کر بیٹھا۔ اس نے شرٹ کی آستینیں چڑھا رکھی تھیں اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

"جی نہیں' وہ نہیں آیا تھا۔" حلیمہ اعتماد سے بولی۔

"اور اس سے پہلے متعدد بار آپ کے نمبر سے سعدی کو کال کی گئی تھی۔ وہ کس سلسلے میں تھی؟" ہاشم پوچھ رہا تھا۔

"سونیا کی پارٹی میں سعدی سے میری ملاقات ہوئی تھی' وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی ملاقات اپنے ایک انکل سے کرواؤں جو ملٹری انٹیلی جنس میں کام کرتے ہیں اور آج کل شوال میں تعینات ہیں۔"

"تو آپ وہ کالز مجھ سے اپائنٹمنٹ لینے کے لئے نہیں کر رہی تھیں جیسا کہ سعدی نے کہا ہے بلکہ معاملہ شوال کا تھا؟" (شوال ایک علاقہ ہے جو ضرب عضب کے باوجود آج بھی دہشت گردوں کی جنت ہے اور میڈیا رپورٹس کے برعکس وہاں طالبان کا مکمل کنٹرول ہے۔)

"جی۔ انکل سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا' اور جب ہوا تو انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہی بتانے کے لئے سعدی کو کال کی تھی' اس نے الٹا مجھے بھی اپنے کیس کا حصہ بنا دیا۔" وہ ناخوشی مگر پورے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ ہاشم نے مڑ کر ایک مسکراتی نظر سعدی پہ ڈالی اور پھر "یور ونس" کہتا ہوا واپس اپنی جگہ پہ آ گیا۔ زمر نشست سے اٹھی تو پیچھے بیٹھے فارس نے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پہ فکر مندی نظر آتی تھی۔ (زمر جرح کیسے کرے گی' اور کیا اس ذہنی حالت میں وہ حلیمہ پہ کردار کش' تابڑ توڑ حملے ٹھیک سے کر پائے گی' کہیں وہ غصے میں ٹمپر لوز کر کے سب خراب نہ کر دے!)

زمر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' ہاتھ میں چند کاغذ پکڑے' کٹہرے کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی۔ حلیمہ نے پورے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھا' گویا وہ تیار تھی۔ صبح ہاشم نے اس کی مٹھی میں چند کافی beans ڈالے تھے' اور پھر اسے مٹھی بند کرنے کو کہا۔ "یہ تمہارا سرمایہ ہیں۔ جرح میں وکیل تمہاری مٹھی خالی کروانے کی کوشش کرے گا' مگر تم نے کوشش کرنی ہے کہ کم سے کم دانے گریں' اور زیادہ سے زیادہ تمہارے پاس محفوظ رہیں۔" اور اس مثال سے وہ سمجھ گئی تھی۔

"تھینک یو حلیمہ' عدالت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔ چمکدار بھوری آنکھیں حلیمہ پہ جمی تھیں۔ "مگر مجھے آپ سے ایک گلہ بھی ہے۔"

حلیمہ اس نرمی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ قدرے تذبذب سے بولی۔ "جی؟"

"یہ سچ ہے نا کہ میں نے آپ کو متعدد بار کالز کیں اور ملنے کی کوشش کی' تا کہ آپ سے آپ کی طرف کی کہانی سن سکوں' کیونکہ ابھی تک تو مجھے صرف سعدی یوسف کی طرف کی کہانی معلوم ہے' مگر آپ مجھ سے نہیں ملیں۔"

"یہ میرا قانونی حق ہے' میم!" وہ گردن اکڑا کے بولی۔

"آف کورس یہ آپ کا حق ہے۔ ارے نہیں آپ غلط سمجھیں۔ آپ کا حق سلب کرنے کی بات نہیں کر رہی میں۔ بلکہ" وہ یاد کر کے ہلکا سا ہنسی۔ "ایک کیس میں' میں خود جب گواہ پیش ہوئی تھی' فارس غازی کے خلاف' تو میں نے بھی مخالف وکیل سے بات کرنے سے یا ملنے

سے انکار کر دیا تھا۔ میں آپ کی پوزیشن سمجھ سکتی ہوں' اور مجھے بھی اچھا نہیں لگتا کہ ہم کسی لڑکی کو اس کٹہرے میں لا کر کھڑا کریں۔ اس لئے میں چاہوں گی کہ آپ بالکل کمفرٹیبل ہو جائیں' بس آپ کو میرے چند سوالات کے جواب دینے ہیں' اور پھر آپ جا سکیں گی۔"

حلیمہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ زمر کے پیچھے ہاشم کو دیکھنے کی کوشش کی مگر زمر نے جیسے ہی اس کی نگاہوں کا رخ دیکھا' وہ ذرا دائیں طرف سرکی۔ راستہ بلاک ہو گیا۔ حلیمہ اب ہاشم کو دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

"مگر یہ تو سچ ہے نا کہ میں پہلی دفعہ آپ سے اس کیس کے بارے میں بات کرنے جا رہی ہوں"

"جی!"

"مگر ہاشم کاردار سے کئی گھنٹے تک آپ نے گواہی ڈسکس کر کے تیاری کی ہو گی تو آپ برا تو نہیں مانیں گی اگر میرے سوالات لمبے ہو جائیں کیونکہ مجھے پہلے وقت نہیں دیا آپ نے تو وہ کمی بھی تو پوری کرنی ہے نا۔" وہ نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ حلیمہ نے تھوک نگلی۔ پھر ذرا دائیں طرف ہوئی مگر زمر اس کے ساتھ اسی طرف سرک گئی۔ راستہ ابھی تک بلاک تھا۔ "جی شیور!" وہ مجبوراً بولی۔

"آپ آب جیکٹ کریں۔" نوشیرواں نے بے چینی سے ہاشم کو مخاطب کیا' جو خود بھی قدرے اچنبھے کا شکار لگتا تھا مگر جواب میں شیرو کو کاٹ کھانے کو دوڑا۔

"کس بات پہ؟ کہ وہ شائستگی سے کیوں بات کر رہی ہے؟"

"او کے تھینک یو حلیمہ۔ بس میں آپ کے چند منٹ لوں گی۔" وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔

"میں نے سنا ہے آپ بہت قابل سیکرٹری ہیں' اور بہت جانفشانی سے اپنا کام کرتی ہیں!" زمر توصیفی انداز میں شروع ہوئی۔

"جی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اور آپ کبھی بھی چھٹی نہیں کرتیں' بیماری کی حالت میں بھی آفس جاتی ہیں۔"

"جی۔" وہ کردار پہ حملوں کی تیاری کر کے آئی تھی اور یہاں اس کی تعریف ہو رہی تھی؟

"گڈ۔ تو اکیس مئی کو آپ آفس میں ہی تھیں؟"

"جی میں سارا دن ڈیسک پہ تھی۔"

"اور اکیس مئی کو نیچے لابی میں کتنے لوگ سارے دن میں آئے تھے؟"

"میں لابی میں آنے جانے والوں سے ناواقف ہوں' میں صرف ان کا بتا سکتی ہوں جو میرے سامنے لفٹ سے اتر کر ہاشم کاردار کے آفس میں جاتے ہیں۔"

"یعنی کہ آپ بلڈنگ میں داخل ہونے والے ہر شخص کا حساب نہیں رکھتیں' صرف انہی کا حساب رکھتی ہیں جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں۔"

"جی۔"

"جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں' رائٹ؟" اس نے زور دیا۔ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

"جی۔"

"اور سعدی کو آپ نے نہیں دیکھا تھا؟"

"نہیں۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے پتہ ہوتا۔"

"کیسے پتہ ہوتا؟"

"کیونکہ لفٹ میرے سامنے ہے' اور مجھے کراس کر کے ہی کوئی کاردار صاحب کے آفس میں جا سکتا ہے۔"

"وہ تو اسٹاف لفٹ ہے نا۔" زمر نے چند کاغذات اس کے سامنے رکھے جن پہ آفس فوٹوز پرنٹ کی گئی تھیں۔ "ایک پرائیوٹ لفٹ بھی تو ہال کے کونے میں ہے' اور اس سے کاردار صاحب کے خاص مہمان اترتے ہیں' اس کے ایک طرف گلاس وال لگی ہے جو معمولی سی دھندلی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی وہاں سے اترے تو آپ کو کراس کیے بغیر ہی سیدھا کاردار صاحب کے آفس میں چلا جائے؟"

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ہاشم کو دیکھنے کی راہ ہنوز بلاک تھی۔ "وہ گلاس بہت معمولی سا دھندلا ہے اور کسی انسان کے کندھوں تک آتا ہے۔ کوئی وہاں سے گزرتا تو اس کا سر نظر آ ہی جاتا ہے۔ چند فٹ دور ہی تو میرا ڈیسک ہے۔"

"اور آپ کی آنکھیں کیسی ہیں؟"

"سوری!"

"کیا یہ سچ نہیں ہے' مس حلیمہ کہ بیس اپریل کو آپ کی آنکھوں کی Lasek سرجری ہوئی تھی' پی آر کے' مگر آپ نے صرف دو دن کا آف لیا تھا اور تیسرے دن آپ جاب پہ واپس آ گئی تھیں۔"

"جی۔ یہ درست ہے۔"

"اور آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا تھا کہ 'پی آر کے' کے بعد آنکھ کھلتی ہی دو دن بعد ہیں اور بصارت دھندلی ہوتی ہے۔ کم از کم چار سے پانچ ماہ لگتے ہیں دونوں آنکھوں کی نظر شارپ ہونے میں۔ آپ کا نمبر منفی چار اعشاریہ پانچ تھا' جو کافی کمزور ہے۔ آپ کی نظر واپس آنے میں کم از کم بھی دو ماہ لگنے تھے۔"

حلیمہ نے بے چینی سے اس کے پیچھے دیکھنا چاہا مگر بے سود۔ ہاشم نے کوفت سے پہلو بدلا۔ وہ اعتراض کرتا تو وہ مزید کنفیوز ہو جاتی۔

"میری نظر بالکل ٹھیک تھی۔"

"مگر کیا ان دنوں آپ اسٹیرائڈ ڈراپس آنکھوں میں نہیں ڈال رہی تھیں؟"

"جی مگر......"

"اور آپ نے ۵ جون کو اپنے ڈاکٹر کو پوسٹ آپ چیک اپ میں کہا تھا کہ اس ہفتے جب سے آپ نے اسٹیرائڈ چھوڑے ہیں آپ کی نظر

بحال ہونے لگی ہے۔یعنی ایکس مئی تو اس سے پہلے آیا تھا۔ایکس مئی تک تو آپ ڈاکٹر کے حروف تہجی بورڈ کی آخری چار سطور نہیں پڑھ سکتی تھیں۔"

"میری نظر ذرا سی کمزور تھی' مگر میں سارا کام احسن طریقے سے....."

"آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ بیماری میں بھی آجاتی تھیں آفس' تو ان دنوں آپ کو دو میٹر سے آگے نظر نہیں آرہا تھا' مگر آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا اور کام کرتی رہیں۔"

"مگر میں....." وہ مضطرب ہو کر بولنا چاہ رہی تھی مگر.....

"اور یہ عین ممکن ہے کہ قریباً بارہ میٹر دور موجود پرائیوٹ لفٹ سے سعدی جب اترا ہو' تو آپ نے فاصلے کے باعث اسے پہچانا نہ ہو۔"

"مگر وہ پرائیوٹ لفٹ سے نہیں اترا تھا۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"یعنی وہ اسٹاف لفٹ سے اترا تھا؟" وہ تیزی سے بولی۔

ہاشم نے آنکھیں میچ لیں۔(اُف)

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔"وہ کسی بھی لفٹ سے نہیں اترا تھا۔"

"مگر یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے اسے نہ دیکھا ہو' کیونکہ آپ آنکھوں میں ان دنوں steroids ڈالتی تھیں اور پرائیوٹ لفٹ سے آنے والے کو نہیں دیکھ سکتی تھیں یوں وہ آپ کو بائی پاس کر کے ہاشم کے آفس میں جا سکتا تھا۔آپ جھوٹ نہیں بول رہیں۔آپ میں دراصل دیکھنے کی اہلیت ہی نہیں تھی۔تھینک یو' مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔" اب کی بار ایک دم تیزی اور درشتی سے کہہ کر زمر واپس ہولی۔حلیمہ نے بے بسی سے ہاشم کو دیکھا جواب نظر آیا تھا اور اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔وہ ری ایگزامن کے لئے بھی نہیں اٹھا۔مزید کوئی گل افشانی نہ کر دے وہ اور گواہ کو جانے دیا۔

"زمر!" وہ واپس بیٹھی تو سعدی نے آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔وہ اس کے قریب ہوئی۔

"فارس ماموں کی رہائی سے پہلے' جب میں نے ایک ہوٹل میں حلیمہ کے ہاتھ میں موجود ہاشم کے لیپ ٹاپ کو یو ایس بی لگا کر ہیک کرنے کی کوشش کی تھی' تو وہ مجھے نوٹس نہیں کر پائی تھی۔یقیناً اس لیے کہ اسکی نظر خراب تھی۔"

"ہاں۔"

"مگر زمر' میں تو ریگولر اسٹاف لفٹ سے اترا تھا۔" اس نے جلدی سے تصحیح کی۔

"سعدی یوسف خان۔کورٹ روم میں جھوٹ کو سچ سے نہیں ہرایا جاتا۔جھوٹ کو اس سے بڑے جھوٹ سے ہرایا جاتا ہے۔" مسکرا کر کہتے وہ واپس سیدھی ہوگئی۔

جب وہ باہر نکلی تو راہداری میں اپنے باس کے ساتھ چلتی حلیمہ اسے صفائیاں دے رہی تھی اور وہ غصے میں کچھ کہہ رہا تھا۔وہ مسکرا کے آگے

بڑھ گئی۔ تب احساس ہوا کہ کوئی اس کے ساتھ آ کر چلنے لگا ہے۔ وہ رکی نہیں مڑی نہیں' قدم اٹھاتی رہی۔

"بڑے عرصے بعد کنٹرولڈ' شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی لگی ہیں آپ۔" مسکراہٹ دبائے وہ بولا تھا۔ زمر نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔

"میں تو وکالت کر رہی تھی۔"

"اور یقیناً اس کے ڈاکٹر کی فیس وغیرہ کا آپ کو ہاشم کے کمپیوٹر سے چوری کی گئی فائلز سے معلوم ہوا ہو گا۔"

"وکیل اپنا سورس نہیں بتاتے' اور دو نمبر لوگوں کو تو بالکل بھی نہیں۔" وہ دو قدم آگے بڑھ گئی' مگر وہ رکا رہا۔ پھر مسکرا کے بولا۔ "میں متاثر ہوا ہوں۔" زمر کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ گھومی تو آنکھوں میں حیرت تھی۔

"مجھ سے؟"

"ہوں۔ تم سے۔ کیونکہ اچھا وکیل وہ ہوتا ہے جو وہاں سے آئے جہاں سے تصور بھی نہیں کیا ہو۔ ہم سب سمجھ رہے تھے تم اس کے کردار اور قابلیت پہ حملہ کر کے اس کو جھوٹا کہو گی' مگر تم نے یہ ثابت کیا کہ وہ سچ بول رہی ہے' بس بے چاری کو نظر ہی نہیں آیا تھا۔" مسکرا کے بولتے ہوئے وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ "مجھے کافی اچھا لگا یہ سب دیکھ کر۔ مگر ڈر بھی لگا۔ سوچ رہا ہوں آئندہ معلوم نہیں باتوں میں تم سے جیت بھی سکوں گا یا نہیں۔"

"استغفراللہ!" وہ خفگی سے کہتی سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی اور وہ اداس مسکراہٹ سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے

ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا

رات شہر پہ اتری تو بلند و بالا عمارتوں کی ساری روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ ایسی ہی ایک روشن پرشکوہ عمارت ایک سکس اسٹار ہوٹل کی تھی جس کے اندر جاؤ تو لابی میں رنگوں' روشنیوں اور خوشبوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ ہنستے ہوئے بے فکر خوبصورت لوگ... اور ان سب کے درمیان سے گزرتی صاحبزادی صاحبہ' جس کے کانوں کے نگینے جگمگا رہے تھے' اور انگلیوں کی انگوٹھیاں نگاہیں خیرہ کر دیتی تھیں۔ اس کے پیچھے دو باڈی گارڈز چل رہے تھے' اور وہ تینوں لفٹ کی سمت جا رہے تھے۔ صاحبزادی صاحبہ کی مسکراہٹ ویسی ہی چہرے پہ جمی رہی جب وہ بالائی منزل پہ ایک راہداری سے گزر کے ایک سوئیٹ کے باہر آ ٹھہری۔ گارڈز نے دروازہ کھٹکھٹایا' تو اگلے ہی لمحے وہ کھل گیا۔ کھولنے والی خود جواہرات تھی۔ سرخ لباس میں ملبوس' سرخ لپ اسٹک لگائے' بالوں کو کرل کر کے چہرے کے ایک طرف ڈال رکھا تھا' اور مسکرا رہی تھی۔

"آپ کو میرے لئے دروازہ خود کھولنا پڑا؟" صاحبزادی صاحبہ طنز سے مسکرائی۔

"چونکہ آپ نے کسی حساس موضوع پہ ملنے کے لئے کہا تھا تو میں نے اپنے اسٹاف کو بھیج دیا۔ آیئے نا۔" خوش دلی سے کہتے ہوئے اس نے راستہ چھوڑا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں شاہانہ طرز کی کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں'درمیان میں میز تھی جس پہ پھول رکھے تھے۔(گارڈز باہر تھے۔)

''آپ کے زیورات بہت خوبصورت ہیں۔''جواہرات مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے آپ کی طرح لمبی لمبی اداکاریاں نہیں آتیں جواہرات بیگم۔''وہ اب کے بولی تو مسکراہٹ سمٹ گئی تھی اور آنکھوں میں تپش در آئی تھی۔''یہ مجھے احمر شفیع نے دیے ہیں۔آپ کی ملکیت تھے یہ۔اور اب میری ملکیت ہیں۔''

''احمر!''وہ ہلکا سا ہنسی۔پھر کہنی کرسی کے ہتھ پہ رکھے'ایک انگلی گال تلے رکھے وہ دلچسپی سے صاحبزادی کو دیکھنے لگی۔''اور کیا دیا ہے احمر نے آپ کو۔''

''مجھے تو آپ پہ ترس آرہا ہے۔''وہ واقعی ترحم سے بولی تھی۔''بہت دنوں بعد آپ آفس اور سوشل گیدرنگز میں نظر آئی تھیں'اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ'مگر کون جانتا تھا کہ یہ تخت وتاج محض چند دن کا محتاج ہے۔بس چند الفاظ اس کو لٹنے کے لئے کافی ہیں۔''

''اچھا'اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میرا تخت الٹنے والا ہے؟''

''کیونکہ آپ کے تخت کو اٹھانے والے آپ کے دو بیٹے ہیں'اور جس دن وہ آپ کی حقیقت جان گئے'آپ تباہ ہو جائیں گی۔''

''اور کیا ہے میری حقیقت؟''

''مسز کاردار!''وہ ذرا سا مسکرائی۔''کہا تھا میں نے آپ کو۔جیسے آپ نے میری زندگی برباد کی ہے'میں بھی کروں گی۔کہا تھا'میں انتقام ضرور لوں گی۔آپ سوچیں'اس وقت آپ پہ کیا گزرے گی جب ہاشم جان لے گا کہ آپ نے.....اس کے باپ کا.....قتل کیا ہے۔''

جواہرات مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے انگلی پہ گھنگریالی لٹ لپیٹتی رہی۔

''اور یہ بتانے کے احمر نے کتنے پیسے لئے ہیں آپ سے؟''کوئی حیرت کوئی شاک نہیں۔

''آپ خود کو جتنا بھی کمپوزڈ ظاہر کرلیں'آپ کا چہرہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اور زنگزیب کاردار کی قاتل ہیں۔''

''اور یہ بھی اس نے کہا ہوگا کہ میرے پاس ثبوت نہیں ہے مگر مسز کاردار کا چہرہ اس گواہی کے لئے کافی ہے۔''وہ ہلکا سا ہنسی۔صاحبزادی صاحبہ کے اعصاب تن گئے۔اس کو یہ امید نہیں تھی۔قدرے بے چینی سے بولی۔''سعدی یوسف سب جانتا ہے کہ کس طرح تم نے اپنے شوہر کو مارا'اور میری انجیو بھی گواہ ہے۔''

''اوہ ڈارلنگ'تم بھی کن لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنے قد سے بڑی باتیں کرنے آ گئیں۔''جواہرات نے افسوس سے گہری سانس بھری۔صاحبزادی صاحبہ کو اب غصہ چڑھنے لگا۔

''جس دن میں نے ہاشم کو بتا دیا'وہ تمہاری جان لے لے گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ تمہارے ڈرائیور کو'جو صبح چھٹی لے کر گیا ہے'کل شام میں نے خرید لیا تھا'اور اس نے مجھے سب بتا دیا کہ کس طرح سعدی اور احمر نے اپنی جان بچانے کے لئے تمہارے ساتھ یہ جھوٹ بولا'اور تم بی بی۔تم چلی آئیں میرا تخت گرانے۔''

یہ کہتے ہوئے جواہرات اٹھی اور ساتھ والے کمرے کا نیم وا دروازہ کھول دیا۔ صاحبزادی صاحبہ نے چونک کر گردن موڑی' اور اگلے لمحے وہ سانس تک لینا بھول گئی۔

وہاں سے وہ دونوں اندر داخل ہوئے تھے۔ ہاشم اور نوشیرواں۔ سوٹ میں ملبوس چبھتی ہوئی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔ وہ اپنی ماں کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے تھے اور جواہرات مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"میں جانتی تھی تم مجھے بلیک میل کرنے آؤ گی اس لئے میں نے اپنے بیٹوں کو بھی بلا لیا۔ اور دیکھو وہ میرے ساتھ کھڑے ہیں' ان کو مجھ پہ پورا اعتماد ہے۔"

صاحبزادی فق چہرہ لئے کھڑی ہوئی۔ تھوک نگلا۔ باری باری ان دونوں کے سپاٹ چہرے دیکھے۔ "تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو مارا ہے۔" وہ دبا دبا سا چلائی۔

"اچھا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ اور سعدی کا نام مت لینا' آپ کے ڈرائیور سے سن چکا ہوں۔ سعدی تو کل تک خاور کو میرے باپ کا قاتل کہتا تھا۔" ہاشم تلخی سے گویا ہوا۔ وہ نارمل نظر آ رہا تھا۔

"تمہاری ملازمہ گواہ ہے' اس نے تمہارے باپ کے باتھ روم سے جواہرات کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔"

"جسٹ گیٹ آؤٹ!" ہاشم نے بے زاری سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"میں... میں ساری دنیا کو بتاؤں گی کہ تم کیسی عورت ہو۔ اپنے بیٹوں کو دھوکا دے رہی ہو۔ پوسٹ مارٹم والے ڈاکٹر کو بھی تم نے سری لنکا سے احمر کے ذریعے کال کروائی تھی اور جب اس کے پاس گئی تو اس کو اتنا ڈرایا کہ اس نے خاور کا نام....." (شیرو نے بہت آہستہ سے سر اٹھایا۔)

"نکل جاؤ یہاں سے۔" جواہرات حلق کے بل چلائی تھی۔ وہ سہم کر خاموش ہوئی۔ جواہرات قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی اور سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورا۔

"سعدی کو کہنا ہمارا فیملی یونٹ وہ کبھی نہیں توڑ سکتا۔ رزق اور راج صرف کوشش سے نہیں ملتا۔ یہ ادھر (پیشانی پہ انگلی رکھی) ادھر لکھا ہوتا ہے۔ میرا بخت ادھر لکھا ہے۔ رہے یہ زیورات تو تم یہ رکھ سکتی ہو۔ یہ cursed ہیں۔ جلد ہی تمہیں دلدل میں دھکیل دیں گے اور تم مجھ سے بڑی ڈائن بن جاؤ گی۔ اب دفعہ ہو جاؤ۔" اور صاحبزادی کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ باری باری سب کو دیکھا اور پھر تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔ جواہرات اب کے مڑی تو آنکھوں میں آنسو تھے۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں نے صبح میری ساری بات سن کر میرا ساتھ دیا اور سعدی یوسف کے پلان کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ مجھے تم دونوں پہ فخر ہے۔"

ہاشم نے کندھے اچکائے اور صوفے پہ بیٹھ گیا۔ وہ بے زار لگ رہا تھا۔ نوشیرواں البتہ ابھی تک بت بنا کھڑا تھا۔ ہاشم اسی بے زاری سے

کہنے لگا۔ "سعدی بار بار ڈیڈ کی موت کو بیچ میں کیوں لے آتا ہے؟ اب تو مجھے بھی شک ہونے لگا ہے کہ خاور اصل قاتل ہے بھی یا نہیں۔"

جواہرات کا دل بری طرح کانپا۔ وہ بہت بڑا جوا کھیل گئی تھی مگر اس کے سوا اور چارہ نہ تھا۔ "آف کورس خاور قاتل ہے ہاشم۔ اب میں یا تم تو قاتل ہو نہیں سکتے۔ کہیں تم بھی اس کی باتوں میں تو نہیں آ گئے؟"

"او ہو نہیں ممی۔ میں تو بس سوچ رہا ہوں کہ وہ اب اس بات کو ہر جگہ استعمال نہ کرنا شروع کر دیں اور....."

"احمر کو کیسے پتہ ڈاکٹر کے گھر والی بات؟" نوشیرواں کسی خواب کی سی کیفیت میں بولا تھا۔ وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔

"پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر کے گھر ریس میں آپ اور بھائی گئے تھے۔ احمر تو تب ہمارا ملازم بھی نہیں تھا۔ تو اسے کیسے پتہ چلا کہ آپ نے ڈاکٹر کو ڈرانے والی باتیں کہی تھیں؟" شیرو عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھر گئی۔

"کیونکہ احمر کے ذریعے خاور کا پتہ صاف کیا تھا ہم نے شاید میں نے ہی بتایا ہو۔ اب کیا تم مجھے ایسے دیکھو گے؟"

"اور اس نے میری کا نام کیوں لیا؟ آپ میری کو ڈی پورٹ کرنا چاہتی تھیں آپ میری سے ڈیڈ کی موت کے بعد سے خوش نہیں تھیں۔"

"نوشیرواں ممی پہ شک مت کرو۔" ہاشم اکتا کر کھڑا ہوا۔ "ان کی باتوں کو اپنے ذہن پہ سوار مت کرو چلو ڈنر کرتے ہیں۔" اس نے اس کا شانہ تھپتھپایا تو شیرو نے سر جھٹکا۔ جیسے بہت سے خیالات بھی جھٹکے۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ الجھے نظر آتے تھے اور جواہرات بظاہر پرسکون سی اندر عجیب طوفانوں میں گھری تھی۔ صاحبزادی کے بتانے سے بہتر تھا وہ خود ان کو بتا دے یہ حکمت عملی اس کا آخری آپشن تھا۔ آخری جوا۔ اور اس کا نتیجہ اتنا حوصلہ افزا نہیں تھا جتنا وہ چاہتی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اسے اور کیا چاہیے تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امید کے صحرا میں جو برسوں سے کھڑا ہے
حالات کی بے رحم ہواؤں سے لڑا ہے

مور چال پہ وہ حبس زدہ رات مغموم سی پھیلی تھی۔ لاؤنج کی دیوار کو نئے سرے سے صاف پینٹ کر کے حنین فارغ ہو چکی تھی۔ وہ نقش و نگار چھپ گئے تھے اور اب وہ چند روز میں اس پہ stencil پینٹ کر سکتی تھی۔ شکر۔ وہ گلوز اتارتی برش اور ڈبے اٹھاتی سیڑھیاں چڑھنے لگی تاکہ اپنے کمرے میں جا کر اس سامان کو ٹھکانے لگائے پھر سعدی کے کمرے کی جلتی بتی دیکھ کر ادھر چلی آئی۔

وہ اسٹڈی چیئر پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور پرسوچ نظریں چھت پہ ٹکی تھیں۔

"پریشان نہ ہو بھائی ہم پھر سے ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔" اس کے نرمی سے پکارنے پہ وہ چونکا پھر اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ "پتہ ہے حنین صرف ایک بات مجھے تسلی دیتی ہے کہ ہمارے جج صاحب ایماندار آدمی ہیں۔"

"اور مجھے صرف ایک بات خوف دلاتی ہے کہ بڑے فیصلے کرنے کے لئے صرف ایماندار ہونا کافی نہیں ہوتا۔" وہ سوچ کر رہ گئی مگر بولی تو صرف اتنا۔ "چاہے ہم جنگ جیتیں یا ہاریں حق کے لئے لڑنا ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"

پھر وہ چلی گئی اور وہ وہیں بیٹھا سوچتا رہا۔ مایوسی' اداسی اور امید کے درمیان وہ کہیں ہوا میں معلق تھا۔ کسی کچے دھاگے سے لٹکا' کسی کچی زنجیر سے بندھا۔ پھر وہ اٹھا اور وضو کر کے آیا۔ تولیے سے ہاتھ منہ خشک کیے' اور اسٹڈی ٹیبل پہ قرآن لئے واپس آ بیٹھا۔ ایک یہی کلام اللہ تو تھا جو ہر اندھیرے میں تسلی دیتا تھا' کہ خیر ہے' جہاں اتنا چل لیا وہاں کچھ اور چلتے جاؤ' روشنی مل جائے گی۔ تمہارے حصے کی روشنی تمہیں ضرور ملے گی۔ بس تھوڑا صبر اور۔ بس تھوڑا فاصلہ اور۔

''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمن اور رحیم ہے۔'' اس نے مطلوبہ آیت سے اپنی محبوب سورۃ کھولی۔

''اور بے شک تیرا رب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (جو ان کے سینے چھپاتے ہیں) اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔
اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ بات نہیں جو روشن کتاب میں نہ ہو۔'' (سورۃ النمل: 75-74)

''یہ آیت' اللہ تعالیٰ' آپ نے قرآن میں کتنی دفعہ دہرائی ہے؟ ان گنت۔ اور اس کے ان گنت رموز ہر دفعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا یہاں کہ تم چھپاتے ہو' یہ فرمایا ''جو ان کے سینے چھپاتے ہیں۔'' یہاں جو گلٹی پارٹی ہے' وہ انسان نہیں ہے۔ وہ اس کا سینہ ہے۔ دل بھی سینے کے اندر ہوتا ہے۔ اور ہم خود کیوں نہیں؟ اگر غور کرو تو آیت کے شروع میں فرمایا ''آپ کا رب''۔ صرف رب بھی کہا جا سکتا تھا مگر ''آپ کا رب'' کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ جس کے دل کی بات ہو رہی ہے' وہ تو اللہ کا بندہ ہے۔ میں اور آپ' ہم اللہ کے ہیں' اسی لیے شاید اللہ تعالیٰ ہمیں رعایت دے دیتے ہیں۔ صرف نظر کر جاتے ہیں ہماری غلطیوں سے۔ ..مگر یہ ہمارے دل ہیں جو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ کبھی compulsive liars کو دیکھا ہے؟ وہ بات بے بات بغیر سوچے سمجھے جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا دماغ ابھی سامنے والے کا سوال سمجھا ہی نہیں ہوتا کہ زبان جھوٹ بول دیتی ہے۔ تو یہ دل کیسے انسان کو بے بس اور مجبور کر دیتا ہے؟ جب ہم اس میں غلط خزانے بھرتے جائیں اور اس کو کسی شے کا عادی کر دیں۔ ہم غلط کام اس میں چھپاتے ہیں تو یہ عادی ہو جاتا ہے' پھر خود سے' ہم سے پوچھے بغیر اپنے اندر غلط چیزیں' غلط خیالات' غلط ارادے' غلط محبتیں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ پھر یہ قابو میں نہیں رہتا۔ اور اس کا حل کیا ہے؟ حل وہی ہے کہ جب کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے تو اللہ ایسے دل میں کیوں اپنی محبت ڈالے گا جس میں جھوٹ' دھوکے' غلط راز اور غلط لوگ بسے ہوئے ہوں؟'' وہ اپنی نوٹ بک پہ لکھتا بھی جا رہا تھا۔ ذہن کی آلودگی دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی۔ ایک یہی کتاب تو ساری کثافت دور کر دیتی تھی۔

''بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور بے شک وہ ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ بے شک تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا اور وہ غالب علم والا ہے۔'' (سورۃ النمل: 78-76)

''مجھے آج اس آیت کو پڑھ کر یہ لگ رہا ہے اللہ تعالیٰ' کہ قرآن ہر ایک کے لئے مختلف کردار ادا کرتا ہے۔ کچھ لوگ جو اس کو بھلا بیٹھے ہوتے ہیں' ان کی عبرت کی مثالیں بیان کو سناتا ہے جو اس کو بار بار پڑھتے ہیں۔ ہمارے آپس کے سارے جھگڑوں اور اختلافات کا حل اس میں

موجود ہے' اور جن کا نہیں ہے' ان کا فیصلہ آپ قیامت کے روز کردیں گے اللہ تعالیٰ' مگر مجھے اپنی امت کی فرقہ واریت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ اختلافات کے نام پہ ہمارے ہاں اتنی تقسیم ہے کہ حد نہیں۔ ہم اختلاف کرنے والوں کو ڈانٹ کیوں دیتے ہیں؟ کسی کی جنت یا جہنم کی کوئی گارنٹی نہیں ہے سوائے انبیاء کرام اور عشرہ مبشرہ صحابیوں' یا بدر کے مجاہدوں کی۔ کسی امام' کسی پیر' کسی اسکالر' کسی لیڈر' کسی کی جنت کی گارنٹی نہیں ہے۔ تو پھر ہم اپنی جنت پکی کر کے دوسرے کی جہنم کا ٹکٹ کیوں ہاتھ میں لیے گھومتے ہیں؟"

"سو اللہ پر بھروسہ کر بے شک تو صریح حق پر ہے۔ البتہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر لوٹیں اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی دور کر کے ہدایت کر سکتا ہے تو ان ہی کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔"
(سورۃ النمل: 81-79)

"لیکن پھر یہ ساری باتیں ہر ایک پہ اثر کیوں نہیں کرتیں؟ کیوں بہت سے لوگ اندھے گونگے بہرے بن کر کفر کے فتوے دوسروں پہ تھوپے چلے جاتے ہیں؟ انسانوں کی پیروی میں اندھے ہو جاتے ہیں؟ کیونکہ شاید قرآن سے ہدایت اور رحمت ایمان والوں کو ملتی ہے' اور ایمان ہوتا کیا ہے بھلا؟ خوف اور غم سے نجات پا لینا۔ کھلا ذہن رکھنا جس میں نرمی ہو' تنگی نہ ہو۔ سختی نہ ہو۔ ایمان کیا ہوتا ہے؟ حیا۔ دوسروں کا دل دکھانے سے شرم کرنا۔ سخت باتیں سنا دینے سے شرم کرنا۔ سامنے والے کے احساسات کا خیال کرنا۔ اور کیا ہوتا ہے ایمان؟ قرآن و حدیث کو ثبوت ماننا اور اپنی رائے سے اوپر سمجھنا۔ یہ جب انسان میں آ جاتا ہے نا' یہ خیال کہ میں اور میرا مسلک غلط ہو سکتے ہیں' مگر اللہ کی بات حرف آخر ہے' تب انسان کا ذہن کھلتا ہے اور وہ سنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ میں نے بڑے بڑے مدرسوں اور یونیورسٹیز سے پڑھنے والے علماء کو دیکھا ہے' وہ اتنی سختی سے دوسروں پہ کھٹا کھٹ فتوے لگاتے ہیں کہ عام زندگی میں بھی ان کا یہی رویہ بن جاتا ہے۔ مزاج میں سختی' ہر وقت دوسروں کو جج کرنا اور بدکلامی۔ ان چیزوں سے دل سخت ہوتا ہے اور پھر وہ ہدایت نہیں لیتا۔ اور میں نے انہی مدرسوں اور یونیورسٹیز سے نکلتے ایسے علماء کو بھی دیکھا ہے جو گو کہ اپنی اٹل رائے رکھتے ہیں' مگر دوسروں کی بھی سنتے ہیں' اور نرمی سے سمجھانا بھی جانتے ہیں۔ دلیل سے بات کرتے ہیں' غصے سے نہیں۔ حقارت اور نفرت سے نہیں۔ اللہ ایسے نرم خو لوگوں کا نام ہمیشہ بلند کرتا ہے' کیونکہ یہ "اللہ کے دشمنوں" سے سخت بات بھی سختی اور بدکلامی سے نہیں کرتے۔ سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنی رائے اور دلیل بیان کرتے ہیں مگر دوسرے کے کان میں سیسہ نہیں گھولتے۔ ہمیں ضرورت ہے ایسے لوگوں کی طرح بننے کی' اور اس کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ کوئی دو انسان ہر چیز کے بارے میں ایک جیسا نہیں سوچ سکتے۔ ہمارے گھر والے بھلے سیاسی اور مذہبی خیالات ہمارے جیسے رکھتے ہوں مگر کئی جگہ ان سے بھی ہماری رائے مختلف ہو سکتی ہے۔ مگر مزاج کی یہ نرمی صرف تب آئے گی جب ہم "ایمان" لے آئیں گے' اور جان لیں گے کہ سب سے زیادہ درست صرف اللہ ہے۔ باقی ہم سب غلط ہو سکتے ہیں اور اگر اپنے غلط وجود سے بھی ہمیں اتنی محبت ہے تو دوسروں سے کراہت کیوں کریں؟ لوگوں کی کچھ باتوں کو نظر انداز کرنا اور کچھ کو در گزر کرنا..... یہ ایمان کا حصہ ہے۔"

لکھتے لکھتے اس کے ہاتھ درد کرنے لگے۔ شاید وہ کافی دن بعد قلم سے لکھ رہا تھا۔ مگر یہ کتاب تھی ہی ایسی جو ہر درد کا مرہم بن جاتی تھی۔ یہ

نہیں تھا کہ درد نہیں ہوگا' بس ہر درد کے بعد سکون بھی مل جائے گا۔اس نے قرآن کو ادب سے چوما اور بند کر کے رکھ دیا' پھر انگلیاں کھولتے بند کرنے لگا' تا کہ سکون آئے۔

"بھائی بھائی۔" پرسکون ماحول کا بلبلہ ایک دم سے پھٹ گیا۔حنین دھاڑ سے دروازے کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ہاتھ میں ٹیب تھا اور چہرے پہ بلا کا افسوس۔"وہ آپ لوگوں کا دوست...احمر شفیع...اس کے بارے میں سوشل میڈیا پہ خبر دیکھی آپ نے؟"

سعدی نے گہری سانس لی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔"ہاں دیکھی تھی۔ایک کار حادثے کے بعد ایک جلی ہوئی لاش ملی ہے جو اسی کی عمر کے بندے کی ہے اور اتفاق سے اس کے ساتھ جو احمر شفیع کے نام کا شناختی کارڈ' پاسپورٹ وغیرہ تھے' وہ بالکل بھی نہیں جلے۔" حنہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ کا دوست ہلاک ہو گیا اور آپ آرام سے بیٹھے ہیں؟"

"اسے غائب ہونے کے طریقے آتے ہیں' ایک فیک ڈیتھ اسٹیج کرنا اس کے لئے مشکل نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مگر ہو سکتا ہے یہ سب ڈرامہ نہ ہو۔بلکہ اس کو مسز کاردار نے مروا دیا ہو۔" اسے فکر ہوئی۔

"مجھے نوے فیصد یقین ہے کہ ایسا نہیں ہے' کیونکہ اس نے مجھے کہا تھا کہ ولیم شیکسپیر نے کہا ہے۔

"There are three ways for a person to disappear. The first is to die. The second is to lie. And the last is to be reborn."

اسی طرح اس نے کہیں اور کسی نئے نام سے جنم لے لیا ہوگا۔

حنین نے گہری سانس لی۔"رہا نا ہمیشہ کی طرح آخر میں بھی فراڈ ہی۔ یہ ڈائیلاگ شیکسپیئر کا نہیں ہے۔وکٹوریا گرے سن نے Revenge میں بولا تھا۔شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' یہ بھی اس کا ایک فراڈ ہو سکتا ہے' لیکن اگر نہیں بھی ہے تو جو میرے ایگزام والی بات ہاشم کو بتائی تھی نا' اسی کا بدلہ ملا ہے اسے۔"

"حنین!" وہ خفگی سے بولا مگر وہ مڑے سے کہتی باہر جا چکی تھی۔وہ اسے پہلے ہی دن سے برا لگتا تھا۔پہلی دفعہ جب اس نے حنین کو دیکھا تھا تو اسے اس کی اخبار میں چھپی تصویر یاد آ گئی تھی اور لگ گیا تھا اس کے بارے میں کھوج لگانے...ہونہہ....کہ اس نے ایف ایس سی میں ٹاپ کرنے کے باوجود انجینئرنگ کیوں نہیں پڑھی۔وہ اس کا سیاہ راز تھا اور اسی لیے اس احمر شفیع سے وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کرتی تھی۔ مگر اب نہ وہ راز غیر آرام دہ کرتا تھا نہ وہ فراڈان کی زندگیوں میں رہا تھا۔اور ویسے بھی اسے کل سے ڈرائنگ روم کی پینٹنگ بھی شروع کرنی تھی' سو آج رات گوگل کے آئیڈیاز کے نام!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عجب سوال کیا آندھیوں نے پتوں سے

شجر سے ٹوٹ کے گرنا بتاؤ کیسا لگا

بہت دن بعد آج سرِ شام ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ اوپر سے جیسے پانی کے تھال گرا دیے گئے تھے۔ پہاڑی علاقے کی اس بل کھاتی سڑک کے اوپر۔۔۔ چوٹی پہ بنے پتھروں کے گھر کی کھڑکیوں پہ بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ باہر مئی کے باوجود ٹھنڈ ہو چکی تھی اس سٹنگ روم میں نوعمر لڑکا آتش دان میں ہیٹر جلانے لگا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر صوفے پہ بیٹھے ہاشم کو وضاحت دی۔ "ابو کو ٹھنڈ نہ لگ جائے اسی لئے جلا رہا ہوں۔" ہاشم نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہیل چیئر پہ بیٹھے خاور کو دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد لگ رہے تھے۔ جہاں ہاشم تر و تازہ' تیار' تھری پیس میں ملبوس چاق و چوبند بیٹھا تھا' وہیں خاور لاغر کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ لگتا تھا۔ اس کے بال سفید ہو چکے تھے اور شیو بھی سفید تنکوں جیسی تھی۔ گردن ایک طرف ڈھلکی تھی اور نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

"تم جاؤ بیٹا۔ میں کچھ وقت تمہارے ابو کے ساتھ اکیلے میں گزارنا چاہتا ہوں۔" لڑکا ہیٹر سیٹ کر کے تابعداری سے سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ باہر برستی بارش کی تڑتڑاہٹ بھی معدوم ہونے لگی۔

"پچھلے ہفتے جب میں نے دو دن ایک سرخ رومال کو دیکھتے کمرے میں بند گزارے تو ایک دفعہ ایسا موقع بھی آیا کہ فون کھول کر اپنے کانٹیکٹس کے گروپس دیکھے۔ فرینڈز' فیملی' کولیگز' شناسا فرینڈز کے خانے میں بہت سے نام تھے۔" وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے خاور پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ "مگر کوئی بھی کام کا نہیں تھا۔ میں سوچتا رہا کہ دوست کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی وفا غیر مشروط ہو۔ جو آپ سے بھلے اختلاف رکھتا ہو مگر آپ کو سنتا ہو' آپ کو سمجھتا ہو اور اس کو جب مدد کے لئے پکارو وہ حاضر ہو اور جس کے لئے آپ بھی ہمیشہ حاضر ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ جو ہمارے لئے ہمیشہ حاضر ہوتے ہیں' وہ ہم سے ہماری ان کے لئے حاضری کی توقع نہیں رکھتے مگر خاور ....مجھے احساس ہوا کہ شاید تم میرے سب سے اچھے دوست تھے۔"

بوندیں تڑتڑ شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ خاور کی آنکھیں اوپر کہیں جمی تھیں۔ جسم سے نالیاں لگی تھیں اور وجود میں ذرا سی جنبش بھی نہ ہوتی تھی۔ سوائے پلکیں جھپکنے کے۔

"اب تک میں تم سے غصے میں تھا۔ ناراض تھا۔ سوچتا تھا' کیا اتنی نفرت تھی تمہیں میرے باپ سے کہ ان کو مار ہی ڈالا؟ مگر اب میں ناراض نہیں ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں اب سمجھنے لگا ہوں۔ تمہیں بھی اور خود کو بھی۔ اپنے ہاتھوں سے ایک محبوب انسان کو مارنے کے بعد مجھے لگنے لگا ہے کہ قتل صرف نفرت اور دشمنی میں نہیں کیے جاتے۔ محبت میں بھی ہو جاتے ہیں۔ مجبوری لے ڈوبتی ہے۔ شاید تمہیں میرے باپ سے کوئی نفرت نہ ہو' شاید تمہاری مجبوری ہو مگر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اب تمہیں سمجھ سکتا ہوں۔"

وہ اداسی سے کہہ رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔ خاور اسی طرح ایک طرف دیکھے گیا۔

"مجھے آج کہنے دو کہ میں تمہیں مس کرتا ہوں۔ تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ تمہارے جانے کے بعد ہر چیز میرے لئے خراب ہونے لگی ہے۔ سب بگڑ رہا ہے۔ مگر میں آخری دم تک لڑوں گا لیکن مجھے کہنے دو کہ کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا' کاش تم میرے ساتھ ہوتے ان دنوں۔

کاش تم نے میرے باپ کو نہ مارا ہوتا۔" پھر وہ آگے ہوا' اور قریب سے اس کو دیکھا۔ "کیا واقعی تم نے ڈیڈ کو مارا تھا؟" اس کی آواز میں ایک شبہ سا تھا۔ ایک شک۔ ہیجان۔ خاور دوسری جانب دیکھتا رہا۔ وہ اٹھا اور گھوم کر اس کی وہیل چیئر کے سامنے آیا' دونوں ہاتھ وہیل چیئر کے بازوؤں پہ رکھے' اور اضطراب سے اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا جو کہیں اور دیکھ رہی تھیں۔

"اور اگر تم نے ہی ان کو مارا تھا تو کس کے کہنے پہ؟ کیا میری..." آواز کانپی۔ "میری ماں کے کہنے پہ؟ ہاں' بتاؤ مجھے۔" اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی' اور وہ تڑپنے کے سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ "مجھے بتاؤ پلیز' کیا میری ماں نے میرے باپ کو مارا ہے؟ میں وجہ نہیں پوچھتا۔ صرف ہاں یا ناں پوچھ رہا ہوں کیونکہ میں..." وہ سیدھا کھڑا ہوا اور پیشانی تکان سے مسلی۔ "میں دو دن سے اس کشمکش میں ہوں کہ میری ماں اس وقت صرف کور اپ کر رہی ہے' یا وہ واقعی بے قصور ہے۔ اور میرا دل دونوں باتوں کو نہیں مانتا۔"

"مگر ایک بات میں جانتا ہوں کہ... شاید اب میں ممی کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں تمہیں بھی سمجھ سکتا ہوں۔ اپنے ہاتھ سے پہلی جان لی ہے میں نے' اور بہت کچھ کھو دیا ہے۔ اگر یہ سچ ہوا نا خاور... اگر واقعی ممی نے یہ سب کیا ہے' تو میں... میں ان سے راستہ الگ کر لوں گا۔ ان کو چھوڑ دوں گا۔ ان سے محبت کرنا ترک نہیں کر سکتا لیکن۔ اور ہاں' ان کو ہر حال میں سمجھتا ہوں گا۔ قتل مجبوری میں ہوتے ہیں۔ شاید ان کی بھی کوئی مجبوری ہو۔" پھر وہ تلخی سے ہنسا۔ "چند ماہ پہلے تک میں ایسا نہیں تھا۔ اب میں بدلتا جا رہا ہوں۔ میں بے حس ہوتا جا رہا ہوں۔ لیکن شاید یہ سعدی کی کوئی نئی گیم ہے۔ اگر ممی انوالوڈ ہوتیں تو ہم دونوں کو صاحبزادی بیگم کے ملازم کا بیان نہ سناتیں۔ اس بات کو چھپاتیں۔ وہ بے قصور ہیں' اسی لئے تو..." اس نے سر جھٹکا۔ "کیا تم مجھے سن رہے ہو؟" اس نے امید سے پکارا' یاس سے پکارا۔ مگر دوسری طرف وہی خاموشی تھی۔

"شاید تم سن نہیں سکتے۔ تمہاری سماعت متاثر ہوئی ہے۔ مگر اچھا لگا تم سے بات کر کے۔" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے' ایک آخری نظر اس پہ ڈالتا' مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ خاور نے آنکھوں کا رخ پھیر کر دروازے کو دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا' نہ روش وہ ابرِ بہار کی
جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاج بادِ صبا گیا

کالونی کے بنگلوں کی بتیاں رات میں جلتی ہوئی بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ حبس اور گرمی کے بعد بارش نے سارے میں رونق بخش دی تھی۔ کچھ لوگوں کے گھروں میں بنتے ہوں گے پکوڑے اور چپس' مگر مور چال میں حسین پینٹ کی بُو ہی پھیلائے بیٹھی تھی۔ سارا گھر اس سے بیزار تھا' مگر چونکہ وہ اپنا ہیرو خود تھی تو اس کا دماغ عرصے سے آسمان سے اترنا بھول گیا تھا۔ فارس اس ساری چخ چخ جو ندرت' حنہ اور حسینہ کے درمیان جاری تھی' سے تنگ آ کر اوپر ٹیرس پہ آ بیٹھا تھا۔ موسم خوشگوار تھا اور ٹھنڈی ہوا بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھے' آنکھیں بند کیے' ٹیک لگا کر بیٹھا' خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

"Knok knockl" آواز پہ چونک کر آنکھیں کھولیں۔ زمر اس کے سر پہ کھڑی تھی۔ سبز رنگ کے لباس میں' گھنگریالے بال آدھے

باندھے وہ کھلی کھلی سی لگ رہی تھی، ساتھ میں بھاپ اڑاتی چائے کا مگ بھی بڑھا رکھا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تھینک یو۔'' اور مگ لے لیا۔ وہ اس کے ساتھ کرسی پہ آ بیٹھی یوں کہ اس کی طرف گھومی ہوئی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''ہوں؟ کچھ نہیں۔'' فارس نے سر جھٹکا۔ اور مگ ہونٹوں سے لگایا۔

''اور میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ سوچو بھی نہیں۔'' وہ چونکا۔ ''کیوں؟''

زمر کی اس پہ جمی بھوری آنکھوں میں فکرمندی دکھائی دیتی تھی۔ ''تم خود کو مت پریشان کرو۔ مت تھکاؤ۔ گلٹی فیل مت کرو۔ آبدار کے ساتھ جو ہوا اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ فارس ہلکا سا مسکرایا۔

''پھر کس کا قصور ہے؟''

''ہاشم کا۔ اس کے باپ کا۔ وہ لوگ ذمہ دار ہیں۔ تم نہیں۔''

''مگر میں نے اس کو استعمال کیا تھا زمر، یہ سوچے بغیر کہ وہ مشکل میں پڑ سکتی ہے۔''

''تم نے سری لنکا تک اس کو استعمال کیا تھا، وہاں تو وہ مشکل میں نہیں پڑی نا؟ جس مشکل میں تمہارا ہاتھ نہیں، تمہاری نیت نہیں، اس کے لئے دل بھاری مت کرو۔''

''اچھا۔ کوشش کروں گا۔'' وہ زخمی سا مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

''اور یہ سب مت سوچو جو سوچ رہے ہو۔ اور میں جانتی ہوں کہ کیا سوچ رہے ہو۔ تم ضبط کیے بیٹھے ہو۔ اور چاہتے ہو ایک ہی وقت میں جا کر ان سب کو مار ڈالو۔ آبدار اور میرے ساتھ جو ہوا اس رات اس کے ذمہ داروں کو سزا دینے کا مت سوچو فارس۔'' وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ چپ چاپ چائے پیتے سنے گیا۔ ''میں جانتی ہوں تم فرسٹریٹڈ ہو۔ بہت چپ رہنے لگے ہو۔ تمہیں یہ ساری بھڑاس ان لوگوں پہ نکالنی ہے، مگر میں چاہتی ہوں تم درگزر کر جاؤ۔ معاف کر دو۔ نہیں تو صبر کر لو۔ ہمارا کیس عدالت میں ہے۔ ہمیں وہ جیتنے دو۔ اور پھر میں تو ٹھیک ہوں بالکل۔''

''تم ٹھیک ہونا؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''ہوں۔'' اس نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اس وقت نہیں تھی۔ شاک میں تھی۔ شل تھی، مگر اب ٹھیک ہوں۔ وعدہ کرو تم کچھ نہیں کرو گے ان کے خلاف؟''

''اوکے۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے آخری گھونٹ پیا اور کپ اسے تھما دیا۔ زمر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اتنی شریفانہ شکل بنا کر جب حکم مانتے ہو تو مجھے پتہ نہیں کیوں یقین نہیں آتا۔''

''تمہاری سوچ ہی خراب ہے۔''

"اور تمہاری نیت۔"

"اُف۔" وہ کراہا۔ "اچھا بھلا میں تیسری شادی کرنے کے قابل ہو رہا تھا' اب پچھتا رہا ہوں کہ کیوں بچانے گیا تمہیں۔"

"تمہیں سچ میں تیسری شادی کا اتنا شوق ہے یا صرف میرے سامنے بنتے ہو؟"

"تم کہتی ہو تو تجربہ کر کے دکھا دوں تمہیں؟"

"ہونہہ!" وہ ناک سکوڑ کر سیدھی ہوئی اور ٹیک لگا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ نیچے سے حسین اور ندرت کی بحث کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"میں سوچ رہا ہوں' ہم نیا گھر لے لیں۔"

"پھپھو نئی کا گھر چھوڑ دو گے تم؟" زمر کو یقین نہیں آیا۔

"بی بی یہ پھپھو نئی کا گھر نہیں ہے۔ یہ پورا اجڑا گھر ہے۔" تڑپ کر جیسے وہ بولا تھا۔ وہ ایک دم ہنسنے لگی۔

"میں سنجیدہ ہوں۔ چلو اب ہم اپنا گھر لیتے ہیں۔ جہاں ہم سکون سے رہ سکیں۔ ہر وقت یہ سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں جہاں اور ہر دوسرے دن کدو گوشت نہ بنا کرے۔"

"تم اتنا تنگ ہو میرے گھر والوں سے؟" وہ خفا ہوئی۔

"میں اس سے بھی زیادہ تنگ ہوں۔" وہ سخت اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ "مجھے تو یہاں کوئی اپنا سمجھتا ہی نہیں ہے۔"

"میں تو سمجھتی ہوں نا۔ اچھا واقعی... میں تمہیں سمجھنے بھی لگی ہوں۔ سنو' پھر سے بتانا' تمہیں واقعی نہیں معلوم تھا کہ قانونِ شہادت میں ایسا آرٹیکل بھی ہے۔ جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا!"

"بیڑہ غرق ہو قانونِ شہادت کا۔ یہ ہماری ہر بات میں کیوں آ جاتا ہے۔"

اور وہ ہنستی چلی گئی۔ "میں اس کا جواب تمہیں نہیں دوں گی مگر میں صحیح تھی۔ تمہیں واقعی اس آرٹیکل کا نہیں علم تھا۔ کاش تم نے کلاس میں مجھے دیکھنے کے سوا بھی کچھ کیا ہوتا۔"

"کیوں نہیں کیا تھا؟ دو لڑکیاں بہت پسند تھیں مجھے۔ ایک کا نام رباب تھا' اس کے گھر کا پتہ تک یاد ہے مجھے۔ اور دوسری...." اور جواب میں وہ خفگی سے کچھ کہنے لگی تھی۔ مگر وہ اثر لیے بغیر ٹیک لگا کر بیٹھا' پاؤں میز پہ رکھے بولے جا رہا تھا۔ اس پانی کی ساری تلخی اور تکلیف بالآخر دھل گئی تھی اور وہ پہلے جیسا ہو کر پہلے جیسی باتیں کرنے لگا تھا۔

وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

زمر کے خیال میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ڈیئر علیشا کاردار'

تمہارا خط ڈھائی سال پہلے مجھے ملا تھا۔ مگر جواب لکھنے آج بیٹھی ہوں۔)

عدالت اور موسم' دونوں پہ گرما گرمی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا' ریت کی طرح انگلیوں سے پھسل رہا تھا' آبشار کے پانی کی طرح پتھروں سے سر پٹخ رہا تھا.....

(دراصل علیشا ان ڈھائی سالوں میں بہت کچھ بدلا ہے۔ اور میں نے جان لیا ہے کہ تم غلط تھیں۔)

کمرہ عدالت میں کٹہرے میں جواہرات کھڑی تھی اور زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ 21 مئی کو نوشیرواں پاکستان میں ہی تھا' مگر اس کو دیکھنے والے تمام ملازم آپ نے چند دنوں میں فارغ کر دیے تھے؟''

''ملازم دوسری وجوہات پہ فارغ کیے تھے' سب کے ٹرمینیشن لیٹرز کی کاپیز میں آج ہی جمع کروائے دیتی ہوں۔'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔

''نوشیرواں دبئی میں تھا' اور آپ کی اس شادی کے بعد ہی چلا گیا تھا جس کو کروانے کے لئے آپ نے میری منت کی تھی' زمر صاحبہ!''

''شادی کے بارے میں آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے مسز کاردار' آپ پہ تو ویسے بھی آج کل اپنے ہی شوہر کو قتل کروانے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔'' وہ بھی تپانے والی مسکراہٹ سے بولی۔ ہاشم کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔ دھاڑ سے وہ ''آبجیکشن'' بولتا اٹھا۔

''وِدڈران!'' (واپس لیا۔) زمر نے سادگی سے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ جواہرات نے تلخ مسکراہٹ سے سر جھٹکا تھا.....

(میں نے یہ بھی جان لیا ہے علیشا کہ صرف میرے اندر دو بھیڑیے نہیں ہیں نیکی اور بدی کے۔ یہ ہر شخص کے اندر ہوتے ہیں۔ ہر شخص گلٹی ہے۔ لیکن تمہاری طرح میں اب دوسروں کو جج کر کے ان کو گلٹ میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ کتنا بہتر ہوتا اگر تم اپنے اعمال پہ زیادہ غور کرتیں بجائے میری فکر کرنے کے۔)

لیبارٹری میں کھڑا ڈاکٹر نوازش تکان سے اپنا بیگ سمیٹ رہا تھا۔ چیزیں الٹ پلٹ کرتے اس نے اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا۔ چند پیغام تھے۔ ان کو پڑھنے وہ کھڑا ہو گیا۔ تب ہی اچانک سے لیب کی بتی بند ہو گئی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ادھر ادھر دیکھا' مگر اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' پیچھے سے کسی نے اس کو دھکا دیا تھا۔ موبائل پھسلا اور خود وہ نیچے لڑھکا۔ پھر یکایک بوکھلا کر سر اٹھایا۔ اس کے ساتھ دو جوگرز آ رکے تھے۔ اس نے حیران نظریں اٹھائیں۔ اوپر جینز اور سرمئی شرٹ پہنے' آستین چڑھائے' چھوٹے کٹے بالوں والا فارس غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

''کون ہو؟ اندر کیسے آئے؟'' مگر فارس جواب دینے کی بجائے جھکا' اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا' اور اس کا چہرہ اپنی سرخ آنکھوں کے قریب لے جا کر غرایا۔

''آبدار عبید کا پوسٹ مارٹم تم نے کیا تھا؟''

"کون.....آپ دا....." وہ ہکلایا مگر بات مکمل نہیں ہوئی۔ فارس نے اسے میز پہ یوں دھکیلا کہ بہت سا سامان' شیشے کی بوتلیں' فلاسک وغیرہ نیچے گرتی گئیں۔ ہر طرح ٹوٹتے کانچ کی آوازیں اور کرچیاں بکھر گئی تھیں۔ ڈاکٹر کا سر پھٹ گیا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔

"یادداشت آئی ہے واپس تو اب بتاؤ۔" اسے گدی سے پکڑ کر اٹھایا اور کھڑا کیا۔

"کیا کیا لکھنا بھول گئے تھے اس کی رپورٹ میں؟"

"بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔" وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ چہرے پہ خوف و ہراس تھا اور ماتھے سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ "اس کے جسم پہ تشدد کے نشان تھے۔ بازو' ہاتھ اور گردن پہ۔ اور پھیپھڑوں سے ملنے والا fluid کسی جھیل یا..... یا سمندر کا نہیں تھا' اگر ہوتا تو اس میں diatoms....."

"کس کے کہنے پہ بنائی تھی رپورٹ؟ بتاؤ!" وہ غرایا تو اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتا ادھ موا سا ڈاکٹر کانپ اٹھا۔ "ڈاکٹر آفتاب واسطی' ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ!"

آئندہ.....تم کسی کی بھی رپورٹ بنانے کے قابل نہیں رہو گے۔" اور یہ کہہ کر اس نے اس کے دائیں ہاتھ کو مروڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ عجیب سی آواز آئی اور ڈاکٹر کی چیخیں نکل گئیں۔ فارس نے نفرت سے اسے پرے پھینکا' اور دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر مڑا اور بڑی میز کو دھکیلتے ہوئے' سامان سمیت اس کے اوپر گرا دیا۔ ایک کرسی کو ٹھوکر ماری اور پھر نفرت سے اسے دیکھتا باہر نکل گیا......

(تم جیسے لوگ علیشا خود تو ناکام اور تلخ ہوتے ہی ہیں مگر دوسروں کو ہر وقت عقابی آنکھ تلے رکھتے ہیں۔ اصل میں کچھ لوگوں کو بڑا دکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ ان کو اپنے دوستوں کے سامنے بڑا لگنے کے لیے دوستوں پہ جا بجا تنقید کی عادت پڑ جاتی ہے۔)

کمرہ عدالت میں سب دلچسپی اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑی شہرین کو سن رہے تھے جو ڈھٹائی سے کہہ رہی تھی۔ "میرے علم میں نوشیرواں کے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اسے کبھی گلاک کا یہ ماڈل چلاتے دیکھا ہے۔"

"مگر کیا اس دن آپ میرے اور فارس کے پاس نہیں آئی تھیں یہ کہنے کہ ہم آپ کو کیا دیں گے اگر آپ اس گن کا لائسنس ڈھونڈ دیں ہمیں؟" زمر سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ صریح بہتان ہے۔ میں آپ کے گھر کبھی نہیں آئی۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

(اور اگر تم جیسوں کا کوئی دوست میرے جیسا ہو جس کا دل ایسا ہی حساس ہو تو وہ تم نقاد دوستوں کی باتوں کو دل سے لگا کر ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ تم جیسے لوگ دوستوں کی سب سے بری قسم سے تعلق رکھتے ہو۔)

دفاع کی کرسیوں پہ موجود ہاشم کا موبائل بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ بلاکڈ نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔ "اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ ہنڈ سے لکھ کر ٹویٹ کر دو۔ میں سمجھ جاؤں گا۔" ہاشم نے ٹوئیٹر کھولا اور "پر امید" کے نیچے وہی ہنڈ سے لکھ کر ٹویٹ کر دی۔ پھر مسکرا کے فون جیب میں رکھا' ذرا سا مڑا تو پیچھے گول چشمے والا آدمی اپنا موبائل دیکھ رہا تھا۔

ہاشم مسکرا کے سیدھا ہوا اور نوشیرواں کی طرف جھکا۔ "تم بے فکر رہو۔ سعدی یوسف کے دوسرے دشمن ہم سے زیادہ اس خاندان کی تباہی کے خواہشمند ہیں۔" شیرو خاموش رہا تھا۔

(میں اس امت سے تعلق رکھتی ہوں علیشا' جس کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو برے حلیے میں دیکھا تو خود کچھ نہیں کہا مگر اس کے جانے کے بعد صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس کو کہہ دیتے تو اچھا تھا۔ مگر ساری بات یہ ہے کہ انہوں نے خود کچھ بھی کہنے سے حیا کی۔ ہمارا اللہ ہمیں حیا سکھاتا ہے۔ یہ خود کو صاف گو اور منہ پھٹ کہنے والے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اچھے دوست نہیں بن سکتے اور اپنی بدکلامی کی وجہ سے آخر میں اکیلے رہ جائیں گے۔)

مور چال گرمی بھری رات میں ڈوبا تھا' اور سرونٹ کوارٹر میں بیٹھا صداقت افسوس سے سامنے بیٹھی حسینہ کو کہہ رہا تھا۔ "مجھے بڑا ارمان لگا کہ فارس بھائی اس دن ہم پہ شک کر رہے تھے۔ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"اصل میں' میں نے جو بول دیا کہ تم لائے ہو تو وہ اس لئے شک کرنے لگے۔" وہ جلدی سے بولی۔ وہ چونکا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ یہ تمہاری امی جی نے تمہیں تحفے میں دیا ہے۔"

"ایسے ہی بتاتی؟ نظر لگ جاتی ہے۔"

(سچے لوگ بدکلام نہیں ہوتے اور منہ پھٹ اور تلخ کلام لوگ سچے نہیں ہوتے۔ منافقین کہتے تھے' محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ حالانکہ جو بات وہ کہہ رہے تھے وہ تو سچ تھی۔ مگر وہ جھوٹے اس لیے تھے کہ ان کا دل اس کی گواہی نہیں دیتا تھا۔)

رات مزید گہری ہوئی تو وہ سرونٹ کوارٹر سے نکل کر' سبک سبک چلتی چار دیواری کی پچھلی سمت جانے لگی۔ یہاں کونے میں ایک بڑا سا درخت تھا۔ وہ کسی بلی کی طرح اس پہ چڑھی اور پھر چڑھتی گئی' دیوار تک پہنچی' پھر وہاں سے دوسری طرف پھلانگ گئی۔ سامنے اندھیرے میں وہ شخص کھڑا تھا' اور اس نے سرخ سا مفلر چہرے پہ لپیٹ رکھا تھا۔

"اب اور کیا کرنا ہے مجھے؟ بہت مشکل سے آئی ہوں۔ اگر میرے مالکوں کو معلوم ہو گیا نا تو میری جان لے لیں گے....."

"بس.... ایک آخری کام!" وہ آہستہ سے بولا تھا اور پھر دھیمی آواز میں اس کو کچھ سمجھانے لگا تھا۔

(سچے لوگ وہ ہوتے ہیں جو وہ کہیں جس کی گواہی ان کا دل دے۔ اور آپ کا دل جب آپ کو بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے سے آپ کے دوست کا دل دکھ جائے گا اور آپ پھر بھی اسے کہہ ڈالیں تو آپ نے سچ نہیں کہا۔ آپ نے بدکلامی کی۔)

کمپیوٹر اسکرین روشن تھی اور سعدی اور حنین اس کے سامنے پورے انہماک سے بیٹھے تھے۔ حنہ ساتھ ساتھ ٹائپ بھی کیے جا رہی تھی۔

"مزے کی بات یہ ہے کہ پی ایم ڈی سی نے سارے پاکستان کے ڈاکٹرز کا ڈیٹا اپنی ویب سائٹ پہ ڈال رکھا ہے۔ معمولی سی ہیکنگ اور یہ دیکھیں...." حنہ مزے سے کہہ رہی تھی۔ "میرا فیشل ریکوگنیشن سافٹ ویئر اپنا کام چند منٹ میں کر لے گا اور اگر ڈاکٹر مایا کی شکل کی کوئی

لڑکی یہاں ہوئی تو وہ نکل آئے گی۔''

''ویری گڈ جاب' ہیڈ گرل!'' اس نے حنہ کا شانہ تھپکا تھا۔ وہ مسکرا کر اور سعدی فکرمندی سے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

(اور علیشا انسان کو ایسا دوست نہیں بننا چاہیے جو اپنے دوست کو صرف اس لیے خط لکھے کہ جب وہ خود جیل میں اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچا ہے تو دوسرے کو بھی کہنے لگے کہ حنین تم بھی کچھ برا ضرور کرو گی۔ یہ دوسروں کے بارے میں فتوے پتہ نہیں تم جیسے دوست کیوں دے لیتے ہیں جن کو اپنے کل کا نہیں پتہ ہوتا۔)

سرخ نشان ابھرا تو حنین اور سعدی' دونوں کے منہ کھل گئے۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ مایوسی سی سارے میں پھیل گئی تھی۔ ''یعنی مایا پاکستان میں رجسٹرڈ ہی نہیں ہے۔ اسے کسی اور ملک سے بلوایا گیا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''یعنی اب ہمارے پاس اور کوئی گواہ نہیں ہے۔ اب بند کر دو ان کی ویب سائٹ۔''

''ارے واہ۔ ایسے ہی بند کر دوں؟ تھوڑی سی editing تو کرنے دیں۔'' اس کی آنکھیں چمکیں اور اس نے کی بورڈ سنبھال لیا۔ سعدی حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کاؤنسل کا 'اباؤٹ' سیکشن ایڈیٹ کر رہی تھی۔

''ہم سے ملیے۔ ہم ہیں پاکستان مینٹل اینڈ ڈپریسڈ کمیونٹی۔ ہم نے صرف پرائیوٹ میڈیکل کالجز کو کھلی چھٹی دے کر بچوں کا بیڑہ غرق نہیں کیا' بلکہ ہم نے انٹری ٹیسٹ کے نام پہ دنیا کا سب سے منافع بخش کاروبار بھی شروع کر رکھا ہے۔ آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ انٹری ٹیسٹ کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے' جس کو ہم اس لیے ختم نہیں کر رہے کیونکہ ہمارے بہت سے دوست اور رشتہ دار انٹری ٹیسٹ پر مپ کی اکیڈمیاں چلا کر ہر سیزن میں اربوں روپے بنا لیتے ہیں۔ ورنہ باقی اس کا صرف ایک مقصد ہے۔ اٹھارہ انیس سال کے بچوں کے ذہن کو مفلوج کرنا۔ ان کو خوفزدہ کرنا۔ میٹرک سے ان کے ذہن پہ سوار کر دینا کہ انہوں نے تعلیم نہیں حاصل کرنی بلکہ ایک ہزار سے اوپر نمبر لینے ہیں۔ اور وہ بچے اپنے سینیئرز کو ان کے ناموں سے نہیں ''998 نمبر والا'' اور ''1021 نمبر والی'' جیسے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے پاس سیٹیں تھوڑی ہوتی ہیں' اور ہم ہزاروں بچوں کو کامیاب نہیں کرپاتے' تو ہمیں فخر ہے کہ جس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہ ہو' اس کو معاشرہ ''نالائق'' سمجھتا ہے۔ وہ بچہ کسی بھی فیلڈ میں چلا جائے' وہ اس احساسِ کمتری اور ڈپریشن میں رہتا ہے کہ اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ہوا اور ان ہزاروں ناکام بچوں کو' ہماری کوشش ہے کہ کبھی یہ نہ پتہ چلنے دیا جائے کہ انٹری ٹیسٹ پاس یا فیل کرنا اہم نہیں ہے۔ اس کی تیاری کرنا اور اس کو دے ڈالنا' یہی سب سے بڑی جدوجہد ہے جسے اگر آپ نے کر لیا ہے تو بھلے آپ کا میڈیکل میں ایڈمشن نہ ہو' آپ دنیا کی ہر اچھی فیلڈ میں کامیابی کے جھنڈے گاڑھ سکتے ہیں اگر آپ خود پہ اعتماد رکھیں۔ آپ نالائق نہیں تھے۔ یہ آپ کی حکومت کا ناانصافی پہ مبنی نظام تھا۔''

''بس کر دو حنہ۔ سائبر کرائم میں پکڑی جاؤ گی۔'' وہ اس کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ایویں!''

(علیشا تمہارے اس ایک خط نے مجھے ذہنی طور پہ بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔ دوستوں کو تم جیسا نہیں ہونا چاہیے۔ دوستوں کو دوستوں کی خامیاں نرمی اور پیار سے بتانی چاہئیں۔ اور خامی سے زیادہ ان کا حل بتانا چاہیے۔ ''تم پہ سیاہ رنگ بالکل سوٹ نہیں کر رہا'' کی بجائے ''تم پہ سیاہ سے زیادہ سبز سوٹ کرتا ہے۔'' کہہ دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔)

''پلیز گولی مت چلانا۔ میری بات سنو میں تمہیں سب سچ سچ بتا دوں گا۔'' وہ نیم اندھیر کمرہ تھا اور اوپر بلب جھول رہا تھا۔ نیچے ایک میز رکھی تھی جس کے سامنے کرسی پہ بندھا ہوا ڈاکٹر آفتاب پسینہ پسینہ ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کو ہتھکڑی سے بندھے اور گریبان کے دو بٹن کھلے تھے' کہنی سے شرٹ پھٹی تھی اور جلد چھلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ بال بکھرے تھے اور چہرے پہ خوف تھا۔

آستین چڑھائے کھڑے فارس نے پستول میز پہ رکھا' اور اس کے سامنے جا ٹھہرا۔ تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے' ایک جوتا اس کے گھٹنے پہ رکھا اور دبایا۔ گھٹنے پہ شاید کوئی زخم تھا جس سے خون رسنے لگا اور وہ کراہنے لگا۔

''رکو۔ پلیز میری بات سنو' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''میرے بھائی کی رپورٹ تم نے بنائی تھی نا۔ وہ اینٹی ڈپریسنٹ کھاتا تھا' یہ بھی لکھا تھا تم نے۔ اس کے جسم پہ تشدد کے نشان نہیں تھے' میرے جری بھائی نے خود کشی کی تھی' یہ سب لکھا تھا تم نے۔ آبدار کی رپورٹ بھی تم نے بنوائی ہے نا۔''

''میں نے ہاشم کے کہنے پہ....'' وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک ہی سانس میں سب کہتا گیا۔

''اور کس چیز سے جواہرات نے تمہیں مجبور کیا کہ تم اس کے شوہر کی رپورٹ بدلنے پہ مجبور ہو گئے؟'' ڈاکٹر آفتاب چپ ہو گیا تو اس نے پستول اٹھایا اور اس کے دوسرے گھٹنے کی طرف تان لیا۔ اس کا چہرہ اتنا سرد تھا' اور اتنی تپش لئے ہوئے تھا کہ ڈاکٹر کا سانس اٹکنے لگا۔

''میں بتاتا ہوں۔ طوبیٰ.... میری بیوی کی بیٹی تھی۔ میری بیوی اور اس کا بیٹا.... طوبیٰ کا بھائی.... نہیں جانتے کہ طوبیٰ نے میری وجہ سے خود کشی کی تھی۔ میں نے....'' وہ جلدی جلدی بتاتا گیا۔ اس عمر میں وہ ہڈیوں میں لگنے والی گولی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چپ ہوا تو فارس نے جوتا اٹھا لیا۔

''میں چاہتا تھا تمہارے بازو کی اس نس میں چھرا گھونپ دوں جو تمہاری انگلیوں کو سن کر دے گی' اور تم کبھی دوبارہ سرجری نہیں کر سکو گے' مگر نہیں۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے گریبان پہ اٹکا پین اتارا' اس کی کیپ کو پریس کیا اور اسے دکھایا۔ ''میں نے تمہاری طوبیٰ والی کہانی ریکارڈ کر لی ہے' اور میں اسے تمہاری بیوی اور اس کے بیٹے کو دے دوں گا۔ وہ دونوں خود فیصلہ کریں گے کہ انہیں تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔''

''نہیں....'' اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ ''ایسے مت کرو۔''

''یہ رہی تمہاری ہتھکڑی کی چابی۔'' اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی اور جب اس نے امید سے دیکھا تو فارس نے چابی اس کے قدموں میں گرا دی۔

''جب تک تم اپنی ہتھکڑی کھول کر آزاد ہو پاؤ گے' وہ یہ ویڈیو دیکھ چکے ہوں گے۔'' اور ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر بولا۔ ''الوداع۔'' بازو بڑھا

کر لیمپ کھینچا۔ بلب بجھ گیا۔ اب اس کے دور جاتے قدم سنائی دے رہے تھے.....

(جو دوست اپنی بات کا آغاز "سوری مجھے کہتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا مگر ایسا ہے کہ....." یا "دیکھو برا تو نہیں مانو گی ایک بات کہوں" کی طرح کے فقروں سے کرتے ہیں' وہی سب سے برے دوست ہوتے ہیں۔ ایسی بات کہی ہی کیوں جائے جس سے دوست برا مانے؟ بلکہ کیوں نہ بری لگنے والی باتیں بھی اچھے انداز میں کی جائیں؟ اللہ کے رسول ﷺ تو کسی کو کچھ کہنے سے پہلے "برا تو نہیں مانو گے؟" نہیں پوچھا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ دوسرے کی مدد کرنا چاہتے تھے' اسے شرمندہ کرنا نہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہی نہیں تھے جس سے کوئی برا فیل کرے بلکہ اسے حل بتاتے تھے۔)

"گواہوں کے بیانات اور شواہد سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے یور آنر کہ....." زمر چبوترے کے سامنے کھڑی' دونوں ہاتھوں میں قلم کو گھماتی بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ "کہ ملزم نوشیرواں کاردار نے میرے موکل سے ذاتی عناد کے باعث پہلے اس کا پیچھا کیا' پھر اس کو تنہا پا کر اسے گولیاں ماریں۔ پھر بھی اس کی جان نہیں گئی تو اسے ہسپتال سے اغوا کرا لیا۔ اور ملک سے باہر بھیج دیا۔ ملزم کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر یہ یقین کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے کہ یہ سب اس کے لئے بہت آسان تھا۔ میرے موکل کو قید میں نو ماہ شدید اذیتیں دی گئیں اور اب تک ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ نہ صرف ملزم کو مجرم قرار دیا جانا چاہیے بلکہ اس کو سزائے موت بھی سنائی جائے۔" اور ذرا ٹھہر کر وہ سرد آواز میں بولی۔

"Prosecution pleads for death penalty"

(اور دوستوں کو میری طرح بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اسکول کالج میں کوئی دوست' یا انٹرنیٹ پہ کوئی فرینڈ بات بات پہ صاف گوئی کی آڑ میں ہمیں طنز کا نشانہ بناتا ہو' اور ہم اس کی باتیں سن کر دکھی پہ دکھی ہوتے چلے جائیں' یہ بھی درست نہیں۔)

اسکول کے آڈیٹوریم میں عجیب ہنگامہ سا مچا تھا۔ جہاں چند منٹ پہلے بچے اسٹیج پہ پرفارم کر رہے تھے' وہاں اب وہ سہم کر ایک طرف کھڑے تھے' اور انہی میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑی سونی بھی تھی۔ پروجیکٹر اسکرین پہ ایک ویڈیو چل رہی تھی جس میں شہرین کارڈز کھیلتی اور پیسے ہارتی نظر آ رہی تھی۔ ڈی جے پاگلوں کی طرح کیز دبا رہا تھا' کسی طرح اس ویڈیو کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اسٹاپ نہیں ہو رہی تھی۔ انتظامیہ ندامت سے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی اور حاضرین میں کھڑی شہرین کا چہرہ مارے خفت کے سرخ پڑ رہا تھا۔ والدین مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے' چہ مگوئیاں کر رہے تھے' اور ساتھ کھڑی جواہرات تلخی سے بڑبڑا رہی تھی۔ "آج کے بعد تم سونی کے دو فٹ قریب بھی نہیں آؤ گی۔ ایک تو ندامت بولنا۔ تم قابل حقارت عورت ہو۔ اس قابل نہیں ہو کہ اس بچی کی پرورش کر سکو۔ ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ سونی کو گھر میں لے جاؤں گی۔" اور شہری نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا پرس اٹھایا تھا۔

(میں نے جان لیا ہے علیشا کہ انسان کو رشتے دار چننے کا اختیار بھلے نہ ہو مگر دوست چننے کا ضرور ہوتا ہے۔ اور ایسے دوستوں سے انسان کو خود ہی دور ہو جانا چاہیے جو بات بہ بات آپ کو اپنی تلخی کا نشانہ بناتے ہوں۔)

"میں اس کی گارجین اینجل ہوں' پتہ ہے آپ کو مادام شہرین!" شہری خفت سے چہرہ جھکائے' پرس ماتھے پہ رکھے تیز تیز باہر چلتی جا رہی تھی جب آڈیٹوریم کے باہر سے کسی نے اسے پکارا۔ وہ ٹھٹک کر مڑی۔ حنین کو دیکھا تو بے اختیار پرس والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا اور پھر بے یقینی در آئی۔ "تم نے کیا ہے یہ؟"

"میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ ہر بری گھڑی میں میں فارس غازی کے ساتھ کیوں ہوتی ہوں؟" وہ سینے پہ بازو لپیٹے' اپنا ٹیبلیٹ ایک ہاتھ میں پکڑے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ "جب وارث ماموں کو مارا گیا تب میں ان کے ساتھ تھی۔ جب زرتاشہ کو گولی لگی تو وہ میرے ساتھ ہوٹل میں تھے۔ جس قمر الدین کے قتل کا الزام لگا ان پہ' اس کے قتل کے وقت اس صبح بھی وہ میرے ساتھ تھے۔ پھر اس رات جب تم نے اور تمہارے سائیکو شوہر نے زمر کو مارنا چاہا' تب بھی میں فارس غازی کے ساتھ تھی۔ پتہ ہے کیوں؟" وہ دو قدم قریب آئی۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کیونکہ میں فارس غازی کی گارجین اینجل ہوں۔ اور میرا کام ہے ان کے راستے کی چھوٹی موٹی جڑی بوٹیوں کو صاف کرنا۔" اور وہ آگے بڑھ گئی۔ شہری مارے غصے کے پیر پٹخ کر رہ گئی مگر اس کے پیچھے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہیں سے سارے والدین نکل کر آ رہے تھے۔

(اور علیشا میں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو تبدیل نہیں کر سکتے' صرف ان کو بدل سکتے ہیں۔ ہم ان کا رویہ اور ان کی عادات نہیں تبدیل کروا سکتے ان سے۔ اس لیے دوست بدل لینا زیادہ بہتر ہے ہر وقت کی دل آزاری سے۔)

"یور آنر مسز زمر کے افسانوں کے برعکس....." ہاشم اب چبوترے کے سامنے دائیں سے بائیں چلتا' ہاتھ ہلا ہلا کر متانت سے کہہ رہا تھا۔ "اس کیس میں فی الحال تک صرف یہی بات ثابت ہو پائی ہے کہ سعدی یوسف کو کسی نے اغوا نہیں کیا تھا۔ وہ واقعی زخمی ہوا تھا' اور یہ اس کے ساتھ زیادتی تھی' ہم بھی چاہتے ہیں کہ اس کے مجرم نیاز بیگ کو' جو جرم قبول کر چکا ہے واقعی سزا ملنی چاہیے۔ مگر انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس gold-digger لڑکے نے اپنی زخمی حالت کا ناجائز فائدہ اٹھایا' اور شوال میں مقیم اپنے دہشت گرد سہولت کاروں سے کہلوا کر خود کو خود غائب کروایا۔ ہر گواہ چیخ چیخ کر بتا چکا ہے کہ سعدی یوسف کی سرگرمیاں مشکوک تھیں اور وہ شرپسند عناصر کے ساتھ میل جول رکھتا تھا۔ اب چونکہ وہ واپس آ چکا ہے تو اپنے اتنے مہینوں کی گمشدگی کو کور اپ کرنے کے لئے اس نے ایک امیر خاندان کو نشانہ بنایا۔ تاکہ کیس کے دوران وہ خاندان سیٹل منٹ کے نام پہ اس کو بھاری رقم ادا کر دے اور تیسرے فریقین کے ذریعے بارہا اس نے کیس سیٹل کرنے' اور پیسے لینے کا عندیہ بھی ظاہر کیا' مگر ہم نے ٹھان لی تھی کہ پیسے نہیں دیں گے' بلکہ انصاف لیں گے اور....." اس کی آواز عدالت میں گونج رہی تھی اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔

(میں یہ نہیں کہتی کہ دوستوں کو ان کی خامیوں سے آگاہ ہی نہ کیا جائے بلکہ ان کی ہر وقت جھوٹی تعریفیں کی جائیں۔ میں صرف یہ کہتی ہوں علیشا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا مگر جب وہ سچ بول کر بھی اپنے ساتھیوں کا دل نہیں دکھاتے تھے تو ہمارے سچ ہمارے دوستوں کو آزردہ کیوں کر دیتے ہیں؟ ہم سچ بولنے سے پہلے "برا نہ ماننا" کہہ کر کیوں اقرار کرتے ہیں کہ بات برا ماننے والی ہی

ہے؟)

قصرِ کاردار کی عقبی بالکونی میں ہاشم کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ سامنے دور پہاڑوں پہ سورج غروب ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، شرٹ کے آستین موڑے، مغموم سے انداز میں اس نارنجی تھال کو دیکھ رہا تھا جو بس کسی پل لگتا تھا زمین پہ الٹ جائے گا، مگر بادل اس کو سنبھالے ہوئے تھے۔ سہارا دیے ہوئے تھے۔

"تم نے شہری کو بے دخل کر کے اچھا کیا۔ اس کی وجہ سے سونی کی بہت انسلٹ ہوئی۔ سونیا تب سے ڈپریشن میں ہے۔" ساتھ بیٹھی جواہرات کہہ رہی تھی۔

"ہوں۔" ان نے ہنکارا ابھرا۔ نظریں ڈوبتے سورج پہ جمی تھیں۔ "سونی کو اس کی ماں کے غلط کاموں کی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتا میں۔ ایسی ماں کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہیے جو اولاد کی پرواہ کیے بغیر اتنے غلط کام کرتی رہی ہو۔"

جواہرات کا دل زور سے دھڑکا مگر بظاہر مسکرائے گئی۔ "صحیح کیا۔ ہر ماں تمہاری ماں جیسی نہیں ہوتی جو اولاد کے لئے ہر شے قربان کر دے۔"

ہاشم نے نظریں پھیر کر اجنبی سے انداز میں اسے دیکھا۔ "ہمارے لئے کیا آپ کو کچھ بہت مشکل کام بھی کرنے پڑے تھے؟" اور وہ جان گئی کہ وہ جان گیا ہے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بہت مشکل کام ہاشم۔ بہت ہولناک کام۔" ہاشم اسے دیکھتا رہا۔ گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی صاف دکھائی دی۔

"اور ایسے کام کرتے وقت کیا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا آپ کے پاس تب شاید..... آپ وہ نہ کرتیں؟"

"دوسرے راستوں میں میرے بیٹوں کی تباہی تھی۔ میں نے بیٹوں کو چنا۔" اس کی آنکھ سے آنسو ٹپ سے گرا تھا۔ دونوں ایک دوسرے پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔ سانس بندھے تھے۔ ایک دوسرے کو کھوجنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اور کیا آپ نے سوچا کہ آپ کے کسی ایسے قدم سے..... ہولناک قدم سے..... آپ کے بیٹوں کو کتنی تکلیف ہو سکتی ہے؟"

"تکلیف کا علم تھا، مگر تباہی سے بچانے کے لئے ذرا سی تکلیف دینا بہتر تھا۔"

(میں چاہتی ہوں کہ ہم دوسروں سے ایسی دوستی کریں کہ ہمارے دوستوں کو ہمارے منہ کھلتے دیکھ کر ڈر نہ لگا کرے کہ ابھی ان کی زبان سے کچھ ایسا کہا جائے گا جس پہ میرا دل برا ہو جائے گا۔ عجیب بات ہے مگر ان صاف گو منہ پھٹ دوستوں کے اپنے بارے میں جب کچھ کہا جائے تو آگ بگولہ ہو کر زمین آسمان ایک ہی کرتے ہیں۔)

"ذرا سی..... تکلیف؟" اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔ وہ بس دکھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ آپ کی اولاد کا دل اس ذرا سی تکلیف سے باہر اب تک نہ نکلا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بیٹے کے ہر تلخ فیصلے کے پیچھے آج بھی اسی تکلیف کا اثر سمایا ہو۔ پتہ نہیں اگر یہ "تکلیف" ایسی ہے تو "تباہی" کیسی ہو گی؟" پھر سر جھٹکا اور سامنے نظر آتے سورج کو دیکھنے لگا۔

"ٹرائل کا فیصلہ آجائے' پھر میں اور سونیا یہاں سے شفٹ کر جائیں گے۔ میں نے آفس کے قریب ایک گھر لیا ہے۔ جب تک ہمارا اپنا گھر تعمیر نہیں ہوتا' ہم وہیں رہیں گے۔"

جواہرات کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ "میں ..... تمہارا گھر دیکھنے آسکتی ہوں؟"

"نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا اور اندر چلا گیا۔ وہ دل مسوس کر بیٹھی رہ گئی۔

اندر ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل پہ دو کاغذات پڑے تھے۔ ایک اورنگزیب کی پوسٹ مارٹم رپورٹ جس میں موت کا وقت لکھا تھا۔ ایک اندازہ کہ اتنے سے اتنے بجے کے درمیان موت واقع ہوئی ہے اور دوسرا..... اس نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک ای میل تھی۔ جب اس رات جواہرات کمرے سے باہر آئی تھی تو اس نے ہاشم سے کہا تھا کہ اس کا جی میل کام نہیں کر رہا' تب ہاشم نے جواہرات کے فون سے اپنے فون پہ "یہ ہاشم ہے مام کے فون سے" لکھ کر ای میل بھیجی تھی۔ اس کے کوئی آدھے گھنٹے بعد انہوں نے اورنگزیب کو مردہ پایا تھا۔ اس ای میل کا وقت پوسٹ مارٹم میں لکھے موت کے وقت سے اوپر تھا۔ (جواہرات اورنگزیب کو قتل کر کے' خود کو سنبھال کر' کمپوز ڈ کر کے' میک اپ کر کے باہر نکلی تھی۔ اس سب میں وقت لگا تھا۔) اس ٹائم اسٹیمپ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اورنگزیب کی موت اس وقت ہوئی' جب وہ کمرے میں تھی۔ ہاشم نے کرب سے آنکھیں موند لیں اور اس کاغذ کو مٹھی میں مروڑ دیا۔

(میں چاہتی ہوں علیشا کہ ہم انسان اپنے خود ساختہ سچائی کے ملمع کو چہرے سے نوچ پھینکیں اور جان لیں کہ بدگوئی اور حق گوئی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ حق اور سچ میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ حق کہتے ہیں سچی بات کو درست موقعے اور درست جگہ پہ درست انداز میں کرنا۔ اسی لیے ظالم حکمران کے سامنے کلمہ سچ نہیں' کلمہ حق لگایا جانا جہاد ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے محل کے سامنے جا کر دہائیاں دینے لگ جاؤ بلکہ اس کے دربار میں کھڑے ہو کر اچھے انداز میں دلیل کے ساتھ اپنی بات پیش کرو اور اسے اس کے ظلم کا احساس دلاؤ۔)

فرش پہ ایک لکڑی کے پھٹے کے اوپر شاہ فرمان چت لیٹا تھا۔ اس کا جسم ڈکٹ ٹیپ سے بندھا نظر آ رہا تھا۔ سامنے ڈرل چارجنگ پہ لگی تھی اور وہ بار بار ضبط کرتا فارس کو دیکھ رہا تھا جو اب کرسی ڈالے اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

"تم دن میں ہوٹل سکیورٹی دیکھتے ہو اور رات میں فری لانس کنٹریکٹر کے طور پہ کام کرتے ہو۔ بڑے بڑے لوگوں کے برے برے کام کر کے دیتے ہو۔ میری بیوی کو لفٹ میں ڈبونے کے کتنے پیسے دیے تھے کاردارز نے؟"

"پیسے کام کے..... بعد ملنے تھے۔"

"جیسے مجھے تو علم ہی نہیں کہ سارے کنٹریکٹرز آدھے پیسے پہلے لیتے ہیں۔"

"تم وہ پیسے لے لو۔ مجھے جانے دو۔" وہ کرسی سے اٹھا اور بوٹ سے اس کے منہ پہ ٹھوکر ماری۔

"مجھے تمہارے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔" اس کے دانت پہ لگی تھی۔ بھل بھل خون بہنے لگا۔ "میرا دل چاہتا ہے' اس رات کی اذیت کے بدلے..... میں تمہارے جسم میں اس ڈرل سے اتنے سوراخ کروں کہ....." مارے ضبط کے اس نے زور سے آنکھیں میچیں۔ پھر گہری سانس

لے کر اسے دیکھا۔ "مجھے بتاؤ میں کیوں نہ کروں تمہارے ساتھ یہ سلوک؟"

"تم... تم میرے کلائنٹس کی لسٹ لے سکتے ہو۔ میں نے ان کے جو بھی کام کیے ہیں، تم وہ دیکھ سکتے ہو۔" وہ تیز تیز ہانپنے لگا تھا۔

فارس واپس کرسی پہ بیٹھا اور ڈرل مشین اٹھائی۔ ہوا میں بلند کر کے ٹریگر دبایا۔ زوں کی آواز سے وہ چلنے لگی۔ اس نے الٹ پلٹ کر اس کا جائزہ لیا۔ پھر اسے بند کر کے دیکھا۔ "اور تم نے "رسیدیں" سنبھال کر رکھی ہیں تا کہ بوقتِ ضرورت اپنے کلائنٹس کو بلیک میل کر سکو؟ واہ۔" وہ تلخی سے ہنسا تھا۔

"ہر کوئی ڈاکومنٹس سنبھال کر رکھتا ہے۔ اگر کبھی پکڑے جاؤ تو سیاستدان بچانے آ جاتے ہیں۔"

"مجھے تمہارے سیاستدانوں میں دلچسپی نہیں ہے۔ ہاشم کاردار کے بارے میں بتاؤ۔" اس نے ڈرل مشین سامنے رکھ دی۔ شاہ فرمان کی نظریں ڈرل پہ جمی تھیں۔

"اس کی ماں کا.... ایک کام کیا تھا میں نے۔" وہ تیزی سے بول اٹھا۔ فارس رک گیا۔ پھر سیدھا ہوا۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ "اچھا.... کیسا کام؟ کسی کا قتل؟ اغوا؟"

"نہیں..... چھوٹا سا کام تھا۔ ڈاکومنٹس forgery۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

(اس لیے جاتے جاتے میں تمہیں ایک نصیحت کروں گی کہ تلخ لوگوں کو دوسروں پہ نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ میں آج خود کو اس خط کی قید سے آزاد کرتی ہوں۔ ہر شخص میں ہوتے ہیں دو بھیڑیے اور بدی کا بھیڑیا کبھی غالب آ بھی جائے اور بھلے انسان کا ماضی کتنا ہی داغدار کیوں نہ ہو جائے، مگر دوست وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کو یہ بتائے کہ تمہارا مستقبل اب بھی کورا ہے۔ بلینک۔ اس کو تم اب بھی پاکیزہ روشنائی سے لکھ سکتی ہو۔ کاش تم نے مجھے اس وقت یہ بتایا ہوتا۔)

اس رات فوڈ لی ایور آفٹر کا اوپری ہال تاریک تھا اور اس میں صرف ٹیبل لیمپ کی روشنی جلتی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس میز پہ چند کاغذ پھیلائے پرسوچ، الجھی ہوئی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ بار بار کوئی تعلق بنانے کی کوشش کرتا۔ بار بار وہ ٹوٹ جاتا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ اب کرسی پہ بیٹھا تھا اور سر ہاتھوں میں گرائے سوچ رہا تھا۔

گھڑی اب رات کے تین بجا رہی تھی۔ وہ کاغذات دیوار پہ چسپاں کیے ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں قلم تھا اور مختلف نقطوں پہ نشان لگاتا پھر نفی میں سر ہلاتا۔

باہر صبح طلوع ہو چکی تھی۔

(اور میں چاہتی ہوں کہ تم جیسے دوست اپنے دوستوں کی نام نہاد بہتری اور بھلائی سوچنے کے بجائے اپنے آپ پہ توجہ دینے لگیں تو زیادہ اچھا ہو۔ میں حنین یوسف یہ عہد کر چکی ہوں کہ اب میں کبھی اپنے دوستوں کے رویوں کو خود پہ طاری نہیں ہونے دوں گی اور ان کی وجہ سے اپنے آپ کو برا نہیں سمجھوں گی۔ میں اپنا ہیرو خود ہوں۔

71

(حنین۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انہیں کی شہ سے انہیں مات کرتا رہتا ہوں

ستم گروں کی مدارات کرتا رہتا ہوں

مور چال میں آج ٹی وی کا شور نہیں تھا۔ حنین اور ندرت کا بالآخر اس بات پہ اتفاق ہو گیا تھا کہ کچھ عرصے کے لئے ٹی وی کو پیک کر کے رکھ دیا جائے' اور اسامہ سخت ناخوش تھا۔ فیصلہ بھی اسی کی پڑھائی کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ اس کا ٹیب بھی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

مگر جب سے ٹی وی خاموش ہوا تھا' اس سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں کوئی انوکھا سا سکون در آیا تھا۔ سب کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ ذہن توانا تھے۔ آنکھیں تکان زدہ نہیں تھیں۔ سب لاؤنج میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور صد شکر کہ موبائلز پہ نہیں لگے تھے۔

''اس شیطان کے ڈبے کو واقعی کچھ عرصے کے لئے پیک کر دینا چاہیے۔'' ابا بڑے ہی خوش تھے' بار بار اظہار کرتے۔ ''عجیب ڈپریشن پھیلا کر رکھتا ہے گھر میں۔ اور اب دیکھو' وقت میں برکت سی محسوس ہونے لگی ہے۔''

''بالکل۔'' اسامہ برے دل سے بڑبڑایا تھا۔ ابا نے نہیں سنا۔ وہ کچھ اور سوچنے لگے تھے' پھر زمر کو دیکھا۔ ''فارس کہاں ہے؟''

''پتہ نہیں۔ میں نے تو کل سے اسے نہیں دیکھا۔ فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کچھ کام کر رہا ہے۔'' اس نے رسان سے بتایا۔

''زمر..... وہ ٹھیک تو ہے؟'' ندرت نے اس کے پاس بیٹھتے پوچھ لیا۔ وہ چپ ہو گئی۔

''لگ تو ٹھیک رہا تھا۔'' اندر سے کچھ اس کو بھی کھٹکتا تھا۔

''مگر مجھے وہ ایسا لگا جیسا جیل سے آنے کے بعد لگتا تھا۔ اور سعدی کی گمشدگی کے دنوں میں۔ اسی طرح خاموش' عجیب سا۔'' وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

''کچھ معاملات ہمیں اتنے پریشان کرتے رہتے ہیں بھابھی کہ کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں پاتا۔ یا تو انسان ان کی وجہ سے گھل گھل کر ختم ہو جائے یا پھر اللہ تعالیٰ سے کہے' کہ یہ پریشانی میں نے آپ کے حوالے کر دی۔ جب تک میں آپ کے دوسرے بندوں کی مدد کر لوں اور لوگوں کے لئے اچھے کام کر لوں' تب تک آپ اس مسئلے کو خود سلجھا دیجئے گا۔'' وہ اندرونی خلفشار پہ قابو پا کر متانت سے بولی تھی۔ سب خاموش ہو گئے۔ گھر میں ویسے ہی بہت خاموشی محسوس ہونے لگی تھی۔

چند میل دور..... آفس بلڈنگ کے بالائی طور پہ ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا' کام میں مصروف تھا۔ جب انٹر کام بجا۔ اس نے کان سے لگایا۔ چہرے پہ چونکنے کے آثار نظر آئے۔

''فارس آیا ہے؟'' ذرا ٹھہرا۔ ''ٹھیک ہے اندر بھیجو۔'' اور عینک اتار کر رکھی' اور ٹیک لگا لی۔ ٹائی ڈھیلی کیے' آستین موڑے' آنکھوں میں سپاٹ پن لئے' وہ منتظر سا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور چوکھٹ میں فارس نظر آیا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ سرسری نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہاشم کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ ٹھہری۔

"کیسے آنا ہوا' کزن؟"

فارس قدم بقدم چلتا' گردن موڑ موڑ کر دیکھتا آگے آیا اور میز کے قریب ٹھہرا۔ پھر ہاشم کو دیکھا۔ "بے فکر رہو' تمہاری سیکیورٹی مجھے چیک کر چکی ہے۔ کوئی خفیہ کیمرہ' وائر یا ہتھیار نہیں ہے میرے پاس۔" ذرا رکا اور مسکرایا۔ "میں آج تمہیں اپنی زبان سے مارنے آیا ہوں۔" ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھو نا۔" مگر فارس گردن موڑ کر ایکویریم کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا اسی میں مارا تھا تم نے آبدار کو؟" سرد سی ہوا کا جیسے تھپیڑا سا کمرے میں آ کر ساکن ہو گیا تھا۔ ہاشم نے بھی رخ موڑ کر آب زیدان کو دیکھا۔

"اس دن اس کی ساری مچھلیاں بھی مر گئیں۔ میں نئی مچھلیاں لایا بھی نہیں۔ شاید اس کا کانچ تک زہریلا ہو چکا ہے۔" فارس کرسی کھینچ کر بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا لئے۔ پھر افسوس سے ہاشم کو دیکھا۔ "تمہیں ترس نہیں آیا اس پر؟"

ہاشم نے شانے اچکائے۔ "وہ خود چاہتی تھی کہ میں اسے مار دوں۔ میں نے صرف اس کی خواہش پوری کی۔ مگر اسے اس سب میں تم نے دھکیلا تھا۔ تم مجھ سے زیادہ قصور وار ہو۔"

"ویسے اس سے فرق نہیں پڑتا مگر میرے اور اس کے درمیان کچھ بھی نہیں تھا۔"

"بعد میں سب یہی کہتے ہیں۔"

"واٹ ایور!" فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ چند لمحے کی خاموشی دونوں کے بیچ حائل ہوگئی۔

"خیر..... تم ابھی سے کیوں آئے ہو؟ حالانکہ ابھی تو تم لوگوں کو عدالتی فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ ویسے بھی میں نے ابھی اپنا آخری پتہ کھیلا نہیں ہے۔"

"تم پتے کھیل رہے تھے؟ میں تو شطرنج کھیل رہا تھا۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے' آج کل آگے پیچھے لوگوں کو ٹارچر کرتے پھر رہے ہو۔ کیوں میرا غصہ ان غریبوں پہ نکال رہے ہو؟" وہ دونوں بنا سانس لئے بات پہ بات پھینک رہے تھے۔

"غصہ تو بہت تھا مجھے اور چند دن نکالتا بھی رہا۔ مگر اب..... ٹھنڈا ہو گیا ہوں' ویسے بھی اصل انتقام ٹھنڈا کر کے کھانے کا نام ہے۔"

"ہوں۔ سو کیوں آئے ہو؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تمہیں کچھ خاص بتانے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولا۔ "میں جانتا ہوں تمہارے باپ کو کس نے قتل کیا ہے۔"

ہاشم ایک دم زور سے ہنس دیا۔"یہ تم اور سعدی میرے باپ کے قتل کے گرد سیاست کرنا کب چھوڑو گے؟"

"ہاشم میں واقعی تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے باپ کا اصل قاتل کون ہے۔" وہ اب سنجیدہ ہوا۔

"تم نے دیر کر دی۔سعدی یہ کارڈ بہت پہلے کھیل چکا ہے اور اس کی وجہ سے میں نے خاور کو....."

"خاور نے نہیں مارا تمہارے باپ کو۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔اور تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔کیونکہ میں جان گیا ہوں کہ میرے باپ کو میری ماں نے مارا ہے' صاحبزادی صاحبہ نے بتادیا تھا مجھے۔" تلخی سے اسے دیکھتے وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔"مگر تم لوگ زیادہ خوش نہ ہو۔یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اور میں نے موو آن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاشم!" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھکا۔ہمدردی سے اسے دیکھا۔"تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔"

کمرے میں ایک دم بھیانک سا سناٹا چھا گیا۔ہاشم کا سانس تھما۔

"سعدی' صاحبزادی صاحبہ' ہر' سب غلط تھے۔جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔"

"اوہ پلیز!" اس نے اکتا کر ہاتھ اٹھایا۔آنکھوں میں بے پناہ بیزاری تھی۔"اب کس تیسرے فریق پہ الزام ڈالنے آئے ہو؟ میرے پاس تمہاری کہانیوں کے لئے وقت نہیں ہے۔"

"مجھے تم پہ ترس آ رہا ہے مگر تم واقعی بے خبر ہو۔میں تمہاری بے خبری دور کرنا چاہتا ہوں۔آگہی عذاب ہے' اور میں چاہتا ہوں تم یہ عذاب چکھو۔"

"اچھا!" اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔"پھر بتاؤ' اب کی دفعہ کس نے مارا ہے میرے باپ کو۔" فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں ترحم سے دیکھتا رہا' پھر لب کھولے۔

"تم نے خود!"

ہاشم پل بھر کو الجھا' پھر ستائش سے ابرو اٹھائے۔"واؤ۔اس سے اچھا طریقہ نہیں ملا تمہیں کسی کو ڈسٹرب کرنے کا؟" پھر افسوس سے سر جھٹکا۔"واقعی فارس۔میرے جیسے آدمی کو تم اب آ کر یہ کہو گے کہ مجاور تا میری کسی حرکت کا دکھ لے کر میرا باپ مرا' یہ وہ.....تاکہ میں ڈپریشن میں چلا جاؤں' اور خود کو اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار سمجھوں؟ واٹ ربش!"

"تم نے اپنے باپ کا قتل کیا ہے۔ہاشم!" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔آنکھیں ہاشم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔"تم ہو اپنے باپ کے اصل قاتل۔"

"اور اس ساری بے تکی کہانی کا کیا مقصد ہے؟ مطلب کس طرح مارا ہے میں نے اپنے باپ کو ہاں؟" اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

"جیسے مارا جاتا ہے۔قتل کر کے۔" فارس نے شانے اچکائے۔

"میں جانتا ہوں میرے باپ کو کس نے مارا ہے۔ میری اپنی ماں نے۔ اور اس سارے معاملے کو میں کھوج رہا ہوں' مگر تمہاری اس ساری بکواس سے....."

"جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔" ہاشم دھاڑ سے اٹھا اور میز کی چیزیں پرے گرائیں۔

"ممی نے ہی اور نگزیب کاردار کو قتل کیا ہے۔ جانتا ہوں میں۔" میز پہ مٹھیاں رکھے وہ اونچی آواز میں غرایا تھا۔ رنگت سرخ تھی اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ سکون سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "ہاں انہوں نے ہی مارا ہے اور نگزیب کاردار کو.... مگر یہ کس نے کہا کہ وہ تمہارا باپ تھا؟"

اور ہاشم کاردار کے جسم کا ہر عضو سن ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکن ہو گئیں۔ ہاتھ میز پہ رکھے رکھے جم گئے۔ نگاہیں اس پہ ہی پتھر ہو گئیں۔

"کس نے کہا ہاشم کاردار' کہ اور نگزیب کاردار تمہارا باپ تھا؟" فارس اٹھ کھڑا ہوا۔ "جواہرات نے بے شک اسے مارا ہے' مگر وہ تمہارا باپ نہیں تھا۔ تمہارا باپ جواہرات کا کزن طیب مطیع تھا۔"

ہاشم کے لب پھڑپھڑائے' مگر آواز نہ نکلی۔ اس کی سانس رک چکی تھی۔ جسم پتھر تھا۔ آنکھوں میں سرخی دوڑ رہی تھی مگر وہ کسی سکتے کے عالم میں فارس پہ جمی تھیں۔

"ایک پرائیوٹ کانٹریکٹر کو ایک کام دیا تھا جواہرات بیگم نے۔ جب تم نے اور تمہارے.... کیا کہنا چاہیے.... نقلی باپ اور نگزیب کاردار نے..... مالی بدعنوانی کے باعث جواہرات کے کزن کو جیل بھجوایا تھا اور خاص تمہارے حکم پہ اس کے اوپر تشدد کروایا گیا تھا تو تمہیں یاد ہو گا کہ اس تشدد سے وہ ہسپتال جا پہنچا تھا۔ جہاں گو کہ وہ مر گیا' مگر اس کے جو بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ آئی تھی' وہ درست نہیں تھی۔ کیونکہ جواہرات بیگم نے ایک کانٹریکٹر کو کہہ کر اصل بلڈ سیمپل لیب سے غائب کروا کے کسی اور مریض کی رپورٹس جمع کروا دی تھیں۔ مگر ان کانٹریکٹرز کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ یہ رسیدیں ضرور سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اس نوجوان نے اس بلڈ سیمپل کو ضائع کرنے سے پہلے اس کی بہت ساری رپورٹس نکلوالی تھیں' کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ امیر عورتیں عموماً ڈی این اے رپورٹس بدلوایا کرتی ہیں۔ اس نے مجھے رپورٹس دیں' اور میں نے ان کو تمہارے بلڈ بینک میں جہاں تم غریب لوگوں کے لئے خون کا عطیہ ہر چند ماہ بعد دیتے ہو اور ساتھ میں فوٹو شوٹ کرواتے ہو' تمہارے سیمپل کے ساتھ میچ کروا لیا۔ واٹ اے پرفیکٹ میچ۔ یقین نہیں ہے تو خود دیکھ لو۔" اس نے جیب سے ایک تہہ شدہ لفافہ نکال کر میز پہ رکھا۔ آنکھیں ہنوز ہاشم پہ جمی تھیں جو ابھی پتھر ہوا کھڑا تھا۔ اسے لگا وہ سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔ پلک بھی نہیں جھپک رہا تھا۔

"سو اور نگزیب تمہارا باپ نہیں تھا۔" فارس ٹہلتے ہوئے اب کہہ رہا تھا۔ ہاتھ ہلاتے ہوئے جیسے خود کو سمجھا رہا تھا۔ "مگر طیب کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس جیسے بے کار' گھٹیا اور کنگال آدمی کا ایک شاندار سا بیٹا بھی ہے۔ کسی زمانے میں وہ امیر اور خوش شکل تھا مگر آخری وقت میں تو

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

کافی رذیل سا ہو گیا تھا۔" وہ اب ٹہلتے ٹہلتے ایکویریم کے قریب آرکا تھا۔ انگلی اس نے شیشے کی دیوار پہ اس جگہ پھیری جہاں کبھی آبی نے سفید پڑتے ہاتھ رکھے تھے۔ "اسی لئے وہ آخری وقت تک جواہرات کو بلیک میل کررہا تھا اور وہ تمہیں روکتی تھی کہ اس کو جیل میں نہ پھینکواؤ' مگر زیادہ کوشش اس نے بھی نہیں کی کیونکہ وہ اس کا اصل راز نہیں جانتا تھا۔ نہ ہی اورنگزیب کا کردار جانتے تھے۔" وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا' اور باہر تاریک دات اور شہر کی روشنیوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "اورنگزیب کو ہمیشہ نوشیرواں پہ شک ہوتا تھا مگر اس کی مشابہت ان سے بہت تھی۔ تم پہ کبھی شک نہیں کیا۔ لیکن تم ان جیسے نہیں تھے۔ اپنی ماں پہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اور نوشیرواں.... ہماری شکلیں اور آوازیں ملتی ہیں۔ ہم اورنگزیب جیسے ہیں۔ تم ویسے نہیں تھے۔ تم ہمیشہ مختلف تھے۔ تم علیشا جیسے بھی نہیں تھے۔ تم سب سے الگ تھے۔ کیونکہ تم کا ردار تھے ہی نہیں۔" پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ سن کھڑا تھا۔ اس کی پیشانی تر تھی قطرے کنپٹی سے نیچے ٹپک رہے تھے.... مگر اسے سانس نہیں آتی محسوس ہوتی تھی۔ فارس اس کے قریب چلتا آیا۔

"دوسروں کے باپ کو مارتے یہ خیال آیا تھا کبھی ہاشم کہ اپنے باپ کے بھی قاتل نکلو گے ایک دن؟ اور جس کو تم ساری زندگی اپنا باپ مانتے رہے' جس کی سیاست بچانے کے لئے تم نے اہل اور نور سے ان کا باپ چھینا' وہ آدمی تو تمہارا کچھ لگتا ہی نہیں تھا۔" پھر اس پہ ایک تاسف بھری نظر ڈالی۔ "تم تاش کھیلنے کی تیاری کررہے تھے۔ اور میں شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور اسے....." اس نے میز پر رکھا لفافہ اٹھایا۔

"اسے شہ مات کہتے ہیں!" کاغذ زور سے ہاشم کے اوپر دے مارا۔ وہ اس سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ مگر برف اور آگ کے بت میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ فارس نے سر جھٹکا' اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایسے ہی کھڑا تھا اور اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

اگلا سفر کیسے تمام ہوا' کوئی اندازہ نہ تھا۔ کتنے دن بیتے' کتنی راتیں کاٹیں' کوئی احساس نہ تھا۔ بس من من بھر قدم اٹھاتا وہ چل رہا تھا۔ بال بکھرے تھے' حلیہ بے ترتیب تھا۔ اور وہ قصر کے سبزہ زار پہ قدم رکھتا جا رہا تھا۔ ملازم اسے دیکھ کر حیرت سے پیچھے ہٹنے لگے۔ اس کے ہاتھ میں ایک شیشے کا جار تھا جس کا منہ بند تھا اور وہ سامنے دیکھتا اس بھری دوپہر میں قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سیڑھیوں کے اوپر وہ دونوں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ جواہرات فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ "تم دوبارہ اس کے دوستوں سے پتہ کرو۔ وہ چار دن سے گھر نہیں آیا شیرو۔" وہ روہانسی لگتی تھی۔ شیرو "کرتا ہوں دوبارہ" کہہ کر فون پہ نمبر ملانے لگا تھا۔ تبھی جواہرات کی نظر نیچے پڑی جہاں لاؤنج کے کھلے دروازے کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سفید اور آنکھیں سرخ تھیں۔ جواہرات کی آنکھوں میں نمی در آئی۔ تیزی سے زینے اترنے لگی۔

"ہاشم تم کہاں تھے؟ اوہ گاڈ.... ہم سب کتنے پریشان تھے تمہارے لیے۔ تم ٹھیک ہو بیٹا؟" وہ پریشانی سے اسے دیکھتی قریب آئی۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ جار میز پہ رکھ دیا۔

"کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔ مت سنو لوگوں کی باتیں۔ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔" وہ اس کے سامنے کھڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا ہوا قدم بقدم قریب آنے لگا۔ جواہرات کو عجیب خوف سا آیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''میں نے نہیں مارا اورنگزیب کو۔ جھوٹ بولتے ہیں سب۔ اور تم... تم اورنگزیب کی محبت میں مجھے بھلا بیٹھے ہو کیا؟'' وہ آنسو بہاتی کہہ رہی تھی۔ اوپر کھڑا نوشیرواں ناگواری سے اسے دیکھے گیا۔ ہاشم اس کے قریب آ رہا تھا اور وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔

''کیا کیا اورنگزیب نے تم لوگوں کے لیے جو میں نے نہیں کیا؟ تمہارے ہر راز کی پردہ دار میں تھی۔ جو بھی کیا تمہارے لیے کیا میں نے۔ تم مجھے سب سے عزیز تھے۔ ہاشم میں نے تمہاری پرستش کی۔ تم مجھے سب سے عزیز ہو۔ شیرو سے بھی زیادہ۔ تم مجھے ایسے نہ دیکھو۔'' وہ اب رونے لگی تھی۔ وہ اس کے بالکل قریب آ رکا۔ اسے گھورتے ہوئے ایک دم سے.... اس کی گردن دبوچی۔ جواہرات کے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

''ایک ہی دفعہ پوچھوں گا۔ سچ سچ بتانا۔'' سرخ انگارہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ رکھی تھی۔

''میرا باپ کون تھا؟ میرے ڈیڈ یا تمہارا وہ کزن طیب؟''

اور وہ ایک ایسا لمحہ تھا جب جواہرات کے سارے آنسو تھم گئے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔ وہ ایک عجیب ششدر سا لمحہ تھا۔ وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گئی۔

''کیا وہ میرا باپ تھا؟ بولو۔'' وہ دبا دبا سا غرایا۔

اوپر کھڑا نوشیرواں سن ہو گیا۔ گردونواح کے کونوں میں کان لگائے کھڑے ملازموں نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیے۔ جواہرات کے لب پھڑپھڑائے۔ اس نے تھوک نگلا۔

''I can explain!''

اور ہاشم نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ ہاتھ نیچے گرا دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا درد ابھرا تھا جو جواہرات کی جان نکالنے لگا۔

وہ مڑ گیا۔ اور چند قدم آگے گیا۔ ابھی سب سن کھڑے تھے۔ دم سادھے۔ سانس روکے۔

وہ میز تک گیا' جار اٹھایا' اس کا ڈھکن اتارا اور واپس اس کی طرف گھوما۔ ''آج تم نے... میرے ڈیڈ کو.... دوسری دفعہ مار دیا۔'' اور یہ کہہ کر اس نے جار میں موجود پانی اس کے چہرے پہ پھینک دیا۔

یہ جواہرات کار دار کی چیخیں تھیں جنہوں نے وہاں کھڑے ہر شخص کو بتایا تھا کہ وہ پانی نہیں تھا۔

وہ تیزاب تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ (آخری قسط آئندہ ماہ انشاء اللہ)

(پوئٹری ایکٹوٹی جو ماہ ستمبر میں رکھی گئی تھی، اس میں سے کچھ منتخب اشعار اس قسط کا حصہ تھے۔ جو آپ لوگوں کا انتخاب تھے۔ اگلے صفحے پر اشعار آپ لوگوں کے نام کے ساتھ درج ہیں۔ دیکھنا نہ بھولیے گا۔)

لاسٹ پیج

نمل کی انتیسویں قسط میں "منتخب اشعار"

کچھ اور بڑھ گئے جو اندھیرے تو کیا ہوا

مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم (ربیعہ فرخ)

اِک بے کسی کا جال ہے پھیلا چہار سُو

اِک بے بسی کی دُھند ہے دل سے نگاہ تک (اقرا علی)

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا

کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے۔ (علینہ قریشی)

نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا، نہ روش وہ ابرِ بہار کی

جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاج بادِ صبا گیا

ابھی بادباں کو تہہ رکھو ابھی مضطرب ہے رخِ ہوا

کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا.....!! (اُمِ احمد)

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے

ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا (زرنین زہرہ)

میری شناخت کے پتھر میں شکل باقی ہے

میرے وجود کے ذروں میں زندہ ہے کوئی (سارہ ناصر)

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ نہیں ہوتی

وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی۔ (سحر خان)

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے (عروسہ ملک)

پندار کے خوگر کو نا کام بھی دیکھو گے؟

آغاز سے واقف ہو، انجام بھی دیکھو گے؟ (ماہم بنتِ مبشر)

عجب سوال کیا آندھیوں نے پتوں سے

شجر سے ٹوٹ کے گرنا بتاؤ کیسا لگا (زویا خان۔)

نمل (نمرہ احمد)

قسط نمبر: 30 (آخری قسط)

''ایڈس مارزیئے ابھی بیتے نہیں!''

ایک دن جب آیا
جولیس سیزر اپنی رعایا کے سامنے!
تو اسے پکار کے بولا ایک نجومی...
''اے سیزر خبردار رہنا
ایڈس مارزیئے سے۔''
پوچھا سیزر نے مصاحبوں سے
''کیا کہتا ہے یہ آدمی؟''
بتایا کسی نے۔''یہ کہتا ہے کہ خبردار رہیے
مارچ کی درمیانی تاریخ (ایڈس مارزیئے) سے۔''
جب آئی مارچ کی پندرہ تاریخ
اور داخل ہوا سیزر اپنے دربار میں
تو نظر آیا اسے وہ نجومی۔
اس کو دیکھ کر بولا سیزر اطمینان سے مسکرا کے۔
''ایڈس مارزیئے تو آچکے ہیں!''
اس پہ کہا نجومی نے سر جھکا کر۔
''بجا فرمایا سیزر۔
وسط مارچ کے دن شروع ہو چکے ہیں'
مگر ابھی ختم نہیں ہوئے۔''

(ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے ''جولیس سیزر'' سے ماخوذ)

(اور پھر اسی دن ایڈس مارزیئے یعنی مارچ کی پندرہ تاریخ کو ہی سیزر کو بروٹس اور دوسرے باغیوں نے قتل کیا تھا۔)

رات کا اندھیرا ہر شے کو سالم نگل کر سادگی سے دنیا والوں کو دیکھ رہا تھا۔ سرونٹ روم میں اس کا بستر خالی تھا' اور وہ گھر کی پچھلی طرف لگے درخت پہ چڑھ کر' دیوار کے پار اتر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ زمین پہ اتری' سرخ مفلر والا آدمی کسی کونے سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ جھنجھلائی ہوئی سی سیدھی ہوئی۔ "اس درخت پہ چڑھتے اترتے میرے جسم پہ دس بار زخم آئے ہیں۔ کیا تم مجھ سے کسی اور طرح سے نہیں مل سکتے؟"

"بات سنو لڑکی!" وہ اندھیرے میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے خدوخال نظر نہیں آتے۔ "تمہارے نام کا مطلب ہوتا ہے' پری چہرہ لڑکی۔ سپید جلد والی حسین لڑکی۔ تمہاری اپنے مالکوں سے غداری کے بدلے میں تمہیں جتنے پیسے میں دے رہا ہوں' ان سے تم اپنے نام کی طرح خوبصورت زندگی گزارو گی۔"

اس بات پہ اس کی آنکھیں چمکیں اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

"تمہاری یہی باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔" پھر گردن کڑا کر بولی۔ "بتاؤ۔ اب مجھے کیا کرنا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دشتِ ہستی میں شبِ غم کی سحر کرنے کو

ہجر والوں نے لیا رختِ سفر سناٹا

فارس ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور بغیر تمہید کے اس نے وہ تکلیف دہ خبر سنا دی تھی۔

لاؤنج میں سناٹا طاری ہو گیا۔ سب شل سے اسے دیکھے گئے۔ وہ اسی طرح کھڑا رہا۔

"ہاشم نے اپنی ماں پہ....؟" زمر کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں۔ حنین سے کچھ بولا نہیں گیا۔ ندرت نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"اس کو حیا نہیں آئی؟ وہ اس کی ماں تھی۔" ان کا دل کانپا۔

"کوئی اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" بڑے ابا انگشت بدنداں تھے۔

"کیونکہ اس کی ماں نے اسے یہی سکھایا ہے۔" سعدی نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔ "میں اسی لئے ان کی اصلیت ہاشم کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ مجھے ڈر تھا وہ ان کو مار ڈالے گا۔"

"مارا ہی تو نہیں ہے اس نے ان کو۔" فارس سپاٹ سے انداز میں کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ زمر اٹھ کے اس کے پیچھے آئی۔ وہ کمرے میں آ کر چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں افسوس نہیں ہوا؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

فارس نے وہی بے تاثر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ایک انسان ہونے کی حیثیت سے' ہاں ہوا ہے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ماں کو خود سزا دے۔ وہ دونوں میرے بھائی اور بیوی کے قتل میں شریک جرم تھے۔ البتہ میں اس سے اتنی سفاکی کی توقع نہیں کر رہا تھا' مگر یہ وہ عورت ہے

جس نے نوشیرواں کی ایسی تربیت کی کہ وہ سعدی کو گولیاں مار کے چلا گیا۔ جس نے ہاشم کی ایسی تربیت کی کہ وہ ہماری زندگیاں اجاڑتا رہا۔ جس نے سعدی کے قتل کا حکم نامہ جاری کیا۔ تمہاری صحت کے ساتھ کھیلتی رہی۔ اس لئے سچ پوچھو تو مجھے کوئی زیادہ افسوس نہیں ہے۔ میں نے کئی برس جن دنوں کا انتظار کیا تھا۔ بالآخر وہ دن آ گئے ہیں۔" اس کی آواز سرد ہو گئی تھی۔

زمر اداسی سے اسے دیکھتی رہی۔ "کیا انتقام پا کر سکون ملتا ہے فارس؟"

وہ زخمی سا مسکرایا۔ "تم نے وہ تین قدیم چینی بددعائیں سن رکھی ہیں؟ خدا کرے تم جیو دلچسپ زمانوں میں.... خدا کرے تمہیں اعلیٰ عہدوں پہ فائز لوگ پہچاننے لگیں..... اور تیسری....." اس نے گہری سانس بھری۔ "خدا کرے تمہیں وہ مل جائے جس کی تمہیں تلاش تھی۔"

"یہ بددعائیں ہیں؟"

"پتہ نہیں مگر مجھے لگتا ہے میری طرف آتی ساری بددعاؤں کی قبولیت کا وقت آ پہنچا ہے۔" اور وہ اٹھ گیا۔

"کتنا شوق تھا مسز کاردار کو پلاسٹک سرجریز کروانے کا۔" باہر بیٹھی حنین خلا میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "اب ان کو ساری زندگی جانے کتنی سرجریز کروانی پڑیں گی۔"

"ہاشم ایسا تو نہیں تھا۔" سعدی افسوس سے بولا تو سب نے اسے دیکھا۔ آنکھیں نکال کر۔ ابھی زمر کو لفٹ میں ڈبونے والے واقعے کو دن ہی کتنے ہوئے تھے؟

"میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ جب میں اس کی قید میں تھا، تب وہ پچھتاتا تھا۔ اس کا دل ایسا نہیں تھا۔ اب وہ ہر حد پار کرتا جا رہا ہے۔" وہ ترحم سے کہہ رہا تھا۔ حنین کے دل کے اندر.... کچھ آج بھی ڈوبتا تھا۔ شاید وہ یادیں تھیں۔ شاید کچھ اور....

"وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا بیٹا۔" بڑے ابا نے تلخی سے مسکرا کے کہا۔ "تم یہ نہ سمجھو کہ وہ شروع میں اچھا تھا، یاد کرو جب اس نے وارث کو قتل کروایا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تب وہ پچھتانے والی باتیں کر کے تمہاری ہمدردی سمیٹ لیتا تھا۔ تمہیں لگتا تھا وہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ مگر اب اس نے سچ بولنا شروع کر دیا ہے۔ وہ کبھی نہیں بدلے گا۔"

سعدی خاموش ہو گیا۔ شیشے کی دیواروں والی قصرِ کاردار کی لائبریری یونہی یاد آ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جنہیں غرور تھا اپنی ستمگری پہ بہت
ستم تو یہ ہے کہ وہ بھی ستم رسیدہ ہوئے

"ایک ہفتے بعد۔"

ہسپتال کے اس پرتعیش کمرے میں جابجا پھول رکھے تھے۔ کوئی عزیز، رشتے دار ایسا نہ تھا جس نے پھول نہ بھجوائے ہوں۔ وہ جیسے خوشی

کے پھول تھے۔ اب ملنے کوئی نہیں آ رہا تھا۔ پہلے دو دن جو لوگ آئے' سو آئے۔ اب سکوت تھا۔

جواہرات کے بیڈ کے آگے پردے گھرے تھے۔ نوشیرواں اس طرف کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ ان پھڑپھڑاتے پردوں کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی کسی درز سے وہ لیٹی ہوئی نظر آ جاتی۔ آنکھیں چھت پہ جمی تھیں' اور چہرہ پٹیوں میں جکڑا تھا۔ اس کا صرف دایاں گال اور کان بچ پائے تھے۔ باقی چہرہ بائیں طرف اور سامنے سے جل گیا تھا۔ چل پھر سکتی تھی کام کر سکتی تھی مگر بینائی پہ اثر پڑا تھا۔ ناک غائب ہو گئی تھی۔ آنکھوں کا نور بھی بجھ سا گیا تھا۔

''ان کو گھر کب لے جا سکتے ہیں؟'' شیرو نے دھیمی آواز میں پیچھے کھڑی میری سے پوچھا۔

''بہت جلد۔''

''کیا جو نقصان ہوا ہے وہ ٹھیک ہو سکے گا؟''

''نہیں سر۔ سرجریز سے تھوڑا بہت فرق پڑے گا۔ باقی میڈم کو اب ان زخموں کے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔'' وہ ٹھنڈے انداز میں بتا رہی تھی۔

''کیا کوئی بات کی انہوں نے تم سے؟'' شیرو کی نظریں پردوں پہ جمی تھیں۔

''وہ صرف ہاشم کا نام لیتی ہیں۔ ان کو پکارتی ہیں۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ یہ وقتی صدمہ ہے۔ وہ جلد شاک سے نکل آئیں گی۔'' شیرو نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''تم جانتی تھیں انہوں نے میرے باپ کو مارا' پھر بھی ہمیں نہیں بتایا؟'' اس کی آواز میں دبا دبا غصہ اور کرب در آیا۔

''ہاشم مجھ سے یہ بات پوچھ چکے ہیں اور میں بتا چکی ہوں۔ میں ایک وفادار ملازمہ ہوں' اور جیسے کورٹ میں آپ کے اور ہاشم کے راز کی حفاظت کی' اسی طرح میڈم کے راز کی بھی حفاظت کی۔ اس تیزاب والے واقعے کے بعد جب سب ملازم استعفیٰ دے رہے ہیں' میں اسی لئے یہاں موجود ہوں کیونکہ میں اب بھی مسز کاردار کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ اسے چند لمحے دیکھے گیا۔ کمرے میں پھولوں کی خوشبو میں کافور کی بو گھلنے لگی تھی۔

''بھائی نے بہت ظلم کیا۔ مگر میں ممی کو معاف نہیں کر سکتا۔ اگر ڈیڈ مجھے عاق کر رہے تھے' تب بھی ان کو ڈیڈ کو... میرے ڈیڈ کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سن رہی ہیں آپ ممی۔'' اس نے چہرہ پھڑپھڑاتے پردوں کی طرف موڑا۔ ''ڈیڈ اس حالت میں مرے کہ وہ مجھ سے ناراض تھے۔ میں ان سے معافی نہیں مانگ سکا۔ میں ساری عمر اس گلٹ میں رہوں گا کہ میرا باپ مجھ سے ناراض تھا۔'' وہ گیلی آنکھوں کے ساتھ الٹے قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ ''اب عدالت مجھے جیل میں ڈال دے' یا سولی چڑھا دے' میں دوبارہ آپ سے ملنے نہیں آ سکوں گا۔ باپ تو وہ میرا تھا' مگر منہ پہ آپ کے اب بھی ہاشم کا نام ہے۔ شیرو تو آپ کو یاد ہی نہیں۔'' وہ اب پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔

اور بستر پہ پٹیوں میں جکڑا وجود اسی طرح چھت کو تک رہا تھا۔ ہونٹوں سے صرف ایک آواز نکل رہی تھی۔ ''کوئی ہاشم کو بلائے... میرے ہاشم کو...''

شیرو کے جانے کے بعد میری کاؤچ پہ بیٹھ گئی اور اطمینان سے میگزین کھول لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

جن پر ستم تمام قفس کی فضا کے تھے

مجرم وہ لوگ اپنی شکستِ اُنا کے تھے

ہاشم کے بیڈروم کی ساری بتیاں روشن تھیں اور وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے کھڑا رئیس کہہ رہا تھا۔

"نیا اسٹاف آج سے کام شروع کر دے گا۔ چھوڑ جانے والے ملازموں کو میں نے سنبھال لیا ہے۔ یہ صرف گیس ہیٹر کا حادثہ تھا اور ہر جگہ یہی بتایا گیا ہے۔ اور سر...." وہ رکا۔ "آپ کی مدر کے علاج کے لئے ڈاکٹرز نے...." ہاشم نے جھٹکے سے ٹائی کی آخری گرہ کھینچی۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' کہ میرے باپ اور نگزیب کاردار کی بیوی کے علاج کے لئے تمام رقم کمپنی ادا کرے گی۔ اب مزید میں اس معاملے پہ کچھ نہیں سننا چاہتا۔" اس نے درشتی سے کہتے ہوئے کالر سیدھے کیے۔ رئیس خاموش ہو گیا۔

"اس غیر شناسا نمبر سے پھر میسج آیا سر؟"

"دو روز پہلے آیا تھا۔ وہ سعدی کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے ہماری کوششوں پہ خوش تھا۔ میں نہیں جانتا وہ لوگ سعدی کو دہشت گرد کیوں ثابت کروانا چاہتے ہیں لیکن اتنا یقین ہے کہ وہ ہماری قابلیت جانچ رہے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ کام کرنے کا خواہشمند لگتا ہے۔"

رئیس نے کوٹ اٹھا کر اس کی پشت پہ کیا تو وہ اس میں بازو ڈال کر اسے پہننے لگا۔

"سر میں نے کوٹ روم والے آدمی کا.... وہ چشمے والا آدمی.... اس کا پیچھا کیا تھا۔ مگر وہ ہر دفعہ چکمہ دے کر نکل جاتا ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ یہ پیغام بھیجنے والا' اور سعدی کا پاسپورٹ دینے والا دراصل وہی آدمی ہے۔"

"ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے۔ میں نے سعدی پہ تمام الزامات لگا کر اس کا اعتماد خرید لیا ہے۔ یہاں تمام عسکری گروپ اسی طرح اپنے سہولت کاروں کا اعتماد جانچتے ہیں اور پھر پارٹنر شپ شروع کرتے ہیں۔ جرائم کے سفر کا آغاز ہمیشہ ایک چھوٹے سے فیور سے شروع ہوتا ہے۔"

"سعدی کو دہشت گرد ثابت کر کے ان کو کیا ملے گا؟"

"اس سے میری کریڈیبلٹی بڑھے گی۔ جج اسے دہشت گرد مان نہیں لے گا لیکن لوگ مجھے دہشت گردوں کا مخالف سمجھیں گے اور کوئی بھی عسکری تنظیم ایسے سہولت کار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ ہمیں بہت جلد نئے بزنس پارٹنرز ملنے والے ہیں۔" اب وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کمرے سے نکل رہے تھے۔

لاؤنج میں فیونا کھڑی صفائی کر رہی تھی۔ میری اور وہ.... بس دو ملازم رہ گئے تھے۔ ہاشم جب سیڑھیوں سے اترتا ہوا اس کے سامنے سے

گزرا تو وہ بولی۔

"سر... میں نیکسٹ منتھ سے چلی جاؤں گی۔" اس کی آواز میں تذبذب تھا۔

"جو چاہے کرو۔" وہ نخوت سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

باہر صبح تازہ اور خوبصورت تھی۔ مگر قصر اداس لگتا تھا۔ وہ موسم سے بے نیاز کار کے قریب آیا ہی تھا کہ....

"کاردار صاحب۔" بے چین سی نسوانی آواز پہ وہ ٹھٹکا اور مڑا۔ ڈاکٹر ایمن چند گارڈز کے ہمراہ چلی آرہی تھی۔ ہاشم کے ماتھے پہ بل پڑے۔ "بی بی میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

"میں نے اور میرے شوہر نے ان جج صاحب اور کرنل خاور کے کہنے پہ آپ کے لئے اتنا کچھ کیا۔" وہ تیز تیز چلتی قریب آئی اور غصے سے انگلی اٹھا کر بولنے لگی۔ "اور اب جب ہم کنگال ہو چکے ہیں تو آپ ہماری مدد بھی نہیں کر سکتے۔"

ہاشم نے تندہی سے اسے گھورا۔ "کیا چاہتی ہو تم؟"

"مجھ سے کوئی نیا کام لیں یا ہمیں مالی طور پہ سپورٹ کریں۔ ہمیں.... ہمارا... ریوارڈ چاہیے۔ آپ اپنے سہولت کاروں سے یوں منہ نہیں موڑ سکتے۔"

ہاشم چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر تاثرات نرم ہوئے۔ آگے آیا اور نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"آئی ایم سوری، میں کچھ پریشان ہوں آج کل۔ بس کچھ روز میں.... یہ کیس ختم ہو جائے.... میں آپ سب کو نوازوں گا۔ میں مدد کرنے والوں کو بھولا نہیں کرتا۔ مگر تب تک آپ کو خاموشی سے انتظار کرنا ہوگا۔" ڈاکٹر ایمن کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ اس نے سر ہلا دیا مگر ابھی تک اضطراری انداز میں انگلی میں پہنی نوکیلے ہیرے والی انگوٹھی مروڑ رہی تھی۔

"کیا آپ مجھے زبان دے رہے ہیں؟"

"بالکل۔" وہ چند لمحے نرمی سے اس کی تسلی کراتا رہا پھر اس کے جانے کے بعد.... وہ رئیس سے آہستہ سے بولا تھا۔ "ان سب کا بھی کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ تو میری جان کو آرہے ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اِک خواب ہے کہ بارِ دگر دیکھتے ہیں ہم
اِک آشنا سی روشنی سارے مکاں میں ہے

مور چال پہ رات گہری چھائی تھی۔ گرمی اور حبس دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ لاؤنج نیم روشن تھا۔ فارس ابھی ابھی آیا تھا اور چابیاں کھونٹی پہ لٹکا رہا تھا جب دیکھا، ندرت تن فن کرتیں کچن سے نکلی ہیں اور دھاڑ سے سیم کے کمرے کا دروازہ کھولا ہے جو اندھیرے میں ڈوبا تھا اور حنین اور اسامہ اپنے اپنے بستر پہ لحاف اوڑھے گھپ سو رہے تھے۔

"کوئی انسانیت ہے تم لوگوں میں؟" وہ حلق کے بل چلائیں۔ "میں نے کہا تھا آدھے گھنٹے بعد دودھ کے نیچے چولہا بند کر دینا مگر جب تک دودھ کی آبشار نہ بہہ جائے' تم لوگوں کی تسلی نہیں ہوتی۔"

"آپا!" وہ اکتا کر ان کے قریب آیا۔ "وہ سو رہے ہیں' ان کے سر پہ آپ کیوں چلا رہی ہیں۔" ندرت نے اتنے ہی غصے سے مڑ کر اسے دیکھا۔

"بس کرو۔ بڑے سو رہے ہیں۔ ان بے غیرتوں کا واٹس ایپ کا last seen تو تین منٹ پہلے کا نظر آ رہا ہے۔ بس ماں کو دیکھ کر فرعون کی میاں بن جاتے ہیں۔ ہونہہ۔" وہ غصے سے بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ فارس نے بے اختیار ان دونوں کے پلنگ دیکھے جن میں جنبش تک نہ ہوئی تھی۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"یار حنہ!" سیم نے جھٹ منہ نکال کر اسے پکارا۔ وہ بھی فوراً اٹھ بیٹھی۔

"ہاں ہاں میں بھی وہی سوچ رہی ہوں جو تم سوچ رہے ہو۔ امی کا انٹرنیٹ بند کرنا پڑے گا۔ یہ تو بگڑتی جا رہی ہیں۔"

"بالکل۔ ماں باپ کو اتنی آزادی دینا اچھی بات نہیں ہے۔ آج کل کے زمانے کا کوئی بھروسہ نہیں۔" دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

فارس اپنے کمرے میں آیا تو وہ ہمیشہ کی طرح بہت سی فائلز کے درمیان بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر سر اٹھایا' اور مسکرائی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

"کام ہو رہا ہے؟" آدمی گھر آئے اور بیوی مسکراتی ہوئی ملے تو.....

"ظاہر ہے' اب کسی بے روزگار کو کیا پتہ جاب کے بکھیڑے۔ خیر کھانا لاؤں یا کسی پرانی دوست کے ساتھ کھا آئے ہو؟"

اور فارس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ "بہت مہربانی۔ کھا چکا ہوں۔" اور اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھا۔

زمر نے مسکراہٹ دبائی۔ "مجھے پتہ ہے میں تمہاری ویسی خاطر مدارت نہیں کرتی جیسی کسی بیوی کو کرنی چاہیے۔ بس یہ کیس ختم ہو جائے۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔ تم مجھے جیل بھیج سکتی ہو' میرے خلاف بیان دے سکتی ہو مگر تم مجھے کھانا نہیں پوچھ سکتیں۔" وہ اب جھک کر جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔ زمر بے اختیار ہنس دی۔ گھنگریالے بال آدھے باندھے' آدھے سامنے کو جھول رہے تھے۔ وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ ناک کی لونگ' انگلی کی نیلے رنگ والی انگوٹھی اسے مزید حسین بناتی تھیں۔

"تم ہمیشہ سے اتنے ہی ظالم تھے یا اب ہوئے ہو؟"

"آپ کی صحبت کا اثر ہے مادام' ورنہ میں تو چند ماہ پہلے تک ایک شریف آدمی تھا۔ ویسے....." وہ اس کے سامنے نیم دراز ہو گیا۔ "اس چڑیا گھر سے ہم کب نکل رہے ہیں۔"

"نکلنا کیوں چاہتے ہو یہاں سے؟"

''میں چاہتا ہوں ہمارا اپنا علیحدہ گھر ہو۔ جہاں ہم دو نارمل انسانوں کی طرح رہیں۔''

''ابھی ہم نارمل نہیں ہیں کیا؟''

''آپ کے بارے میں تو شک ہے بی بی۔'' اس کے سامنے کہنی کے بل لیٹے کان تلے ہاتھ کا سہارا دیے وہ مسکرا کے اسے دیکھتے بولا تھا۔

''اور نئے گھر میں جا کر تم کوئی نوکری شروع کرو گے یا نہیں؟''

''آپ نا مجھے اپنا ذاتی خدمتگار رکھ لیجئے گا۔ اس سے بڑی نوکری کیا ہوگی؟ ماشاءاللہ وکیل ہیں آپ' لوگوں کی کھال کھینچ کر پیسے لیتی ہیں۔ مجھے بھی تنخواہ تو اچھی دیں گی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اور وہ ہنستی جا رہی تھی۔

''ہمیشہ جاب کی بات ٹال دیتے ہو۔ مگر میں بھی ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ پیچھے پڑی رہوں گی۔'' قلم سے تنبیہ کرتے وہ دوٹوک بولی اور پھر سے لکھنے لگی۔ پھر سر اٹھا کر بولی۔

''اگر فارس' ہمارے پاس وارث غازی کی فائلز ہوتیں' یا حنین کا میموری کارڈ ہوتا جس میں کاردارز کے خلاف کچھ مواد تھا' تو ہم یہ کیس بہت آسانی سے جیت لیتے۔''

''ہمارے پاس ایک انتہائی قابل وکیل ہے' جو بے شک انتہائی بے مروت اور سفاک واقع ہوئی ہے' مگر میں اچھی امید رکھتا ہوں۔'' اور اب بہت ہو چکا تھا۔ زمر نے فائل اٹھا کر اسے دے ماری تھی۔

''کیا کہا تھا میں نے ابھی؟ سفاک اور بے مروت وکیل۔'' فارس نے فائل پکڑ کر سامنے سے ہٹائی اور افسوس سے سر جھٹکا۔ وہ ہنس کر سر جھٹکتی دوبارہ سے کام کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں
وہ بھی اس دور میں سچ بولیں تو مارے جائیں

کمرہ عدالت میں ہمیشہ سے زیادہ گھٹن تھی۔ مگر کم از کم آج کے دن موسم ثانوی شے بن کر رہ گیا تھا۔ کیا بادلوں کی سیاہی' اور کیا درختوں کا سبزہ' سب بے اثر تھا۔ لوگ آ رہے تھے۔ نشستیں بھری جا رہی تھیں۔ آوازیں' شور' حرکت۔

دفاع کی کرسیوں پہ رش کم تھا۔ چند ایک کاروباری دوستوں کے ہمراہ ہاشم اور نوشیرواں موجود تھے۔ شیرو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ ہاشم البتہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اطمینان سے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ طنزیہ سرد مسکراہٹ۔

استغاثہ کی کرسیوں پہ ان کا سارا خاندان یوں اکٹھا ہو رہا تھا جیسے کوئی تہوار ہو۔ وہ بنی اسرائیل کی مانند ایک جتھہ لگ رہے تھے۔ فارس جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا' مسکرا کے ساتھ کھڑی سارہ کی بات سن رہا تھا' جو سر پہ سفید دوپٹہ اوڑھے' بڑی آنکھوں سے مسکراتی ہوئی

اپنی بیٹیوں کی کوئی بات بتا رہی تھی۔ زمر کرسی پہ بیٹھی' گھنگھریالے بال آدھے باندھے' بدستور فائلوں پہ جھکی تھی' اور سیاہ ڈریس شرٹ میں ملبوس سعدی اس کے کندھے پہ جھکا' اس کے ساتھ ہی کاغذات پڑھنے میں لگا تھا۔ شاید کوئی نکتہ مل جائے جو کیس کو لمبا کر سکے۔ کچھ وقت گواہ ڈھونڈنے کا اور مل جائے۔ ندرت ایک کرسی پہ بیٹھیں ہتسبیح کے دانے گراتی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔ ایسے میں حنین اور اسامہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

''حنہ.....اگر ہم ہار گئے تو؟''

''اور اگر ہم جیت گئے تو؟'' وہ چہک کر بولی تھی۔

پچھلی نشستوں پہ موجود تماشائی اور رپورٹرز مرعوب' اور کچھ تنقیدی نگاہوں سے اس خاندان کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سب ایک ساتھ کھڑے' ایک جتھے کی صورت..... دور بیٹھے' قیمتی ملبوسات' اور مصنوعی مسکراہٹوں والے ''کاردارز'' اور ان کے دوستوں سے زیادہ متاثر کن لگ رہے تھے۔ جنگیں لڑ کر آیا خاندان.....زخموں کو اپنے ہاتھوں سے بغیر نشہ لئے سی کر آیا خاندان.....پانی میں ڈوب کر ڈر اور خوف کو ختم کر کے آیا خاندان.....ظالم کے خوف سے ایک دوسرے کو چپ کروا کے چھپ جانے کی بجائے انصاف اور انتقام کی ایک طویل جنگ لڑ کر آیا خاندان.....وہ یوں کھڑے تھے' اٹھی گردنوں اور فاتحانہ مطمئن مسکراہٹوں کے ساتھ کہ لگتا تھا آج وہ انصاف سے کم کسی شے پہ راضی نہیں ہوں گے.....وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور ایک دوسرے سے ہزار اختلاف رکھتے تھے مگر وہ ظلم کے خلاف کھڑے ہو کر ایک اونچی دیوار لگنے لگے تھے۔

''کیا استغاثہ کے پاس کوئی مزید گواہ ہے؟'' جج صاحب کی آمد کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی اور انہوں نے پہلا سوال یہی پوچھا۔ زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یور آنر' ہمارا گواہ ملک سے باہر ہے' ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایک تاریخ اور دی جائے۔''

''سرئیسلی مسز زمر!'' جج صاحب نے تحیر سے اسے دیکھا۔

''Delaying Tactics!'' ہاشم نے بلند سا تبصرہ کیا۔

''مسز زمر!'' جج صاحب کی آواز میں سرزنش تھی۔ ''آپ کے پاس ابھی گواہ ہے یا نہیں؟''

''یور آنر' کاردار صاحب نے گواہوں کو غائب کروا دیا ہے' مگر.....''

''آبجیکشن یور آنر' مسز زمر بغیر ثبوت کے الزام لگا کر خود ہی testify کر رہی ہیں۔'' وہ بیٹھے بیٹھے بولا تھا۔

''آپ کے پاس گواہ ہے یا نہیں؟'' جج صاحب نے زور دے کر پوچھا۔

''نہیں یور آنر' لیکن اگر عدالت وزارت داخلہ کو حکم دے تو ہمیں گواہ کو ڈھونڈنے میں مدد مل سکتی ہے اور.....''

''مسز زمر عدالت اپنی حدود میں رہ کر کام کرتی ہے' ثبوت لانا جج کا نہیں استغاثہ کا کام ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس کچھ پیش کرنے کو نہیں

ہے تو ہم آج اس کیس کا فیصلہ کر دیں گے۔" وہ قدرے ناگواری سے کہہ رہے تھے۔ سب خاموشی سے دم سادھے کبھی زمر کو دیکھتے' کبھی جج صاحب کو۔

"یور آنر! اگر آپ ہمیں ایک موقع اور دیں تو....."

"آپ عدالت کا وقت ضائع کر رہی ہیں۔ آپ تمام ثبوت اور گواہ پیش کر چکی ہیں' اب بہت ہو گیا۔" انہوں نے اب کے قدرے نرمی سے اشارہ کیا اور فائل کھول لی۔ زمر نے گہری سانس لی۔ فیصلے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

"عدالت فیصلہ سنانے کے لئے تیار ہے۔" جج صاحب کا یہ کہنا تھا کہ سب نشستوں سے اٹھ گئے۔ دونوں فریق اب برابر کھڑے تھے۔ اور جج صاحب اوپر اونچے چبوترے پہ بیٹھے' عینک ناک پہ لگائے کاغذ سے پڑھ کر کہہ رہے تھے۔

"سرکار بنام نوشیرواں کاردار میں مدعی سعدی یوسف نے نوشیرواں کاردار ولد اورنگزیب کاردار..... (ہاشم نے تھوک نگلی۔) کے اوپر اقدامِ قتل' تشدد' اغوا' اور حبسِ بے جا میں قید رکھنے کا الزام لگایا تھا جو کہ تعزیرات پاکستان آرٹیکل 350 ,307,365 کے تحت آتے ہیں۔"

فارس سب سے پیچھے کھڑا تھا۔ سب کی طرح وہ بھی بھنویں بھینچے سانس روکے سن رہا تھا۔ البتہ گردن بھی گھما لیتا تھا۔ چشمے والا آج نہیں آیا تھا۔

"عدالت نے ان سنگین الزامات کو دیکھتے ہوئے ان کے اوپر کارروائی شروع کی اور دونوں فریقین کو اپنے اپنے ثبوت اور گواہ لانے کا حکم دیا۔" جج صاحب پڑھتے ہوئے گاہے بگاہے ان کو دیکھ بھی لیتے جو دم سادھے سن رہے تھے۔ (اسامہ بور ہو رہا تھا۔ ڈراموں میں تو ایک ہی فقرے میں فیصلہ کر دیتے تھے' یہ اتنی لمبی تقریر کیوں کر رہے ہیں؟)

"استغاثہ نے ڈاکٹر سارہ غازی کو عدالت میں عینی شاہد کے طور پہ پیش کیا۔" (سارہ نے نروس سے انداز میں کان کے پیچھے بال اڑسے۔) "سعدی یوسف کی بہن نے گواہی دی کہ ملزم کے بھائی نے ان کے سامنے اعتراف کیا تھا۔ مگر اسی واردات کے دوسرے مبینہ ملزم نیاز بیگ نے گواہی دی کہ اس نے سعدی کو گولی ماری ہے' البتہ اس کے بیانات میں تضادات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ قابلِ بھروسہ نہیں ہے۔ (سعدی نے بے چینی سے پہلو بدلا) ملزم کے ملازموں اور گھر والوں کے بیانات استغاثہ کے دعووں سے بالکل برعکس تھے' اور وہ قابلِ اعتبار تھے یا نہیں' ہمیں یہاں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ کیا عینی شاہد کا بیان قابلِ بھروسہ ہے؟"

سب کی سانسیں رک رک کر چل رہی تھیں۔ دل بند ھے ہوئے تھے۔

"ڈاکٹر سارہ صرف اقدامِ قتل کی گواہ ہیں۔ اغوا' اور حبسِ بے جا میں رکھنے کا استغاثہ نے کوئی گواہ پیش نہیں کیا۔ میری اینجیو کلیو کی کسی جیل میں سعدی کے ساتھ تھی؟ جواہرات کاردار وہاں سعدی سے ملنے گئی تھیں؟ آبدار عبید کی وہاں سعدی سے ملاقات ہوئی تھی؟ ان باتوں کے حق میں کوئی گواہ یا ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔ آلہ واردات سے ملزم کے تعلق کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ اس لئے سارا کیس آخر میں عینی شاہد ڈاکٹر سارہ کی گواہی کے گرد آ کھڑا ہوتا ہے۔"

وہ سانس لینے کو رکے۔ بہت سے حلق خشک ہو رہے تھے۔ ہاشم لب کاٹ رہا تھا۔ نوشیرواں کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ سعدی کو پسینے آ رہے تھے۔

''دفاع نے اپنی باری پہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سعدی یوسف ایک دہشت گرد ہے مگر اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں دیا گیا کہ یہ نو ماہ سعدی نے دہشت گردوں کے ساتھ گزارے۔ عدالت سعدی یوسف کے اس دعوے سے اتفاق کرتی ہے کہ اس کو واقعی اغوا کیا گیا' اور حبسِ بے جا میں رکھا گیا' گو کہ سعدی یوسف کی واپسی کے بارے میں اور وہاں ہوئے چند واقعات جیسے دو افراد کا سیلف ڈیفنس میں قتل خود سعدی یوسف کے کردار کو بھی مشکوک بناتا ہے مگر یہ باتیں اس کیس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ عدالت میں استغاثہ کا کام یہ ثابت کرنا تھا کہ اغوا کرنے والا اور گولی مارنے والا ایک شخص نوشیرواں کاردار تھا۔ استغاثہ ملزم کے گواہوں جیسے کاردار صاحب کی سیکرٹری حلیمہ یا ملازمہ میری اینجیو کو جھوٹا ثابت کر دے' تب بھی کیا نوشیرواں حملہ آور اور اغوا کار ثابت ہوتا ہے؟۔ اگر سعدی اکیس مئی کو ہاشم کاردار کے آفس گیا بھی تھا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کئی گھنٹے بعد اسے گولیاں نوشیرواں نے ہی ماریں۔ آفس میں تو نہیں مارا گیا تھا سعدی کو۔ گھوم پھر کے ہم واپس ڈاکٹر سارہ کی گواہی کی طرف آ کر رک جاتے ہیں۔''

اب تو دل کی دھڑکنیں بھی رک گئی تھیں۔

''ڈاکٹر سارہ ایک طرف ایک پروفیشنل سائنسدان ہیں اور اعلیٰ عہدے پہ فائز ہیں' ایسے عہدے انسان کو باہمت اور بہادر بناتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ایک سال تک ایسا کوئی بیان نہیں دیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ عینی شاہد ہیں۔ ان کا بیان آخری وقت آیا اور اگر اس کو درست مان لیں تو یہ بات کہ وہ ذہنی سکون کے لئے دواؤں کا استعمال کرتی ہیں' سائیکاٹرسٹ کے پاس زیرِ علاج ہیں' اور سعدی کی نہ صرف ہاس بلکہ رشتے دار ہیں' یہ بات ان کی گواہی کو جانبدار بنا دیتی ہے اور کیس میں شک پیدا ہو جاتا ہے' اور قانون کہتا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے اس لئے ..... یہ عدالت... آج نوشیرواں کاردار کو ... ان تمام الزامات سے جو سعدی یوسف نے ان پہ لگائے تھے.... باعزت بری کرتی ہے۔''

اور سارے میں ایسا سناٹا چھایا تھا جیسے کسی کے مرنے پہ چھا جاتا ہے۔

چند لمحے کے لئے تو ہر شخص پھٹی پھٹی آنکھوں سے جج صاحب کو دیکھے گیا۔ خود ہاشم بھی۔ پھر ایک دم دفاع کی کرسیوں پہ شور سا بلند ہوا۔

''مبارک سلامت'' کے نعرے۔ قہقہے۔ خوشی کی چہکار۔ سعدی نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ گردن موڑی تو دیکھا۔ ہاشم خوشی سے مسکراتے ہوئے نوشیرواں کو گلے لگا رہا تھا' جو شل کھڑا تھا۔ پیچھے سے سب مبارکبادیں دے رہے تھے۔

زمر سر جھٹکتی اپنے کاغذ سمیٹنے لگی۔ ندرت نے سر جھکا کر آنسو پونچھے۔ سیم نے آسمان کو دیکھا۔ فارس زخمی سا مسکرا دیا۔

''یہ سب میرا قصور ہے۔'' سارہ نے گیلی آواز میں کہتے سر جھکا دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سارہ کا سر تھپکا۔

''آپ نے اپنی بساط سے بڑھ کر جدوجہد کی ہے۔ یہ انصاف کی عدالتیں نہیں ہیں' یہ قانون کی عدالتیں ہیں۔''

"ہم اپیل کریں گے۔خیر ہے سعدی!" زمر نے باہر نکلتے ہوئے اسے تسلی دی جو شل سا تھا۔فکرمند سی حنین نے بھی دوسری طرف سے پکارا۔"ہاں بھائی، ہم اپیل کریں گے۔"

"فائدہ کیا ہوا اس سب کا پھر؟" سیم مایوسی سے بول اٹھا تھا۔وہ اب راہداری میں آ کھڑے ہوئے تھے۔سعدی ابھی تک سن تھا۔ششدر۔جامد۔

"کاردار صاحب، مبارک ہو۔" ہاشم وکلاء کے جھرمٹ میں مسکراتا ہوا، لوگوں سے ہاتھ ملاتا باہر نکل رہا تھا۔نوشیرواں کے حواس بحال ہو رہے تھے، اور وہ اب وکیلوں کے بڑھے ہاتھوں سے مصافحہ کر رہا تھا۔ہر شخص فاتح وکیل سے ہاتھ ملانے اور مبارکباد دینے کا خواہاں تھا۔سب چاہتے تھے کہ ہاشم ان کو یاد رکھے۔وہ جو کچھ عرصے سے نیچے جا رہا تھا، آج اس کا گراف پوری شان و شوکت سے بلند ہو گیا تھا۔

دونوں گروہ ساتھ ساتھ احاطے سے باہر آئے تھے۔رپورٹرز کے مائیک تیزی سے سب کے سامنے آئے تو زمر محض "ہم اپیل کریں گے" جیسے چند فقرے کہہ کر سعدی کا بازو تھامے آگے بڑھ گئی۔فارس سمیت باقی گھر والے پارکنگ کی طرف جا رہے تھے، مگر سعدی نے بازو چھڑا لیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

وہاں ہاشم اور شیرو کھڑے تھے۔ان کی پشت پہ مجمع تھا، اور سامنے مائیکس۔ہاشم دن کی روشنی میں کھڑا، مسکرا کر بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔"آج انصاف اور قانون کی فتح ہوئی ہے۔آج معزز عدالت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کوئی گولڈ ڈگر مشکوک کردار کا مالک غریب لڑکا اٹھ کر کسی باعزت شہری کو اس کی امیری کی سزا نہیں دے سکتا۔" وہ فاتحانہ انداز میں اطراف میں نظریں دوڑاتا کہہ رہا تھا۔کیمرے کلک کلک کرتے اس کی تصاویر اتار رہے تھے۔ساتھ کھڑے شیرو کی نظر سعدی پہ پڑی تو وہ نظریں چرا گیا۔وہ خود بھی اتنا ہی بے یقین تھا جتنا کہ سعدی۔

"سعدی یوسف نے کیس کے دوران متعدد بار ہم سے بھاری رقوم کا مطالبہ کیا مگر ہم جانتے تھے کہ عدالت میں فتح سچ اور حق کی ہی ہو گی۔ہم ان وکلاء میں سے ہیں جنہوں نے چیف جسٹس کی بحالی اور عدلیہ تحریک کے لئے قربانیاں دی تھیں۔ہم نے اس ملک میں جمہوریت کی بقا کے لئے قربانیاں دی ہیں۔اب وہ زمانے چلے گئے جب لالچی لوگ اس طرح غریب کارڈ کھیلتے تھے۔اب عدالتیں آزاد ہیں۔"

"سعدی چلو۔" زمر اسے کہنی سے کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس نے پھر سے بازو چھڑا لیا اور پتلیاں سکیڑے ہاشم کو دیکھے گیا۔فارس آدھے راستے سے مڑ کر واپس آیا اور برہمی سے اسے پکارنے لگا۔"سعدی! کیا کر رہے ہو؟"

ادھر ہاشم کہہ رہا تھا"میں اعلیٰ حکام سے درخواست کرتا ہوں کہ بھلے ہم نے سعدی یوسف کو معاف کر دیا ہو، مگر کیس کے دوران جو سعدی کے دہشت گردوں کی معاونت کے ثبوت اور گواہ سامنے آئے ہیں، ان کے بارے میں مکمل تحقیقات ہونی چاہئیں۔"

"کاردار صاحب۔آپ کے اپنے ہی بھائی نے آپ کی کمپنی کے خلاف پریس کانفرنس کی تھی اور پیپر شائع کیا تھا جس سے آپ کی کمپنی کو کافی نقصان ہوا۔اس بارے میں کیا کہیں گے؟"

"اسی سے آپ اندازہ لگالیں کہ کیا اتنا سچا اور مخلص انسان کسی کو گولی مار سکتا ہے؟" وہ شیرو کی طرف اشارہ کر کے ترکی بہ ترکی بولا تھا۔

"کاردار صاحب آپ اپنی والدہ کے حادثے کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

مگر وہ سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی "ابھی کے لئے اتنا ہی کافی ہے" کہہ کر مسکراتا ہوا آگے آنے لگا۔ رپورٹرز بکھرنے لگے' اور وہ دونوں بھائی جھرمٹ میں راستہ بناتے چلتے ہوئے اس طرف آنے لگے۔ سعدی اسی طرح کھڑا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا' ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چہرہ دھوپ کی تمازت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ وہ سامنے سے آتے فاتح ہجوم کو دیکھ کر چلایا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم لوگ۔"

ہاشم نے دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر مسکرا کے اسے دیکھا۔ رپورٹرز اب اس طرف گھوم گئے تھے۔

"اللہ قہر نازل کرے تم پہ۔ اللہ غارت کرے تمہیں۔" کیمرے دھڑا دھڑ سعدی کی تصاویر اتار رہے تھے' ویڈیو بنا رہے تھے۔

ہاشم مجمع کی طرف گھوما اور تبصرے کے سے انداز میں کہنے لگا۔ "شکست کے بعد بہت سے لوگوں کو نفسیاتی امراض کے ہسپتالوں میں داخلے کی ضرورت ہوتی ہے' مجھے افسوس ہے اس بچے کے لئے۔ لیکن میں نے اس کے جھوٹوں کے لئے اس کو معاف کیا۔" ہاشم پھر سے چلنے لگا۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ اسے آگے بڑھنے کے لئے سعدی کے پاس سے گزرنا تھا۔

اور سعدی مٹھی بھینچ کر آگے بڑھا' کہ اس کے منہ پہ دے مارے' مگر فارس نے پیچھے سے اس کو کہنی اور بازو سے جکڑ لیا۔

"چلو یہاں سے۔" وہ دبے دبے سختی سے بولا تھا۔ "وہ تمہیں اکسا کر تماشہ کرنا چاہتا ہے' چلو یہاں سے۔" ہاشم اب مسکراتا ہوا قریب آ چکا تھا۔ آخری بات پہ بھی سعدی نہ رکتا' اگر فارس اسے زبردستی کھینچتا ہوا وہاں سے نہ لے جاتا۔ ساتھ ہی وہ اس کو ڈانٹ بھی رہا تھا۔ "کیا کر رہے تھے تم؟ اس کو مکا مارتے تو وہ اقدامِ قتل کا مقدمہ کر دیتا' اور اس کے پاس ثبوت بھی ہوتے اور گواہ بھی۔ وہ یہی تو چاہتا ہے۔"

سعدی لڑکھڑاتے قدموں سے چلنے لگا۔ چلتے چلتے کندھا جھٹک کر اس نے بازو چھڑا لیا۔ چہرہ سرخ تھا' آنکھوں میں پانی تھا۔ سب گھر والے کار پارکنگ میں رکے کھڑے تھے اس نے کسی کو نہیں دیکھا.... کسی سے بات نہیں کی۔ بس آگے بڑھتا گیا.... بڑھتا گیا....

نوشیرواں اور ہاشم کافی دیر بعد اپنی اپنی کار کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ مبارکبادوں اور تعریفوں کو سمیٹنے میں وقت لگا تھا۔ نوشیرواں اب سنبھل چکا تھا اور صرف سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔

"تم آزاد ہو۔ آج سے نئی زندگی شروع کر سکتے ہو۔"

"آپ کو یقین تھا ہم جیت جائیں گے؟"

"اگر میں شروع میں اسے نہیں لڑنا چاہتا تھا تو اس لئے کہ ہم بدنام ہوں گے' کاروبار کو نقصان پہنچے گا مگر مجھے معلوم تھا کہ یہ کیس وہ نہیں جیت سکتے۔ قتل کرنا آسان ہے شیرو' اسے ثابت کرنا بہت مشکل۔" اس نے مسکرا کے شیرو کا شانہ تھپکا۔ نوشیرواں جواباً اس کے گلے لگ گیا۔

"مجھے بچانے کا شکریہ بھائی۔" اس کے کان کے قریب شیرو بولا تھا۔ "مگر مجھے افسوس ہے کہ دوسروں کی طرح میں نے بھی آپ کو استعمال

کیا۔ یہ جو ٹوٹی ہوئی ہینڈز فری میں آپ کی جیب میں ڈال رہا ہوں' یہ وہ ہے۔ جس کا ائیر بڈ آبدار نے اس روز توڑ کر جھوٹ بولا تھا کہ وہ بگ ہے۔" "ایک ہاتھ سے اس کی جیب میں ٹوٹی ہوئی تاریں ڈالتے' وہ دھیرے سے زہر اس کے کانوں میں انڈیل رہا تھا۔ "زمر کو اس نے نہیں' میں نے بچایا تھا۔ جس جرم کی آپ نے اس کو سزا دی' وہ اس نے کیا ہی نہیں تھا۔" یہ کہہ کر وہ اس سے الگ ہوا تو دیکھا... ہاشم کی تلخ مسکراہٹ ویسی ہی قائم تھی۔

"میرے بے وقوف بھائی!" اس نے شیرو کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو سرد سی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی گئی۔ "تمہیں لگتا ہے مجھے یہ نہیں معلوم؟ تم ہمیشہ بیوقوف رہو گے شیرو۔ فارس کو لفٹ کا علم پہلے سے تھا' یہ دیکھ کر ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ تم نے کیا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا بھی تھا' تم نے انکار کر دیا' لیکن میں تمہارے ساتھ وہ نہ کرتا جو آبی کے ساتھ کیا۔ میں نے اس کو اس لئے مارا کیونکہ وہ مجھے اکسا رہی تھی' وہ خود اپنا قتل چاہتی تھی۔ وہ پیپر نائف سے مجھے نہیں مار سکتی تھی' وہ صرف چاہتی تھی کہ میں اسے مار ڈالوں۔ میں نے اس کی خواہش پوری کی۔ میں نے اس پہ احسان کیا۔ اس کا جرم وہ تمام دھوکے تھے جو وہ مجھے اس سے پہلے دے چکی تھی۔ مجھے اب کسی شے کا کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اور میں تمہارا کیس تمہیں بچانے کے لئے نہیں لڑ تا رہا۔ صرف اپنے نام کو کلئیر کرنے کے لئے لڑتا رہا ہوں۔"

نوشیرواں شل ہو گیا تھا۔ یہ عدالتی دھچکے سے زیادہ بڑا دھچکا تھا۔

"اگر وہ الزام اپنے سر نہ لیتی تو میرے... میرے ساتھ کیا کرتے آپ؟"

"وہی جواب کرنے جا رہا ہوں۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔ "ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں واپس جائیں گے' الگ زندگیوں کی طرف۔ سونیا کے ساتھ میں قصر سے شفٹ ہو رہا ہوں۔ تم اور تمہاری ماں وہاں رہ سکتے ہو۔" پھر ایک ملامتی مسکراہٹ کے ساتھ اسے چند لمحے دیکھتا رہا۔ "تم سب نے مجھے تباہی کی طرف دھکیلا ہے شیرو۔ تم... ممی... سعدی... شہرین... آبی... تم سب سے محبت کی تھی میں نے۔ تم سب نے مجھے میری محبت کی سزا دی۔" کہہ کر اس نے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے... ان کی سرخی اور نمی چھپا لی اور کار میں بیٹھ گیا۔ کالا شیشہ بند ہو گیا تو شیرو اسے دیکھنے کے قابل بھی نہ رہا۔

چند لمحے بعد وہاں سے دو کاریں دو الگ راستوں پہ روانہ ہوئی تھیں۔ اور عدالت کی اونچی عمارت کی قدیم دیواریں خاموشی سے اپنے جہنمی شور کو سنتی رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیکھا نہ کسی نے بھی مری سمت پلٹ کر

محسن میں بکھرتے ہوئے شیشوں کی صدا تھا

وہ کن قدموں سے گھر پہنچا اسے معلوم نہ تھا۔ سب خاموشی سے اندر آئے تھے صرف وہ تیزی سے آگے بھاگتا گیا تھا۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ لاک کر دیا۔ پردے گرے تھے' اور دوپہر کے باوجود روشنی نہ تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ قانون کی کتابیں رکھی تھیں۔ سعدی چند لمحے

گلابی پڑتی آنکھوں سے ان کتابوں کو دیکھتا رہا۔

"میں سچ بول رہا تھا۔" اس نے موٹی کتاب اٹھا کر زور سے دیوار پہ دے ماری۔

"میں سچ بول رہا تھا۔" اس نے بوٹ کی ٹھوکر سے میز لڑھکا دی۔ اسٹڈی لیمپ نیچے آ گرا۔ فرش سے ٹکرا کر بلب چکنا چور ہو گیا....

"میں سچ بول رہا تھا۔" وہ اب ریک میں رکھی کتابیں نکال نکال کر زمین پہ پھینک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

"میں سچ بول رہا تھا۔" وہ روتے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پہ گرتا گیا۔ سر جھکائے' آنکھیں سختی سے میچے' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

سامنے کتابوں کا ڈھیر لگا پڑا تھا جن میں ہزاروں قوانین اور دستور درج تھے۔

"میں سچ بول رہا تھا۔" اس نے گیلی آنکھیں کھولیں۔ پھر غصے اور بے بسی سے ایک کتاب اٹھائی' اور کھول کر صفحے پھاڑنے چاہے۔ مگر ہاتھ کانپ گئے۔ وہ یہ نہیں کر سکا......

"میں سچ بول رہا تھا۔" وہ سیاہ جلد والی سیاہ و سفید کی مالک کتابوں کے سامنے اکڑوں بیٹھا تھا اور سر گھٹنوں میں دیے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ "مگر کیا فائدہ ہوا سچ بولنے کا؟ سچ کے لئے لڑنے کا؟"

باہر سب خاموشی سے اس کی توڑ پھوڑ اور اب سسکیوں کی آوازیں سن رہے تھے مگر ایک دوسرے سے نظریں چرائے ہوئے تھے۔ بڑے ابا نے کسی سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ چہرے بتا رہے تھے کہ جو انصاف مانگنے گئے تھے' وہ مصلحتوں میں لپٹے نظریہ ضرورت جیسے فیصلے کو اٹھا لائے تھے۔

ادھر اپنے آفس' کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہاشم نے رئیس سے پوچھا تھا۔ "آخری کارڈ کھیلنے کا وقت آ گیا ہے۔ پارٹی کی تیاری مکمل ہے؟"

"جی سر۔ سب تیار ہے۔"

"اچھا۔ میں نیا گھر دیکھنے جا رہا ہوں۔ انٹیریر ڈیزائنر نے آج کام ختم کر لینا تھا۔ کیا وہ ہو گیا؟" وہ سیل فون دیکھتے تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ زندگی کی مصروفیت پھر سے شروع ہو چکی تھی۔

"یس سر۔ آپ کیس کے سلسلے میں بزی تھے میں نے اس کو سنبھال لیا تھا۔"

"تم نے نہیں۔" اس نے مسکرا کے ٹوکا۔ "میں نے.... ہاشم نے سنبھالا ہے ہر شے کو۔" اور آگے بڑھ گیا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناشناسائی کے موسم کا اثر تو دیکھو

آئینہ خال و خدِ آئینہ گر کو ترسے

اس تپتی صبح لگتا تھا سارے شہر پہ سونے کا ملمع چڑھا دیا گیا ہو۔ شاید زمین کے اندر بڑے بڑے جہنم دہک رہے تھے جس سے اوپر چلنے

والے بے خبر تھے۔ ایسے میں ہسپتال کی مرمریں راہداری میں وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ زمر سبز رنگ کے لباس میں ملبوس تھی اور سن گلاسز بالوں پہ ٹکا رکھے تھے۔ فارس سیاہ شرٹ پہنے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم واقعی ان سے ملنا چاہتی ہو؟"

ایک دروازے کے سامنے وہ رک گئی اور مڑ کر اسے دیکھا۔ "تم اپنی آنٹی سے نہیں ملو گے؟"

"میرا دل تمہاری طرح نہیں ہے۔ میں ابھی کچھ نہیں بھولا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر وہیں رک گیا۔ زمر گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔

زمر اندر آئی ہی تھی کہ شہرین باہر آتی دکھائی دی۔ اس نے سونی کی انگلی پکڑ رکھی تھی اور میری ایںجو تحکم سے اسے کہہ رہی تھی۔

"ہاشم کا حکم ہے کہ آپ آخری دفعہ سونی کو ساتھ لے جا رہی ہیں، ویک اینڈ پہ جب آپ اسے چھوڑنے آئیں گی تو اس کے بعد...." زمر کو دیکھ کر وہ چپ ہوئی۔ شہری نے بھی دیکھا تو سر جھٹک کر سونی کو لئے آگے بڑھ گئی۔

میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری پہنے کھڑی میری نے ملکہ کی شان سے گردن کڑا کے اسے مخاطب کیا۔ "خوش آمدید مسز زمر۔ اندر آیئے۔ مسز کاردار آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ اندر چلی آئی۔ آج کمرے میں کوئی پھول نہ تھا۔ پردے ہٹے تھے اور چمکیلی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ کھڑکی کے سامنے آرام کرسی پہ جواہرات بیٹھی تھی۔ رخ موڑ رکھا تھا اور سر پہ شال لے کر چہرہ ڈھک رکھا تھا۔ زمر کافی پیچھے بیٹھ گئی تا کہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

"تم جاؤ میری!" جواہرات نے گلا خراب کی سی آواز میں میری کو کہا، مگر میری زمر کے قریب صوفے پہ بیٹھ چکی تھی۔ "نہیں مسز کاردار، مجھے یہاں ہونا چاہیے۔" اس کی آواز میں تمکنت تھی، ایسی تمکنت جسے جواہرات رد نہ کر سکی۔ خاموش ہو گئی۔

"کیوں آئی ہو زمر؟" وہ باہر دیکھتے ہوئے آزردہ سی ہو کر پوچھنے لگی۔

"آپ کی خیریت لینے آئی تھی۔" توقف کیا۔ "میں جانتی ہوں کہ میری رپورٹس، میری صحت، میری زندگی کے ساتھ آپ کیسے کھیلتی رہی ہیں۔ شاید آپ مجھ سے حسد کرتی تھیں۔ حالانکہ میں آپ جیسی خوبصورت بھی نہ تھی، مگر آپ کو اپنے سامنے کسی کی تمکنت اچھی نہیں لگتی۔ بہر حال۔" اس نے سر جھٹک کر گہری سانس لی۔ آنکھیں جواہرات کی پشت پہ جمی تھیں۔ "میں آپ کو معاف کرنے آئی ہوں۔ دل سے ابھی تک بھولی کچھ بھی نہیں ہوں مگر میں آپ کو معاف کرنا چاہتی ہوں۔ ہاشم کا معاملہ میں نے اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔"

ایک آنسو جواہرات کی آنکھ سے ٹپکا اور چہرے پہ پھسلتا گیا۔

"میں نے تم جیسے بہت سے لوگوں کو اجاڑا ہے زمر۔ مجھے کون کون معاف کرے گا؟"

"آپ معافی مانگ لیں، یہی اہم ہوتا ہے۔"

"ہاشم مجھے معاف نہیں کرے گا، شیرو مجھے معاف نہیں کرے گا۔ اب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو گا۔ ہاشم سے کہو، مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے ملنے آ جائے۔"

"میں یہ نہیں کر سکتی مسز کاردار، مگر میں آپ کو اپنے اوپر کیے گئے تمام مظالم کی قید سے آزاد کرتی ہوں۔ میرے اور میرے خاندان کا کوئی

حساب اب آپ پہ ادھار نہیں ہے۔"

جواہرات اسی طرح باہر دیکھتی رہی۔ آنسو گر رہے تھے۔ "میں تم سب سے بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ میری مدد کرو۔ مجھے اکیلا مت چھوڑو۔ مجھے اپنے سارے گناہوں کا احساس ہے۔"

زمر زخمی سا مسکرائی' اور پرس کندھے پہ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "نہیں مسز کاردار۔ آپ نہ شرمندہ ہیں' نہ آپ کو احساس ہے۔ آپ اب بھی مجھے استعمال کرنا چاہتی ہیں ہاشم کو منانے کے لئے۔ اکثر انسان نہیں بدلتے۔" جواہرات بالکل چپ ہو گئی۔ آنسو بہنا رک گئے۔

"یعنی تم لوگ اب مجھے دشمنی کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔" پھر اس کے لبوں سے سرد آہ نکلی۔

"اللہ آپ کو صحت دے اور آپ پہ رحم کرے۔ میں چلتی ہوں۔" وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

فارس راہداری میں دیوار کے ساتھ کھڑا تھا' ہاتھ جیبوں میں ڈال رکھے تھے' اور چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ یونہی نگاہ پھیری تو سامنے سے شہری اور سونی آتی دکھائی دیں۔ شہرین نے اسے دیکھ کر فوراً نظریں چرا لیں۔ فارس نے سونی کو دیکھا' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ انتہائی خوبصورت بچی تھی وہ۔ وہ نرمی سے مسکرایا۔ تو سونیا نے غصیلی آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں کو بنا آواز کے ہلا کے کہا۔ "آئی ہیٹ یو۔" اور منہ موڑ کے آگے بڑھتی گئی۔

فارس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ آنکھوں میں اچنبھا بھر آیا۔ کچھ دور اندر زخمی بھی ہوا تھا۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔ چند لمحے بعد زمر آتی دکھائی دی تو وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ مگر دو سیاہ خوبصورت آنکھیں' ان کا یک ٹک اسے دیکھنا' اور ہونٹوں کا ہلا کر بنا آواز کے تین الفاظ بولنا' وہ دماغ سے زیادہ دل کے اندر تک پیوست ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت رکتا ہی نہیں خواب ٹھہرتے ہی نہیں

پاؤں جمتے ہی نہیں بہتے ہوئے پانی پر

کتنی راتیں اتریں' کتنے دن ڈھلے' زندگی میں گھل جانے والی مایوسی سعدی کو ہر شے سے بے نیاز کر چکی تھی۔ وہ تمام گھر والوں سے نظریں چرا کے صبح جلدی نکل جاتا۔ پھر یونہی سڑکوں پہ پھرتا رہتا۔ یا سارا سارا دن کمرے میں پڑا رہتا۔ اس روز سے اس کا جیسے دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔ ملک' قانون' انصاف کے ادارے ہر شے سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ پاکستان کا کوئی مستقبل نہیں ہے' وہ جان گیا تھا۔

آج پھر وہ کمرے میں پڑا تھا۔ صوفے پہ لمبا لیٹا' موبائل پہ انگلی پھیرتا سوشل میڈیا دیکھ رہا تھا۔ سیو سعدی یوسف پیج کے علاوہ۔ وہاں تو شرمندگی سے وہ جاتا ہی نہیں تھا۔

باہر لاؤنج میں آؤ تو ٹی وی ہنوز غائب تھا' اور بڑے ابا' اسامہ اور حنین سے محو گفتگو دکھائی دیتے تھے۔ اسی اثناء میں ندرت سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھیں' اور میز پہ کبابوں کے کچے آمیزے کا برتن رکھا۔ ساتھ میں پانی کا پیالہ' اور بڑی ٹرے جس میں ٹکیاں بنا بنا کر رکھنی تھیں۔

چند لمحے گزرے اور دونوں اولادیں ان کے دائیں بائیں آ بیٹھیں۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی لالچ تھی۔

"امی صبح جو آپ نے حلیم بنایا تھا وہ بہت مزے کا تھا۔"

ندرت نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا۔ "کسی کا ہاتھ کبابوں کے ایک فٹ بھی قریب آیا تو میں نے جوتے مار مار کر شکل بدل دینی ہے۔"

"یہ دھمکی اب پرانی ہو چکی مام ڈارلنگ!" حنہ نے دو انگلیوں سے مصالحہ اچک کر منہ میں رکھا۔ امی کی ناک کے نیچے سے کچے کبابوں کا آمیزہ کھانا... آہ... من وسلویٰ تھا یہ۔

ایک زوردار کا تھپڑ اس کے ہاتھ پہ آ لگا۔ "ہزار دفعہ کہا ہے درمیان سے مت اچک لیا کرو۔ بے برکتی ہوتی ہے۔" مگر ان کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

"ندرت" ابا کو کچھ یاد آیا۔ "فارس کہہ رہا تھا وہ لوگ نیا گھر لینا چاہ رہے ہیں۔"

"حالانکہ یہ اتنا بڑا گھر کافی ہے سب پہ۔" ندرت کو بات پسند نہیں آئی تھی۔

"امی آپ کیوں اسٹار پلس والی دادی بننا چاہ رہی ہیں؟ ان کو رہنے دیں جہاں وہ چاہتے ہیں۔" حنہ نے ناک سکوڑی تھی۔

"لو... میں تو ایک بات کہہ رہی تھی۔"

"امی آپ نا بھائی کی شادی کر دیں۔ یوں رونق آ جائے گی گھر میں۔" اس نے چٹکی میں حل بتایا۔ ندرت نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے سعدی کے کمرے کو دیکھا۔ (سیم نے آنکھ بچا کر ذرا سا آمیزہ اٹھا کر منہ میں رکھا۔ من وسلویٰ۔) "پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے بیٹے کو۔"

"چلو جی۔" حنہ نے منہ بنایا۔ "ساری دنیا کے لوگوں کو مسئلے ان کے اعمال کی وجہ سے پیش آتے ہیں' ایک ہم پاکستانیوں کو ہر بات میں یا تو نظر لگتی ہے یا جادو ہوتا ہے۔"

"نظر برحق ہے بیٹا۔" ابا نے تنبیہہ کی۔

"جی ابا' بالکل برحق ہے' یہ اونٹ کو ہانڈی اور انسان کو قبر تک پہنچا دیتی ہے' مگر جب قرآن میں اللہ تعالیٰ لوگوں پہ آنے والی مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے تو فرماتا ہے کہ نمبر ایک' وہ ان کو ان کے اعمال کے سبب پہنچیں' نمبر دو' وہ لوح محفوظ میں اللہ نے ایسی ہی لکھ رکھی تھیں۔ مجھے لگتا ہے ابا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم پاکستانی نظر اور جادو سے نکل آئیں' اور اپنے مسئلوں اور اعمال کو own کرنا سیکھیں۔ نظر لگتی ہے اور جادو بھی ہوتا ہے مگر ذرا ذرا سی باتوں میں نہیں ہوتا۔ رہا آپ کا بیٹا تو والدہ ماجدہ' ادب کے ساتھ' مگر آپ کے بیٹے اور بھائیوں کے اعمال ہی ایسے تھے۔ انہوں نے برے لوگوں کے ساتھ پنگا لیا' گو کہ انہوں نے اچھا کیا تھا' مگر ہر اچھے کام کے نتیجے میں اچھائی تو نہیں ملتی نا۔"

سر پہ ندرت کا تھپڑ لگا تو وہ چپ ہوئی۔ "زیادہ بک بک نہ کرتی رہا کرو ہر وقت۔ بس ماں کی غلطیاں نکالنے پہ لگتا ہے انعام ملنا ہوتا ہے تم لوگوں کو۔ اب جاؤ' بھائی کو بلا کر لاؤ' کھانے کا بتاؤ' کیا کھائے گا' میں وہی بناؤں۔"

"امی یہ کباب فرائی کر دیں۔" اسامہ چہکا۔

"یہ مہمانوں کے لئے ہیں۔ ہٹو اب۔" اور جب حنین بھائی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو پیچھے سے سیم کے "مہمانوں" کی شان میں

قصیدے سن سکتی تھی۔ (کسی کے گھر جاؤ تو نہیں کھانے دیتیں... اور اپنے گھر میں ہر اچھی چیز مہمانوں کے لیے رکھ دیتی ہیں۔)

سعدی اندھیرا کیے صوفے پہ بیٹھا فون دیکھ رہا تھا۔

"بھائی۔" حنہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی' پھر جھک کر دیکھا۔ وہ ہاشم کا ٹوئیٹر دیکھ رہا تھا۔ تصویر میں ہاشم تھا' اسٹائلسٹ اس کے کوٹ کا کالر درست کر رہا تھا' اور آگے پیچھے لوگ کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔ "وکٹری پارٹی۔ کاردارز کا مجح۔ تھینک یو پاکستان۔ سرکار بنام نوشیرواں کاردار۔" یہ تمام الفاظ Hashtag کر کے لکھے گئے تھے۔

"اس کو مت دیکھا کریں بھائی۔ اب بس نکل چکے ہیں یہ لوگ ہماری زندگی سے۔"

"یہ مایا ہے... ڈاکٹر مایا..." وہ تیزی سے بولا تو حنین سناٹے میں رہ گئی۔

"یہ جولڑکی کونے میں نظر آ رہی ہے' سائیڈ پوز!" وہ زوم کر کے دیکھ رہا تھا۔ بے یقینی سے۔ حیرت سے۔ "یہ مایا ہی ہے۔ یہ ہے وہ گواہ جو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔" مگر حنہ نے اسکرین پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"مگر اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس کو بند کریں اور باہر آئیں۔ امی بلا رہی ہیں۔"

وہ کہہ کر خود تو آ گئی' مگر جب کافی دیر گزرنے کے بعد سعدی نہ آیا تو حنہ دوبارہ اس کے کمرے میں گئی۔

کمرہ خالی تھا۔ بیرونی گیلری کو جاتا دروازہ کھلا تھا۔ الماری کے پٹ کھلے تھے ہینگر بیڈ پہ پڑا تھا۔ گویا اس نے لباس بدلا تھا۔ حنین دم بخود سی کھڑی رہ گئی۔ پھر میز پہ نظر پڑی جہاں سیاہ فون بک کھلی نظر آ رہی تھی۔ یہ زمر کی تھی جس میں وہ عرصے سے وکلاء اور ججز کے گھر کے پتے لکھ کر محفوظ کرتی تھی۔ حنہ نے صفحے پلٹائے۔ ایچ نکلا۔ ہاشم کاردار۔ اس کے دو تین پتے لکھے تھے۔ تیسرا کاردارز کا مجح کا تھا... اس کا فارم ہاؤس جو چک شہزاد کی طرف تھا۔

وہ فوراً باہر بھاگی۔ اس کا دل بری طرح سے کانپ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کیس مئی کی صبح پھر سے آن پہنچی ہو... وہ تب بھی تیار ہو کر... سوٹ پہن کر گھر سے گیا تھا... بغیر بتائے... نہیں... آج نہیں...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منظر جو آنکھ میں ہے گنوا دیجئے اسے

پتھر جو دل پہ ہے اسے کیسے ہٹائیے

ذرا سی بارش ہوئی تھی مگر درخت اور پودے نہا کر سرسبز نکل آئے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو سارے میں رچ بس گئی تھی۔ زمر کار سے نیچے اتری اور گردن اٹھا کر دھلے دھلائے خوبصورت بنگلے کو دیکھا تو ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ سن گلاسز آنکھوں سے اوپر لے جا کر ماتھے پہ ٹکا لیں۔ فارس ڈرائیونگ ڈور بند کر کے باہر نکلا اور مسکراتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"کیسا لگا محترمہ طور پہ ہمارا نیا گھر؟"

''اچھا ہے۔'' اس نے مسکرا کے سراہا۔ وہ دونوں اب کار کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے بنگلے کو دیکھ رہے تھے۔

''اس چڑیا گھر سے تو بہت ہی اچھا ہے۔'' وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ زمر نے خفگی سے آنکھیں گھما کر اسے دیکھا۔

''میرے گھر والوں کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟''

''کیونکہ بی بی آپ سے زیادہ وہ میرے گھر والے ہیں۔''

''مس کرو گے تم ان کو۔'' زمر نے واپس گھر کی طرف چہرہ موڑ لیا۔

''میں انشاءاللہ تعالیٰ کسی کو بھی مس نہیں کروں گا۔'' وہ جھرجھری لے کر بولا تھا۔

''مگر میں ان کے بغیر رہوں گی کیسے؟'' وہ مصنوعی اداسی سے بولی۔ فارس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''جی جی۔ آپ تو جیسے بڑی خدمت گزار بہو ہیں۔ دن میں چھ قسم کے کھانے بناتی ہیں اور بڑا لگاؤ ہے آپ کو جوائنٹ فیملی سے۔''

''یہ تم ہمیشہ سے اتنے ہی طنز کرتے تھے کیا؟'' وہ اب سچ مچ برا مان گئی تھی۔

''آپ کی صحبت کا اثر ہے۔''

''ہم گھر دیکھنے آئے ہیں یا لڑنے؟''

''جو آپ کا موڈ ہو آپ بتا دیں۔''

''ہونہہ۔'' ناک سکوڑ کر اس نے سر جھٹکا اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ آگے گئی تو فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی، مگر جلدی سے سنجیدہ چہرہ بناتا اس کے پیچھے لپکا۔

''تم خوش ہو؟'' اس کے ساتھ اندر جاتے اس نے پھر سے اسے چھیڑا۔

''ہم کیس ہار گئے۔ مجھے کیسا ہونا چاہیے۔'' وہ واقعی اداس ہوئی۔

''جیت کر کیا ہوتا۔ وہ اپیل کرتے اور شیرو بری ہو جاتا۔ یا ہاشم اسے جیل سے غائب کروا دیتا اور ملک سے باہر بھجوا دیتا۔ سب کا وقت بچ گیا۔ اب نئی زندگی کا سوچو۔'' وہ اس نئے تعمیر شدہ مکان کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ وہ آگے تھی اور وہ پیچھے چل رہا تھا۔

''نئی زندگی میں تم اچھے اور شریف ہو جاؤ گے کیا؟'' وہ مڑ کر سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''استغفراللہ۔'' وہ بڑبڑایا۔ دو چار فقرے زبان تک آئے تھے مگر فون کی گھنٹی... اس نے برے موڈ سے موبائل نکال کر دیکھا۔ حنین کالنگ۔ اس کا دماغ گویا بھنا اٹھا۔

''حنین تم آخر پیدا کیوں ہوئی تھیں ہمارے گھر؟ کیا تم پہ لازم ہے کہ جب آدمی مصروف ہو، تم کوئی نہ کوئی کال کر کے ضرور دماغ خراب کرو گی۔'' وہ واقعی غصے سے بول رہا تھا مگر دوسری طرف کے الفاظ سن کر اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے پڑے۔ چہرہ پھیکا پڑا۔

''کب گیا ہے وہ؟ ہم آ رہے ہیں۔'' ساتھ ہی فون بند کرتے زمر کو دیکھا جو چونک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ ''کیا ہوا؟''

''سعدی.....'' اور وہ نیچے دوڑا۔ وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔ ایک دم سے سب کچھ بدل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ اہل ہجر کی بستی ہے احتیاط سے چل!

مصیبتوں کی یہاں انتہا گزرتی ہے

کاردارز کا میچ چھوٹا سا تھا مگر اس کے چاروں اطراف کھلے سبزہ زار بکھرے تھے۔ کا میچ کی چار دیواری لکڑی اور شیشوں کی بنی تھی۔ دروازے کھڑکیاں.... سب اونچے شیشوں سے مرصع تھے۔ دعوت شروع ہو چکی تھی اور ائیر کنڈیشنڈ لاؤنج میں کھڑے مہمانوں کو شیشے کی کھڑکیوں سے اطراف میں پھیلا سبزہ زار صاف دکھائی دیتا تھا۔ اندر میوزک کا شور کافی تھا' لوگ ہاتھوں میں گلاس لئے' ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ کا میچ کے کچن میں آؤ تو اس کے ساتھ ایک اور کمرہ بنا تھا۔ اس میں دیوار گیر آئینہ لگا تھا اور سامنے کھڑا ہاشم ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔

''سب ٹھیک جا رہا ہے؟'' اس نے اپنے عکس کے پیچھے نظر آتے رئیس کو دیکھ کر پوچھا۔

''یس سر! آپ کے ٹوئیٹر پہ وہ فوٹو شاپڈ پکچر لگا دی ہے۔ سعدی دیکھے گا تو سمجھے گا کہ یہ ڈاکٹر مایا ہے اور وہ دیکھنے ضرور آئے گا....''

پن اسٹرائپ کوٹ پہنتے ہوئے وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر مسکرایا۔ ''میک شیور کرنا اسے آرام سے اندر داخل ہونے دیا جائے۔ وہ مایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا' جو یہاں ہے ہی نہیں۔'' وہ اب دھیمی آواز میں مزید ہدایات دے رہا تھا.....

فارس جس وقت دھاڑ سے دروازہ کھول کر مور چال کے لاؤنج میں داخل ہوا' حنین بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی اور پیچھے ابا' ندرت اور سیم پریشان سے بیٹھے تھے۔

''کون سی ڈائری ہے' دکھاؤ۔'' وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ راستے میں جتنا سن چکا تھا' وہ بہت تھا۔ آگے بڑھا حنہ سے ڈائری خود ہی جھپٹ لی اور صفحے پلٹائے۔ بار بار بالوں میں انگلیاں چلاتا' آستین سے پیشانی پونچھتا۔

''اس کا فون کیوں آف ہے؟'' پیچھے پریشان سی زمر فون کان سے لگائے اندر آ رہی تھی' وہ سارا راستہ اسے کال کرتی رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' حنہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''میرے بھائی کو واپس لائیں۔''

''فارس.... وہ کیا کرنے گیا ہے ادھر....'' ندرت نے کچھ کہنا چاہا مگر گلا رندھ گیا۔ انہوں نے سر پکڑ لیا۔ مگر وہ کسی کو نہیں سن رہا تھا۔ اس نے بس ڈائری سے ایک صفحہ پھاڑا اور باہر کو بھاگا۔ ''میرے آنے تک کوئی گھر سے نہیں نکلے گا۔ میں اس کو لے کر آتا ہوں۔'' جاتے جاتے ایک نظر زمر پہ ڈالی۔ ''میں آ رہا ہوں۔ بس اس کو لے کر!'' کوئی وعدہ تھا جو اس نے کیا۔ ایسا ہی ایک وعدہ ندرت کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر بائیس مئی کی صبح بھی کیا تھا۔ وہ سب پر امید آنکھوں سے اسے دیکھے گئے اور وہ کسی الوداع' کسی سلام کے بغیر باہر نکل گیا۔

''اوہ سعدی... تم ایسا کیوں کرتے ہو؟'' زمر سر ہاتھوں میں لیے صوفے پہ بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

22

پتھر ہو تو کیوں خوفِ شبِ غم سے ہو لرزاں؟
انساں ہو تو جینے کی ادا کیوں نہیں آتی

وہ خوبصورت سا بنگلہ شام کے اس پہر تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ سعدی ملازم کی معیت میں اندر داخل ہو رہا تھا۔ کوٹ کے نیچے سفید شرٹ پہنے' بال بنائے' وہ کافی سنجیدہ اور سوبر دکھائی دے رہا تھا۔ ملازم اسے اسٹڈی روم کے دروازے تک لے آیا اور پھر رخصت ہو گیا۔ اس نے گہری سانس لے کر دروازہ دھکیلا۔

اندر میز کے پیچھے جج صاحب عابد آغا بیٹھے تھے۔ دونوں ہاتھ باہم ملائے' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تمہارا یہاں آنا' کیونکہ میں عدالت میں فیصلہ دے چکا ہوں۔ تمہارا مجھ سے ملنا ہر طرح سے غلط ہے۔ لیکن تم نے درخواست کی تھی' اس لئے میں نرمی برت رہا ہوں۔ بیٹھو۔" وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

سعدی دروازہ بند کر کے ان کے سامنے آ کر بیٹھا۔ کمرے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ شیلف میں رکھی موٹی موٹی قانون کی کتابیں بوریت سے اس خاموشی کو سننے لگیں۔

"آج ہاشم کار دار وکٹری پارٹی دے رہا ہے یور آنر۔ اور اس میں وہ گواہ بھی شامل ہے جس کو میں ڈھونڈ رہا تھا۔" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "پہلے میں نے سوچا کہ وہیں جاؤں۔ زمر کی ڈائری کھولی تا کہ اس کے کالج کا ایڈریس دیکھوں مگر وہاں آپ کا نام دیکھا تو یہیں چلا آیا۔" وہ غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں یہاں آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں یور آنر۔ کیا میں واقعی ساری دنیا کو جھوٹا لگتا ہوں؟"

"سعدی!" ہاتھ باہم پھنسائے جج صاحب نے گہری سانس لی۔ اسٹڈی میں پھیلی مدھم روشنی نے ماحول کے تناؤ کو بڑھا دیا تھا۔ "جس وقت تم لوگ.... پہلے دن.... میرے کورٹ روم میں داخل ہوئے تھے.... میں کیا' کچہری کا ہر ریڈر' رپورٹر' ہر وکیل' جج' حتیٰ کہ جھاڑو لگانے والا خاکروب اور جو باہر فوٹو کاپی کرنے والے بیٹھے ہوتے ہیں' وہ بھی یہ جانتے تھے کہ تمہیں کس بھائی نے گولیاں ماریں' اور کس بھائی نے اغوا کر کے سری لنکا بھیجا۔ سب کو پہلے دن سے معلوم تھا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔"

سعدی دم سادھے بیٹھا رہا۔ "آپ سب جانتے تھے؟"

"آج تمہیں ایک بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا ہو گا۔" وہ قدرے آگے کو جھکے۔ "عدالت میں دو طرح کے مقدمے ہوتے ہیں۔ یعنی جرائم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کرمنل کیسز۔ اور کرپشن کیسز۔ کرمنل کیسز جیسے قتل' چوری' اغوا وغیرہ کے مقدمے۔ اور کرپشن کیسز جیسے کسی سیاستدان یا سرکاری افسر نے اپنے عہدے کا فائدہ اٹھا کر ملک کی ترقی کے لئے جو فنڈز ہوتے ہیں ان میں سے رقم ہیر پھیر کر کے اپنے اکاؤنٹس میں بھری ہو۔ جب کسی پہ کرپشن کا الزام لگتا ہے تو ساری دنیا میں قانون یہی ہے کہ بارِ ثبوت ملزم پہ ہوتا ہے' یعنی جس سیاست دان پہ الزام لگا ہے' اس کو خود ثبوت دے کر اپنے پیسے کو حلال کا پیسہ ثابت کرنا ہے۔ کرپشن کیسز میں الزام لگانے والا ثبوت نہیں دیتا۔ سمجھ آ گیا؟"

سعدی کا سرا ثبات میں ہلا۔

''اسی طرح پوری دنیا میں.... جب کرمنل کیس چلتا ہے... قتل' چوری' اغوا وغیرہ کے مقدمے ...تو ثبوت الزام لگانے والے کو دینا ہوتا ہے۔ کرپشن کیس کے برعکس۔ ٹھیک؟''

''ٹھیک!'' وہ جانتا تھا' مگر سر کو خم دیے سنے گیا۔

''تمہارے کیس میں سب کو معلوم تھا کہ تم سچے ہو' وہ جھوٹے ہیں' مگر سعدی یوسف خان' تمہارے پاس ثبوت نہیں تھے۔ میں نے سنا ہے تمہارے پاس کوئی ویڈیو بھی تھی ہاشم کے دفتر کی مگر تم نے اور ہاشم نے ڈیلنگ کر کے اس کو دبا دیا کیونکہ اس میں تمہاری بہن پہ انگلی اٹھنے کا خطرہ تھا۔ یہ باتیں کچہری میں کبھی نہیں چھپتیں۔ سب کو سب پتہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہر سو میں سے ننانوے قتل جب ہوتے ہیں تو چوبیس گھنٹوں میں سب کو قاتل کا پتہ چل جاتا ہے۔ مگر سزا اس لئے نہیں ملتی کیونکہ قانون کمزور ہے۔ یہ قانون جج نے نہیں بنائے' ہم نے صرف اس قانون کو مدِ نظر رکھ کر فیصلے کرنے ہیں۔ یہ جن کو تم ووٹ دے کر اسمبلیوں میں بھیجتے ہو انہوں نے بنانے ہیں قانون۔ قانون کہتا ہے کیس میں reasonable doubt تک نہ آئے مگر تمہارے کیس میں شک تھا۔ جج انتظار کرتا ہے کہ ثبوت لاؤ' ثبوت لاؤ' گواہ لاؤ' گواہ لاؤ ۔تم لوگ گواہ اور ثبوت نہیں لاتے تو جج کا کیا قصور؟ ڈاکٹر سارہ اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر ہاشم سے کہتی ہیں کہ تم میرے شوہر کے قاتل ہو۔ مگر تم لوگ ہاشم کے خلاف کوئی کیس پر سوہی نہیں کر رہے تھے۔ تمہارا سارا زور نوشیرواں پہ تھا' اور میں جانتا ہوں کہ وہ مجرم تھا' accompile تھا لیکن اگر تم اسی کیس کو ہاشم کے خلاف لڑتے تو شاید ثبوت مل جاتے۔ میرا کام اپنی معلومات' اپنے دل کی گواہی اور سنی سنائی باتوں پہ فیصلے کرنا نہیں ہے۔ مجھے ان چیزوں کو دیکھنا ہے جو تم لائے ہو وہ کمزور تھیں اور پھر مجھے مجبوراً ملزم کو فائدہ دینا پڑا۔''

''بھلے آپ کو اندر سے معلوم ہو کہ وہ مجرم ہے؟''

''بھلے مجھے معلوم ہو کہ وہ مجرم ہے' مجھے فیصلہ اپنے اندر کی گواہیوں پہ نہیں کرنا۔ تم نے دو قتل کیے' تمہارے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہوئی ؟ کیونکہ قانون شہادت تمہیں پروٹیکٹ کرتا ہے۔ اگر ملزم قانون کی محبوب اولاد نہ ہو تو فارس غازی جیسے بے گناہ بھی کبھی جیلوں سے نہ نکل سکیں۔ یہ ''شک کے فائدے'' کا قانون جہاں نوشیرواں جیسے لوگوں کو بچا لیتا ہے' وہاں فارس غازی جیسوں کو بھی بچاتا ہے۔ اب پوچھو اور کیا پوچھنا ہے۔''

''یور آنر۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور آگے کو ہوا۔ آنکھیں ان کی آنکھوں میں ڈالے' اس نے بات کا آغاز کیا۔ ''آپ نے واللہ بہت اچھی تقریر کی' چند لمحوں کے لئے تو میں بھی کنوینس ہو گیا' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں ہوں اکیسویں صدی کا پاکستانی نوجوان۔ آپ میں اور مجھ میں فرق ہے۔ آپ کے زمانے کی یوتھ نے اس ملک کو لوٹ کھایا تھا' ہماری یوتھ ویسی نہیں ہے۔ اس لئے اب میری بات تحمل سے سنیں' اور سمجھیں' اور میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ آگے جا کر اپنے تمام جج کو بھی بتا دیں۔ اور جو میں کہنے جا رہا ہوں اس کے کسی لفظ پہ توہین عدالت لاگو نہیں ہوتی۔ اب وہ وقت آ گیا ہے جب جج کو توہینِ عدالت کے پیچھے چھپنے کی بجائے اپنے اوپر ہونے والی تنقید برداشت کرنی

چاہیے۔ آپ کہتے ہیں، بارِ ثبوت میرے اوپر تھا۔ ٹھیک۔ مگر میں ثبوت لایا تھا۔ میں گواہ لایا تھا۔ جانتے ہیں سب سے بڑا گواہ کون تھا؟ میں تھا۔ میں سعدی یوسف سب سے بڑا گواہ تھا۔ ڈاکٹر سارہ اگر نفسیاتی مریض تھیں تو اتنے بڑے عہدے پہ کیسے کام کر رہی تھیں۔ پھر بھی، اگر وہ کریڈیبل نہیں تھیں تو میں تو تھا نا۔ میری گواہی کا کیا ہوا سر؟ مجھ پہ تو دو قتل ثابت بھی نہیں ہوئے تھے۔ مجھ پہ دہشت گردی ثابت بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہاشم نے تو صرف الزام لگائے، اس نے کوئی ثبوت تو نہیں دیا میرے خلاف۔ اس کے گواہ بھی کریڈیبل نہیں تھے، پھر میں کیسے ڈس کریڈیٹ ہو گیا سر؟ آپ کی جگہ اگر یہ کیس کسی امریکی یا مغربی عدالت میں لڑا جاتا تو میری گواہی پہ فیصلہ ہو جانا تھا۔ لیکن میرے ملک کے ججز جو "ثبوت" سے کہتے ہیں کہ خود کو ثابت کرو، کیا یہ ججز بچے ہیں؟ کیا اس ملک میں اندھے قانون، بہرے جج اور گونگے ملزموں کا ہی راج رہے گا؟ اندھا قانون جو دیکھ نہیں سکتا کہ کون کریڈیبل ہے اور کون نہیں۔ بہرہ جج جو مدعی کی بات نہیں سنتا...اور ملزم جو اپنا خاموشی کا حق انجوائے کرتے ہوئے گونگا بنا رہتا ہے۔ یور آنر آپ بے شک ایک ایماندار جج ہیں لیکن سارا مسئلہ یہی ہے کہ میرے ملک کو ایماندار ججز کی نہیں، بہادر ججز کی ضرورت ہے۔ ججز قانون نہیں بناتے، ٹھیک...قانون سیاست دان بناتے ہیں، ٹھیک۔ مگر ججز Precedents تو سیٹ کر سکتے ہیں نا۔ ججز کے فیصلے قانون بن جاتے ہیں، اگر اس ملک کو بہادر جج مل جائیں اور وہ فیصلے کرنے پہ آ جائیں تو انہی فیصلوں کی بنیاد پہ کمزور ثبوت کے باوجود آئندہ فیصلے درست دیے جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ایماندار ججز بہت زیادہ، مگر بہادر ججز بہت کم ہیں سر۔ مجھے آج یہ کہہ لینے دیجیے یور آنر، بہت ادب سے، کہ جج کا کام بنچ پہ بیٹھ کر گھمنڈ ظاہر کرنا یا مزاحیہ ریمارکس دے کر کے ہیڈ لائن بننا نہیں ہوتا۔ یہ اینکرز اور سیاست دانوں کا کام ہوتا ہے۔ آپ کا کام ہے آخر میں درست فیصلہ کرنا۔ انصاف نہیں کرنا، بلکہ عدل کرنا۔ عدل اور انصاف میں فرق ہوتا ہے یور آنر۔ انصاف کہتا ہے کہ دو لوگ ہوں اور روٹیاں تین تو دونوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ روٹی دو، مگر عدل کہتا ہے کہ دونوں آدمیوں پہ غور کرو۔ جو کئی دن سے بھوکا ہے اس کو دو روٹیاں دو، اور جو پہلے ہی سیر ہے اس کو ایک دو۔ انصاف کہتا ہے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹو مگر عدل کہتا ہے، جو قانون روٹی نہیں دے سکتا وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ انصاف کہتا ہے سعدی یوسف قاتل ہے، عدل کہتا ہے، سعدی یوسف کو اس راستے پہ نہ چلنا پڑتا اگر قانون فارس غازی کو چار سال تک لٹکا کر نہ رکھتا۔ ہمیں منصف جج نہیں چاہئیں۔ ہمیں عادل ججز چاہئیں۔ اگر ہارون عبید جیسے سیاستدان، ہاشم جیسے وکیل اور جواہرات کاردار جیسے کاروباری لوگ کرپٹ ہیں تو آپ ججز ان سے زیادہ کرپٹ ہیں کیونکہ آپ کی ذمہ داری دہری تھی۔ آپ کہتے ہیں سر، ملزم کو شک کا فائدہ دیا جاتا ہے، درست، مگر یہی فائدہ غریب ملزم کو کیوں نہیں دیا جاتا؟ امیر ملزم کی ضمانت کیوں منظور ہو جاتی ہے؟ فارس غازی کی چار سال تک کیوں نہیں منظور ہوئی تھی؟ آپ نے جو فیصلہ دیا، بالکل قانون کے مطابق دیا، میں مانتا ہوں، مگر یہ انصاف کیا آپ ججز قانون کے لئے کرتے ہیں یا اسلئے کہ ٹی وی پہ اینکرز نکتے نہ اٹھائیں؟ سر میں تب اٹھارہ سال کا تھا جب ججز کی بحالی کی تحریک چلی تھی۔ میں تب انگلینڈ نہیں گیا تھا۔ اور جتنا ہو سکا، میں اس تحریک میں شامل رہا تھا۔ مجھے آج بھی اپنے کردار پہ فخر ہے، کیونکہ ہم نے عدلیہ کے لئے تحریک چلائی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ سابق چیف جسٹس اپنے الگ ایجنڈے پہ چل پڑے، لیکن آج مجھے یہ کہہ لینے دیجیے، کہ عدلیہ تو آزاد نہیں ہوئی، مگر دو چیزیں دیں ہمیں اس تحریک نے۔ دو باقیات۔"

اس نے انگلیوں کی وی بنا کر دکھائی۔ ''متکبر جج اور متشدد وکلاء!''

اسٹڈی میں ایسا گہرا سناٹا چھا گیا کہ سوئی گرنے سے بھی آواز پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جج صاحب سنجیدہ چہرے سے اسے دیکھے گئے۔ وہ وکٹری کی وی دکھا کر کہہ رہا تھا۔ ''متکبر اور متشدد۔ یہ بنا دیا ہے اس تحریک نے آپ ججوں اور وکیلوں کو۔ آپ لوگ تو جانتے ہیں کہ اس ملک میں ثبوت اور گواہ کیسے غائب کرا دیے جاتے ہیں' پھر کیوں آپ کی ناک پہ مکمل ثبوت نہیں ٹکتے؟ کیوں ناممکن ثبوت مانگتے ہیں آپ ملزموں کو سزا دینے کے لئے؟'' جج صاحب نے گہری سانس لی اور ٹھنڈے انداز میں کہا۔

''تم اگر جج ہوتے تو قانونی پیچیدگیاں اور باریکیاں زیادہ بہتر سمجھ سکتے۔ میں مجبور تھا۔''

''اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا' اور وہ اپنے ظلم کی داستان سناتا' اور اپنے زخم دکھاتا' کیا تب بھی آپ اس کو کریڈیبل گواہ تصور نہ کرتے؟''

اور وہ کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکے۔ لب کھولے' پھر بند کیے۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ سعدی نے ایک آخری ملامتی نظر ان پہ ڈالی' وہ الفاظ بولے۔ ''متکبر جج اور متشدد وکلاء! یہ الفاظ آپ سب ججز اور وکلاء کو یاد رکھنے چاہئیں ہیں۔''

جب وہ کار میں آ کر بیٹھا تو چند لمحے گہرے سانس لے کر خود کو ٹھنڈا کیا۔ جج صاحب کو اتنا سب سنا کر بھی ایک سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پایا تھا وہ۔ آخر فائدہ کیا ہوا اس سب کا؟ اتنی جہد' اتنی خواری' عدالتوں کے دھکوں کے بعد ہار جانے کا؟ شاید یہ سب واقعی بےکار تھا' جیسے فارس کہتا تھا۔ اس نے فون اٹھایا اور ایئر پلین موڈ آف کیا۔ جو اس نے عادتاً لگا دیا تھا کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ فون کی جان واپس آئی تو فوراً چیخنے لگا۔

''جی زمر۔'' اس نے آواز کو ہموار کر کے فون کان سے لگایا۔

''اوہ شکر سعدی... تم....'' وہ پہلے خوشی اور نڈھال انداز میں بولی پھر آواز میں غصہ در آیا۔ ''تم کیوں جا رہے ہو ادھر؟ فوراً واپس آؤ۔''

''کدھر گیا تھا میں؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''تم ہاشم کی پارٹی میں جا رہے ہو نا؟ جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔ فوراً واپس آؤ۔''

''میں ادھر نہیں گیا۔'' آواز دھیمی ہوئی۔ ''میں جج صاحب سے ملنے گیا تھا۔ مگر واپس آ رہا ہوں۔ ہاشم کی طرف جا کر کیا کرنا ہے میں نے؟''

ادھر زمر نے فون بند کیا تو سب خوشی اور فکرمندی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''وہ ٹھیک ہے۔ واپس آ رہا ہے۔'' وہ تھک کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ''شکر'' لاؤنج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور ابھی وہ ٹھیک سے پرسکون بھی نہ ہو پائی تھی جب.....

''فارس کو کال کرو' اسے کہو کہ وہ واپس آئے۔'' بڑے ابا کی آواز نے اس کے کانوں میں صور پھونکا۔ وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی اور جلدی جلدی نمبر ملایا۔

''کچھ پتہ چلا؟'' وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

''وہ آرہا ہے۔میری ڈائری سے جج صاحب کا پتہ لے کر گیا تھا۔تم واپس آجاؤ۔''

''اچھا۔''وہ اب کار روک چکا تھا اور باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔کاروارز کا مج سامنے تھا۔

''فارس تم فوراً واپس آؤ۔ہاشم سے کچھ بعید نہیں ہے۔''وہ پریشانی سے بولی۔

''نہیں...آرہا ہوں۔''اس نے فون بند کیا' اور اسے سائیلنٹ کر کے جیب میں ڈال دیا۔چند لمحے اسٹیئرنگ کو دیکھتا رہا۔واپس جائے یا...نگاہیں دور نظر آتے گیٹ اور مہمانوں کی گاڑیوں کی طرف اٹھائیں...آخر وہ کرنا کیا چاہتا ہے؟ڈاکٹر مایا کی تصویر پوسٹ کرنے کا مقصد سعدی کو مدعو کرنا تھا۔وہ عموماً ہاشم کے پلان دیر سے سمجھا کرتا تھا۔آج جلدی سمجھ گیا تھا۔تو کیا وہ واپس مڑ جائے؟

ایک فیصلہ کر کے وہ باہر نکل آیا۔

بالائی منزل پہ کھڑے رئیس نے کوٹ کی آستین چہرے کے قریب لے جا کر کہا۔''سر فارس آیا ہے۔''

اندر مہمانوں کے درمیان کھڑے ہاشم نے کان میں لگا آلہ دبایا۔''خیر...ایک ہی بات ہے۔سعدی نہیں' تو فارس سہی۔اسے اندر آنے دو۔''

''راجر باس!''وہ مسکرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں نہ کہتا تھا کہ سانپوں سے اٹے ہیں رستے
گھر سے نکلے تھے تو ہاتھوں میں عصا رکھنا تھا

گیٹ پہ مستعد کھڑے گارڈز غیر معمولی طور پہ کسی کا دعوت نامہ چیک نہیں کر رہے تھے۔جو آرہا تھا اس کو اندر جانے دے رہے تھے۔اسے بھی کسی نے نہیں روکا۔ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر آئی۔(سو ہاشم چاہتا ہے کہ میں اندر آؤں؟انٹرسٹنگ۔اتنے لوگوں کے سامنے گولی تو مار نہیں سکتے یہ مجھے۔کیا کرلیں گے زیادہ سے زیادہ۔)کچھ دلچسپی تھی' کچھ تجسس تھا' وہ اسی طرح چلتا پتھریلی روش پہ آگے بڑھتا گیا۔آنکھیں سکوڑ کر ساری اطراف کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔سبزہ زار خالی تھا۔اندر شیشے اور لکڑی کے کاٹیج میں مہمان ہی مہمان بھرے تھے۔آخر کیا ہونے جا رہا ہے پارٹی میں؟اچنبھا سا اچنبھا تھا۔

وہ کاٹیج کے شیشے کے دروازے کے باہر آ کھڑا ہوا۔اندر نہیں گیا۔اندھیرا اچھل رہا تھا' جس کے باعث چمکتا ہوا لاؤنج صاف نظر آرہا تھا۔جا بجا لوگ ٹولیوں کی صورت کھڑے تھے۔ویٹرز ٹرے اٹھائے سرو کر رہے تھے۔تبھی ہاشم برآمدے کی سیڑھیاں اتر کے باہر آتا دکھائی دیا۔اسے دیکھ کر بھی مسکراہٹ چہرے سے جدا نہیں ہوئی۔

''تم کیسے آئے؟''ہلکے سے طنز سے فارس کے قریب آ کر بولا۔

''میں ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈنے آیا ہوں۔تم نے ہی کھلم کھلا دعوت نامہ دیا تھا نا' کزن!''وہ بھی ہلکا سا مسکرایا۔ہاشم آگے بڑھا' اسکا کندھا

تھپتھپایا' کان کے قریب جا کر Happy Searching بولا' اور واپس مڑ گیا۔ فارس نے نگاہ اٹھا کر اوپر فضا میں اڑتے ڈرون کیمرے کو دیکھا جو کسی بڑی مکڑی کی طرح اس کے آس پاس چکر کاٹ رہا تھا۔ دور ایک سیکیورٹی کا نوجوان ڈرون کا ریموٹ اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ بھی فارس کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں ملنے پہ دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

(یہ میری فلم بنا کر مجھے پھر سے فریم کرنے جا رہا ہے۔ ہوں۔ گڈ۔) وہ ہلکا سا محظوظ ہوا اور اندر داخل ہو گیا۔ آنکھیں متلاشی انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ خوش باش مہمان۔ مصنوعی قہقہے۔ خوبصورت سجاوٹ' بار بی کیو کی خوشبو۔ سب نارمل تھا۔

''واٹ اے سرپرائز!'' شناسا سا آواز پہ وہ پلٹا' پھر منجمند ہو گیا۔ ڈاکٹر ایمن مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ انگلی کا ہیرا ہمیشہ کی طرح دمک رہا تھا۔

''آپ؟ ادھر؟'' وہ حیرت چھپا نہ سکا۔

''بالآخر ہاشم کاردار نے وفاداری کا صلہ دینے کے لئے ہمیں بلا ہی لیا۔ تم بھی یہاں ہو گے' امید نہیں تھی۔ انجوائے دی پارٹی!'' جتا کر کہتے ہوئے اس نے جاتے جاتے اس کی کہنی کو ہلکا سا چھوا۔ نوکیلی انگوٹھی اسے چبھی تھی اور اس کی چبھن نے اس کے دماغ کی ساری گرہیں کھول دی تھیں۔ سحر زدہ سی کیفیت میں اس نے چہرہ مشرق مغرب شمال غروب۔

سب نارمل تھا۔ سوائے مہمانوں کے۔ ان میں شناسا چہرے بھی تھے۔ بہت ہی شناسا سا۔ وہ الیاس فاطمی تھا جو کونے میں کھڑا' کافی کمزور سا لگ رہا تھا اور سر ہلاتے ہوئے کسی مہمان سے بات کر رہا تھا۔ وہ نیاز بیگ تھا جو ایک طرف کھڑا مشروب پی رہا تھا۔ (وہ ضمانت پہ رہا ہو چکا تھا۔) ڈاکٹر ایمن اور اس کا شوہر۔ سیکرٹری حلیمہ.... پراسیکیوٹر بصیرت.... جس کی وکالت نے چار سال فارس کو جیل سے نہیں نکلنے دیا تھا۔ وہ مزید گھوما.... جسٹس سکندر.... چند پولیس افسران جن کا سعدی کی گمشدگی سے تعلق رہا تھا.... ڈاکٹر آفتاب.... پوسٹ مارٹم کا ماہر.... کرنل خاور اور اس کا بیٹا جو بجھا بجھا سا باپ کی وہیل چیئر کے ساتھ کھڑا تھا۔ زندگی اور فارس کی دی گئی سزاؤں کے بعد بھی وہ زندہ سلامت کھڑے تھے۔ اجڑے اجڑے مگر زندہ تھے۔ ان کے علاوہ چند مہمان اور بھی تھے' مگر یہ شناسا چہرے.... وہ سناٹے میں رہ گیا۔

وہ واقعی وکٹری پارٹی تھی۔ وہ ان کو.... اپنے مددگاروں کو اکٹھا کر کے انعام سے نوازنا چاہتا تھا۔ مگر وہ فارس کو ان کے درمیان گھومنے سے روک بھی نہیں پا رہا تھا۔ اس کی چھٹی اور ساتویں آٹھویں حس' سب نے سرخ بتی دکھانا شروع کی۔ یہاں مایا نہیں تھی' اگر ہو بھی تو اس کو ڈھونڈنا بے سود تھا۔ اسے یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔

وہ آگے بڑھا۔ داخلی دروازہ لاؤنج کے وہ دور آخری کنارے پہ تھا۔ وہ دروازے کی طرف قدم بڑھا رہا تھا' راستے میں بہت لوگ تھے۔ گھٹن' پھنس جانے کا احساس.... کنکھیوں سے نظر آیا' ایک ویٹر باری باری مخصوص لوگوں کے پاس جا رہا تھا۔ ان کے کان میں کچھ کہتا اور وہ سر ہلا کر ایک طرف چلے جاتے۔ یہ مخصوص لوگ وہی شناسا مجرم تھے۔ فارس آگے بڑھتا گیا۔ ڈاکٹر ایمن اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ تبھی ویٹر ادھر آ ٹپکا' اور سرگوشی کی۔ ''کاردار صاحب.... بلا رہے ہیں....'' ایمن نے زخمی سا مسکرا کر سر ہلایا اور ویٹر کی معیت میں ایک طرف بڑھ گئی۔ وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتا گیا۔ بڑھتا گیا' دروازہ قریب تھا۔ اس نے جھپٹ کر کھولا اور باہر نکلا۔ گویا سانس میں سانس آئی۔

باہر تاریکی تھی۔وہ کانچ کی کھڑکیوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔لاؤنج گزر گیا تو وہ کچن کی کھڑکی پہ رکا۔کچن روشن تھا۔فارس نے چہرہ جھکا کر جھانکا۔

وہاں بڑے بڑے کریٹ پڑے تھے اور ان میں غیر ملکی الکحل کی بوتلیں رکھی تھیں ان کے منہ کھلے تھے اور سر پہ کھڑا ایک گارڈ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا' اور دوسرا بوتلوں کے گرد ڈوری سی لپیٹ رہا تھا۔ایک گارڈ کی نظریں فارس پہ پڑی مگر اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔سر جھکا کر کام کرتا رہا۔فارس کی نگاہیں کچن کی دیوار تک اٹھیں۔وہاں ایک دروازہ تھا جو آگے ایک اور کمرے میں کھلتا تھا۔

وہ کانچ کی دیوار کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔اب اگلا کمرہ نظر آیا۔اونچی شیشے کی کھڑکیوں سے سارا کمرہ روشن نظر آتا تھا۔وہاں ہاشم ان تمام شناسا چہروں کو اکٹھا کیے کھڑا تھا۔اور مسکرا کر ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔شیشے ساؤنڈ پروف تھے۔وہ آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔مگر جس طرح وہ فائلز ان میں تقسیم کر رہا تھا' جس طرح ان کے چہرے دمکنے لگے تھے' وہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ اس کی ہاؤسنگ اسکیم کی فائلز تھیں۔پلاٹس۔گھر۔وہ تحفے بانٹ رہا تھا۔ اس کمرے کا ایک دروازہ لاؤنج کو جاتی گیلری میں کھلتا تھا اور دوسرا کچن میں۔

ہاشم کا فون بجا تو وہ اسے نکال کر دیکھنے لگا۔پھر مسکرا کر مہمانوں سے معذرت کی اور کچن کے دروازے کی طرف بڑھا۔پھر اسے عبور کر کے کچن میں چلا گیا۔فارس اچنبھے سے واپس آیا اور کچن کی کھڑکی کے سامنے ٹھہرا۔

ہاشم اب وہاں اپنے دونوں گارڈز سے کچھ کہہ رہا تھا۔وہ سر ہلا کر کچن سے لاؤنج کی طرف باہر چلے گئے۔اب وہ کچن میں تنہا کھڑا تھا۔اس نے لائیٹر اٹھایا اور انگوٹھے سے دبا کر شعلہ جلایا۔پھر وہ کھڑکی کی طرف گھوما۔باہر کھڑے فارس کو دیکھا اور مسکرایا۔پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے لائیٹر ڈوری کے قریب لے کر گیا۔فارس کا سانس تھم گیا۔دل رک گیا۔ہاشم نے ڈوری کو آنچ دکھائی تو اس نے شعلہ پکڑ لیا اور وہ شعلہ ڈوری کو کھاتے بوتلوں کی طرف دوڑنے لگا۔اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہاشم نے ایک انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔''You did this!'' آواز نہ سنائی دیتی تھی مگر ہلتے لب بتا رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔پھر اس نے لائیٹر جیب میں ڈالا اور لاؤنج میں کھلتے دروازے سے باہر نکل گیا۔

بس لمحے بھر کا عمل تھا اور سارا کھیل اس کی سمجھ میں آ گیا۔

وہ تقسیم انعامات نہیں تھی۔وہ کور اپ تھا۔وہ تمام گواہوں کو ایک کمرے میں جمع کر کے ان کو آگ لگا کر مارنا چاہتا تھا۔کچن کے دروازے بند تھے۔الکحل کی بوتلیں باری باری آگ پکڑ رہی تھیں۔(الکحل مٹی کے تیل کی طرح جل جاتی ہے۔) کچن کے اوپر وینٹ تھا' جو شناسا مجرموں کے کمرے میں کھلتا تھا جہاں وہ ہاشم کا انتظار کر رہے تھے۔کچن میں دھواں بھرنے لگا۔اب دھواں وینٹ سے اس کمرے میں جائے گا' اور وہ مر جائیں گے۔دم گھٹنے سے۔جبکہ لاؤنج کے مہمان سلامت رہیں گے۔چند مہمانوں کے مرنے سے شک نہیں ہو گا کسی کو۔اور الزام؟ فارس غازی وہاں موجود تھا' اس کی فوٹیج تھی یہاں وہاں ٹہلنے کی۔

''خدا کا قہر نازل ہو تم پہ ہاشم!'' وہ ہکا بکا سا چند قدم پیچھے ہٹا۔پھر الٹے قدموں سبزہ زار کی طرف دوڑا۔اسے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے

تھا۔جلد از جلد اسے وہاں سے نکلنا تھا۔وہ چند قدم ہی چل پایا۔پھر مڑ کر دیکھا۔شنا سا مجرموں کے کمرے میں سیاہ دھواں بھرتا دکھائی دے رہا تھا۔پہلے لوگ حیران ہوئے' پھر ادھر ادھر دوڑے۔گیلری میں کھلتے دروازے کو ڈاکٹر ایمن نے پیٹا۔مگر وہ لاک تھا۔لاؤنج میں میوزک تیز تھا۔اب مزید تیز ہو گیا۔چند افراد شیشے کی کھڑکیوں کو پیٹ رہے تھے۔مگر وہ unbreakable glass کی بنی تھیں۔فارس کی جیب میں اس کا فون تھرتھرا رہا تھا۔وہ جانتا تھا یہ زمر ہوگی' وہ اسے واپس بلا رہی ہوگی مگر اسے سب بھول گیا۔وہ تیزی سے اس دھواں بھرتے کمرے کی طرف لپکا۔اسے ان لوگوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔

اور تب اس نے دیکھا...گھاس پہ اس کے سامنے ایک سایہ سا آکھڑا ہوا۔سفید سایہ۔عینک لگائے۔اس کا بھائی....وارث....وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو فارس....وہاں کیا جا رہے ہو؟ یہ گناہگار لوگ ہیں۔ان کو مرنے دو۔کیا تم بھول گئے کس طرح انہوں نے مجھے پنکھے سے لٹکایا تھا؟" وہ ملامتی انداز میں بولا تھا۔فارس کے قدم لڑکھڑائے۔سانس تیز تیز چلنے لگی۔اس نے آگے بڑھنا چاہا تو ایک اور سایہ سامنے نمودار ہوا۔

"آپ نے کہا تھا آپ میرے لئے لڑیں گے۔" وہ سفیدی زرتاشہ تھی۔اس کی آنکھوں میں گلہ تھا۔"ان لوگوں کو ان کا بدلہ ملنے والا ہے۔ انہوں نے عدالت میں میرے اوپر کیچڑ اچھالا۔میرے کردار کو اخباروں کی زینت بنایا۔مجھے گولیاں ماریں۔ان کو مرنے دیں' میرا سوچیں۔"

اس نے سر جھٹکا مگر سائے غائب نہیں ہوئے۔ان دونوں کے درمیان سعدی چلتا ہوا آتا دکھائی دیا۔سفید سایہ...ہیولہ سا۔

"یہ میرے گناہگار ہیں۔آپ ان کی فکر کیوں کر رہے ہیں۔جائیں' اپنی جان بچائیں۔بھاگیں۔"

اس نے چہرہ موڑا۔ایک احمر کا سایہ بھی ساتھ آکھڑا ہوا تھا۔

"انہوں نے میرا خاندان تباہ کر دیا۔غازی۔ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دو۔تم ان کو نہیں بچا سکتے۔جاؤ۔نئی زندگی شروع کرو۔نئے گھر میں۔"

اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔بھاری بھاری بیڑیوں سے کس دیے گئے تھے۔وہ کسی طرف نہیں مڑ پا رہا تھا۔وہ پتھر کا ہو گیا تھا۔

"چلے جاؤ فارس۔"

"ان کو مرنے دو غازی۔" وہ سارے سائے ایک ساتھ بولنے لگے تھے۔چیخنے لگے تھے۔وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹا۔تیز ہوتے تنفس سے ان سب کو دیکھا۔

"ہاں' یہ سب....گناہگار ہیں....قاتل ہیں۔" اس کی آواز کپکپائی۔آنکھیں سرخ پڑ کے بھیگ رہی تھیں۔"ہاں یہ میرے دشمن ہیں...برے لوگ ہیں۔" وہ ٹھہرا۔پھر گردن تان کر ان سایوں کو دیکھا۔"مگر میں....میں ان جیسا نہیں ہوں۔" اور وہ اس کمرے کی طرف سر

پٹ دوڑا تھا۔ سائے فضا میں تحلیل ہو گئے۔ ایسے جیسے خدا کا نام لینے پہ آسیب بھاگ جاتے ہیں۔

اب اسے کچھ یاد نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ انسان تھے۔ اور وہ تکلیف میں تھے۔ سارے انتقام' سارے زخم' سارے جرائم.... وہ سب بھول گیا تھا۔ وہ انسان تھے اور وہ تکلیف میں تھے۔

ہاشم تیز چلتا... راہداری عبور کرتا کاٹیج کے آخری کمرے میں آ پہنچا تھا۔ دونوں گارڈز اس کے ہمراہ تھے اور رئیس اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

''کتنے منٹ ہیں ہمارے پاس؟'' اس نے آتے ساتھ ہی اپنی ٹائی کھینچی۔

''زیادہ نہیں ہیں۔ جس وقت دوسرے مہمان اور فائر بریگیڈ کا عملہ جل جانے والے افراد کو نکالنے آئے گا' آپ کو ان کے درمیان ہم پہنچا دیں گے۔ یہ ادھر...'' وہ اب ہاشم کی شرٹ کا گریبان پھاڑ رہا تھا۔ دوسرے لڑکے نے کمال مہارت سے اس کے ماتھے کے اوپر چاقو سے چیر لگانا شروع کیا جس سے بھل بھل خون بہنے لگا۔

''اس کو sterlize کیا تھا؟'' اس نے درد کی شدت سے آنکھیں بند کر کے پوچھا۔

''یس سر۔'' وہ فرمانبرداری سے کہتا' اسے تیار کر رہا تھا.... حادثے والے کمرے کے واحد سروائیور کو اچھا خاصا زخمی لگنا چاہیے تھا۔ وہ شناسا مجرم مر جائیں گے تو کون بتائے گا کہ ہاشم اس وقت کمرے میں نہیں تھا؟ اور چونکہ لاؤنج کے مہمانوں کو بچ جانا تھا اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہاشم واحد بچنے والا انسان تھا۔ کوئی اس پہ شک نہ کرتا اور وہ ہیرو بننے جا رہا تھا....

کمرے میں دھواں بھر رہا تھا... درمیانی دروازے کو آگ نے پکڑ لیا تھا اور وہ جل رہا تھا... لوگ کھانس رہے تھے' اوندھے منہ گر رہے تھے.... دھکم پیل مچی تھی.... کوئی کھڑکیوں کو کھٹکھٹا رہا تھا' کوئی لاکڈ دروازہ پیٹ رہا تھا۔ مگر وہ دونوں توڑے نہیں جا سکتے تھے۔

فارس تیزی سے دوڑتا ہوا کھڑکی تک آیا۔ حلیمہ کھانستی ہوئی اس کے ساتھ کھڑی شیشے کو زور زور سے تھپڑ مار رہی تھی۔ فارس نے ایک گملا اٹھایا اور زور سے کھڑکی پہ دے مارا۔ چند خراشیں آئیں مگر بے سود۔ گملا ہاتھ سے چھوٹ گیا' اس کا اپنا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ وہ پرواہ کیے بنا آگے کو دوڑا۔ کاٹیج کی دیوار کے ساتھ بھاگتا ہوا مرکزی دروازے تک آیا۔ لاؤنج کی شیشے کی کھڑکیوں سے اندر مگن' خوش باش ٹہلتے لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ میوزک بہت تیز تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس نے شیشے کا دروازہ زور زور سے بجایا۔

''دروازہ کھولو... اندر آگ لگ گئی ہے۔ کھولو....'' مگر دروازے کے اندر کھڑے گارڈ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ریموٹ ہوا میں بلند کر کے بٹن دبایا۔ تمام شیشوں کے اوپر لگے بلائنڈز کھل کر نیچے گرنے لگے۔ وہ آگے دوڑا۔ چند مہمانوں کے قریب موجود کھڑکی کو زور زور سے پیٹا مگر وہ متوجہ نہ ہوئے' باتیں کرتے رہے' یہاں تک کہ بلاک آؤٹ بلائنڈز بالکل نیچے گر گئے اور اب وہ اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''اللہ کا قہر ہو تم پہ ہاشم۔'' وہ غصے سے چلاتا وہ واپس اس جلتے ہوئے کچن کی طرف بھاگا۔ اس کو پسینہ آ رہا تھا' اور سانس بے ترتیب تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ آج وہ لفٹ کی طرح لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تھا... آج اسے خود کچھ کرنا تھا.....

کچن کے سامنے رک کر اس نے چند گہرے سانس لئے اور سوچنے کی کوشش کی۔ جلتے کمرے میں لوگ ابھی تک چیخ چلا رہے تھے مگر مدد نہیں آرہی تھی۔ دونوں دروازے بند تھے' اور کھڑکیاں توڑی نہیں جاسکتی تھیں۔

مگر وہ کھولی تو جا سکتی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے آیا کھڑکی کے فریم کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ وہ اندر سے لاکڈ تھیں اور افراتفری کے عالم میں آگے پیچھے بھاگتے بھاگتے لوگ کالے دھوئیں کی زیادتی کے باعث انہیں کھول نہیں پا رہے تھے.... کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کھڑکی کہاں سے کھلتی ہے۔ اسے معلوم تھا۔ وہ اس کالج میں نوجوانی کے دنوں میں آتا رہا تھا۔ اور تقریب لائے تھے اسے ایک دفعہ۔ یہ عام سلائیڈنگ ونڈو تھی مگر یہ اندر سے کھلتی تھی۔ اور اس جلتے کمرے کو جاتے دونوں دروازے بند تھے۔ تیسرا دروازہ جل رہا تھا۔

تیسرا دروازہ.... وہ چونکا' پھر کچن کی کھڑکی تک آیا۔ یہ بند تھی مگر لاکڈ نہیں تھی۔ ہر پلان میں جھول ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کوئی جلتے کچن کے راستے بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ کوئی باہر سے یہاں آسکتا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر اس کے شیشے کو دائیں طرف دھکیلا۔ وہ سرکنے لگا۔ اندر سے بہت سا دھواں باہر نکلنے لگا۔

محفوظ کمرے میں بیٹھے رئیس نے ٹیب اسکرین دیکھ کر ہاشم کو مخاطب کیا۔ "وہ کچن کی کھڑکی سے اندر جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم نے اسے بند کیوں نہیں کیا؟" اس نے دونوں گارڈز کو گھورا۔

"جانے دو۔ اسے بھی ان کے ساتھ جلنے دو۔" وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بے نیازی سے بولا تھا....

کھڑکی آدھی کھل گئی تھی وہ منڈیر پہ چڑھ کر اندر پھلانگ گیا۔ فوراً اسے کھانسی آئی۔ دھواں.... مرغولے.... کالک.... وہ جھک کر ذرا سا کھانسا.... پھر گہرے گہرے سانس لئے ادھر ادھر دیکھا۔ دروازہ جل رہا تھا... شعلے درمیان میں حائل تھے۔ کاؤنٹر سے دروازے تک سب جل رہا تھا۔ وہ کیا کرے؟ وقت نہیں تھا.... او خدایا وہ کیا کرے؟

چولہے کے قریب سلنڈر پڑے تھے۔ اس نے جلدی سے ایک سلنڈر اٹھایا۔ وہ اندر سے غالباً خالی تھا' تبھی ہلکا تھا۔ وہ لوگ دھماکے افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ کچن کی گیس بھی بند ہوئی تھی۔ اسے زور کی کھانسی آئی' مگر بدقت سلنڈر کو اٹھا کر اس نے پوری قوت سے دروازے پہ دے مارا۔ سلنڈر مارتے مارتے وہ خود بھی نیچے گر گیا۔ شاید ماتھے پہ چوٹ بھی آئی' مگر جب بمشکل ہتھیلیوں کے بل اٹھا تو دیکھا۔ سلنڈر دروازے سے ٹکرا کر ریڑھتا ہوا واپس آرہا تھا۔ دروازے کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ اف۔ اس نے سلنڈر کے قریب آتے ہی اس کو واپس دھکیلا۔ اب کی بار وہ دروازے کے قریب سے ہی واپس پلٹ گیا۔ مگر تب تک فارس اٹھ چکا تھا۔ ہاتھ جھاڑتے وہ کھڑا ہوا اور جیسے ہی سلنڈر قریب آیا' اس نے پوری قوت سے' کسی بولنگ بال کی طرح اس کو دروازے کی جانب ریڑھ دیا۔ وہ تیزی سے آگے گیا' اور دروازے سے ٹکرایا اور پھر.... جلتا ہوا دروازے.... درمیان سے ٹوٹ کر نیچے آن گرا۔ ٹکڑے' چنگاریاں اسے بھی آکر لگی تھیں۔ تکلیف ہوئی تھی.... مگر.... اب چوکھٹ خالی تھی' وہ دیکھ سکتا تھا.... اس کے پار.... جلتا ہوا کمرہ.... جس میں دھواں بھرا تھا اور لوگ چیخ چلا رہے تھے.....

اس نے شرٹ اتار کر ناک کے گرد لپیٹی اور تیزی سے دوڑا... لکڑی کے جلتے شہتیر پھلانگتے شعلوں کے اوپر سے گزرتا' وہ دھوئیں سے

بھرے کمرے میں دوڑتا گیا۔ لوگ کچن سے کافی دور کونے میں جمع تھے' ایک دوسرے کو پرے ہٹا رہے تھے۔ دعائیں پڑھ رہے تھے.... وہ تیزی سے کھڑکیوں کی طرف لپکا۔ شرٹ کہیں گر گئی۔ ناک میں پھر سے دھواں اندر جانے لگا مگر اس کو پرواہ نہ تھی۔ وہ فریم کے کنارے ٹٹولنے لگا۔ لاک یہیں کہیں تھی۔ یہیں کہیں....

اس کے ہاتھوں نے کھڑکی کے کنڈے کو چھوا۔ اندر تالہ پڑا تھا۔ مقفل تالہ۔ ڈیم اٹ۔ اسے پھر سے کھانسی آنے لگی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بھاری چیز مل جائے جس کو وہ تالے پہ دے مارے۔ ساتھ کھڑی حلیمہ روتے ہوئے ابھی تک کھڑکی کا شیشہ پیٹ رہی تھی۔ چند افراد بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ آگ اب کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اس میں ایک پک بھی تھی جسے کئی سالوں سے وہ جاب کے حصے کے طور پہ ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے تیزی سے وہ تالے میں گھسائی۔ تار نیا تھا اور غالباً پولیس کے آنے سے پہلے گارڈز نے اتار لینا تھا۔ دھوئیں کے باعث وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا' مگر آنکھیں بند کر کے اس نے محسوس کرنا چاہا۔ چھے pins.... ون ٹو تھری.... وہ باری باری پک کی مدد سے سب کو چھو رہا تھا... فور فائیو سکس۔

''کلک!'' اس کے لبوں سے نکلا۔ تالہ کھل گیا۔ اس وحشیانہ انداز میں تالہ نوچ کر اتارا اور شیشہ زور سے پرے دھکیلا۔

کھڑکی کھلتی گئی۔ حلیمہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے گر گئی' مگر وہ لپک کر آگے آیا' اور اسے کھینچ کر باہر نکالا لایا۔ وہ فرنچ ونڈوز تھیں۔ پوری دیوار کی جگہ پہ حائل تھیں۔ اس کو لا کر باہر گھاس پہ ڈالتے ساتھ وہ اندر کی طرف لپکا۔

''اس طرف آؤ... کھڑکی کی طرف آؤ...'' اب وہ چلا چلا کر دھوئیں میں پھنسے لوگوں کو کہہ رہا تھا۔ وہ سب اس کے دشمن تھے.... وہ سب اس کے مجرم تھے.... وہ سب اس کے گناہگار تھے... مگر وہ ان جیسا نہیں تھا.... وہ ان کو پکڑ کر' گھسیٹ کر شیشے کی کھلی دیوار کے باہر لا رہا تھا۔

کچھ نے کھلا روزن دیکھ لیا... کچھ نے نہیں دیکھا۔ دھکم پیل پھر سے مچ گئی تھی.... بے ہوش ہوئے لوگوں کو اٹھانا اور کھینچنا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ آگ کمرے میں داخل ہو چکی تھی اور فرنیچر کو پکڑ چکی تھی۔ وہ درمیان میں ایک دفعہ گرا بھی تھا' کہیں درد بھی ہو رہا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ بے ہوش ہوئے فاطمی کو کندھوں سے گھسیٹ کر باہر لا رہا تھا...

لاؤنج کے مہمانوں میں سے کوئی کچن کی طرف آیا تھا.... جلتا بند دروازہ دیکھا تو شور مچا دیا.... لاؤنج کا میوزک تھم گیا... لوگ دیوانوں کی طرح باہر لان میں بھاگے.....

محفوظ کمرے میں بیٹھے ہاشم کو رئیس نے تسلی دی.... ''لوگ بچ جائیں یا مر جائیں.... الزام فارس پہ ہی آئے گا.....''

مگر ہاشم کی تیوریاں چڑھ رہی تھیں اور وہ شدید برہم نظر آتا اسکرین پہ لائیو فوٹیج دیکھ رہا تھا۔ ''اس کو یوں کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔''

فرنیچر کو شعلے اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ بہت سے لوگ باہر نکل چکے تھے اور اب سبزہ زار پہ گرتے ہوئے بھاگتے آگے جا رہے تھے... وہ بدقت الیاس فاطمی کو کھینچ کر باہر لایا' پھر اسے گھاس پہ ڈالا اور وہیں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکے کھڑے گہرے گہرے سانس لئے۔

تمام شناسا مجرم باہر آ چکے تھے... لاؤنج کے محفوظ مہمان وہاں سے نکل کر اس طرف نہیں آئے تھے..... وہ پارکنگ کی طرف بھاگ رہے تھے... اپنی جان بچانے... اپنی گاڑیوں کی طرف... عجب قیامت کا عالم تھا.... افراتفری دھکم پیل.....

کمرہ جل رہا تھا۔ دھوئیں کے مرغولے اٹھ کر فضا میں گم ہو رہے تھے' ایسے میں وہ اس دہکتے جہنم کے سامنے کھڑا' گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ نڈھال۔ زخمی۔ مگر اس کے اندر اطمینان بھر رہا تھا۔ اس نے ان کو بچا لیا تھا... سب ٹھیک ہو گیا تھا.....

''ابا... ابا...'' اور تب اس نے وہ حلق پھاڑ کر چیخنے کی آواز سنی۔ شناسا آواز۔ اس نے گردن موڑی۔ لاؤنج کے بھاگتے مہمانوں میں سے صرف ایک مہمان دوڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ نوجوان لڑکا جو اپنے باپ کو پکار رہا تھا... خاور کا بیٹا.....

فارس غازی کا سانس تک رک گیا۔

''میرے ابو کہاں ہیں...'' وہ دوڑ دوڑ کر ایک ایک شخص کے پاس بھاگ رہا تھا۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں فارس نے گردن گھمائی۔ لوگ بھاگ رہے تھے.... نجات کی طرف... بچاؤ کی طرف... وہاں کوئی وہیل چیئر نہ تھی... وہاں کوئی خاور نہ تھا... وہ تیزی سے لڑکے کی طرف بھاگا۔

''خاور کہاں ہے؟'' وہ شور کے باعث چلا کر لڑکے کو کندھوں سے جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا.....

''ابو کو کاردار صاحب نے اس کمرے میں بلوایا تھا... مجھے نہیں جانے دیا... میرے ابو اندر ہیں... میرے ابو کو نکالو...'' وہ اونچا اونچا رو رہا تھا۔ ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ ''میرے ابو چل نہیں سکتے... میرے ابو چیخ نہیں سکتے...''

اور اس نے مزید کچھ نہیں سنا... وہ پلٹا اور جلتے کمرے کی طرف دوڑا... کسی نے آواز لگا کر اسے روکا... منع کیا... شاید وہ ڈاکٹر ایمن تھی... وہ اسے کہہ رہی تھی کہ سب آ چکے... ایک شخص کے پیچھے وہ اندر نہ کودے... وہ شخص شاید مر چکا ہو... وہ واپس آ جائے... مگر اس نے کچھ نہیں سنا... وہ دھوئیں سے بھرے کمرے میں بھاگتا چلا گیا۔

''خاور... خاور...'' وہ چلا رہا تھا... جانتا تھا وہ آواز نہیں دے سکتا' مگر پھر بھی اور ادھر ادھر دوڑتا چلا رہا تھا... شروع میں کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ مزید آگے بڑھا اور تب اسے دھوئیں کی گھنی چادر میں وہیل چیئر نظر آئی۔ وہ کونے میں تھا... بالکل کونے میں... فارس اس کی طرف دوڑا... چھت سے لکڑی کے ٹکڑے جل جل کر نیچے گر رہے تھے مگر اس نے پرواہ نہیں کی... وہ جلتے فرنیچر کو ٹھوکریں مارتے... دوڑتے ہوئے وہیل چیئر کے قریب آیا... خاور کا چہرہ سرخ' پسینے میں بھیگا تھا۔ آکسیجن ماسک منہ پہ لگا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے... وہ سفید سائے ایک دفعہ پھر سے آگے پیچھے نظر آنے لگے تھے۔ وہ اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر دل کی سفیدی سارے کالے دھوئیں پہ حاوی آ گئی۔ اس نے وہیل چیئر کو زور سے آگے دھکیلا۔ وہ آگے دوڑتی گئی۔ خاور کا بیٹا دھوئیں کی چادر کے پار کھڑا تھا... اس نے بھاگ کر وہیل چیئر کو تھاما اور باہر نکالنے لگا... فارس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک گہری کالی سانس لی اور اسی پل.....

اسی پل پیچھے سے کسی نے اسے ٹھوکر ماری تھی۔ وہ لڑکھڑا کے آگے کو گرا۔ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ سنبھل نہ پایا۔ بدقت اٹھنے کی کوشش

کرتے گردن موڑی.... پیچھے زخمی' سیاہ کالک چہرے پہ لگائے' پھٹے جلے کپڑوں والا ہاشم کھڑا تھا...اس کے عقب میں راہداری میں کھلتا دروازہ اب کھلا تھا۔(غالباً وہ ابھی اندر آیا تھا۔) فارس کے بازوؤں میں ایک دم قوت سی بھر گئی' وہ اٹھا اور زور سے ہاشم کا گریبان پکڑا۔

"گھٹیا آدمی۔" مکا مارنا چاہا مگر نہیں مار سکا۔

"نکلو یہاں سے اس سے پہلے کہ تم جل جاؤ' " اس نے ہاشم کو کھلی کھڑکی کی طرف دھکیلا۔ گریبان ہاتھ سے چھوٹ گیا...چھت سے لکڑی کا بڑا سا جلتا ہوا ٹکڑا دھماکے سے نیچے کی طرف آیا.... ہاشم نے دیکھ لیا تھا' وہ فوراً سے دائیں طرف کو لپک گیا...فارس نے وہ نہیں دیکھا تھا....وہ بھاگ نہیں سکا....جلتا ہوا تارہ...شہاب ثاقب کی طرح....اس کے اوپر آن گرا....

ساری ہمت ساری طاقت دم توڑ گئی....وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گرا...اور پھر منہ کے بل فرش پہ آن لگا....ساری دنیا اندھیر ہوتی گئی ....ساری آوازیں....سارے رنگ....ساری روشنیاں دم توڑ گئیں....سفید سائے اور کالا دھواں....سب ختم ہو گیا.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب اپنا دل بھی شہرِ خموشاں سے کم نہیں

سن ہو گئے ہیں کان صدا پر دھرے دھرے

مورچال رات کے اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج میں سب جمع تھے۔ بے چین' فکرمند۔ منتظر۔ سعدی بار بار فارس کو کال ملا رہا تھا اور زمر مسلسل دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ اس کی رنگت زرد پڑ رہی تھی اور اب دل گھبرا رہا تھا لگتا تھا ابھی سینہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔

"وہ کیوں نہیں آیا؟ وہ کہاں رہ گیا ہے؟" وہ مسلسل آگے پیچھے چلتے کہے جا رہی تھی۔

"زمر بیٹھ جاؤ۔ وہ آ جائے گا۔" ابا نے اسے تسلی دینی چاہی۔

"ماموں نے وعدہ کیا تھا' وہ واپس آئیں گے۔" حنہ گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی عجیب سے انداز میں بولی۔

"مجھے نہیں پتہ۔ سعدی چلو ہم وہاں چلتے ہیں۔" زمر نے ایک دم اسے کہنی سے پکڑا اور آگے لے جانے لگی۔

"میں کب سے جانا چاہ رہا ہوں آپ مجھے جانے نہیں دے رہیں۔ اب آپ ادھر بیٹھیں' میں خود جاتا ہوں۔" وہ نرمی سے کہنی چھڑاتا اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ نہیں رکی۔ وہ اسی طرح آگے دوڑتی گئی۔ سعدی اس کے پیچھے لپکا۔ ابا نے آواز دی۔ ندرت نے منع کیا۔ مگر اس پہ کوئی وحشت طاری تھی۔ کوئی جنون سوار تھا۔ اب نہ گئی تو شاید دل پھٹ جائے گا۔ یہیں کھڑی رہی تو پیروں سے خون بہنے لگے گا۔ اب نہ گئی تو.....

شہرین کے گھر آؤ تو ٹی وی لاؤنج کی ایل سی ڈی اسکرین خوب شور مچاتی روشن نظر آ رہی تھی۔ سامنے صوفے پہ سونی لیٹے ہوئے اپنے ٹیب پہ بٹن دبا رہی تھی جب کانوں میں آواز گونجی۔ ہاشم کاردار۔ کسی نے اس کے باپ کا نام لیا تھا۔ اس نے چونک کر گردن موڑی۔ اسکرین کو دیکھا۔ چند لمحے کو اس کی سانس تھم گئی اور پھر وہ ٹیب پھینک کر چیخ مارتی اٹھی۔

"ماما.... ماما...." اب وہ روتے ہوئے زور زور سے چلا رہی تھی۔ شہرین جو اپنے کمرے میں سیل فون پہ لگی تھی، ہڑبڑا کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی باہر آئی۔

"ماما... میرے بابا... میرے بابا...." بچی روتے ہوئے اسکرین کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور جب شہرین نے اس طرف دیکھا تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"کاردارز کالج میں آتشزدگی۔ ہاشم کاردار کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ بار افراد زخمی، ایک شخص جاں بحق۔"

"میرے بابا... میرے بابا...." سونیا اب زور زور سے چیخ رہی تھی....

سعدی ڈرائیو کر رہا تھا، اور زمر ساتھ بیٹھی، مسلسل انگلیاں اضطرابی انداز میں مروڑ رہی تھی۔ وہ لبوں میں کچھ پڑھ بھی رہی تھی مگر ہر شے بار بار دھندلی ہو جاتی۔ پھر منظر صاف ہوتا۔ پھر کالے دھوئیں جیسی دھند چھا جاتی۔ آنسو بس آنکھوں کے کنارے پہ ٹھہرے تھے۔ گرنے کو بس ایک دھکا چاہیے تھا....

سعدی کا فون بجا تو اس نے تیزی سے کان سے لگایا۔ "ہاں حنہ۔" بات سنتے ہوئے وہ چونک کر زمر کو دیکھنے لگا۔ رفتار آہستہ کی۔ زمر نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون بند کیا اور اسٹیئرنگ گھمایا۔

"کیا کہہ رہی تھی حنین؟" وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

"وہ.... کہہ رہی تھی کہ.... ہم ذرا ابھی...."

"مجھے چکرمت دو... میں ایک فٹ کے فاصلے پہ بیٹھی ہوں۔ مجھے.... مجھے تمہارے فون سے آواز آ رہی تھی۔ کیا دکھا رہے ہیں نیوز میں؟ کہاں لگی ہے آگ؟" آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر چہرے پہ گرنے لگے۔

"کچھ نہیں پتہ زمر۔ آگ لگی ہے اور زخمیوں کو قریبی ہسپتال میں شفٹ کیا گیا ہے۔ میں اے ایس پی صاحب کو کال کرتا ہوں۔ ہسپتال کا پوچھتا ہوں۔" وہ پریشانی سے حواس باختہ نمبر ملانے لگا۔

"جلدی کرو۔" اس نے کہنے کے ساتھ لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں کو میچ لیا۔ گرم گرم پانی گالوں پہ بہنے لگا....

سرکاری ہسپتال میں پولیس اور میڈیا کے نمائندوں کا جم غفیر لگا تھا.... شہری سونیا کی انگلی پکڑے پریشانی سے رش کو چیرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ سونی مسلسل روئے جا رہی تھی۔ خاموش سسکیوں ہچکیوں کے باعث اس کا بدن آہستہ آہستہ ہچکولے لیتا تھا.....

زمر اور سعدی دوڑتے ہوئے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ زمر نے آنسو صاف کر لئے تھے اور اب وہ ہراساں انداز میں ادھر ادھر گردن گھماتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس یونٹ میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ رپورٹرز، کیمرے، پولیس.... رش ہی رش.... جانے سعدی نے کس کو روک کر کچھ پوچھا تھا اس نے نسوانی آواز کو کہتے سنا۔ "آپ ادھر آئیں۔" وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس سعدی کے پیچھے

بھاگ رہی تھی۔کوئی عجیب وحشت زدہ سی مسافت تھی جو طے کر رہی تھی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ایک کمرے کے سامنے رک کر اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔شور بہت تھا۔کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

وہ اس کی طرف مڑا۔اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' مگر بظاہر خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔

''وہ کہہ رہے ہیں کہ ایک باڈی ہے' پہلے دیکھ لیں' پھر ہم زخمیوں کو.....''

''نہیں۔'' وہ بدک کر پیچھے ہوئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔''اس کو ایمرجنسی میں ڈھونڈو...ادھر کیوں؟نہیں۔''

''ہاں ہاں وہ کوئی اور ہوگا۔'' وہ اس کو کندھوں سے تھام کر تسلی دینے لگا۔''مگر اس کے لواحقین نہیں آئے اور ان کو اس کی شناخت کرنی ہے' اس لئے میں ایک دفعہ دیکھ لوں۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی امید سے کہتا آگے بڑھنے لگا مگر زمر نے زور سے اس کی کہنی دبوچی۔

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔آنسو بھل بھل بہنے لگے تھے۔''میں کہہ رہی ہوں' وہ فارس نہیں ہوگا۔اس کو کہیں اور ڈھونڈتے ہیں۔''

''میں آتا ہوں۔'' وہ بمشکل اپنا بازو چھڑا پایا تھا۔زمر نے پیچھے جانے کو قدم اٹھائے مگر پیر لڑکھڑا گئے۔اس نے دیوار کا سہارا لیتے خود کو سنبھالا۔پھر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی ہوگئی۔آنکھیں بند کیے گہرے گہرے سانس لینے لگی...مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ آنکھیں بند کرنے پہ وہ فوراً آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا.....

''زمر بی بی....آپ.....'' وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ بھی رہا تھا.....نئے گھر کی باتیں....چڑیا گھر میں نہ رہنے کی باتیں.....یونیورسٹی کی دو لڑکیاں جو اس کو پسند تھیں....ان کی باتیں.....اس نے آنکھیں کھولیں.....یہاں بھی قیامت سی قیامت تھی.....وہ کہاں جائے؟

سعدی دروازہ کھول کر باہر نکلا تو وہ ہل نہیں سکی۔آواز نہیں نکال سکی۔آنسو نہیں روک سکی۔وہ اس کے قریب آیا۔زمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ....وہ فارس نہیں تھا نا.....مجھے مت بتاؤ....مجھے کچھ نہیں سننا....'' وہ اسے کچھ بھی کہنے سے روکنا چاہتی تھی مگر وہ آگے آیا' اور اسے گلے لگایا۔زمر کا سانس تھم گیا۔پھر اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

''مرنے والا نیاز بیگ تھا....وہ فارس غازی نہیں تھا....''

وہ کرنٹ کھا کر اس سے علیحدہ ہوئی....بے یقینی سے اسے دیکھا....

''وہ فارس نہیں تھا؟ تو فارس کہاں ہے؟''

''آئیں' ان کو وارڈ میں ڈھونڈتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے آگے چلنے لگا۔اسے لگا وہ پانی پہ چل رہی ہے....جسم' دماغ ہر شے سن ہوگئی تھی....آنسو بہنا رک گئے تھے....

''مسز زمر؟'' وہ آگے جاتے جاتے پلٹی۔راہداری کے اختتام پہ ڈاکٹر ایمن کھڑی نظر آرہی تھی۔شال لپیٹے' ویران چہرہ لئے' جیسے ابھی بستر سے اٹھی ہو۔

''فارس کہاں....'' الفاظ ٹوٹ گئے.....

''وہ زخمی ہے' مگر ٹھیک ہے۔ اس کو میں نے منع بھی کیا تھا' مگر وہ...'' وہ قریب آتے ہوئے تلخی سے ہنسی۔ ''مگر وہ خاور کو بچانے کے لئے آگ میں کود پڑا....''

''وہ ٹھیک ہے؟'' زمر دوڑ کر اس کے پاس گئی۔ وہ سخت ہراساں تھی۔

''ہاں' اس کی کمر اور ٹانگ پہ زخم آئے ہیں' اس کے اوپر لوہے کا ٹکڑا آ کر لگا تھا۔ چند burns بھی ہیں' مگر اسی وقت چھت پہ لگے آگ بجھانے والے شاور پانی گرانے لگے' جو پہلے بالکل کام نہیں کر رہے تھے...تو اس کی بہت بچت ہوگئی۔'' زمر نے گہری سانس لی۔

''آپ...ٹھیک ہیں؟'' سعدی نے رسماً پوچھ لیا۔

''میں؟'' وہ زخمی پن سے مسکرائی۔ ''میں ہر آگ سروائیو کر جاتی ہوں' ٹھیک ہوں۔ آپ فارس کو وارڈز میں ڈھونڈیے۔'' وہ دونوں پوری بات سنے بغیر آگے کو بھاگے۔ ایمن اسی زخمی مسکراہٹ سے ان کو بھاگتے دیکھتی رہی' پھر وہ مڑی تو کسی پہ نگاہ پڑی۔ زخمی مسکراہٹ خوشی بھری مسکراہٹ میں ڈھل گئی...اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو اپنے پاس بلایا.....

''ادھر آؤ......''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھ سے کیا پوچھتے ہو شہر وفا کیسا ہے
ایسے لگتا ہے صلیبوں سے اتر کر آیا

وارڈ میں کسی نے کس طرف اشارہ کیا' کسی نے کس طرف۔ وہ دونوں تیز تیز قدموں سے چلتے آگے بڑھتے گئے۔ بیڈز کی طویل قطار میں جابجا پردے لگے تھے۔ سعدی نے ایک پردہ ہٹایا...تو...بالآخر وہ بستر پہ لیٹا نظر آیا۔

آنکھیں بند تھیں...غالباً نشہ آور ادویات کے زیر اثر تھا۔ چہرے پہ زخموں کے نشان تھے....دو نرسز سر پہ موجود تھیں۔ سعدی نے گہری سانس لی اور مڑ کے دیکھا۔ زمر پیچھے آ رہی تھی۔ اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ تیزی سے آگے آئی۔ فارس کو دیکھ کر قدم زنجیر ہو گئے۔ بے جان۔ پتھر کا بت۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا دکھ اترا۔ اسے کبھی بیمار' کبھی یوں بے ہوش نہ دیکھا تھا اور آج پتہ چلا تھا کہ ایسے دیکھنے میں کتنی اذیت تھی.....

''فارس....'' وہ لپک کر اس کے قریب آئی' پھر اضطراری انداز میں سر پہ کھڑی نرسز سے بولی۔ ''یہ ٹھیک ہے نا؟ اور ٹھیک ہو جائے گا نا؟''

''آہستہ بولیں۔ مریض کے سر پہ شور نہ کریں۔'' نرس نے بے زاری سے کہا تھا۔ ''وہ ہوش میں آ رہا تھا مگر تکلیف میں تھا۔ اسے انجیکشن لگایا ہے۔'' زمر کچھ دیر بھیگی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر آنسو رگڑ کر صاف کیے اور غصے سے سعدی کی طرف گھومی۔

''کیا کہا تھا میں نے تمہیں؟ ہاں؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے پہ زور دے کر اسے پرے دھکیلا۔ ''کیا کہہ رہی تھی میں؟ اس کو زخمیوں میں ڈھونڈو! مگر تم....تم....پہلے ادھر ڈیڈ باڈی کے پاس چلے گئے....تمہیں شرم نہیں آئی؟ ہاں؟ تمہیں کوئی احساس نہیں ہوا؟''

وہ اب غصے اور بے بسی سے اس کے سینے کو تھپڑوں اور مٹھیوں سے مار رہی تھی۔ آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

''اچھا... اچھا... اب تو ٹھیک ہیں نا وہ۔'' وہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اسے بہلانے والے انداز میں بولا۔ ''آپ کو انہیں میرے پیچھے جانے ہی نہیں دینا چاہیے تھا۔''

''کیسے نہ جانے دیتی' ہاں؟ تم ''ہمارے سعدی'' ہو ہمیں ہمیشہ تمہاری حفاظت کرنی ہوتی ہے۔'' اور ساتھ ہی زور سے اس کے کندھے پہ تھپڑ مار کر اسے پرے ہٹایا۔ سعدی نے برا سا منہ بنایا۔

''واہ.... یہ صاحب تو آپ کو زہر لگا کرتے تھے۔''

''اب بھی لگتا ہے۔'' آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے ناک سکوڑ کر سانس اندر کھینچی۔ ''مگر تم نے مجھے اتنا ڈرا دیا۔ اوہ سعدی میں اتنی ڈر گئی تھی۔'' وہ اب نڈھال سی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ وہ تکان سے مسکرایا۔

''چلیں آپ بیٹھیں' میں ان کو روم میں شفٹ کروانے کا بندوبست کرتا ہوں اور گھر فون کرتا ہوں۔''

زمر نے تیزی سے سر اٹھایا۔ ''سب کو مت بتانا کہ وہ زخمی ہے۔ یونہی وہ پریشان ہوں گے۔''

''زمر!'' وہ اسی طرح مسکرایا۔ ''ہمیں ایک دوسرے سے اب کچھ نہیں چھپانا۔ میں اگر کاردارز کا بیج بھی جاتا تو بتا کر جاتا۔ آپ بیٹھیں' میں آتا ہوں۔'' اسے تسلی دیتا وہ باہر نکل گیا' اور وہ گردن موڑے فکرمندی سے فارس کو دیکھنے لگی.... جو آنکھیں بند کیے.... غنودگی کے عالم میں تھا....

''آئی ہیٹ یو فارس غازی۔ آئی رئیلی رئیلی ہیٹ یو۔'' وہ بے بسی بھرے دکھ سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تھی۔ وہ بے خبر سو رہا تھا....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیسے ہیں لوگ ان کی تمہیں کیا مثال دوں
جا کر مجسمے کہیں پتھر کے دیکھ لو

اسی ہسپتال کے پرتعیش اور نفاست سے سجے اک پرائیویٹ روم میں ہاشم کاردار صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے براجمان تھا۔ ہسپتال کی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس' وہ بظاہر زخمی دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ پہ پٹی بھی بندھی تھی' ماتھے اور سر پہ بینڈیج بھی تھی مگر چہرے پہ سکون تھا اور دلچسپی سے دیوار پہ لگی ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا....

''وہ لوگ بچ گئے مگر it worked ہے نا؟'' مسکرا کے ساتھ ہاتھ باندھے کھڑے رئیس کو دیکھا۔

''جی سر... مگر انہوں نے آپ کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا تھا۔'' اسے خیال آیا۔

''اتنی افراتفری میں کسے یاد رہنا ہے کہ میں کمرے میں تھا یا نہیں۔ ٹی وی چینلز کو دیکھو۔ وہ مجھے پرموٹ کر رہے ہیں۔''

"یس سر!" رئیس جوش سے بتانے لگا۔ "ہمارے پاس غازی کی فوٹیج ہے۔ وہ بھی وہاں موجود تھا۔ الزام اس کے سر ڈال دیں گے یا اس کو حادثہ کہیں گے۔ آپ پہ کوئی شک نہیں کرے گا۔ میڈیا آپ کو ہیرو بنا کر پیش کر رہا ہے۔ بار بار اینکرز گلا پھاڑ کر کہہ رہے ہیں کہ ہاشم کاردار نے ابھی چند دن پہلے عدالت میں اپنے خاندان کی بے گناہی ثابت کی تھی۔"

"ویری گڈ۔" وہ محظوظ ہو کر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ "ہم ہر کرائسز سے نکل آئے۔" رک کر تصحیح کی۔ "میں ہر کرائسز سے نکل آیا... کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ نہ عدالت، نہ قانون، نہ میری ماں.... میں نے ہر شے کو سروائیو کر لیا۔ میں رئیس، سب سے بڑا سروائیور ہوں۔ فیصلے کی گھڑی آ بھی گئی مگر میں اپنے قدموں پہ کھڑا ہوں۔" وہ گردن کڑا کر کہہ رہا تھا۔ "اور اب ہم نئی شروعات کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نئے کاروباری دوست بنانے جا رہے ہیں۔ نئے پارٹنرز، نئے مواقع... نیا گھر!" وہ طمانیت سے بولا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ "کتنی دیر ہے؟"

"بس سر، میڈیا کو آپ کا انتظار کروا رہا ہوں۔ گھنٹے بعد آپ باہر نکلیں گے، اور میڈیا کے سامنے علی الاعلان کہیں گے کہ یہ سب فارس غازی نے عدالتی شکست کا بدلہ لینے کے لئے کیا ہے۔ اور فی الحال عوام کو آپ سے ہمدردی ہے، میڈیا کو آپ سے ہمدردی ہے، سب آپ کا یقین کریں گے۔"

"زبردست!" وہ مسکرا کے ٹی وی کو دیکھنے لگا۔ "It did work after all I"

فیصلے کی گھڑی آ چکی تھی۔

مگر ابھی بیتی نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو نقش تھا خار گلو بنا، جو اٹھے تو ہاتھ لہو ہوئے

وہ نشاطِ آہِ سحر گئی وہ وقارِ دستِ دعا گیا

بالائی منزل پہ نوشیرواں کے کمرے کی بتی روشن تھی۔ بیڈ پہ بیگ کھلا پڑا تھا اور وہ اس میں کپڑے رکھ رہا تھا۔ پاسپورٹ، سفری دستاویزات، لیپ ٹاپ سب بکھرا پڑا تھا۔ صبح اس کی فلائیٹ تھی اور وہ جلد از جلد تیاری مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اسے ایک منٹ بھی اس گھر میں اضافی رہنا منظور نہ تھا۔ دستک ہوئی تو اس نے بےزار سا یس کہا اور خود کپڑے تہہ کرتا رہا۔

"سر۔" خفتونا اندر داخل ہوئی۔ "کاردار صاحب ہسپتال میں ہیں۔" اطلاع دی۔

"معلوم ہے۔ سارا شہر جانتا ہے۔ میرے بھائی کا کوئی نیا ڈرامہ۔"

"کیا فارس کو بھی زخم آئے ہیں؟ نیوز میں بتا رہے تھے۔"

"مجھے ان میں دلچسپی نہیں ہے۔" اس نے بےزاری سے بیگ کا ڈھکن دے مارنے والے انداز میں بند کیا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

''مجھے امریکہ میں نوکری مل گئی ہے۔ اب زیادہ سوال نہ کرو اور جاؤ یہاں سے۔'' اس نے ہاتھ جھلا کر اسے اشارہ کیا۔ وہ فوراً سر جھکا کر باہر نکل گئی۔ اب وہ جھک کر سفری دستاویزات اٹھا اٹھا کر دستی بیگ میں ڈال رہا تھا۔ آخر میں چونکا۔ بیگ کے اندر اس کا ایک گلاک پستول رکھا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جس سے اس نے سعدی کو مارا تھا۔ یہ اس کی کلیکشن میں سے ایک اور تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر اسے نکالا اور سائیڈ ٹیبل کے دراز میں ڈال کر مقفل کر دیا۔ پھر ہاتھ صاف کیے۔ جیسے بہت سا ان دیکھا مائع صاف کیا ہو۔

نئی زندگی میں اس کی جگہ نہیں تھی..... ہرگز نہیں.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ورنہ یہ تیز دھوپ تو چبھتی ہمیں بھی ہے

ہم چپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تُو سائباں میں ہے

فارس نے آنکھیں کھولیں تو سفید دیواریں خوب روشن نظر آ رہی تھیں۔ اس نے نقاہت سے پلکیں جھپکیں۔ منظر واضح ہوا۔ ہسپتال کا کمرہ.... اس نے کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو.....

''ایزی.... ایزی!'' سعدی اس کے سرہانے کھڑا' دونوں ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ فارس نے بدقت اسے دیکھا' پھر گردن موڑی۔ ندرت' حنین' زمر' سیم.... سب کمرے میں موجود تھے۔ اونچی آواز میں خوش گپیاں جاری تھیں۔ وہ اٹھ نہیں سکا۔ کمر اور ٹانگ میں درد کی لہریں اٹھی تھیں۔ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے واپس سر تکیے پہ رکھ دیا۔

''تھوڑی بہت مکافاتِ عمل والی فیلنگ آ رہی ہے؟'' سعدی اس کے قریب جھکا مسکراہٹ دبائے پوچھنے لگا۔ ''وہ جو میرے ساتھ کینڈی میں کیا تھا.... یاد ہیں وہ زخم جو مجھے دیے تھے۔''

''زیادہ بک بک مت کرو۔'' فارس نے ناگواری سے کہہ کر آنکھیں شدتِ ضبط سے میچ لیں۔ سعدی مسکرا کر سیدھا ہوا۔ ''اسی لئے کہتے ہیں کسی معصوم کی بددعا نہیں لیتے۔''

''فارس!'' وہ اسے جاگتے دیکھ کر صوفے سے اٹھ کر سامنے آئی۔ گھنگریالے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے' اور ناک گلابی پڑی رہی تھی۔ البتہ اب وہ خوش اور فریش نظر آ رہی تھی۔ ''کیسا محسوس کر رہے ہو؟ جیسے جیل میں دوبارہ پہنچ گئے ہو' ہوں؟''

ندرت نے خفگی سے بڑبڑا کے اسے ٹوکا تھا مگر ان چاروں کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ فارس نے بھنویں بھینچ لیں اور ادھر ادھر دیکھا۔ ''بلاؤ کسی ڈاکٹر کو۔''

''ڈاکٹر والی بریفنگ ہم دے دیتے ہیں نا۔'' حنین پیکٹ سے چپس نکال نکال کر منہ میں رکھتی سامنے آتے ہوئے بولی۔ ''آپ کو چند زخم آئے ہیں۔ زیادہ گہرے نہیں ہیں۔ بے ہوش آپ دھوئیں کی وجہ سے ہوئے تھے۔ اس لئے ہم سے خاطر کی توقع مت رکھیے گا۔''

''اور یہ.... یہ سارے پھل ہم اپنا ٹائم پاس کرنے کے لئے لائے ہیں۔'' سیم چہکا۔

''نہ ہو یار!'' وہ بے زاری سے ہاتھ جھلا کر کہتا پھر سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ سعدی فوراً آگے بڑھا اور اسے سہارا دیتے ہوئے تکیے پیچھے جوڑے' پھر لیور کی مدد سے بیڈ کو سرہانے سے اوپر اٹھایا۔ وہ اب ٹیک لگا کر بیٹھا تو شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔ کندھے کا زخم درد کرنے لگا تھا جس سے چہرے پہ شدید بے زاری اللہ آئی تھی۔

''اور باقی لوگ.... وہ ٹھیک ہیں؟'' اس نے پھر ندرت کو مخاطب کیا مگر جواب میں حنین چمک کر بولی تھی۔ ''ارے واہ۔ ان لوگوں کا کتنا خیال ہے آپ کو۔ کیا آگ میں کودتے وقت تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ایک بہن' ایک بیوی' ایک بھانجی اور....'' سعدی اور سیم کو دیکھا.... ''اور ڈیڑھ بھانجوں کا خیال نہیں آیا تھا' ہاں؟''

''یار تم لوگ اپنا چڑیا گھر لے کر میرے سر سے چلے کیوں نہیں جاتے۔'' وہ کروٹ لینے کی کوشش میں شدید بے زار ہو رہا تھا مگر سعدی کے بدلے ابھی پورے نہیں ہوئے تھے۔

''واہ ماموں' مجھے تو خوب لیکچر دیتے تھے' میری کے بیٹے کو بچانے کیوں خطرے میں کود پڑے۔ اپنی دفعہ تو کوئی خود غرضی یاد نہیں آئی۔''

اب کے فارس نے صرف غصیلی آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ فوراً مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھائے قدم قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ ''جا رہا ہوں.... جا رہا ہوں۔''

ندرت اب ان تینوں کو گھرک رہی تھیں۔ پھر بڑے ابا کو فون کرنے اٹھ گئیں۔ کمرے میں سگنل اچھے نہیں آتے۔ باری باری سب باہر کھسک گئے۔ اب وہ دونوں تنہا رہ گئے۔ وہ اس کے قریب کھڑی گلاس میں چمچ ہلاتی کچھ مکس کر رہی تھی۔ ساتھ ہی مسکرا کے اسے دیکھ بھی رہی تھی۔

''باقی سب....'' وہ قدرے پرسکون ہوا تو نقاہت زدہ نظروں سے اسے دیکھتا' دھیمی آواز میں پوچھنے لگا۔

''نیاز بیگ ایکسپائرڈ ہو گیا۔ سانس گھٹنے کی وجہ سے۔ باقی سب ٹھیک ہیں....'' پھر گہری سانس لی۔ ''ہاشم ہیرو بن چکا ہے۔ جو بھی زخمی ہو جائے عوام کی ہمدردی سمیٹ لیتا ہے۔''

''اور یقیناً سارا الزام میرے سر ڈال چکا ہو گا۔''

''ابھی دیر کتنی ہوئی ہے حادثے کو۔ ابھی تو وہ باہر بھی نہیں نکلا۔ اور وہ ڈال بھی دے تو بھی کیا.... وہاں سب نے تمہیں لوگوں کو نکالتے اور بچاتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''واٹ ایور!'' اس نے سر جھٹکا۔ وہ گلاس پکڑے اس کے قریب آئی۔ اور اس کے کندھے کو چھوا۔

''گڈ جاب غازی!'' وہ کراہا۔

''یہ بات آپ تندرست کندھے کو بھی تھپک کر کہہ سکتی تھیں۔''

''اوہ سوری۔ مجھے تو بھول گیا تھا۔'' وہ تپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

''مجھے پتہ ہے تم ناراض ہو۔ کب نہیں ہوتیں۔ خیر۔ میں وہاں سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔ میں ایسا نہیں ہوں۔'' وہ گردن موڑ کر دوسری دیوار کو دیکھنے لگا تھا۔

''اور اگر تمہیں کچھ ہو جاتا۔ تو میں کیا کرتی؟'' اس کی آنکھیں پھر سے بھیگیں۔

''اچھا۔ تم پریشان ہوئیں؟'' فارس نے چونک کے اسے دیکھا' پھر مسکرایا۔ تنے اعصاب پہلی دفعہ جیسے سکون میں آنے لگے۔

''پریشان؟ ہونہہ۔'' اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔ ''بس اتنا اندازہ ہوا کہ نفرت کتنی کرتی ہوں تم سے۔''

''اچھا... کتنی کرتی ہو؟'' اس نے سر پیچھے کو نکالیا اور دلچسپی سے زمر کو دیکھا۔

''اتنی کہ میں ہاشم کی جان لے لیتی۔''

''کیا فائدہ ہوتا؟ میں تو نہ واپس آ سکتا۔''

''جو کہنا ہے کہہ لو۔ میں سچ میں بہت پریشان ہو گئی تھی۔'' وہ ناک سے سانس اندر کھینچتی زکام زدہ آواز میں بولی تھی۔

''اچھا لگا سن کر۔''

''بہت برے ہو تم۔''

''کیوں میں نے کیا کہا ہے؟ کم از کم ہسپتال کے بیڈ پہ تم سے قانون شہادت کے آرٹیکلز نہیں پوچھ رہا۔'' اور اس بات پہ وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

''وہ... وہ تو....'' پھر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ ''خیر میں نہیں بتا رہی کہ وہ کیوں پوچھا تھا میں نے۔ بس اتنا جان لو کہ میں تمہیں جانتی ہوں۔''

''صرف جاننا کافی ہے یا کوئی خدمت بھی کرو گی؟''

''کیا خدمت کروں۔''

''کیا کرتے ہیں ایسی سچوئشنز میں؟'' وہ یاد کرنے لگا۔ ''یہ سوپ پلا دو نا مجھے اپنے ہاتھوں سے۔''

''شیور۔'' اس نے تپائی پہ دھرا گلاس اٹھایا' اس میں چمچ ہلایا اور پھر چمچ باہر نکال کر رکھتے ہوئے بولی۔ ''میں ضرور تمہیں سوپ پلاتی مگر یہ سوپ نہیں ہے۔'' گلاس سامنے کیا تو اس نے دیکھا' اندر نارنجی جوس تھا۔ ''یہ instant drink ہے جو میں نے تمہارے لئے ہلکان ہو کر اپنی ضائع شدہ توانائی کو بحال کرنے کے لئے بنائی ہے۔ سوری فارس' یہ میری ڈرنک ہے۔'' سادگی سے کندھے اچکا کر وہ اس کے عین سامنے گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگی اور وہ خفگی سے اسے دیکھے گیا۔

''میں سمجھا تھا موت کے منہ سے واپس آنے کے بعد میری عزت میں شاید کوئی اضافہ ہوا ہو مگر....'' اور نا گواری سے سر جھٹک دیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ ہنس دی تھی۔ وہ ایسی گھڑیاں تھیں جب آنسو اور ہنسی ایک ساتھ نکلنے کو بے تاب لگ رہے تھے۔

اور تب ہی باہر عجیب سا شور بلند ہوا۔ وہ دونوں چونک کر دیکھنے لگے۔ پھر زمر نے سر جھٹک دیا۔ اب باہر چاہے قیامت بھی آ گئی ہو وہ فارس کو چھوڑ کے کہیں نہیں جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب ظلم و ستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اڑ جائیں گے

ہاشم کاردار... اسی ہسپتال کے بہترین پرائیویٹ روم میں لگژری کاؤچ پہ بیٹھا تھا اور مسکرا کے موبائل پہ سوشل میڈیا پہ برپا طوفان دیکھ رہا تھا۔ اس کی زخمی حالت کی تصاویر وائرل ہو چکی تھیں۔ دعائیں' نیک تمنائیں' محبت بھرے سندیسے ہی سندیسے موصول ہو رہے تھے۔ دروازے پہ آوازیں سنائی دیں تو کونے میں کھڑا رئیس فوراً باہر گیا۔ چند لمحے چوکھٹ پہ تکرار ہوتی رہی' یہاں تک کہ بیزاری سے ہاشم نے پکارا۔

"کون ہے یار؟"

"سر شہرین میڈم ہیں۔ میں بتا رہا ہوں کہ آپ ابھی مل نہیں سکتے' لیکن....."

"اچھا بھیج دو۔" اس نے ہاتھ جھلا کر کہا اور سر جھکا کر موبائل دیکھنے لگا۔ رئیس چلا گیا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ ہیل کی آواز سے مانوس تھا' آج وہ آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اس کی نگاہیں شہری کے قدموں تک گئیں تو منجمد ہو گئیں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ ہاشم نے نظریں اٹھائیں۔ وہ پریشان سی' آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی تھی۔

"واؤ... تم میرے لئے اتنی پریشان؟ یا یہ کوئی اسٹنٹ ہے؟" وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔

"ہاشم!" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ "ہم نے تمہیں ٹی وی پہ دیکھا... تم زخمی تھے... سونی رونے لگ گئی تھی....."

"او وہ یار تمہیں سونی کو نہیں دکھانے تھے وہ منظر۔ اچھا اب گھر جاؤ' آرام کرو۔ میں صبح تک آ جاؤں گا۔ سونی سے کہو میں ٹھیک ہوں...."

"ہاشم...." اس کی رندھی آواز کپکپائی۔ "میں اور سونی ایک ساتھ آئے تھے۔ میڈ بھی ساتھ تھی...... مجھے نہیں پتہ کیا ہوا....."

سیل فون ہاشم کاردار کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ کرنٹ کھا کے کھڑا ہوا۔ "کیا ہوا سونیا کو؟"

"ہاشم...." شہری نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "سونی نہیں ہے.... سونی ہسپتال میں کھو گئی ہے....."

کیا تم نے کبھی روح نکلنے کی آواز سنی ہے؟

وہ چیخوں سے زیادہ دلدوز ہوتی ہے۔

وہ بے اختیار آگے بھاگا۔

"کہاں ہے سونیا؟ کہاں ہے میری بیٹی؟" وہ حواس باختہ سا باہر آ کر چیخا تھا۔

''وہ ابھی میرے ساتھ تھی... رش بہت تھا... میں کال کرنے رکی... میڈ اس کے ساتھ تھی... میں کاریڈور میں آگے نکل گئی' وہ پیچھے رہ گئیں... میڈ سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا... میں نے پولیس کو بتایا ہے... وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں... مگر وہ نہیں مل رہی... وہ کہہ رہے ہیں اس ہسپتال سے ایک ماہ میں تین بچے پہلے بھی اغوا ہو چکے ہیں... سی سی ٹی وی بھی خراب...''

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگ رہا تھا۔ سفید چہرہ لئے' سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ کاریڈور میں چلاتے ہوئے بھاگ رہا تھا...

''میری بیٹی مسنگ ہے... اسے ڈھونڈ کر لاؤ... رئیس...''

اور رئیس کو بھی ابھی خبر ملی تھی۔ راہداری میں ہاشم کے گارڈز آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ پولیس کے افسران اسی طرف آرہے تھے... ہر چہرے پہ مایوسی تھی... شکستگی تھی... نفی میں ہلتی گردنیں... جھکی آنکھیں... وہ کچھ نہیں دیکھ پارہا تھا... وہ اسپتال کی گرین شرٹ میں ملبوس راہداری میں آگے بھاگتا جارہا تھا... دل تھا کہ ڈوب ڈوب رہا تھا... گردن بار بار بے یقینی سے نفی میں ہلتی تھی... روح قبض ہو رہی تھی... جان نکل رہی تھی...

''سونیا کہاں ہے؟'' وہ ایک ایک شخص کو روک کر پوچھ رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ راہداری سے گزرتے ہر بچے کا منہ موڑ کر دیکھتا۔ سونی نہیں تھی۔ کہیں نہیں تھی۔

''وہ کہاں جا سکتی ہے۔ وہ اتنی جلدی کہاں جا سکتی ہے۔ میری بیٹی کو ڈھونڈ کر لاؤ... تم باہر دیکھو... تم اس طرف جاؤ...'' وہ ڈھیروں لوگوں کے درمیان کھڑا چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا... پسینے سے تر چہرہ... اس پہ اڑتی ہوائیاں... آنکھوں میں جلتی بجھتی امید... وہ ایک دفعہ پھر سے آگے کو دوڑنے لگا تھا...

رپورٹرز اسی طرف آگئے تھے... کیمرے دھڑا دھڑ اس کی تصاویر اور فلم اتار رہے تھے... اور وہ ایک ایک کو روک کر پوچھ رہا تھا... ''میری بیٹی... وہ سات سال کی ہے...'' وہ ہاتھ سے اپنے گھٹنے تک اشارہ کرتے اس کا قد بتاتا۔ ''کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟'' وہ امید اور خوف سے ہر دروازہ کھول کر اندر دیکھتا' پھر آگے کو دوڑتا... لوگ ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے...

''کس نے اٹھایا ہے میری بیٹی کو؟ بتاؤ مجھے۔ کہاں جا سکتی ہے وہ...'' راستے میں اسے پولیس کا اعلیٰ افسر نظر آیا تو وہ تیر کی طرح اس پہ جھپٹا اور اس کا گریبان پکڑ لیا۔ ''کس لئے ہو تم لوگ؟ تمہارے ہوتے ہوئے وہ کیسے غائب ہو سکتی ہے؟''

وہ ویٹنگ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا اور پولیس آفیسر کا گریبان جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے ندامت اور افسوس سے نظریں جھکا لیں۔ ''سر ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو قرار واقعی سزا دلوئیں گے۔''

''سزا مائی فٹ!'' وہ اس کو پرے دھکیل کر چلایا تھا۔ ''مجھے میری بیٹی چاہیے۔ میری بیٹی کو لے کر آؤ۔ ایسے کیسے وہ کہیں جا سکتی ہے؟'' وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا۔ لوگ ہجوم کی صورت وہاں کھڑے خاموشی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان میں ندرت بھی تھیں اور سعدی' حنین' اسامہ ان کے ساتھ کھڑے شل سے نظر آرہے تھے۔

ہاشم کو اپنا سر گول گول گھومتا محسوس ہو رہا تھا... رئیس پھولے سانس کے ساتھ بھاگتا آ رہا تھا... "سر... سی سی ٹی وی کیمرے بھی عرصے سے خراب پڑے ہیں' ہسپتال کی بہت سی exits ہیں' شاید وہ اب تک بچی کو لے کر نکل گئے ہوں گے۔" ہاشم تیزی سے آگے بڑھا اور پوری قوت سے ایک مکا اس کے منہ پہ دے مارا۔ رئیس تیورا کے پیچھے کو گرا۔

"مجھے میری بیٹی چاہیے... مجھے میری بیٹی لا کر دو..." وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ چلایا تھا۔ دو سپاہیوں نے اسے "آرام سے سر آرام سے" کہتے کندھوں سے تھام کر روکا' ورنہ وہ شاید رئیس کے ٹکڑے کر دیتا۔

"کون لے کر گیا ہے میری بیٹی کو..." چاروں طرف دیکھ کر... اب کے پریشانی اور صدمے سے شکست خوردہ سے انداز میں چلا رہا تھا... "ایسے کون کرتا ہے؟ ہسپتال سے کسی کا بچہ کون غائب کراتا ہے؟"

اور ندرت ذوالفقار یوسف نے آنکھیں بند کر کے ایسی کرب میں ڈوبی آہ بھری تھی کہ ان کے تینوں بچوں نے ان کے کندھوں اور بازوؤں سے خود کو لگا لیا تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں ترحم تھا' خوف تھا... ہاشم کے لئے... اعمال کے نتائج کے لئے...

"ایسے کون کرتا ہے؟" ہاشم سرخ گیلی آنکھوں سے ایک ایک کا چہرہ دیکھ کر' ٹوٹے دل سے پوچھ رہا تھا... اس کو ابھی تک سپاہیوں نے تھام رکھا تھا... اس کے گارڈز ادھر ادھر بھاگ رہے تھے... فون ملا رہے تھے...

"کسی کا بچہ ایسے کون اٹھاتا ہے... بچوں سے کون دشمنی کرتا ہے..." وہ نڈھال سا ایک کرسی پہ گر گیا تھا... آنسو اسکے چہرے پہ گر رہے تھے اور صدمے سے چور آنکھیں اب بھی ہر طرف دیکھتی تھیں... رپورٹرز اس سے پوچھ رہے تھے کہ آگ والے واقعے کا ذمہ دار کون ہے... مگر ہاشم نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا... اسے معلوم تھا اغوا ہوئے بچے واپس نہیں ملتے... اور یہی جان کر وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے... ٹوٹا بکھرا سا... رونے لگ گیا تھا...

"Sonia was all i had!... ایسے کون کرتا ہے۔" وہ بھی دو فقرے دوہرا رہا تھا۔ ندرت کے تینوں بچے ان کے مزید قریب ان سے تقریباً لپٹ گئے تھے...

اور شہر کی ایک سنسان خاموش سڑک پہ ڈرائیو کرتی ایمن فون پہ کسی سے کہہ رہی تھی۔ "آپ کی مدد کا شکریہ۔ آج ہاشم سے تمام انتقام ہم نے لے لیے ہیں۔ اب آگے..."

فون پکڑے اس کے ہاتھ میں اب وہ ہیرے کی انگوٹھی نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم محکوموں کے پاؤں تلے

یہ دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی

زمر نے کھڑکی کے سامنے سے پردے ہٹائے تو گرم چمکیلی دھوپ چھن کر کمرے میں گرنے لگی۔ باہر ایک روشن خوبصورت صبح دکھائی دے

رہی تھی۔ وہ مسکرا کے گھومی اور فارس کو دیکھا جو آئینے کے سامنے کھڑا ڈریس شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ گیلے بال برش کیے وہ باہر جانے کے لئے تیار لگ رہا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ اس کی طرف آئی... پھر اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی شرٹ کے کھڑے کالر درست کرنے لگی۔

''جاب ڈھونڈنے۔'' زمر نے مسکراہٹ دبا کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''پانچ دن بعد چلنے پھرنے کے قابل ہوئے ہو تو باہر جانے کا اچھا بہانہ ڈھونڈا ہے۔''

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں' اس خدمت کے طفیل جو آپ نے میری بالکل نہیں کی۔''

''اچھا۔ ٹائی نہیں پہنو گے؟''

''اونہوں!'' اس نے بے نیازی سے کندھے جھٹکے' آئینے میں دیکھ کر بال دوبارہ درست کیے پھر چابی اٹھاتے ہوئے اس کی طرف مڑا اور مسکرایا۔ ''اچھی لگ رہی ہو۔''

''تم بھی۔''

''میں کب نہیں لگتا؟'' بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''اچھا مجھ سے وعدہ کرو' جب ہم نئے گھر' نئی زندگی میں سیٹل ہو جائیں گے تو تم مجھے ڈنر پہ لے کر جاؤ گے۔ عرصے سے وہ ڈنر ادھار ہے تم پہ۔''

''کتنی لالچی ہو تم!'' افسوس سے سر جھٹکتا وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ زندگی نارمل ہو گئی تھی' مگر وہ دونوں کبھی نارمل نہیں ہو سکتے تھے' یہ طے تھا۔

وہ پورچ میں آیا تو گھنٹی بجی۔ گاڑی کی طرف جانے کے بجائے وہ گیٹ تک آیا اور اسے کھولا۔ پھر سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ کر گہری سانس لی۔ کالے دھوئیں والا کمرہ... آگ کے شعلے... سب ذہن میں تازہ ہو گیا تھا۔

وہ خاور کا بیٹا تھا اور ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

اندر واپس جاؤ تو سعدی کچن کی گول میز پہ موجود ناشتہ کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ فارس کو رخصت کر کے زمر ادھر آئی تو اس کے پاس ٹھہر گئی۔

''سعدی!'' نرمی سے پکارا تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا' ہلکا سا مسکرایا۔ ''جی!''

''تم کیسے ہو؟''

''میں؟'' اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ ''پہلے غصہ تھا' پھر ڈپریشن' پھر میں نے عدالتی شکست کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ انسان کے ہاتھ میں صرف کوشش کرنا ہے' کامیابی تو اللہ دیتا ہے۔''

"پھر میری بات مان لو۔سیو سعدی یوسف چیچ کے کچھ ممبرز تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ان سے مل لو۔" وہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔مگر سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ان لوگوں کو کیسے فیس کروں گا جنہوں نے اتنے مہینے اپنے جذبات اور آوازیں میری جدوجہد میں انویسٹ کیں؟ میں ہار گیا ہوں۔یہ کیسے explain کروں گا؟"

"تم جاؤ تو سہی! ملنے اور بات کرنے سے بہت کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔یاد ہے میں اور تم...ایک زمانے میں بات کرنا چھوڑ چکے تھے' مگر ہم ٹھیک تب ہوئے جب بات کرنا شروع کی۔" پھر رک کر بولی۔"آئی ایم سوری...ان چار سالوں کے لئے۔"

"نہیں زمر!" اس نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔"خونی رشتوں کی لڑائیوں اور کٹ آف میں غلطیاں مشترکہ ہوتی ہیں۔" وہ آزردگی سے مسکرا دی۔

باہر لان میں واپس آؤ تو وہ دونوں ابھی تک پورچ میں کھڑے تھے۔نہ فارس نے اسے بیٹھنے کو کہا' نہ وہ اتنا وقت لے کر آیا تھا۔

"کاردار صاحب کی بیٹی کا کچھ پتہ چلا؟ پانچ روز ہو چکے ہیں۔"

"نہیں!" فارس جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے' جوتے سے گھاس کو مسلتے ہوئے بولا تھا۔"میں نے اپنے تمام اسٹریٹ کانٹیکٹس کو متحرک کیا ہے' مگر ڈاکٹر ایمن' اس کا خاندان اور سونیا تینوں اب تک اس ملک سے بہت دور جا چکے ہوں گے۔میں اب بھی کوشش کر رہا ہوں کہ کسی طرح ہم سونی کو ڈھونڈ لیں۔"

"وہ لوگ تو آپ کے دشمن ہیں۔"

"مگر بیٹیاں سب کی برابر ہوتی ہیں۔" فارس اس لڑکے کو دیکھ کر زخمی سا مسکرایا۔"خیر' تم کیسے آئے؟ والد صاحب ٹھیک ہیں تمہارے؟"

لڑکا چپ ہو گیا۔پھر سر جھکا لیا۔

"میں چاہتا ہوں آپ میرے ابو کو معاف کر دیں۔"

"معاف!" فارس نے ایک سرد سانس دھیرے سے خارج کی۔"میں لوگوں کو جسمانی اذیت دے کر انتقام لینے کو برا سمجھتا ہوں۔خاور کے ساتھ یہ سب میں نے نہیں کیا تھا۔خاور نے میرے بھائی' میری بیوی' زمر....سب کو جسمانی اذیت دی' مگر میں نے اتنا کیا کہ سعدی سے کہا' وہ خاور کو ہاشم سے الگ کر دے۔اس نے خاور کی نوکری ختم کروا دی اور اسے ہاشم کے زیرِ عتاب لے آیا۔اس وقت میرا انتقام پورا ہو گیا تھا۔اب معافی کے لئے کچھ بچا ہی نہیں۔"

"پھر بھی...."

"میں دل صاف کرنے کی کوشش کروں گا' لیکن وعدہ کروں تو یہ جھوٹ ہو گا۔میں اپنے بھائی اور بیوی کی لاشیں نہیں بھول سکتا۔" اس نے لڑکے کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔یہ ملاقات ختم ہونے کا عندیہ تھا.....

مورچال کی بالائی منزل تک جاؤ تو اپنے کمرے میں حنین اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ یہاں کھڑکی سے نیچے لان میں کھڑا فارس دکھائی دے رہا تھا' مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی عزیز کتاب کے صفحے پلٹ رہی تھی... کافی دن بعد حنین کو وہ بھاری آبنوسی دروازہ دکھائی دیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ کھلتا چلا گیا.....

سامنے تاحدِ نگاہ سنہرا صحرا تھا' مگر جس جگہ وہ کھڑی تھی' وہاں اونچے گھنے کھجور کے درخت ہی درخت تھے... نخلستان نے صحرا کی گرمی اور تپش کو شکست دے دی تھی۔

بوڑھا استاد ایک درخت تلے بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ سامنے چند تختیاں رکھی تھیں جن کے اوپر وہ قلم کو سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھ رہے تھے۔ وہ قدم قدم اس طرف بڑھنے لگی تو انہوں نے سر اٹھائے بنا مسکرا کر کہا۔ "بہت دن بعد آئی ہو۔"

"مگر میں نے یہ دن بے کار نہیں گزارے' شیخ!" وہ ان کے سامنے آ بیٹھی۔ دو زانو ہو کر۔ وہ سر جھکائے لکھتے رہے۔ "کیا کیا تم نے ان دنوں میں۔"

"میں نے جو آپ کی کتاب سے سیکھا تھا' اسے اپنی زندگی پہ اپلائی کیا۔ جس علم کو اپلائی ہی نہ کیا جائے وہ تو ایسے ہے جیسے گدھے پہ کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ ایسا علم بوجھ بن جاتا ہے۔ میں نے' اے شیخ' آپ کی کتاب ختم کر لی اور میں اب اس کے آخری باب کے متعلق بات کرنے آئی ہوں۔"

کھجور کے درختوں کے بیچ سرسراتی ہوئی ٹھنڈی ہوا نے ماحول کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا۔ ایسے میں جہاں ہر طرف سیاہ سفید منظر نامہ تھا' وہ رنگین دکھائی دیتی تھی۔

"پھر... کیا سیکھا تم نے میری کتاب سے؟"

"میں نے یہ سیکھا کہ ہر انسان vulnerable ہے۔ اس کے اردگرد کا موسم ایک سا نہیں رہتا۔ کبھی موسم بدلتا ہے تو ہوا میں گردش کرتے مختلف وائرس اسے آ کر جکڑ لیتے ہیں۔ ایسے ہی ماحول بھی بدلتا رہتا ہے۔ نئے ماحول' نئی یونیورسٹی کالج' نیا موبائل فون' ان سب عناصر کے باعث اسے مرضِ عشق کا وائرس آن لگتا ہے۔ اس میں اس کا قصور نہیں ہوتا۔ پھر وہ کیا کرتا ہے' یہاں سے اس کا امتحان شروع ہوتا ہے۔"

"تو تمہارے خیال میں پھر اسے کیا کرنا چاہیے؟" درس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور امتحان شروع ہو چکا تھا۔ استاد نے تختیاں پرے ہٹا دیں اور پوری توجہ سے اس کا جواب سننے لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"اسے دو کام کرنے چاہئیں۔ پہلا غضِ بصر۔ نظر جھکانا۔ وہ شخص جس کی وجہ سے دل ڈسٹرب ہے' اس سے اگر کوئی حلال تعلق نہیں ہے تو اسے اپنی زندگی سے نکال باہر پھینکنا۔ سارے تعلق' سارے روابط کاٹ دینے چاہئیں۔ پھر اس کی یادوں' اس کی تصویروں' اس کے میسجز' ای میلز' کسی کو بھی دوبارہ نہ پڑھیں۔ یوں نظر محفوظ ہو گی تو دل بھی محفوظ ہو گا۔"

"اور دوسرا طریقہ؟"

"صرف نظر کی حفاظت کرنا کافی نہیں۔ دل کا دھیان بھی رکھنا ہوگا۔ عشق عشق کو کاٹتا ہے' محبت محبت کو کاٹتی ہے۔ آپ کی کتاب کا آخری باب کہتا ہے کہ اپنے دل میں سب سے بڑی محبت... اللہ کی محبت بسائی جائے' وہ ہمارے دل کو اتنا مضبوط کر دے گی کہ ہم اس شخص کی طرف نہیں لپکیں گے۔"

"کیا تمہیں اس بات سے اختلاف ہے؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ لیکن مجھے ایک اعتراف بھی کرنا ہے۔ کئی سال پہلے علیشا نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا مجھے خدا سے محبت ہے؟ میں نے کہا تھا' پتہ نہیں۔ آج' اتنی ٹھوکریں کھا کر بھی میں نہیں جان سکی کہ اللہ سے محبت کسے کہتے ہیں۔ وہ کیسے کی جاتی ہے۔ میں نمازیں پڑھتی ہوں اور لوگوں کو دھوکے نہ دینے کی کوشش بھی کرتی ہوں' مگر ابھی تک میں اللہ تعالیٰ سے وہ محبت نہیں کر سکی جو کرنا چاہیے تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ آخر میں جا کر میں اس محبت کو سمجھ جاؤں گی مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ اور میں یہ بتانا چاہتی ہوں آپ کو۔ اللہ کی طرف جاتا راستہ بہت طویل ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کے آخر تک پہنچ جائیں' اس کو پار کر لیں۔ ضروری صرف یہ ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہم اسی راستے پہ ہوں چاہے لڑکھڑا رہے ہوں' چاہے گر پڑ کر آگے بڑھ رہے ہوں' مگر اس سیدھے راستے پہ رہیں۔ اپنے گناہوں کو دلیلیں دے دے کر جسٹی فائی نہ کرتے پھریں۔ جب دل میں کچھ کھٹک رہا ہو تو توبہ کر کے اپنے اعمال درست کر لیں اور راستہ سیدھا کر لیں۔ ہمارا مستقبل کورا ہے' ماضی جیسا بھی داغدار ہو بھلے۔ مستقبل کو ہم اپنی مرضی سے لکھ سکتے ہیں۔"

"اور اللہ سے محبت؟" انہوں نے یاد دلایا۔ حنین نے گہری سانس لے کر... سر اٹھا کے دور تک پھیلے کھجور کے درختوں کو دیکھا۔

"وہ ویسی نہیں کر سکی جیسے کرنی چاہیے۔ مگر مجھے ان چیزوں سے محبت ہوگئی ہے جن سے اللہ کو محبت ہے۔ مجھے نماز اور قرآن سے محبت ہوگئی ہے' اور مجھے اللہ تعالیٰ سے بات کرنا' دعا مانگنا اچھا لگنے لگا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ سے محبت میں ولیوں اور نیک لوگوں جیسی نہ بھی ہو سکی' تب بھی میں ایسے اچھے کام کرتی رہوں گی جن سے کم از کم وہ تو مجھ سے محبت کرے گا نا۔" وہ مسکرا کر امید سے کہہ رہی تھی اور شیخ نے بھی اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو خم دیا تھا۔

کھجور کے درخت غائب ہو گئے۔ اس نے سر اٹھایا تو دیکھا کمرے میں بیٹھی تھی اور اسٹڈی ٹیبل پہ کتاب کھلی رکھی تھی۔ اس نے صفحے پلٹائے۔ پہلے صفحے پہ واپس آئی۔ وہاں آج بھی ہاشم کا ردار کا نام لکھا تھا۔

کینسر رہے نہ رہے' وہ بھولتا کبھی نہیں ہے۔ اور بھولنا ضروری بھی نہیں ہے۔ اس نے گہری سانس لے کر کتاب بند کر دی۔ ایک سفر تمام ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور اہلِ حکم کے سر اوپر
جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی

قصرِ کاردار کا لاؤنج دوپہر کے باوجود اندھیرے میں ڈوبا لگتا تھا۔ کھڑکیوں کے آگے بلاک آؤٹ بلائنڈز گرے تھے.... گویا روشنی کے سارے راستے کاٹ دیے گئے ہوں۔

وہ بڑے صوفے پہ لمبا لیٹا تھا۔ رف ٹراؤزر اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ پہنے۔ بڑھی شیو اور سرخ آنکھیں لئے' وہ چھت پہ جھلملاتے فانوس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدموں کے قریب ہاتھ باندھے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کھڑا تھا' اور ساتھ رئیس۔

''وہ ملک سے فرار ہو چکے ہیں۔ مگر ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے۔ تاوان کے لئے کوئی کال بھی نہیں کی۔ ان کا مقصد آپ کو اذیت دینا تھا۔'' پولیس افسر سر جھکائے ڈرتے ڈرتے اطلاع دے رہا تھا۔ ''اور ہم یہ معاملہ فارس غازی پہ بھی نہیں ڈال سکتے کیونکہ وہ اس وقت زخمی حالت میں ہسپتال داخل تھا... اور...''

ہاشم نے بے زاری سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ''وہ ایسے کام نہیں کرتا۔ بیٹیاں سب کی برابر ہوتی ہیں۔'' سرخ آنکھوں سے اس نے پولیس والے کو گھورا تھا۔

''سر' آپ نے بہت غلطی کی۔ اتنے شاطر مجرموں کو ایک کمرے میں بند کر کے آگ لگانی چاہی... انہوں نے جوابی حملہ تو کرنا تھا۔''

''بکواس مت کرو میرے سامنے۔'' وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھا۔ ننگے پیر زمین پہ اتارے۔

''میں ان میں سے ایک ایک کو دوبارہ اسی طرح جلا کر ماروں گا' اور اگر مجھے سونیا نہ ملی تو تم لوگوں کے بچے بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔'' انگلی اٹھا کر وہ اسے تنبیہہ کر رہا تھا۔ ''تم لوگوں کو بھی جو زیادہ پیسہ دے اس کے ساتھ مل جاتے ہو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ پولیس کے ہوتے ہوئے ایک بچی کو وہاں سے نکال کر لے جائے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہو۔ میں صرف سونی کے ملنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر دیکھنا' میں تم سب کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔'' اسے گھورتے ہوئے وہ جھٹکے سے اٹھا' اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سیڑھیاں تاریک تھیں' ساری دنیا تاریک تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ کار کی چابیاں ڈھونڈنے لگا۔ روز کی طرح آج بھی اسے شہر کے کونے چھان مارنے جانا تھا۔ میز سے چابیاں اٹھاتے ہوئے وہ رکا۔ وہاں ڈیجیٹل فوٹو فریم لگا تھا جس میں تصاویر کا سلائیڈ شو مدھم موسیقی کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہاشم رک کر دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں یاسیت سی اتر آئی.....

اس کے بچپن کی تصاویر.... وہ اور ڈیڈ.... اسٹین فورڈ کے دنوں کی تصاویر.... اس کی ڈگری.... اور اس پہ بڑا بڑا سا ''کاردار'' لکھا.... ہر دوسری ہر تصویر میں اورنگزیب اس کے ساتھ تھے.... اس کا شانہ تھپکتے' اس کو دیکھ کر مسکراتے.... وہ اسے کہا کرتے تھے' وہی ان جیسا ہے.... وہی ان کے کاروبار' ان کی وراثت کا اصل حقدار ہے.... جواہرات بے اعتبار اور شیرو نکما تھا۔ علیشا کچھ تھی ہی نہیں.... سب ہاشم تھا.... ہاشم سنبھال لے گا.... اور اب آہستہ آہستہ یہ حقیقت اس کے اوپر عیاں ہو رہی تھی کہ اس کی ساری زندگی ایک جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہ تھی.... ہر وہ شے جس پہ اس نے فخر کیا تھا.... جس سے اس نے محبت کی تھی.... کچھ بھی اس کا نہ تھا.... کچھ بھی اس کا نہ رہا تھا.... اس نے

آنکھیں بند کیں۔گرم گرم آنسو گال پر ڈھلکنے لگے۔

پھر اس نے دراز کھولی۔اندر اس کا پستول رکھا تھا۔اس کی ہر شے کی طرح بیش قیمت اور برانڈڈ۔اس نے پستول نکال اور لوڈ کیا۔

اندھیرا لاؤنج میں رئیس اور پولیس آفیسر کھڑے دھیمی سرگوشیوں میں سونی کو ڈھونڈنے کے بارے میں بات کر رہے تھے‘ جب انہوں نے وہ ہولناک فائر سنا۔دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

''ہاشم!'' رئیس کے لبوں سے نکلا۔وہ دونوں دیوانہ وار اوپر بھاگے....سیڑھیاں عبور کیں...اور کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولا۔

کمرے کے کونے میں رکھا ایکویریم (جو وہ کئی دن پہلے ادھر لے آیا تھا) چکنا چور ہوا پڑا تھا۔پانی گر گیا تھا۔سامنے ہاشم کھڑا تھا‘ اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

''سر آپ ٹھیک ہیں؟'' رئیس نے بدحواسی سے پوچھا۔ہاشم کاردار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے؟ اتنا کمزور نہیں ہوں کہ ہار مان لوں گا۔میں صرف اپنے پچھتاوؤں کی آخری نشانی ختم کر رہا تھا۔جو کیا‘ بالکل ٹھیک کیا۔دس بار پھر کروں گا۔ایک دفعہ مجھے سونی مل جائے‘ پھر میں سب کو بتاؤں گا کہ میری بیٹی کو ایذا دینے والوں کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔اب چلو۔'' گن جیب میں اڑستے ہوئے‘ وہ آگے بڑھ گیا۔رئیس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا تھا۔آج پھر انہیں شہر کا ہر کونا رات گئے تک چھاننا تھا...ایمن کے رشتے داروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے گھروں میں دھاوا بولنا تھا‘ ان کو ہراساں کرنا تھا....وہ کہاں جا سکتی ہے....کوئی تو بتا دے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب ارضِ خدا کے کعبے سے

سب بت اٹھوائے جائیں گے

ائیر پورٹ پہ مختلف اطلاعات کی آوازیں اسپیکرز پہ گونج رہی تھیں۔رش کافی تھا۔آوازیں۔شور۔ایسے میں وی آئی پی لاؤنج میں ایک صوفے پہ نوشیرواں بیٹھا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ اکیلا تھا۔سارے میں مجمعے میں بھی اکیلا۔

قریب آتے قدموں کی آہٹ محسوس کی تو سامنے دیکھا۔سعدی یوسف وہاں سے چلا آ رہا تھا۔سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک چڑھائے‘ وہ سنجیدہ چہرے اور چبھتی ہوئی نظروں کے ساتھ اس کے عین سامنے آ رکا۔شیرو بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

''پبلک پلیس پہ بلایا تم نے نوشیرواں‘ لیکن میں اس دفعہ گھر والوں کو بتا کر آیا ہوں۔ورنہ سکیورٹی سسٹم....'' نظر گھما کر سی سی ٹی وی کیمروں کو دیکھا‘ ''اور سکیورٹی اہلکاروں کا بھروسہ نہیں ہے مجھے۔'' پھر اپنی گھڑی دیکھی۔''میرے پاس صرف دس منٹ ہیں۔جو بھی کہنا ہے بغیر تمہید کے کہو۔''

نوشیرواں چند لمحے متذبذب سا اسے دیکھے گیا۔سلک کی گرے شرٹ اور...سیاہ کوٹ پہنے‘ وہ بال چھوٹے کٹوا کر پہلے سے بہت مختلف نظر

آ رہا تھا۔ ''سونیا ابھی تک نہیں ملی۔''

''مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔ ہم بھی تلاش کر رہے ہیں' اپنے طور پہ جتنا ہو سکا کریں گے۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''سعدی کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟'' وہ ایک دم جذباتی سا ہو کر بولا۔ ''کیا تم مجھے اس بوجھ سے آزاد نہیں کر سکتے؟ میں جیل گیا میں عدالتوں کے چکر لگاتا رہا' ہمارا خاندان ٹوٹ گیا' اپنے سوشل سرکل میں میں مذاق بن کر رہ گیا۔ کیا تم میری سزا ختم نہیں کر سکتے؟'' اس کی آواز آخر میں گلوگیر ہو گئی تھی۔ سعدی نے ایک گہری سانس لی صوفے پہ بیٹھا اور اسے اشارہ کیا۔ ''بیٹھو۔'' وہ کسی معمول کی طرح سامنے بیٹھ گیا۔ دم سادھے۔ اب سعدی نے آگے جھکے' ہاتھ باہم پھنسائے' غور سے اسے دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ ''میں تمہارا کون تھا نوشیرواں؟''

نوشیرواں سے کچھ بولا نہیں گیا۔

''میں تمہارا دوست تھا۔ جس نے تمہاری جان بچائی تھی۔ جو یونیورسٹی میں تمہاری ہر طرح سے اخلاقی طور پہ مدد کیا کرتا تھا مگر تم نے پہلے مجھ سے لڑائی کی' پھر مجھ سے حسد شروع کیا۔ کیا تھا اگر تم اس بات کو اپ سیٹ کر لیتے کہ ایک مڈل کلاس کا لڑکا اتنا پر اعتماد ہے مگر تم جلنے لگے۔ تم نے ہر موقع پہ مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ لوگ کہتے ہیں پہلا قتل عورت پہ ہوا تھا۔ غلط کہتے ہیں۔ پہلا قتل حسد کی وجہ سے ہوا تھا۔ قابیل نے تب نہیں مارا ہابیل کو جب یہ فیصلہ ہوا کہ ہابیل اس لڑکی سے شادی کرے گا جس سے قابیل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے تب مارا اسے جب اللہ نے ہابیل کے حق میں فیصلہ دیا۔ پہلے اس کا ہابیل سے مقابلہ تھا۔ اب وہ ہابیل سے جیلس ہوا تھا۔ تم نے جب مجھے مارنا چاہا تو میں نے وہی کہا جو ہابیل نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ لیکن تم نے مجھے گولیاں ماریں' مجھے بوٹ مارے۔ کیا میں وہ بھول سکتا ہوں؟'' شیرو کا چہرہ جھک گیا۔ کان گلابی پڑ رہے تھے۔

''جب میں قید سے رہا ہو کر آیا تو روز سوچتا تھا' کیا میں وہ بھول سکتا ہوں؟ تمہیں معاف کر سکتا ہوں؟ پھر مجھے احساس ہوا کہ ہاں' میں یہ کر سکتا ہوں۔''

نوشیرواں نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ پرتپش نگاہوں سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں اتنا بے رحم اور انتقام میں اندھا ہو گیا تھا کہ ہر قیمت پہ تمہاری پھانسی چاہتا تھا؟ نہیں نوشیرواں' حالانکہ قصاص میرا حق تھا' مگر میں چاہتا تھا تم اپنی اصلاح کرو۔ تم نے زمر کو بھی بچایا' تم اپنی معافی' اپنی نجات کہاں کہاں نہیں ڈھونڈتے رہے' مگر تم میرے پاس نہیں آئے۔ تم آتے بھی تو میں تمہیں معاف نہ کرتا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا تم دنیا کے سامنے مانو' عدالت میں اعتراف کرو' یا عدالت اس بات کو مانے کہ میں سچ کہہ رہا تھا۔ اگر تم اصلاح چاہتے ہوتے تو مان لیتے' یا اپنے بھائی کو روکتے کہ مجھ پہ اور میرے خاندان پہ کیچڑ نہ اچھالتا رہے' مگر تم خاموش رہے۔ تم برادرانِ یوسف کی طرح سمجھتے ہو کہ 'اس گناہ کے بعد ہم نیکوکار ہو جائیں گے' والا طریقہ درست ہے۔ نہیں نوشیرواں اصلاح کے سفر کی بنیاد جھوٹ پہ نہیں رکھی جاتی۔ سچ پہ رکھی جاتی ہے۔ عدالت میں جھوٹ کو بڑے جھوٹ سے بے شک ہرایا جائے

مگر زندگی میں جھوٹ کو سچ سے ہی ہرانا چاہیے۔"

"میں اعتراف کرتا تو مجھے پھانسی ہو جاتی!" وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔ آنکھیں پھر سے گلابی پڑنے لگی تھیں۔

"میں نے کہا نا' میں فیصلہ کر چکا تھا۔ اگر تم اعتراف کر دیا اگر عدالت تمہیں مجرم مان لے تو میں بھی تمہیں معاف کر دوں گا۔ مگر تم اصلاح والی زندگی نہیں چاہتے تھے۔ تم صرف زندگی چاہتے تھے۔ تم ایک دفعہ اعتراف کر کے تو دیکھتے۔ میں خود سارے الزام واپس لے لیتا۔ ایک دفعہ پھر تم نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی۔ میں صرف اس ملک میں ایک precednet سیٹ کرنا چاہتا تھا کہ ہاں طاقتور بھی قانون کے ہتھوڑے تلے آ سکتا ہے مگر تم بزدل نکلے....." وہ سپاٹ انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ "اس لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں وہ تین گولیاں بھی بھول سکتا ہوں مگر تم نے ایک زخمی پڑے دوست کو بوٹ سے ٹھوکریں ماری تھیں۔ میں وہ نہیں بھول سکتا۔" پھر رک کر بولا۔ "ہابیل کو مارنے کے بعد قابیل کو پھانسی نہیں دی گئی تھی۔ مقدس کتابوں میں آتا ہے کہ اس کے ماتھے پہ خدا تعالیٰ نے ایک مہر لگا دی تھی اور بنی نوع انسان پہ اس کا قتل حرام کر دیا تھا۔ وہ ساری عمر اس نشان کو لئے بھٹکتا رہا' مگر لوگ اس کو اس نشان کے سبب پہچان لیتے اور اس کو قتل نہ کرتے۔ وہ سینکڑوں سال زندگی کی قید میں رہا۔ ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں تم بھی قابیل کی طرح بھٹکتے رہو۔ کیونکہ ہاشم پھر بھی اپنے پیاروں سے مخلص تو ہے۔ ان کو مار سکتا ہے' ان کو جلا سکتا ہے قید کر سکتا ہے' مگر ان کو دھوکہ نہیں دیتا ہے۔ تم نے تو ہاشم کو بھی صرف استعمال کیا۔ ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا شیرو!" وہ رکا اور تصحیح کی۔ "مگر تمہارا نام نوشیرواں ہے!"

سعدی یوسف نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی اور مڑ گیا۔ نوشیرواں بھیگی آنکھوں سے اس کو دور جاتے دیکھتا رہا۔ اپنے ماتھے پہ لگی دہکتی مہر کو وہ ابھی سے محسوس کرنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم اہل سفا مردود حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے

اور اسی وقت قصر کاردار میں بنے جواہرات کے پر تعیش کمرے میں کوئی اور بھی حساب کتاب لینے بیٹھا تھا۔

وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے بیٹھی' چنغے کی صورت ہڈ سر پہ گرائے' درشتی سے پیچھے کرسی پہ بیٹھے ہارون سے کہہ رہی تھی۔ "کیوں آ جاتے ہو ہر روز مجھے کچوکے لگانے؟"

"تمہاری ملازمہ مجھے آنے دیتی ہے۔ میں کیا کروں؟" وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' تھری پیس میں ملبوس تھے۔ اس بات پہ مسکرا کے شانے اچکاتے بولے تھے۔ "اور پھر مجھے اچھا لگتا ہے تمہارے ساتھ بیٹھ کر آبی کو یاد کرنا۔ ویسے کیا اب احساس ہوا ہاشم کو کہ کسی کی بیٹی کو چھیننا کیسا ہوتا ہے؟"

"ہونہہ۔" وہ تلخی سے ہنسی۔ "جیسے تمہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی۔ ہرگز نہیں۔ کسی کو اپنی اولاد سے اتنی محبت نہیں ہو سکتی جتنی مجھے اپنے

بیٹوں سے ہے۔"

"ہر کسی کو اپنی اولاد پیاری ہوتی ہے جواہرات۔ مجھے بھی تھی۔" وہ درشتی سے بات کاٹ کر بولے تھے۔ "مگر میں ہاشم کی طرح دیوانہ وار ایک ایک کا گریبان نہیں پکڑ سکتا تھا۔ میں تم لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں خود کو مزید طاقتور بنانا چاہتا تھا تا کہ کبھی تو تم سے انتقام لے سکوں۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا آبی کے ساتھ۔ ہاشم نے کیا جو بھی کیا۔"

"تم نے اور بہت کچھ کیا ہے۔ پہلے میری بیوی پہ الزام لگایا' اس کا سکینڈل بنوایا' میں نے اسے قید میں ڈال دیا تو تم اس کو نکال کر لے گئیں۔ تم نے میری بیوی کو مروایا' اس کے زیور چھپا لئے۔ وہ antique اور جیولری... اس کی وجہ سے میری بیٹی تباہ ہو گئی۔" وہ کہہ رہے تھے اور ایک ایک لفظ میں درد سا بسا تھا۔ "میں اسے کبھی وقت نہیں دے سکا۔ وہ موت سے obssessed ہوتی گئی۔ میں نے اس کی حفاظت کرنی چاہی' اس کو باڈی گارڈ خرید کر دینا چاہا۔ مگر کوئی میرے اشارے پہ نہ چلا۔ نہ تم لوگ' نہ زمر اور فارس۔ یہاں تک کہ ہاشم نے اسے چھین لیا۔"

"چلے جاؤ تم یہاں سے۔ میری... میری۔" وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ "اس آدمی کو نکالو یہاں سے۔" مگر وہ خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولے تھے۔ "ایک دفعہ پھر... تمہاری حالت پہ بہت افسوس ہوا جواہرات!"

باہر آ کر کار میں بیٹھتے ہوئے ہارون عبید نے موبائل نکال کر ای میلز کھولیں تو تیسری میل دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ انہوں نے اس میں موجود نمبر دیکھ کر اس کو کال ملائی۔ تھوڑی دیر بعد وہ فون میں کہہ رہے تھے۔

"آپ کو بتایا رقم' آسٹریلوی شہریت' اور سفری دستاویزات آج مل جائیں گے ڈاکٹر ایمن۔ اس رات آپ نے مجھے کال کر کے اپنی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ کیا تھا۔" پھر رک کر سننے لگے۔ "بے فکر رہیں۔ بچی کہاں ہے' زندہ بھی ہے یا نہیں' یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اس رات کے بعد سے میرا مسئلہ ہے۔" اور مسکرا کے فون بند کر دیا۔

سیاہ شیشوں والی کار تیزی سے سڑک پہ دوڑتی رہی اور وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ باہر دیکھتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے

رات گہری ہو رہی تھی اور شہر کی ایک پر رونق سڑک پہ ہاشم کی کار دوڑتی جا رہی تھی۔ وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا تھا اور کھڑکی سے باہر ویران نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ رئیس کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس کو سونیا کے اغوا کی تفتیش کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا۔ مگر وہ بس دکھی نظروں سے باہر دیکھے جا رہا تھا۔ شہر روشنیوں سے منور تھا' دنیا اس کی ذہنی حالت سے بے نیاز اپنی روش پہ چل رہی تھی' بہہ رہی تھی' جل رہی تھی' اور وہ کتنا

پیچھے رہ گیا تھا۔زندگی میں ایک ہی بچ بچا تھا۔سونیا...اور اس نے اسے بھی کھو دیا تھا۔وہ کہاں جائے' وہ کیا کرے؟وہ آنکھیں بند کر کے کنپٹیاں سہلانے لگا۔

کار رکی تو اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

''سر یہاں مارکیٹ میں ڈاکٹر ایمن کے بھائی کی شاپس ہیں۔میں بندے لے جا کر ان سے ذرا...بات کرتا ہوں۔آپ بیٹھیں۔مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' ہاشم نے محض سر ہلا دیا۔اور سر ہاتھوں میں گرا کے وہیں بیٹھا رہا۔آگے پیچھے رکتی گاڑیوں کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔پھر گارڈز کے دور جانے کی چاپ سنائی دیتی رہی۔وہ آنکھیں موندے بیٹھا رہا۔

''ٹھک ٹھک!'' شیشہ کھٹکا تھا۔اس نے بےزاری سے آنکھیں کھولیں اور گردن موڑی۔کھڑکی پہ ایک شخص جھکا ہوا تھا اور اسے باہر آنے کو کہہ رہا تھا۔گول چشمے والا شخص...وہ اسے فوراً پہچان گیا تھا۔یہ وہی تھا جو ہر روز عدالت آیا کرتا تھا۔ ہاشم ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔پھر اچنبھے سے اس کے ساتھ کھڑے دو افراد کو دیکھا۔

''جی؟'' خشک آواز میں پوچھا۔

''ہاشم کاردار...آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''آہاں...مگر کیوں؟'' اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''ہمیں آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔آپ کو ہمارے آفس آنا ہوگا۔'' چشمے والا بےتاثر انداز میں کہہ رہا تھا۔اندھیرے میں کار کے ساتھ کھڑے ان تینوں کو اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''کون ہو تم لوگ؟''

چشمے والے نے اپنے کوٹ میں ہاتھ ڈالا اور ایک بیج بمع کارڈ کے اس کے سامنے لہرایا۔ہاشم کے جبڑے کی رگیں تن گئیں۔اس نے تھوک نگلا۔

''سو...تم لوگ سرکاری خفیہ ایجنسی کے آفیسرز ہو۔گڈ گڈ۔'' اس نے کمال ضبط سے سر کو دو تین دفعہ اثبات میں ہلایا۔''مجھ سے کیا بات کرنی ہے۔''

''مسٹر کاردار' آپ کے خلاف terror financing کے الزام ہیں۔ہمیں آپ سے اس حوالے سے بات کرنی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنی بیٹی کے لئے کافی پریشان ہیں مگر وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ہمیں آپ کو یہاں سے لے جانا ہے۔''

''پہلی بات۔مجھے اریسٹ وارنٹ دکھاؤ۔'' وہ انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے بولا۔''دوسرا...میں امریکی شہری ہوں' میرے پاس مرینڈا رائیٹس (خاموش رہنے کے حقوق) ہیں۔میں اپنے وکیل کی موجودگی کے بغیر کچھ نہیں کہوں گا۔تیسرا' مجھے اپنی ایمبیسی کال کرنی ہے' اور ایک امریکی شہری کو حراست میں لیتے وقت تم لوگوں کو لازمی میری ایمبیسی سے ڈیل کرنا ہوگا اور چوتھی بات میں تمہارے ساتھ چلنے کے

لئے تیار ہوں اگر تم مجھے اپنے وکیل کو کال کرنے دو اور ہاں' میں ہتھکڑی نہیں لگواؤں گا۔ کوئی مجھے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔"

"مسٹر کاردار!" چشمے والا دو قدم آگے آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ہم آپ کو گرفتار نہیں کرنے آئے۔ ہم ایجنسی کے لئے کام کرتے ہیں۔ پولیس گرفتار کرتی ہے' ہم صرف اغوا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم وکیلوں' عدالتوں اور سفارت خانوں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑتے! ہمارے ہاں ملزم نہیں ہوتے' صرف مجرم ہوتے ہیں۔ اور ہم... مجرم کو... صفائی کا حق... نہیں دیا کرتے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاشم کو گریبان سے پکڑا' گاڑی سے لگایا' دوسرے آفیسر نے اس کا جبراً رخ موڑا' پھر اس کے بازو پیچھے لے جا کر زبردستی کلائیاں قریب لے کر آیا' اور ان میں ہتھکڑی ڈال کر کلک کے ساتھ بند کی۔ ہاشم سرخ پڑتا چہرہ لئے ضبط سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے اپنی ایمبیسی کو کال کرنی ہے۔ میں اپنے رائیٹس جانتا ہوں۔"

"ہاشم کاردار...." اس نے ہاشم کے کان کے قریب جا کر کہا۔ "آج سے آپ ایک مسنگ پرسن ہیں۔" اور دوسرے نے اس کے منہ پہ سیاہ بیگ گرا دیا۔ ساری دنیا جیسے بجھ گئی تھی۔ اندھیرا... تاریکی.... ہر سو تاریکی.....

انٹروگیشن روم میں چھت پہ ایک تیز.... سورج جیسی تیز اور آگ جیسی جھلساتی روشنی والا بلب جھول رہا تھا۔ باقی کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ ایک میز بچھی تھی جس کے اوپر ہاشم بیٹھا تھا۔ کہنیاں میز پہ جما رکھی تھیں اور وہ چندھیائی ہوئی آنکھیں مل رہا تھا۔ سامنے چشمے والا آفیسر بیٹھا تھا' مگر اب اس نے چشمہ نہیں پہن رکھا تھا۔ وہ ایک کھلی فائل کو دیکھتے ہوئے کڑے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"تم نے ہاشم کاردار کورٹ میں آن ریکارڈ عسکری گروپس کے بارے میں ایسی معلومات دی ہیں جو جینوئن ہیں۔ تمہیں کیسے معلوم ہوئیں وہ باتیں اگر تم ان کا حصہ نہیں ہو تو؟"

ہاشم ٹیک لگا کر بیٹھا اور نفی میں سر ہلایا۔ "اپنے وکیل اور ہائی کمشنر کی غیر موجودگی میں میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔"

"تم نے شوال کی مسجد کے نیچے واقع عسکری ٹریننگ سینٹر کا ذکر کیا تھا۔ وہ انتہائی حساس معلومات تمہیں کیسے ملیں؟" پھر وہ آگے ہو کر طنز سے بولا۔ "کیا تم نے غلطی سے بول دیا تھا۔"

"Oops!" ہاشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شانے اچکائے۔ وہ بہت ڈھیٹ تھا۔ آفیسر مسکرایا۔

"ہم شروع لائٹ ٹارچر سے کرتے ہیں!" بلب کی طرف اشارہ کیا۔ (جس سے ہاشم کے سر میں درد ہونے لگا تھا مگر وہ ضبط سے مضبوط اعصاب کا مظاہر کرتا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔) "پھر مختلف اقسام کے ٹارچرز اپلائی کرتے ہیں۔ کچھ نہیں بولو گے تو کسی بے نشان قبر میں دفنا آئیں گے۔ لیکن اب تم سورج نہیں دیکھ سکو گے کاردار۔"

"مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر عدالت میں پیش کرنا ہے تمہیں۔"

"تمہارے پاس فی الحال ایسا کوئی حق نہیں۔"

"ہے۔ میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔ "میں امریکی شہری ہوں' میرے پاس مرینڈا رائیٹس ہیں' اور

میں پاکستانی شہری بھی ہوں' میرے پاس آرٹیکل تیرہ موجود ہے۔"

"تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ تم نے کورٹ میں بہت کچھ بولا ہے۔ اپنے منہ سے تم نے اپنے لیے گڑھا کھودا ہے۔"

"تب میں ملزم نہیں تھا۔ اب ہوں۔ تب میرے پاس خاموشی کا حق نہیں تھا۔ اب ہے۔" ہاشم نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "جب بھی کوئی انسان ملزم بنتا ہے تو یہ حق اس کو فوراً مل جاتا ہے اور ...." وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ لب کھل گئے.... آنکھوں میں شاک سا ابھرا.... "انہوں نے مجھے میرا حق نہیں استعمال کرنے دیا۔ اسی لئے...." وہ چونکا تھا۔ ایک دم سے سارے پزل حل ہو گئے تھے...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بس نام رہے گا اللہ کا

وہ اپنے سرونٹ روم سے خاموشی سے نکلی اور بلی کی چال چلتی ہوئی گھر کی پچھلی سمت جانے لگی۔ آج اسے درخت پہ چڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف انیکسی کے عقب میں موجود پرانا چھوٹا دروازہ کھول دیا تو دیکھا....وہ سرخ مفلر اوڑھے سامنے کھڑا تھا' اور جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

"میرے پیسے لائے ہو؟" ملازمہ نے اشتیاق اور دلچسپی سے پوچھا۔ اس نے پینٹ کی جیب سے خاکی لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔ "گن لو۔ پورے ہیں۔"

وہ لفافہ تھامتے ہوئے مسکرائی۔ "مجھے تمہارا یقین ہے' فارس! تم میرے مالکوں جیسے نہیں ہو۔" اور یہ کہہ کر فیونا نے گردن موڑ کر دور نظر آتے قصر کاردار کو دیکھا۔

سرخ مفلر والا شخص دو قدم قریب آیا تو اس کا چہرہ چاند کی روشنی میں واضح ہوا۔ وہ زخمی انداز میں مسکراتا ہوا فارس تھا۔ "تھینک یو فیونا۔ تم نے میری بہت مدد کی۔ تم نہ ہوتیں تو میں سعدی کا پاسپورٹ ہاشم تک نہ پہنچا سکتا' اور پھر' مجھے اس کے لاکر سے اس کے قیمتی کاروباری کاغذ کون لا کر دے سکتا تھا بھلا۔"

"میں نے یہ سب صرف پیسوں کے لئے کیا ہے فارس۔ میری کے ہوتے ہوئے میں یہاں راج نہیں کر سکتی تھی' میں نے جان لیا تھا۔ اور اب...." اس نے لفافہ اٹھا کر دکھایا۔ "میں اپنے ملک واپس جا رہی ہوں' اور وہ کیا کہا تھا تم نے' کیا ہے میرے نام کا مطلب؟"

"فیونا...یعنی گوری' خوبصورت لڑکی۔" وہ مسکرا کے بولا۔

"ہاں' اب میں اپنے نام کی طرح خوبصورت زندگی گزاروں گی۔ اور میں کوشش کروں گی کہ مسز کاردار کی طرح نہ بن جاؤں۔"

"پیسہ ختم ہو جاتا ہے فیونا' مجھے کام باقی رہتے ہیں۔" پھر اس نے گھڑی دیکھی۔ "میں چلتا ہوں۔ زمر نے نئے گھر میں سب کو ڈنر پہ مدعو کر رکھا ہے اور میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ بون وائیج۔" مسکرا کے ہاتھ اٹھا کر الوداع کہتا وہ مڑ گیا۔ پھر اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور جاتا گیا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئی۔ بالآخر وہ اب اس اونچے محل اور اس کی سازشوں سے آزاد ہونے جا

رہی تھی.....

اور انٹروگیشن روم میں بیٹھا ہاشم جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ ایک دم چونک کر تفتیشی افسر کو دیکھنے لگا۔ ’’انہوں نے مجھے میرا خاموشی کا حق استعمال نہیں کرنے دیا۔ میں مجرم تھا‘ سعدی کے اغوا کا‘ مگر انہوں نے مجھے نامزد نہیں کیا‘ کیونکہ جس لمحے میں ملزم بنتا‘ میں خاموش ہو جاتا....‘‘ وہ خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا۔ ’’میں اپنا وکیل کر لیتا۔ مگر وہ چاہتے تھے.... کہ میں بولتا رہوں۔‘‘ گویا کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔ ’’وہ تم نہیں تھے۔ تم نے مجھے سعدی کا پاسپورٹ نہیں دیا تھا۔ وہ گمنام میسجز کرنے والے... وہ تم نہیں تھے... وہ.... وہ فارس تھا۔ ڈیم اِٹ۔ اس نے مجھے سیٹ اَپ کیا ہے۔‘‘ اس نے بے بسی بھرے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔

’’کاردار‘ تمہاری ٹوئیٹس کو بھی ہم نے decrypt کر لیا ہے‘ تمہاری وہ رینڈم نمبرز والی ٹوئیٹس ہر دہشت گردی کی واردات کے بعد آتی تھی‘ اور وہ خفیہ کوڈز پہ مشتمل ہوتی تھی۔ اور جواب میں ایک معروف عسکری ونگ کا سربراہ شوال سے ٹوئیٹ کیا کرتا تھا‘ وہ بھی اسی شفٹ سائفر پہ مشتمل ہوتی تھیں جو تم استعمال کر رہے تھے....‘‘

’’ڈیم اِٹ میں نے کوئی ٹوئیٹس نہیں کیں۔‘‘ اس نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ’’دیکھو وہ مجھے پھنسا رہا ہے۔ اس نے بولا کہ وہ میرے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے‘ میں صرف اسکے کہے پہ عمل کر رہا تھا۔ میں کسی کوڈز کے بارے میں نہیں جانتا۔ اوہ ڈیم اِٹ!‘‘ اس نے پیشانی انگلیوں سے دبائی۔ سر پہ جھولتا تیز بلب.... اردگرد کا اندھیرا... اس کا سر پھٹنے کو تھا....

’’تم نے دہشت گردوں کے بارے میں جو باتیں کہیں وہ سچ تھیں‘ مگر ہم جانتے ہیں کہ سعدی اس وقت سری لنکا میں تمہاری قید میں تھا۔ سارا ملک جانتا ہے۔ تو پھر وہ معلومات تمہیں کون دیتا رہا؟‘‘ وہ بے تاثر انداز میں پوچھ رہا تھا۔

’’وہ.... وہ... سب جھوٹ تھا۔ سعدی دہشت گرد نہیں ہے۔ وہ تو میں اس کو پھنسانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ نہیں نہیں میری بات سنو.... یہ سب غازی نے کیا ہے۔ اس نے مجھے پھنسایا ہے۔ تمہیں... تمہیں وہ پہلے دن سے جانتا تھا۔ تمہیں اس نے بولا تھا نا کہ عدالت میں آؤ اور دیکھو ہاشم کیسے حساس معلومات آن ریکارڈ کہتا ہے۔ ڈیم اِٹ۔‘‘ وہ چکرا کے رہ گیا تھا۔

’’ہمارے پاس وارث غازی کے لیپ ٹاپ کی فائلز بھی ہیں اور ایک میموری کارڈ اور بھی ہے‘ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا فرنٹ مین کرنل خاور ایک اعلیٰ فوجی افسر اور اس کے خاندان کی ہلاکت میں ملوث تھا۔ جانتے ہو یہ کتنے سنگین جرائم ہیں؟‘‘

مگر ہاشم پیشانی پکڑے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ’’اس نے مجھے ٹریپ کیا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ لائٹ بند کرو۔ میں کچھ نہیں بولوں گا...‘‘ وہ آخر میں چلایا تھا۔ سارے جسم پہ پسینہ آ رہا تھا اور دماغ درد سے پھٹنے کو تھا......

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو غائب بھی ہے حاضر بھی

جو ناظر بھی ہے منظر بھی

وہ بنگلہ چھوٹا سا' خوبصورت سا تھا اور اسکے لان میں ایک اونچا سا بائٹل پام کا درخت لگا تھا۔ فارس نے کار روکی' مسکراتے ہوئے میرون مفلر اتارا' اور تہہ کر کے ڈیش بورڈ کے اندر رکھ دیا۔ یہ اس نے وارث کے اس سوئیٹر سے کاٹ کر بنایا تھا جو جیل میں اہل اور سارہ اسکے لئے لائی تھیں۔ اس کا اون اسے وارث کی یاد دلاتا تھا۔ اور اتنے مہینوں سے ہاشم کے خلاف شطرنج کی ایک ایک چال چلتے ہوئے' یہ پہن کر اسے لگتا تھا' وہ اس قرض کو اتار رہا ہے جو وارث اس کے اوپر چھوڑ گیا تھا۔ آج سارے قرض اتر گئے تھے۔ سارے حساب پورے ہو گئے تھے۔

گھر کے اندر جا بجا پیک شدہ کارٹن رکھے تھے۔ ندرت اور حنہ سارا دن کام کرواتی رہی تھیں۔ اور اب کھانا کھایا جانا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل تک آیا تو زمر کھانا لگا چکی تھی اور سب نشستیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

''اتنی دیر لگا دی۔'' زمر نے آنکھوں میں خفگی لئے گھورا۔

''نوکری کی تلاش میں نکلا تھا' دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔'' وہ خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ندرت نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''اتنا مسکرا کیوں رہے ہو؟'' (فارس نے فوراً منہ سیدھا کیا۔)

''نہیں تو۔'' اور سنجیدہ شکل بنائے پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ زمر نے ایک گہری نظر ڈالی' پھر میز کو دیکھنے لگی۔ سب کھانا شروع کر چکے تھے۔ اسے خیال آیا کہ پانی نہیں رکھا۔

''میں پانی لاتی ہوں۔'' وہ اٹھی اور پانی لا کر رکھا۔ پھر دیکھا ٹشو ندارد۔ دوبارہ گئی اور ٹشو کا ڈبہ لا کر میز پہ سجایا۔ پھر کسی اور خیال سے اٹھی۔

''بیٹھ جاؤ زمر!'' ندرت نے ٹوکا تھا۔ ''گھر کی مالکن کا کام کھانے کے دوران میز سے بار بار اٹھنا نہیں ہوتا۔ اس کا کام ہے کھانا بنانا' اور کھانا لگانا۔ چاہے مہمان ہوں' گھر والے یا سسرال والے' اگر تم کھانے کے دوران بار بار اٹھ کر تازہ پھلکے لا کر دو گی یا ان کے نخرے اٹھاؤ گی تو تمہاری تو آہستہ آہستہ ڈائننگ ٹیبل سے جگہ ہی ختم ہو جائے گی۔ ان کو تمہارے بغیر کھانے کی اور تمہیں اٹھانے کی عادت پڑ جائے گی۔ عادتیں عورتیں خود بگاڑتی ہیں اور پھر جب سسرال والے سر پہ چڑھ کر ناچنے لگتے ہیں تو شکایت کرتی ہیں۔ نئے گھر' نئی زندگی میں سیٹل ہونے کے بعد لڑکیوں کو بہت اچھا بننے اور جی حضور کر کے بڑھ چڑھ کر خدمت کرنے کی بجائے صرف اتنا کام کرنا چاہیے جتنا وہ اپنے گھر میں کرتی تھیں' کیونکہ وہ اتنی ہی ذمہ داری آگے بھی نبھا سکتی ہیں۔ ذمہ داری اتنی لو جتنی نبھا سکتی ہو۔'' زمر آہستہ سے واپس بیٹھ گئی۔

''بس کر دیں امی۔ آپ پہ یہ مخلصانہ مشورے سوٹ نہیں کر رہے۔'' حنین نے بے زاری سے لقمہ دیا۔ اور ندرت نے صرف گھورا۔ (پرایا گھر دیکھ کر جوتے تک ہاتھ لے جانے سے خود کو روک کے رکھا۔)

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ سارے دورانیے میں فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگتی رہی۔ ساری اداکاری ایک طرف' وہ اس مسکراہٹ کو نہیں چھپا پا رہا تھا۔

کھانے کے بعد سیم ٹی وی لاؤنج میں زمر فارس کا ٹی وی دیکھنے چلا گیا۔(بڑے دن سے گھر سے وہ شیطان کا ڈبہ غائب تھا تو یہاں ٹی وی دیکھنے میں مزا آرہا تھا۔) ابا کو بھی ساتھ لے گیا۔ ندرت نماز پڑھنے کمرے میں چلی گئیں۔ اور وہ چاروں میز پہ بیٹھے رہ گئے۔ سوئیٹ ڈش کھائی جا چکی تھی اور وہ یونہی بیٹھے تھے۔

''آج میں نوشیرواں سے ملا۔'' سعدی نے خالی کپ میں چمچ ہلاتے سر اٹھا کر کہا۔ ساتھ بیٹھی حنین نے جہاں چونک کے دیکھا' وہیں سامنے بیٹھے زمر اور فارس بھی حیران ہوئے۔

''فکر نہ کریں۔ وہ بس معافی مانگ رہا تھا۔ وہ امریکہ جا رہا تھا۔ جاب مل گئی ہے اسے ادھر۔''

''تم نے کیا کہا۔''

''میں اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ سوری۔ مگر میں خود کو مجبور نہیں کر سکتا۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے' وارثوں کو خون معاف کرنے کے لئے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تو پھر میرا اپنا خون تھا۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ سب خاموش ہو گئے۔

''اگر عدالت اس کو سزا دے دیتی' تب تم معاف کر دیتے اسے؟'' زمر نے نرمی سے پوچھا۔ سب غور سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''جی۔ میں تیار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ عدالت میرے حق میں فیصلہ دے گی۔ لیکن شاید ہمارا کیس کمزور تھا۔'' پھر شکوہ کناں نظروں سے زمر کو دیکھا۔ ''میں آپ کو کہتا رہا کہ کیس ہاشم کے خلاف ہونا چاہیے۔ مگر آپ لوگوں نے میری بات نہیں مانی۔''

''میں نے تو صرف مشورہ دیا تھا۔'' فارس نے کان کھجاتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''اگر ہمارے پاس وہ فائلز ہوتیں' حنہ کا میموری کارڈ ہوتا' یا ہاشم کو میرا پاسپورٹ نہ ملتا تو ہمارا کیس کمزور نہ ہوتا۔'' وہ افسوس کر رہا تھا۔

حنین اور فارس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور زمر نے باری باری ان دونوں کو پھر سعدی کو مخاطب کر کے بولی۔

''ویسے سعدی... غلطی تمہاری ہے۔ پاکستان آ رہے تھے تو کسی کو اپنی فلائیٹ کا علم نہ ہونے دیتے۔ اس کو معلوم تھا تمہاری فلائیٹ کا' اسی لئے تو اس نے تمہارا پاسپورٹ چرا لیا۔''

''کسی کو بھی میری فلائیٹ کا علم نہیں تھا زمر۔'' وہ تنگ کر بولا۔ ''کسی کو نہیں معلوم تھا کہ میں آ رہا ہوں' سوائے...'' اور وہ بولتے بولتے رک گیا۔ چونک کے فارس کو دیکھا۔ ''آپ کو معلوم تھا۔ صرف آپ کو۔'' حنین نے گڑبڑا کے' اور زمر نے بڑے مزے سے مسکرا کے اسے دیکھا۔ فارس شدید غیر آرام دہ ہوا۔ کرسی پہ پہلو بدلا۔

''ہاں تو؟''

''اور سعدی... شاید فارس نے ہی تمہیں کہا تھا کہ تم افغانستان کے راستے آؤ۔ ہے نا؟'' زمر محظوظ انداز میں مسکراہٹ دبائے بولی تھی۔ فارس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ (یہ جانتی تھی؟) مگر سعدی سن بیٹھا تھا۔

''اور وہ فائلز... اور میموری کارڈ... وہ تو کسی چھوٹے' موٹے' سرخ مفلر والے آدمی نے چرائے تھے' حنہ وہ سب کیا تھا؟'' وہ اس کی

طرف گھوما۔

حنین تیزی سے کھڑی ہوئی۔ "میری نماز کا وقت ہو رہا ہے۔" سعدی نے ہاتھ سے کھینچ کر اسے واپس بٹھایا۔ وہ شرمندگی سے آنکھیں میچ کر بیٹھی۔ "میرے پاس آرٹیکل تیرہ کے تحت خاموش رہنے کا حق ہے۔"

"تم نہ بتاؤ' حنین' میں بتاتی ہوں۔" زمر یوسف ٹھوڑی تلے ہتھیلی رکھے' دلچسپی سے مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔ "جب گواہ جھوٹ بولتے ہیں.. عدالت اور پولیس کے سامنے.... انہیں کسی شخص کو بچانا ہوتا ہے... تو اس کا حلیہ الٹ بتاتے ہیں کہ جج موقع سے فرار ہونے والا ملزم چھوٹا' موٹا تھا جبکہ وہ...." دائیں طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "کافی اسمارٹ اور قد آور سا تھا۔"

"بہت شکریہ۔" وہ جل کر بڑبڑایا۔ (چڑیل نہ ہو تو۔)

"آپ نے چرائے تھے وہ سب حنین کے کمرے سے؟" سعدی دنگ رہ گیا تھا۔

"کسی نے کچھ نہیں چرایا سعدی ڈیئر۔ میرے شوہر اور تمہاری بہن نے ہم سے جھوٹ بولا۔ فارس نے گھر سے جاتے وقت حنین سے وہ چیزیں لیں' اور اس کو کہا کہ کہے وہ کھو گئی ہیں۔ حنین اوپر گئی' کھڑکی کھولی' اور چیخ ماری۔ ہم لوگ اوپر گئے تو اس نے ہمیں لمبی سی کہانی سنا دی جو مجھے اسی وقت سمجھ آ گئی تھی کیونکہ ایک ننھا سا میموری کارڈ اگر مبینہ چور نے پکڑ بھی رکھا ہو تو وہ اتنی دور سے حنہ کو کیسے نظر آ سکتا ہے؟ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وارث غازی کی فائلز بھی حنین کھول چکی تھی' لیکن ہمیں اس نے کہا کہ اس میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اصل فائلز کہیں اور منتقل کر دیں۔"

"میں نے سچ کہا تھا۔" وہ تیزی سے بولی۔ "ماموں نے مجھ سے پہلے وہ ادھر سے ڈیلیٹ کر کے اپنے پاس منتقل کر لی تھیں۔ اور باقی ساری باتوں پہ آرٹیکل تیرہ کے تحت مجھے خاموش رہنے کا حق ہے۔"

"واؤ!" سعدی نے غصے سے فارس کو دیکھا جو گردن موڑ کے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ برے برے منہ بھی بنا رہا تھا۔ "آپ میرا کیس کمزور کرتے رہے۔" فارس نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"ان سب کے باوجود بھی کیس ثابت نہ ہو پاتا سعدی۔ میں نے صرف ان چیزوں کا اچھا مصرف ڈھونڈا۔ ان ثبوتوں کو عدالت میں داغدار کرنے کی بجائے کیس کو نوشیرواں تک محدود رکھا تاکہ ہاشم خاموشی کا حق استعمال نہ کرے' اور بولتا رہے۔ وہ جیتنا چاہتا تھا' ہر قیمت پہ۔ میں نے اسے جیتنے دیا۔"

"آپ نے اسے کہا کہ وہ مجھے دہشت گرد ثابت کرے!" اس نے میز پہ زور سے ہاتھ مارا۔

"حالانکہ اصل دہشت گرد کوئی اور ہے۔" (خفگی سے زمر کو گھورا جس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے) پھر بات جاری رکھی۔ "تم کچھ بھی ثابت نہ ہو پاتے مگر وہ جینوئن انفارمیشن استعمال کر کے خود کو پھنسا لیتا۔ میں نے صرف ایک ایجنسی سے ڈیل کی کہ وہ آ کر خود دیکھ لیں ہاشم کیا کہتا ہے اور...."

''وہ چشمے والا آدمی... وہ ایجنسی کا تھا' مگر آپ تو اس کو جانتے تک نہیں تھے۔'' سعدی نے طنزیہ کہا تھا۔ فارس نے بے بسی سے ایک انگلی سے تھوڑی کھجائی۔

''مجھے کیا معلوم تھا وہ کس کو بھیجتے ہیں۔ شروع میں تو میں نہیں پہچانتا تھا اسے' مگر اس کے فنگر پرنٹ سے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کون ہے۔''

''مگر ہمارے سامنے آپ اداکاری کرتے رہے کہ آپ اس کو نہیں جانتے۔''

''نوازش!''

''اور جب احمر کو شک ہوا کہ کوئی قریب کا بندہ انوالوڈ ہے تو آپ نے میرا شک حسینہ پہ ڈلوانا چاہا۔''

''بے چاری حسینہ!'' زمر نے چچ کی آواز نکالی۔

''تو کیا اپنے اوپر ڈلواتا؟ پھر تم لوگ' قانون کی سربلندی کی چلتی پھرتی مثالیں مجھے کہاں کچھ کرنے دیتے؟'' وہ خفا خفا لگ رہا تھا۔

''اور کون کون انوالوڈ تھا آپ کے ساتھ؟'' سعدی زیادہ خفا تھا۔ فارس اب کوئی فرار نہیں اختیار کر سکتا تھا۔

''ہاشم کی ملازمہ فیونا... وہ چھوٹے موٹے کام کر دیتی تھی۔ میرا جیل کا دوست جلال الدین۔ اس کی مدد سے میں ہاشم کو کچھ کوڈز بھیجتا تھا جن کو وہ نئے کاروباری مواقع کی لالچ میں ٹویٹ کر دیتا تھا۔''

''تھا؟'' سعدی نے ابرو اٹھائی۔ پہلی دفعہ فارس کھل کر مسکرایا۔

''ہاں... تھا۔ کیونکہ آج اسے ایجنسی والے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اور وہ اب دوبارہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے گا۔''

''مجھے اندازہ ہو گیا تھا'' زمر محظوظ ہوئی تھی۔ ''تم اسٹنے مسکرا جو رہے تھے۔ نوکری ڈھونڈنے کے بہانے۔''

''محترمہ آپ نے غور نہیں کیا شاید۔ میں نے ڈیل کی تھی۔ میں ان کو ایک دہشت گردی کا سہولت کار دوں گا' اور وہ جواب میں میری ایجنسی میں میری نوکری واپس بحال کروائیں گے۔'' زمر کے چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ امڈ آئی۔

''مطلب اب تم بے روزگار نہیں رہے۔''

''جی ہاں' اب میں بے روزگار نہیں رہا۔'' وہ طنزیہ مسکرا کے بولا۔ سعدی نے اسی خفگی سے میز بجائی۔ ''اپنے مسئلے بعد میں سلجھائیے گا۔ پہلے میرے سوالوں کے جواب دیں۔''

''سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔ اور کیا رہ گیا ہے؟'' وہ اکتا گیا۔

''ماموں آپ نے ہمیں ایک بات کبھی نہیں بتائی۔'' حنین فوراً چہکی۔ سعدی نے اسے خفگی سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ اس نے ناراضی سے بھائی کو دیکھا۔

''کیا بھائی۔ اگر آپ دونوں پہ ماموں نے اعتبار نہیں کیا اور مجھ پہ کیا تو پلیز جیلس نہ ہوں۔ اچھا۔'' اور سنجیدگی سے فارس کی طرف گھومی۔ ''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ سعدی بھائی کو نوشیرواں نے گولی ماری ہے' اور یہ کہ وہ ہاشم کی قید میں ہے!''

اب وہ تینوں اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ ڈائننگ ہال پہ سناٹا طاری ہو گیا اور وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کرنے لگا تھا۔

''میں ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہوں۔'' وہ تینوں خاموشی سے اسے گھورتے رہے۔ فارس نے تھک کر گہری سانس لی۔

''وہ نیکلیس!'' اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔''جب سعدی غائب ہوا تو میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی۔ پولیس، زمر، سب اس لئے تلاشی لے رہے تھے کہ کوئی کام کی چیز مل جائے۔ میں اس لئے تلاشی لے رہا تھا کہ اور کیا کیا نہیں موجود۔ تب میں نے دیکھا کہ وہ نیکلیس غائب ہے جو اس روز ہاشم نے سعدی کی جیب میں پلانٹ کروایا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ صبح وہ ہاشم کے آفس ہی گیا ہو گا۔ نیکلیس واپس کرنے۔ زمر اور حنین کسی حلیمہ کا نام لے رہے تھے۔ میں نے پتہ کیا، اور معلوم ہوا کہ ہاشم کی سیکرٹری کا نام حلیمہ ہے۔ کچھ عرصے بعد میں نے فیونا کو چند پیسے اوپر دے کر خرید لیا۔ اب سارا معاملہ واضح تھا کہ یہ کاردارز کا کام ہے۔'' پھر رک کر خفگی سے زمر کو دیکھا۔''اور آپ کب سے میری سرگرمیوں سے واقف تھیں؟''

''آخری اطلاعات تک میں آپ کی بیوی ہوں، اور جس مظلر کو آپ کے کار کے ڈیش بورڈ میں چھپا کر رکھتے ہیں، وہ کار میں کئی دفعہ ڈرائیو کرنے کا شرف حاصل کر چکی ہوں۔''

''استغفر اللہ۔ کسی شریف انسان کی ذاتی چیزوں کی تلاشی لینا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔''

''نہیں میں نے سوچا، شاید آپ کی کسی پرانی کلاس فیلو کی کوئی باقیات مل جائیں ادھر سے۔''

''یار آپ دونوں لڑ بعد میں لینا، پہلے مجھے حساب دیں۔ مجھے اتنے مہینے اندھیرے میں کیوں رکھا آپ نے۔'' وہ جھنجلا کر کہہ رہا تھا، مگر میز کی دوسری طرف بیٹھے زمر اور فارس، ایک دوسرے کی طرف رخ موڑے، شروع ہو چکے تھے۔ اس نے بے بسی سے حنین کو دیکھا جو فوراً گڑبڑا کے کھڑی ہوئی، دونوں ہاتھ اٹھائے۔''آر نیکل تیرہ!!'' بولا اور اندر بھاگ گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے ندرت کو مخاطب کر کے پوچھا۔''ویسے امی، یہ حسینہ نے اتنا قیمتی موبائل لیا کیسے؟'' امی نے نماز سے ابھی ابھی سلام پھیرا تھا۔ اس کو دیکھ کر کہنے لگیں۔''اس نے یا تو اپنا زیور بیچا ہے۔ یا اپنے ماں باپ سے پیسے لے کر لیا ہے۔ اس لئے اس سوال پہ پھیکی پڑ جاتی ہے۔''

''لو اس کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیونکہ تم لوگ اپنے موبائل، ٹیبلیٹ، اور لیپ ٹاپ جب اس کے سامنے استعمال کر رہے ہوتے ہو تو کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہو گا؟ ہم لوگوں کو احساس ہی نہیں ہوتا حنین کہ ہم قیمتی شاپنگ اور بھرے فریج سے اپنے ملازموں کو کتنے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔'' اور وہ سر جھٹک کر نوافل کی نیت باندھنے لگیں۔ حنین گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اٹھے گا اناالحق کا نعرہ

آئس کریم پارلر میں بجتی موسیقی کسٹمرز کے شور میں دب سی گئی تھی۔ ہر میز پہ رش لگا تھا۔ایسے میں بمشکل حنین نے دوافراد کی ایک میز قابو کی' اپنا بیگ ادھر رکھا' اور پھر ساتھ کھڑی زمر کو مسکرا کے دیکھا۔''میں ہماری جگہ رکھتی ہوں جب تک کہ آپ آئس کریم لے آئیں۔'' پھر ذرا جتا کر بولی۔''ظاہر ہے' اتنے عرصے بعد جو آپ نے میرے لئے وقت نکالا ہے تو آرڈر بھی آپ لائیں گی۔'' اور مسکرا کے اپنی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ وہ بالوں کو فرنچ چوٹی میں باندھے ہوئے تھی اور ماتھے پہ گرتے بال تازہ کٹے لگ رہے تھے۔

''شیور۔'' زمر جو سامنے' سینے پہ بازو لپیٹے' اور بالوں پہ سن گلاسز لگائے کھڑی تھی' مسکرا کے کندھے اچکائے بولی۔''تمہارے لئے کون سا فلیور لاؤں؟'' آج واقعی عرصے بعد وہ دونوں سارے جھمیلوں سے آزاد ہو کر فرصت سے مل بیٹھی تھیں۔

''جو اپنے لئے لیں' اس کے بالکل الٹ۔'' وہ ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرائے بیٹھی' مزے سے بولی تھی۔زمر سر ہلا کے آگے بڑھ گئی۔پھر جب واپس آئی تو ہاتھ میں دو کپس تھے۔

''دیکھ لو۔اندر سے دونوں آئس کریمز ایک جیسی ہیں' مگر اوپر سے ایک دوسرے کے بالکل الٹ ہیں۔'' حنہ ہنس دی' اور کندھے اچکا کر اپنا کپ قریب کھسکا لیا۔وہ بھی اب سامنے بیٹھ چکی تھی۔اردگرد شور اور رش ویسا ہی موجود تھا' مگر وہ دونوں چونکہ فراغت سے ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھیں تو دھیرے دھیرے اطراف سے دھیان ہٹتا گیا یہاں تک کہ ان کو لگا وہ تنہا بیٹھی ہیں۔

''سوز مر یوسف....کیسا جا رہا ہے آپ کا نیا گھر؟'' حنین چمچ سے پھل کے ٹکڑوں کو آئس کریم میں مکس کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''مجھے لگتا تھا سعدی کا کیس ختم ہو گا تو مجھے بہت وقت مل جائے گا' میں فارغ ہوں گی مگر ورکنگ ویمن کے لئے فراغت ایک خیالی پلاؤ ہے۔یا شاید مصروفیت کی عادت پڑ جاتی ہے۔تم سناؤ۔''

''میں ٹھیک ہوں۔گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ارے ہاں میں ہوم ڈیکور اور ہوم امپروومنٹ پہ ایک کتاب لکھ رہی ہوں۔کیا میں نے آپ کو بتایا؟''

''غالباً تم مجھے پچھلے دو ہفتوں میں دو سو دفعہ بتا ہی چکی ہو۔''

حنہ نے برا منہ بنا کر اسے دیکھا۔''روز تو ملتے ہیں ہم' اب سمجھ ہی نہیں آتا کہ 'اور سناؤ'' کا جواب کیا دے انسان۔''

''تمہیں یاد ہے حنین....میں اور تم....انیکسی کے تہہ خانے میں زمین پہ بیٹھ کر....رات کے اندھیرے میں....ایک دوسرے سے سچ بولا کرتے تھے؟'' زمر آئس کریم کھاتے ہوئے مسکرا کے یاد کر رہی تھی۔حنہ کی آنکھیں چمکیں۔

''چلیں آج پھر ایک دوسرے سے سچ بولتے ہیں۔پہلے آپ کی باری۔''

''ہوں!'' وہ منہ میں کریم سے بھرا چمچ رکھ کر نگاہیں اوپر کیے سوچنے لگی۔پھر حنہ کو دیکھا اور مسکرائی۔''جب تم چھوٹی تھیں تو میں اکثر تمہارے گھر میں چابیاں بھول جاتی تھی۔جان کر۔''

''اور مجھے کئی سال بعد مگر سمجھ آ گئی تھی کہ آپ وہ جان کر بھولتی ہیں' اور میں کھڑکی سے آپ کو دیکھا کرتی تھی۔'' حنہ خفیف سا ہنس دی ۔''مجھے یقین تھا کہ آپ پلٹ آنے والوں میں سے ہیں۔''

''اور تم بھی!'' چند لمحے کے لئے دونوں کے درمیان آزردہ سی خاموشی چھا گئی۔ پھر حنہ نے اداسی دور کرنے کو مسکرا کے سر جھٹکا۔''اب سب ٹھیک ہے۔ اب ہم نے اداس نہیں ہونا۔ چلیں... اب پھر سے آپ کی باری۔''

''مجھے تو اور کچھ یاد نہیں آ رہا۔'' زمر نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

''اچھا ایک بات بتائیں۔'' وہ درمیان میں چمچ کو لبوں کے اندر رکھنے کو رکی' اسے منہ میں گھولا' پھر بولی۔''آبدار کے بعد... کیا آپ پرسکون ہیں؟ میرا مطلب ہے' آپ کو فارس ماموں کی طرف سے' بھلے آپ کو چڑانے اور جلانے کے لئے ہی سہی' دوسری عورت والا دھڑکا تو نہیں لگا رہتا۔''

''ہرگز نہیں۔'' زمر نے فخر سے گردن کڑائی۔''مجھے یقین ہے کہ آئندہ وہ مجھے تنگ کرنے کے لئے بھی کسی دوسری عورت کا نام نہیں لے گا۔''

چند ثانیے دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ پھر حنہ نے زبان کھولی۔''یہ سچ نہیں تھا۔''

''بالکل۔ یہ سچ نہیں تھا۔'' زمر نے گہری سانس لی اور وہ دونوں ہنس پڑیں۔

''ویسے تم خوش ہو؟ میرے اور فارس کے جانے سے؟''

''اوں....'' حنہ نے ابرو اچکا کے بے نیازی سے ادھر ادھر دیکھا۔''میں اب کافی میچور ہو گئی ہوں۔ آپ سعدی بھائی کو زیادہ توجہ دیں یا فارس ماموں کو میں اب بالکل بھی جیلس نہیں ہوتی۔''

''او کے مگر یہ جھوٹ تھا۔''

''آف کورس یہ جھوٹ تھا۔'' حنہ جھرجھری سی لے کر اپنے کپ پہ جھک گئی اور جلدی جلدی کھانے لگ گئی۔

''سنو حنہ... ہمیں یہ سب....'' آئس کریم کے کپس کی طرف اشارہ کیا۔''زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے' تاکہ ہم ایک دوسرے سے سچ بولنا سیکھ لیں۔''

''کیا یہ سچ تھا؟'' حنہ نے اس کو دیکھ کر پلکیں جھپکائیں تو وہ ہنس پڑی اور اپنے کپ میں چمچ گھمانے لگی... موسیقی اب بھی انسانوں کے شور' اور قہقہوں کے اندر دبی ہوئی تھی.... اور آئس کریم پارلر میں رش بڑھتا ہی جا رہا تھا.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو میں بھی ہوں' اور تم بھی ہو

فوڈ لی ایور آفٹر میں اس دوپہر نوجوانوں کا ایک ہجوم جمع تھا۔ چند میزوں پہ ایک طرف انہوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور وہ پر جوش انداز میں

ایک دوسرے سے باتوں میں مگن تھے۔ بار بار گھڑیاں بھی دیکھتے' موبائل بھی چیک کرتے۔ جیسے انتظار میں تھے۔

بالائی منزل کے ہال میں سارا سامان سمیٹا جا چکا تھا' بس ایک میز پہ کچھ باکس رکھے تھے جن میں سے فارس کھڑا جھک کر کچھ کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ سفید ڈریس شرٹ اور سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا' بال اب بھی پہلے کی طرح چھوٹے تھے' مگر چہرے سے ساری کلفت' بیزاری اور اکتاہٹ دور ہو چکی تھی۔ اس پہ ہمہ وقت ٹھنڈے اور خوشگوار تاثرات رہا کرتے تھے۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا اور سعدی اندر داخل ہوا۔ وہ نہیں ہلا' اپنا کام کرتا رہا۔ سعدی اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا اور برہمی سے اسے گھورا۔ ''ان لوگوں کو کس نے بلایا ہے؟''

''ہر غلط کام میں میرا ہاتھ نہیں ہوتا سعدی یوسف۔'' وہ مصروف انداز میں چند کاغذ ایک فائل میں لگا رہا تھا۔

''یہ مختلف شہروں سے آئے سیو سعدی یوسف پیج کے ایکٹو ممبرز ہیں ماموں۔ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ میں شرمندہ تھا۔''

''میں نے نہیں بلایا یاران کو۔ تمہاری امی کا ہاتھ ہوگا اس میں۔ میں اپنے کام سے آیا ہوں ادھر۔'' وہ سادگی سے اسے دیکھ کر بولا تو سعدی نے خفگی سے سر جھٹکا۔

''اب میں ان سے جا کر کیا بات کروں؟ کیسے ان کو تسلی دوں کہ اس ملک میں قاتل بچ جاتے ہیں مگر پھر بھی اس کا مستقبل روشن ہے؟''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ مجھے الزام نہ دینا۔''

''ٹھیک ہے' میں مانتا ہوں کہ ہم وہ ثبوت استعمال کر لیتے تب بھی نوشیرواں نہ پکڑا جاتا' لیکن .... ہاشم ہم اس کو سزا دلوا سکتے تھے ....عدالت کے ذریعے ....تاکہ ایک مثال قائم ہوتی۔ یوں بیک ڈور سے کسی ایجنسی کے ذریعے نہیں۔''

''واٹ ایور۔'' وہ اپنے بیگ میں چند فائلز ڈال کے سیدھا ہوا' بیگ اٹھایا اور اسی سادگی سے اسے دیکھا۔ ''اب وہ تمہارے مہمان ہیں۔ تم ان کے پاس جا کر ایک اچھی سی تقریر کر دو۔ مجھے کام ہے۔ میں جا رہا ہوں۔'' اس کے کندھے کو دبایا' اور آگے بڑھ گیا۔

سعدی یوسف جس وقت ریسٹورانٹ کے لاؤنج میں داخل ہوا' سب اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سیاہ شرٹ نیلی جینز کے اوپر پہنے ہوئے تھا' اور سنجیدہ مگر متذبذب نظر آ رہا تھا۔ کسی نے سیلفی بنائی' کسی نے کلک کلک کر کے تصاویر اتار دیں۔ وہ جبراً مسکرا کے سب کو ہاتھ ہلاتا ایک مرکزی میز تک آیا' اور کرسی کھینچی۔ سب اس کے ساتھ ہی بیٹھے۔ خاموشی سی چھا گئی۔ سعدی کی نظریں نیپکین اور گلاس پہ جمی تھیں۔ وہ اس سے تسلی لینے آئے تھے' اس سے جواب مانگنے آئے تھے' انہیں کن الفاظ میں اچھی امید تھمائے؟

''آپ لوگوں کا شکریہ کہ آپ یہاں آئے۔'' کھنکھار کے اس نے کہنا شروع کیا۔ نظریں اب بھی جھکی تھیں۔ وہ کتنا اچھا مقرر تھا' بہترین بولتا تھا' مگر آج سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ وہ کیسے لوگوں کو بتائے گا کہ حق کے لئے اتنے مہینے لڑنے کا کوئی فائدہ تھا اگر وہ خود اس سوال کا جواب نہیں جانتا تھا۔ وہ کیسے اپنی اتنے مہینوں کی خواری کو جسٹی فائی کر پائے گا۔

''میں ....دراصل مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں آپ سے کیا کہوں۔'' اس نے بدقت نظریں اٹھائیں۔ میزیں باہم جوڑ کر وہ لوگ ان کے گرد

بیٹھے اس پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔ سعدی یوسف کو گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"ہم نے کئی مہینے کورٹ میں لڑائی لڑی مگر آخر میں...."

"میں ایک سکول ٹیچر ہوں، سر!" دائیں قطار میں بیٹھی اسکارف والی لڑکی ایک دم بولنے لگی۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔ سب اس کو دیکھنے لگے۔ وہ سانولی سی تھی، اور اس کی آنکھیں بہت سنجیدہ تھیں۔ "اور میں بغیر کسی شرمندگی کے آپ لوگوں کو یہ بتا سکتی ہوں کہ میرے اسکول کا ایک کلرک پچھلے پانچ سال سے مجھ سمیت کئی ٹیچرز کو اپنی پرائیوٹ پراپرٹی سمجھتا تھا۔ اس کا جب دل چاہتا وہ کسی کو بھی ہراس کر سکتا تھا، مگر اسے کوئی روکنے والا نہیں تھا۔" شدتِ جذبات سے بولتے اس کو چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ "لیکن جس دن میں نے آپ کو دیکھا... وہ انٹرویو دیتے ہوئے... وہ قانونی جنگ لڑتے ہوئے... روز عدالت میں سر بہادری سے اٹھا کر چل کے جاتے ہوئے... تب میں نے جانا تھا کہ اپنے حق کے لئے اور ظلم کے خلاف کیسے لڑا جاتا ہے۔ اس دن سر، میں اٹھ کھڑی ہوئی، میں نے ٹیچرز کو اکٹھا کیا، اور ہم نے اس کلرک کو دن کی روشنی میں سب کے سامنے بے عزت کیا، اس کی شکایت کی اس کو...."

"یونو... مجھے یونیورسٹی میں دو لڑکے bully کرتے تھے۔" اسکی بات ختم ہونے سے پہلے ایک دوسرا لڑکا بول اٹھا۔ "اور میں اتنے مہینے سے ان کا errards boy بنا ہوا تھا۔ میں ان کے کام کرتا، ذاتی بھی اور نصابی بھی... میں ان سے ڈرتا تھا... میں ان سے ہراساں ہوتا تھا مگر جب آپ نوشیرواں کاردار کے خلاف کھڑے ہوئے تھے نا سعدی بھائی، تب میں نے بھی اپنے خوف کا بت توڑا، میں نے انگلی اٹھا کر ان کو بھرے مجمعے میں کہا کہ آج کے بعد وہ مجھ پہ حکم چلا کر تو دیکھیں، میں انہیں کورٹ میں گھسیٹوں گا، میں ان کو...." مگر ساتھ ہی ایک دوسرے نوجوان نے تیز تیز بولنا شروع کر دیا تھا۔

"میرے دوست کی بہن کو اس کا کالج ٹیچر بلیک میل کر رہا تھا، اور یقین کریں سعدی، اگر آپ کو میں نے وہ انٹرویو دیتے نہ دیکھا ہوتا.. اگر آپ کی بہن کی گواہی نہ سنی ہوتی تو میں کبھی اپنے دوست کو نہ سمجھا سکتا کہ اسے بلیک میل کا کیسے بہادری سے مقابلہ کرنا ہے، اسے کیسے اپنی عزت کی حفاظت...."

"میرے والد انکم ٹیکس میں کام کرتے ہیں، ان کا باس ان کو ہر وقت...."

"میں جب ہاسٹل میں تھی تو جانتے ہیں میری وارڈن نے کیا کیا؟"

"میں نے جب آپ کو ان امیر بدمعاشوں کے سامنے کھڑے ہوتے دیکھا تھا نا سعدی بھائی، تب میرے اندر ہمت آئی اور...."

وہ دم بخود بیٹھا تھا... کبھی ٹکر ٹکر ایک ایک کی شکل دیکھتا، کبھی دوسرے کی طرف رخ پھیرتا... وہ کچھ بول نہیں پا رہا تھا... وہ ان کو ٹوک بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ اس سے تسلی سننے نہیں آئے تھے... وہ اس کو سنانے آئے تھے... داستانیں... کہانیاں... ہمت اور بہادری سے لڑی جانے والی جنگیں... اور وہ یک ٹک سن رہا تھا... پلک جھپکے بغیر... وہ ایک ایک کا چہرہ تک رہا تھا... وہ صرف ان کی بہادری کی، جدوجہد کی کہانی سن پاتا، مگر پھر دوسرا بول اٹھتا اور وہ جان ہی نہ پاتا کہ اس کلرک کو کیا سزا ملی، ہراساں کرنے والے دوستوں کا کیا بنا، بلیک میلر کالج ٹیچر کو نکالا

گیا یا نہیں' انیمیٹکس والے باس اور ہاسٹل کی وارڈن کی نوکری گئی یا نہیں.. اور اس سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا..... نہ انہیں اس بات سے فرق پڑتا تھا کہ نوشیرواں بچ گیا اور بھاگ گیا۔ وہاں سب کے لئے صرف جدوجہد اہم تھی.... اپنے خوف کے بت توڑ دینا.. آزاد ہو جانا... وہاں صرف مقتل میں اترنے کی وجہ کا ذکر تھا' اس شان کا ذکر تھا.... وہ شان جو ایک کی ہوتی ہے مگر کئی ہزاروں کو ہمت دے جاتی ہے.... سب کو کچھ سکھا جاتی ہے.... وہ اس سے تسلی لینے نہیں آئے تھے.... وہ اس کو تسلی دینے بھی نہیں آئے تھے.... وہ تو اپنی داستانیں سنانے آئے تھے.... اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولا پھنس رہا تھا... وہ اسی طرح رونا چاہتا تھا جیسے فیصلے کے دن رویا تھا... مگر آج وجہ وہ نہیں تھی۔ آج وجہ یہ تھی کہ اسے اب معلوم ہوا تھا کہ فیصلے کی گھڑیاں شاید تب بیتی نہیں تھیں.... فیصلہ تو اب ہوا تھا.... وہ ہارا نہیں تھا.... وہ جیت گیا تھا... اور جو جیتا تھا' وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو اس نے ہارا تھا... اس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے ریستوران کی شیشے کی دیوار کو دیکھا۔ جہاں پارکنگ میں فارس اپنی کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔ اور اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سعدی کو دیکھتے پا کر وہ مسکرایا' ایک آنکھ دبائی اور پھر اندر بیٹھ گیا۔

بہت سے آنسو اندر ہی اتار کے سعدی یوسف بڑبڑایا تھا۔ "دو نمبر آدمی!"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چھ ماہ بعد

دسمبر 2016

پورا چاند آسمان پہ یوں جگمگا رہا تھا جیسے چاندی تھال ہو۔ وہ آج اتنا بڑا' اتنا قریب نظر آ رہا تھا کہ لگتا' ابھی پگھلی ہوئی چاندی زمین پہ انڈیلنے لگے گا۔ اس کے گرد سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے۔ ہلکے' ہر بوجھ سے آزاد بادل.....

نیچے دیکھو تو ہوٹل کے سبزہ زار میں نیلے سوئمنگ پول کے پانی میں چاند کا عکس تیر رہا تھا۔ ہچکولے کھا رہا تھا۔ پول کے ایک طرف دو آرام کرسیاں بچھی تھیں اور وہ دونوں ساتھ ساتھ ان پہ بیٹھے تھے۔ سردی اپنے جوبن پہ تھی اور اسی مناسبت سے فارس نے بھوری جیکٹ پہن رکھی تھی اور گردن اٹھائے چاند کو دیکھ رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی زمر سفید جیکٹ پہنے ہوئے تھی اور اس کا چہرہ بھی اوپر کی طرف اٹھا تھا۔

"تمہیں پورے چاند کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے' فارس غازی؟" وہ اس مسحور کن لمحے کے زیر اثر چاندی کے تھال کو تکتے بولی تھی۔ وہ اس کے منہ سے کچھ خوبصورت سننا چاہتی تھی۔

"یہی کہ اگر نیل آرم اسٹرانگ نہ مرتا تو کم از کم ہمیں یہ تو بتا دیتا کہ انسان چاند پہ گیا بھی تھا یا وہ صرف ایک امریکی ڈرامہ تھا؟" سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ زمر کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ خفگی سے نظریں موڑ کے فارس کو دیکھا۔ وہ مطمئن' ہشاش بشاش سا نظر آتا' سر پیچھے ٹکائے اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے' تم نے کتنے عرصے سے مجھے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں کتنی اچھی لگتی ہوں اور...."

"کس نے کہا تم مجھے اچھی لگتی ہو؟" (اونچی بڑبڑاہٹ)

"....اور نہ ہی میری تعریف کی ہے۔"

"کس چیز کی تعریف کروں؟ ان بالوں کی جو تم ڈائی کرتی ہو یا اس چہرے کی جس پہ ہر وقت غصہ دھرا رہتا ہے؟"

"ارے واہ۔ ایک زمانے میں تو سات سال تک قید میں ڈالنے کی باتیں کرتے تھے اور اب دیکھو.... کتنے عرصے بعد تمہیں ڈنر کروانے کا وقت ملا ہے۔" وہ خفگی سے بولی تھی۔

"وہ بھی اس لئے تمہیں لایا ہوں کیونکہ تم نے کہا تھا کہ بل تم دو گی۔" وہ تپانے والے انداز میں مسکرایا تھا۔ (وہ باہر اس لئے بیٹھے تھے کیونکہ ابھی ڈائننگ ایریا میں کوئی میز خالی نہ تھی۔)

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ ویسے بھی میرے سارے پیسے تم نے رکھ لئے تھے۔"

"بی بی.. ایک منٹ..." وہ حیران سا سیدھا ہوا۔ "میں آپ کو ساری رقم واپس کر چکا ہوں چھے ماہ پہلے ہی۔"

"کوئی ثبوت؟" اس نے سنجیدگی سے ابرو اٹھائی۔ فارس نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تم جج بننے کے لئے امتحان کیوں نہیں دے دیتیں۔ بہت اچھی جج بنو گی تم۔" اور وہ بے اختیار ہنس دی۔ پھر دوبارہ سے گردن اٹھا کے چاند کو دیکھنے لگی۔

"میں خوش ہوں فارس!"

"میں بھی خوش ہوں۔"

"تم کیوں خوش ہو؟"

"کیونکہ میرے آفس میں دو بہت خوبصورت لڑکیاں کام کرتی ہیں اور...."

"فارس غازی!" اس نے زور سے پیر زمین پہ پٹخا تو وہ مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھا کر جلدی سے بولا۔ "میں.. میں اس لیے خوش ہوں کیونکہ میری زندگی اب stable ہو گئی ہے۔ میرے پاس ایک بہت اچھی.. دل کی اچھی بیوی ہے۔ میرا خاندان مجھ سے خوش ہے.. عزیزوں رشتے داروں میں مجھے اب کوئی قاتل یا مجرم نہیں سمجھتا۔ ہاشم اور اس کا خاندان ہماری زندگیوں سے جا چکا ہے.. میرے بھانجے اپنی زندگیوں میں صحت مند شہری بن کے بالآخر سیٹل ہو چکے ہیں۔ میرے پاس ایک اچھی گاڑی ہے' جاب ہے' گھر ہے اور میرے آفس میں دو بہت خوبصورت لڑکیاں کام کرتی ہیں۔"

اور اس دفعہ آخر میں وہ دونوں ہنسے تھے۔

"آئی رئیلی ہیٹ یو فارس!"

"ٹو یو ٹو!" وہ مسکرا کے بولا تھا۔ وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ سفید جیکٹ سے ڈھکے کندھوں پہ گرتے گھنگریالے بھورے بال اور بھوری آنکھوں کی مسکراتی چمک.. وہ واقعی خوش تھی.... اور وہ بھی تھا....

دھماکے کی آواز آئی تو وہ چونکا۔ وہ بھی چونکی۔ لمحے بھر کو دل گھبرایا' مگر پھر دیکھا۔۔ساتھ سے گزرتی ایک لڑکی سیل فون پہ کوئی فلم دیکھ رہی تھی۔ یا کسی فلم کا ٹریلر۔ زمر نے اس کا پہلے لمحے بھر کو ششدر رہ جانے والا چہرہ دیکھا' اور پھر اسے ریلیکس ہوتے دیکھا تو نرمی سے بولی۔ "فارس۔ اب سب ٹھیک ہے۔ کوئی سازشیں۔۔۔کوئی قتل وغارت اب ہماری زندگیوں میں نہیں ہوگی۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔ پھر جھرجھری سی لی۔ "بس کبھی کبھی۔۔۔ایک خیال ساذہن سے گزرتا ہے۔۔۔جیسے دور کہیں۔۔۔کوئی کارما ہے جو میری گھات میں بیٹھا ہے۔"

"یہ صرف تمہارا وہم ہے۔ میں جانتی ہوں ہم سے بھی غلط کام ہوئے ہیں مگر ہم سروائیول کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اصول یہ ہے کہ اگر بدلہ لو تو اتنا لو جتنا ظلم کیے گئے تھے اور اگر اس کے بعد کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو پھر اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ سو تم۔۔۔" ہاتھ بڑھا کے اس کے گھٹنے پہ رکھا۔ "ریلیکس ہو جاؤ اور اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ اللہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔"

"میں اب اَنتھیٹک نہیں رہا۔ میرا ایمان اور یقین اب واپس آ چکا ہے۔" وہ مسکرایا۔ "اب میں پرسکون رہنے کی کوشش کروں گا۔"

"اور جب تک زندہ ہو' یہ یاد رکھنا کہ ہم سب ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑے ہیں اور میں جب تک زندہ ہوں یہ یاد رکھوں گی کہ تم میرے سب سے اچھے دوست ہو۔"

وہ ہلکا سا ہنسا۔ "آج بہت عرصے بعد تم چڑیل نہیں لگیں۔"

"او کے اب ذرا ہم ڈنر ہال کی طرف جاتے ہیں۔۔۔اور راستے میں تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ میرا یہ نام کس نے رکھا تھا۔۔۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"حنین نے۔" وہ بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"اور تم نے اسے ایک دفعہ بھی ٹوکا؟"

"بالکل نہیں۔ میں نے تو اسے شاباش دی تھی۔۔۔"

"اور تھوڑی سی شرم آئی تمہیں شاباش دیتے ہوئے۔"

"دیکھو میں ایک شریف آدمی ہوں اور۔۔۔" وہ دونوں ماہ کامل کی اس سرد رات میں قدم اٹھاتے چلتے جا رہے تھے۔۔۔دور ہوتے جا رہے تھے۔۔اور ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھیں۔۔۔دور سے بھی دکھائی دیتا تھا کہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا غازی' اس کی طرف جھک کر مسلسل کچھ کہہ بھی رہا تھا اور وہ نفی میں افسوس سے سر ہلائے جا رہی تھی۔۔۔مسلسل لڑ رہی تھی۔۔۔چاندی کے تھال سے چاندی اب بہہ بہہ کر ساری دنیا پہ گرنے لگی تھی۔۔۔سب کچھ چمکنے لگا تھا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور راج کرے گی خلقِ خدا

جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو۔

اور چند میل کے فاصلے پہ بنی عمارت کے وسیع آڈیٹوریم میں کرسیاں اوپر سے نیچے تک بھری تھیں۔ پہلی قطار سے ایک طرف کیمروں اور فلیش لائیٹس کی چکا چوند روسٹرم پہ کھڑے سعدی کی آنکھیں چندھائے دے رہی تھی مگر وہ اب ان کا عادی تھا۔ سیاہ تھری پیس سوٹ ٹائی کف لنکس پہنے بالوں کو جیل لگا کر پیچھے کیے وہ ڈائس پہ ہاتھ رکھے کھڑا مائیک پہ چہرہ جھکائے آنکھیں لوگوں پہ مرکوز کیے کہہ رہا تھا۔

"میرا نام سعدی یوسف خان ہے۔ لوگ مجھے پیار سے سعدی کہہ کر بلاتے ہیں۔ اور غصے سے بھی یہی کہتے ہیں۔"

ہال میں کھلکھلاہٹ سی گونجی تھی۔ وہ مسکراہٹ بھرے پرسکون چہرے کے ساتھ کہنے لگا۔

"چھ ماہ پہلے جب میں کیس ہارا تھا تو مجھے لگا تھا میں ہار گیا ہوں۔ ختم ہو گیا ہوں۔ مجھے لگا تھا اب اس ملک کا کچھ نہیں ہو سکے گا۔ جب اتنا بڑا مجرم جس کے خلاف عینی شاہد ہوں جب جج اس کو بری کر دیں یا پولیس دباؤ ڈال کر مقتول کے وارثوں سے ملزم کو معافی دلوا دے تو انسان سوچتا ہے اس ملک کا کیا بنے گا۔ جب ججوں کی بحالی اور عدلیہ کی آزادی کی تحریک چلانے والے ججوں کو متکبر اور وکلاء کو متشدد بنے دیکھیں تو سوچتے ہیں کہ ہماری ریاضت رائیگاں گئی مگر مجھے کچھ عرصہ لگا یہ سمجھنے میں کہ ایسا نہیں ہوا...." اس کی آواز سارے ہال میں گونج رہی تھی.... اور لگتا تھا ماہ کامل کی اس برف رات میں وہ آواز دنیا کے ایک ایک کونے تک جا رہی تھی....

(میں سعدی یوسف آپ سب لوگوں کے سامنے بانگِ دہل یہ بات کہتا ہوں کہ جب کوئی پاکستانی شہری کسی قاتل امیر آدمی یا کسی کرپٹ سیاستدان کے خلاف عدالت میں کیس لے کر جاتا ہے.... تو اگر مصلحت کے مارے ججز فیصلہ دیتے وقت مجرم کو فائدہ دے بھی جائیں... ہاں تب بھی مدعی نہیں ہارتا.... انصاف کے لئے لڑنے والا نہیں ہارتا.... وہ تو اسی دن جیت گیا تھا جب اس نے ہمت اور بہادری دکھاتے ہوئے امیر قاتلوں اور ڈاکوؤں کو عدالت میں گھسیٹا تھا.... جب ایسے مصلحت میں لپٹے فیصلے آتے ہیں تو جج ہارتے ہیں.... قانون ہارتا ہے.... ملک کے انصاف کے ادارے ہارتے ہیں.... مدعی نہیں ہارتا.... ایسے فیصلے ہونے سے انصاف کے مدعی کا کچھ نہیں جاتا.... وہ تو جیتا ہوا تھا.... ایکسپوز تو ججز ہوتے ہیں.... ہماری ناکام کمزور اور کرپٹ عدلیہ اپنے آپ کو ایسے فیصلے کر کے خود بے عزت کر دیتی ہے.... یاد رکھیے گا.... انصاف کے لئے لڑنے والا کبھی نہیں ہارتا....)

اس تنگ و تاریک کوٹھڑی کے دروازے میں ایک چھوٹا سا چوکھٹا بنا تھا۔ جس میں شیشہ لگا تھا۔ ہاشم اس دروازے کے ساتھ کمر لگائے بیٹھا تھا۔ قیدیوں کا لباس پہنے اس کی شیو بڑھی تھی اور وہ گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازہ کھلا اور ایک سیاہ وردی والا سپاہی نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

"میری بات سنو۔" ہاشم بے بسی اور غصے بھری دبی آواز میں بولا تھا۔ "تم میری بات پہ غور کر کے تو دیکھو۔ میرے پاس اب بھی بہت سے خفیہ بینک اکاؤنٹس ہیں جن کا نہ میرے گھر والوں کو علم ہے نہ ان سکیورٹی ایجنسی والوں کو۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں تمہیں بہت امیر کر سکتا

ہوں۔"

گارڈ نے ٹرے اندر پٹخی اور ایک غصیلی خاموش نظر اس پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔ دروازے کے آہنی تالے چڑھنے کی آواز آئی تو ہاشم نے زور سے دیوار پہ مکا دے مارا۔

"میرے اعصاب بہت مضبوط ہیں، یہ جیل میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نکلوں گا اس سے ایک دن۔ پھر میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔" اور تابڑ توڑ مکے دروازے پہ مارنے لگا یہاں تک کہ اسکے ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔ "مجھے نہیں معلوم اس وقت میں کس ملک میں ہوں، لیکن تم لوگ پچھتاؤ گے۔ مجھے میری بیٹی کو نہیں ڈھونڈنے دیا تم نے... تم سب پچھتاؤ گے۔"

(اور چونکہ مجھے آج اس سیمینار میں آپ سے بات کرنے کا موقع ملا ہے تو میں آپ کو سورۃ النمل کی چند آیات سنانا چاہوں گا۔ قرآن کی آیات کے معانی ہر دفعہ نئے سرے سے ہم پہ کھلتے ہیں۔ سورۃ النمل کی آخری آیات بھی مجھے یوں لگتا ہے آج مجھے پہلی دفعہ سمجھ آئی ہیں۔)

قصر کاردارات کے اس پہر اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اب اس کی بتیاں رات گئے تک جلا نہیں کرتی تھیں۔ بس بجھی رہتی تھیں۔ تاریک بالکونی میز پہ چیکس بکس، آفس ڈاکومنٹس اور عینک رکھی تھی اور ریلنگ کے ساتھ ایک ہیولہ سا کھڑا نظر آتا تھا۔ سلور رنگ کا چغہ پہنے ہڈ سر پہ گرائے، وہ جلے ہوئے ہاتھ ریلنگ پہ جمائے دور کہیں پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی... اور اینکسی اس کو دیکھ کر زخمی سا مسکرا رہی تھی۔

("میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور جب ان پر وعدہ پورا ہو گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔" وہ سانس لینے کو رکا اور ایک نظر خاموش ہال کو دیکھا۔ "النمل کی آخری آیات میں ایک زمین کے جانور کا ذکر ہے جو قرب قیامت زمین سے نکلے گا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ ویسے تو یہ ایک قیامت کی نشانی ہے مگر یہ اس سورۃ کے اختتام میں آئی ہے جو چیونٹیوں کی سورۃ ہے... جس کے ہر واقعے میں ایک ایک چیونٹی اکیلی سارے عالم سے ٹکراتی ہے، ان کو اصلاح کی طرف پکارتی ہے، ان کا ہاتھ ظلم سے روکتی نظر آتی ہے... مگر ہر کوئی اسے نہیں سنتا... ہم چیونٹیوں جیسے لوگوں کی جب متکبر لوگ بات نہیں سنتے تو آخر میں زمین پھٹتی ہے، اور بڑے بڑے جانور نکل کر... انہی جیسے خوفناک جانور نکل کے انہیں عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں... جب چیونٹیوں کو قدموں تلے پیسا جاتا ہے تو وہ کاٹیں یا نہ کاٹیں، زمین کے اندر چھپے جانوروں کو باہر نکال لاتی ہیں وہ...")

کانفرنس روم میں متعدد غیر ملکی مہمان بیٹھے تھے، اور ان کے میزبان بھی مسکراتے ہوئے سامنے موجود نظر آ رہے تھے۔ دھڑا دھڑ مختلف یادداشتوں پہ دستخط ہو رہے تھے اور ڈاکٹر سارہ مسکرا کے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ قریب بیٹھی لڑکی نے جھک کر سرگوشی کی۔ "قھر کول بالآخر ایک حقیقت بننے جا رہا ہے۔ کیا سعدی اب بھی واپس نہیں آئے گا؟"

سارہ نے اس کے کان کے قریب آہستہ سے کہا۔ "وہ پرائیوٹ سیکٹر میں چلا گیا ہے۔ اب جب راستہ کھل گیا ہے تو وہ آنے پہ راضی نہیں۔ کہتا ہے وہ سرکاری عہدہ لے کر مصلحتوں کا شکار ہو کر نہیں کام کر سکتا۔ وہ زیادہ daring کام کرنا چاہتا ہے۔"

(اور آگے اللہ فرماتا ہے..."اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی ہوگی یہاں تک کہ جب سب حاضر ہوں گے کہے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم انہیں سمجھے بھی نہ تھے یا کیا کرتے رہے ہو۔ اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہو جائے گا پھر وہ بول بھی نہ سکیں گے۔" یہ آیات ہر مظلوم کے دل کو ٹھنڈک دیتی ہیں۔ ان کو پڑھ کے ان کو سمجھ کے میں نے یہ جانا ہے کہ آج عدالتوں میں ٹی وی پہ چوراہوں اور چوک میں یہ ظالم بارسوخ کرپٹ لوگ کتنا مرضی جھوٹ بول لیں ابھی قیامت نہیں آئی۔ اور جب آئے گی تو وہ بول بھی نہیں سکیں گے۔ اس دن ان کی کوئی صفائی کوئی توجیہہ نہیں سنی جائے گی۔ ہاں کبھی تو ان ظالموں کی بھی زبان بندی ہوگی۔ اس لئے ان کی زبانوں سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔)

سفید دیواروں والے کمرے میں خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں... گھومنے والی کرسی پہ سفید کوٹ پہنے بیٹھی ڈاکٹر پیڈ پہ قلم سے چند الفاظ گھسیٹ رہی تھی۔ اور سامنے بیٹھا آنکھوں تلے حلقے لئے نوشیرواں پژمردگی اور اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا اب میں یہ دوا چھوڑ نہیں سکتا؟ کیا ان دواؤں کے بغیر مجھے کہیں سکون نہیں ملے گا؟"

"آئی ایم سوری لیکن آپ کی ذہنی حالت کے لئے یہ بہت ضروری ہیں۔" وہ صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھی... شیرو نے اذیت سے آنکھیں موند لیں۔ دوائیاں... نیند کی... ڈپریشن کی... سکون کی... قابیل کی مہر ماتھے پہ دہکنے لگی تھی...

("کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات بنائی تاکہ اس میں چین حاصل کریں اور دیکھنے کو دن بنایا البتہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب ہی گھبرائیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔" یہ آیات سن کر میرے دوستو... کیا ہم صرف اپنے دشمنوں کی عاقبت کا سوچتے ہیں یا اپنا بھی سوچتے ہیں؟ کیا ہم اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ رہنے والے کام کرتے ہیں؟)

ہارون عبید ایک ٹاک شو کے سیٹ پہ بیٹھے مسکرا مسکرا کے مقابل موجود دو مہمانوں سے بحث کر رہے تھے... ان کے انداز میں بے نیازی تھی... آگے بڑھنے کی لگن... عنقریب پالینے والی فتح کی چاہ... اور وہ کہہ رہے تھے۔ "ہم نے اس ملک میں جمہوریت کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ ہماری منزل قریب ہے... آپ دیکھئے گا کہ ہم کیسے..."

("اور تو جو پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھ رہا ہے یہ تو بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اس اللہ کی کاریگری سے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے اسے خبر ہے جو تم کرتے ہو۔" درست فرمایا اللہ نے۔ چاہے وہ ظالم لوگ ہوں یا ظالم حالات یوں لگتا ہے وہ پہاڑ جیسے ہیں۔ جمے ہوئے۔ کبھی ہماری زندگیوں سے ہمارے راستوں سے نہیں ہٹیں گے... مگر ایسا نہیں ہے۔ میں نے ان ظالم لوگوں اور ظالم حالات کو روئی کے گالوں کی طرح دھنکے جاتے دیکھا ہے... باقی رہ جانے والا صرف اللہ ہے... باقی سب کو زوال آنا ہے... خود ہمیں بھی...)

صاحبزادی صاحبہ اپنے لاکر کو کھولے کھڑی تھی۔ اس میں بڑا ایک بڑا ڈبہ کھلا ہوا تھا... اور اس کی سیاہ مخمل پہ جگمگاتے ہیرے پڑے نظر آ رہے تھے۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے زیورات... ان کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی... وہ جب سے زندگی میں آئے تھے وہ بے رحم فیصلے

کرنے لگی تھی مگر اب پرواہ نہیں رہی تھی.....وہ زیورات...ان کی چمک.....

(''جو نیکی لائے گا سوا سے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں اس آیت میں یہ بتاتا ہے کہ ہمیں سکون' انعام' جنت' یہ چیزیں اپنی نیکیوں کے ''بدلے'' کے طور پہ نہیں ملیں گی' بلکہ جو بھی نیکی کرے گا اس کو اس کی نیکی سے ''بڑھ کے'' بدلے میں یہ سب ملے گا۔ پھر جب فیصلے کی گھڑی آئے گی تو یہ ہماری چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہوں گی جو ہمارے دل کو دنیا اور آخرت میں گھبراہٹ سے بچائیں گی۔ اگر آپ کا دل بات بہ بات گھبرا جاتا ہے تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نیکیاں کیا کیجئے۔ کسی کا دل رکھ لینا' کسی کو پانی پلا دینا' زبان پہ طنز آ جانے کے باوجود کسی کو ہرٹ نہ کرنے کے لئے اس کو لبوں سے نہ نکالنا' خاموش رہنا...اور ایسے ان گنت کام آپ کے دل کو بہادر بنائیں گے.....یاد رکھیں.....ہر نیکی دوسری نیکی کا راستہ کھولتی ہے.....)

بک شاپ کے اس اونچے ریک پہ کتابیں ترتیب سے سجی تھیں اور حنین ان کے سامنے کھڑے مسکرا کے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ساتھ کھڑے اسامہ نے تفاخر سے کہا تھا۔

''تمہاری بک یہاں دیکھ کر میں یہ فخر سے کہہ سکتا ہوں حنہ کہ تم صرف اپنی ہیرو نہیں ہو بلکہ تم میری ہیرو بھی ہو...''

اور اس نے ہنس کر یم کے سر پہ چپت لگائی تھی.....

(''اور جو برائی لائے گا سو ان کے منہ آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم کرتے تھے۔'' یعنی اللہ انسان پہ ظلم نہیں کرے گا۔ اس دنیا میں تو ہمیں ہمارے اعمال سے کم یا زیادہ مل جاتا ہے مگر اس بڑے دن ہمیں اس کا بدلہ ملے گا جو ہم کرتے تھے۔ ہم پہ کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ وہ وعدہ کرتا ہے تو اسے سچ کر کے دکھاتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ دعا مانگو میں قبول کروں گا تو ہم اس وعدے کو سچ کرنے کے لئے دعا میں شدت کیوں اختیار نہیں کرتے؟ ہاں ہمارے اردگرد کا معاشرہ بدل رہا ہے' لوگ بدل رہے ہیں' زمانہ بدل رہا ہے' مگر اللہ نہیں بدلے گا۔ اللہ کا وعدہ نہیں بدلے گا۔ اللہ اپنے سارے وعدے پورے کرے گا۔ کیا ہم کریں گے؟)

کال کوٹھڑیوں کے دروازے کھلے تھے اور تمام قیدی باہر نکل رہے تھے۔ وہاں ایک تاریک سا بڑا کمرہ تھا جس میں وہ دن بھر جمع رہتے تھے۔ ایسے میں ایک گارڈ ہاشم کے قریب آیا اور موپ اسے تھمایا۔ ''کیا تمہیں روز بھول جاتا ہے؟ اس جگہ کی صفائی تم نے کرنی ہے۔''

ہاشم نے درشتی سے اس سے موپ پکڑا اور پھر اس کے قریب آیا۔ ''تمہیں جتنے پیسے چاہئیں میں دوں گا بس مجھے اتنا پتہ کروا دو کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ میری بیوی' ماں یا بھائی' کسی کو علم وہ یا نہیں؟ صرف اتنا بتا دو مجھے....''

''خاموشی سے یہ فرش صاف کرو۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ ہاشم نے ایک نظر میلے فرش کو دیکھا...پھر اپنے آپ کو...بدرنگ جمپنگ سوٹ (قیدیوں کا لباس) پہنے...میلے کچیلے حلیے میں...وہ اب اس غلیظ فرش کو...صاف کرے گا؟؟...اس نے سارے خیال ذہن سے سر جھٹک دیے اور ضبط کرتے ہوئے موپ کو فرش پہ رگڑنے لگا...آنکھوں میں بار بار درد سا ابھرتا تھا...مگر نہیں...وہ آخری دم تک ان لوگوں سے لڑے گا...کبھی تو وہ آزاد ہو گا...کبھی تو...اس کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں مگر اس نے سختی سے خود کو جھڑکا۔ ''مجھے

کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ سب نے میرے ساتھ زیادتی کی۔ سب سے زیادہ ظلم میرے ساتھ ہوا۔ وہ سب ایک ساتھ تھے۔ ایک میں اکیلا رہ گیا تھا… میں اکیلا لڑتا رہا… میں کب تک لڑ سکتا تھا۔" بھیانک اندھیرے آس پاس اس کی گھات میں کھڑے تھے… اس کو نگلنے کے لیے تیار…

(" مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں جس نے اسے عزت دی ہے اور ہر ایک چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ اور یہ بھی کہ قرآن سنا دوں پھر جو کوئی راہ پر آ گیا تو وہ اپنے بھلے کو راہ پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اور کہہ دو سب تعریف اللہ کے لیے ہے تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھا دے گا پھر انہیں پہچان لو گے اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔")

ریسٹورانٹ کی اس میز پہ خوبصورت گلاب کے پھول رکھے تھے، دو موم بتیاں روشن تھیں… زمر اور فارس آمنے سامنے بیٹھے تھے… اشتہا انگیز خوشبو لئے کھانا ان کے سامنے سجا تھا… اور وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"تو بالآخر آج ایک پر امن اور پر سکون ڈنر کا قرض تم نے اتار ہی دیا!"

"بالکل۔ تو پھر کیا خیال ہے؟ اب میں تمہیں اپنے آفس کی خوبصورت لڑکیوں کے بارے میں بتا سکتا ہوں؟" اور وہ دونوں ایک ساتھ ہنس دیے تھے۔

"اور ان آیات کو سنانے کے بعد… میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں۔" وہ ڈائس پہ ہاتھ رکھے کھڑا مجمعے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کہ میں نے یہ جان لیا ہے کہ میرا کام تھا صرف پہنچا دینا۔ ہمارا کام پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے۔ اسلام کو زبردستی لوگوں کے اوپر نافذ کرنا نہیں ہوتا۔ آپ دین کو جبر اور سختی سے کسی کے عمل میں شامل نہیں کر سکتے۔ آپ جبر سے زبردستی انصاف بھی نہیں کروا سکتے۔ ہم نے صرف سچ کے لئے آواز بلند کرنی ہے، اسکے لئے لڑنا ہے، کوشش کرنی ہے۔ ہمارے ہاتھ میں صرف کوشش ہے۔ کامیابی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر دفعہ کامیاب بھی ہوں، ہم ہر دفعہ جیتیں بھی سہی۔ ہم نے صرف اپنا ہنڈرڈ پرسنٹ دینا ہے۔ کیونکہ ہمارا یہی کام ہے۔ خود عمل کرنا اور صرف دوسروں کو پہنچا دینا۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے، میں تو ہوں صرف پہنچا دینے والوں میں سے!" وہ بات ختم کر کے خاموش ہوا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا… لوگ اپنی جگہوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے لئے ہاتھ بلند کیے تالیاں بجا رہے تھے اور وہ مسکرا کے ان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ فیصلے کی گھڑی آنے سے پہلے ہی جیت گیا تھا، اس کو بس علم دیر سے ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سولہ سال بعد:

وہ اوپر سے دیکھنے سے کسی امریکی ریاست کا کوئی مصروف شہر لگتا تھا۔ خوبصورت اونچی عمارتیں، صاف ستھری سڑکیں… مصروف سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تیز تیز چلتے لوگ... ایسے میں وہ مخالف سمت سے چلتی ہوئی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ تیز ہوا کے باعث سیاہ بال اڑ اڑ کے چہرے پہ آ رہے تھے اور وہ بار بار ان کو کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ خوبصورت چہرہ' سیاہ شفاف آنکھیں اور ایک بے نیاز مسکراہٹ... وہ مگن سی چلتی آ رہی تھی... جب قریب سے گزرتے ایک آدمی سے ٹکرا گئی۔

''سوری... سوری۔'' مسکرا کے معذرت کی تو وہ آدمی ''نو پرابلم'' کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اب کہ وہ واپس مڑی اور قدم بڑھاتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا مردانہ والٹ کھولا۔ اس آدمی کا آئی ڈی کارڈ... چند ویزا کارڈ... کڑکڑاتے ہوئے ڈالرز کے نوٹ... ہوں گڈ... اس نے اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ کارڈز جیب میں رکھے' والٹ قریبی بن میں اچھالا' اور نوٹ مٹھی میں دبائے آگے بڑھ گئی۔

ایک بیکری کے قریب وہ رکی اور اندر چلی گئی۔ جب واپس آئی تو ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا۔ کیک کا ڈبہ۔ اب تک اس کی مسکراہٹ سوگوار پڑ چکی تھی۔

وہ ڈبہ لئے سڑک کنارے چلتی گئی... چلتی گئی... یہاں تک کہ زیر زمین ٹرین اسٹیشن کو جاتی سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔ وہ نیچے اترتی آئی... وہاں کونے میں ایک بوڑھا سیاہ فام آدمی بیٹھا تھا۔ شکل سے وہ ڈاؤن سنڈروم کا شکار لگتا تھا۔ دنیا مافیہا سے بے خبر... وہ اس کے پاس آ بیٹھی... وہیں زمین پہ... اور ڈبہ کھول کے درمیان میں رکھا۔ اندر ایک چھوٹا سا کیک تھا۔ اس پہ ننھی سی موم بتی رکھی تھی۔ اس نے لائٹر نکال کر جلایا' موم بتی روشن کی' اور سیاہ فام کو دیکھا۔ وہ غائب دماغی سے اسے گھور رہا تھا۔

لڑکی نے اپنے ٹخنے سے جینز اوپر کی' وہاں بندھا چاقو نکالا' اور کیک کے قریب لائی۔ پھر پھونک ماری۔ شعلہ بجھ گیا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو می... ہیپی برتھ ڈے ٹو سونیا...'' وہ اب کیک کو دیکھتے ہوئے مدھم... اداس سا گنگنا رہی تھی۔ ساتھ میں چاقو سے اسے کاٹ بھی رہی تھی۔

''جب میں چھوٹی تھی تو میرے بابا میری سالگرہ ایسے مناتے تھے کہ ساری دنیا دیکھا کرتی تھی... شہر کی سب سے زیادہ شاندار سالگرہیں شاید میری ہوتی تھیں۔ اور اب...'' اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''اور اب میں ان کے ساتھ سالگرہ نہیں منا سکتی۔ میں نے کتنے سال ان کے ساتھ سالگرہ نہیں منائی۔ اوہ تم کیا جانو... میرا باپ کتنا عظیم انسان تھا...'' پھر آنکھیں اٹھا کر بوڑھے بھکاری کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''اتنا عرصہ کھوئے رہنے... بک جانے... ظلم سہنے کے بعد بھی... میری دادی نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا... مگر میری قسمت میرے بابا سے الگ ہے البرتو... میری دادی نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرف بڑا نہیں کیا... انہوں نے مجھے ایک ہتھیار کی طرح تراشا ہے...'' اس کی آواز سرد ہوتی گئی۔ ''میں نے اتنے دھکے کھائے ہیں کہ اب میں ہر قسم کے لوگوں سے لڑنا' اور ان کو ہر طرح سے مارنا سیکھ چکی ہوں۔ اور میں یہ تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں کیونکہ آج صبح معلوم ہوا ہے کہ میرے بابا زندہ ہیں... اور اب البرتو مجھے اپنے ملک واپس جانا ہے۔ اپنے بابا کو ڈھونڈنے' ان کو واپس لانے' اور اپنے خاندان کو جوڑنے کے لئے...'' کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جذبہ جاگا... چمک... پر تپش برف جیسی چمک... سلگتی ہوئی لکڑی کی سی حدت... ''اور آج شاید میں آخری دفعہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھا رہی ہوں۔ اب

شاید میں واپس نہ آؤں۔ میرا سفر بہت طویل ہے، اور مجھے صرف اپنے خاندان کو اکٹھا نہیں کرنا، بلکہ مجھے ....'' آنکھیں سلگنے لگیں۔ ٹرین قریب آرہی تھی...اور اس کی آواز میں سونیا کی آواز دب سی گئی...مدھم سرگوشی میں بدل گئی...

''مجھے اس ایک شخص اور اس کے خاندان سے بھی اپنا انتقام لینا ہے۔ میں اس کا نام کبھی نہیں بھولی...میں اس کی آنکھیں نہیں بھولی....وہ آخری دفعہ مجھے ہسپتال کے کاریڈور میں نظر آیا تھا...فارس غازی...میں نے اس دن کا برسوں انتظار کیا ہے البرتو....جب میں پوری طرح تیار ہوں گی...اور میں اس کے خاندان کے ایک ایک فرد کو ہر اس ظلم کی سزا دوں گی جو انہوں نے میرے خاندان پہ ڈھایا تھا...میں ایک ایک زخم کا بدلہ لوں گی...اس آدمی نے میری ساری دنیا تاریک کر دی...وہی وجہ ہے ہر چیز کی...چودہ سال...چودہ سال اس نے اور اس کے خاندان نے سکون سے گزار دیے....مگر اب اور نہیں....'' اس نے کیک کا ڈبہ البرتو کی طرف بڑھایا اور خود بیگ کندھے پہ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھیں پر تپش تھیں اور چہرہ برف کی طرح سفید.....

''اب وہ اپنے ایک ایک جرم کا حساب دے گا۔ میرے محبت کرنے والے عظیم باپ کے ساتھ اس نے جو کیا...وہ اس کا حساب دے گا....میں اپنے باپ کو ڈھونڈ نہ بھی سکی تو فارس غازی سے ضرور ملوں گی، اور وہ اس ملاقات کو یاد رکھے گا۔ ویسے مجھے ابھی بھی امید ہے کہ وہ مجھے کبھی بھولا نہیں ہوگا۔ اسے بھی میری آنکھیں یاد ہوں گی۔'' اور وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ کیک کا ڈبہ یونہی پڑا رہا گیا۔ البرتو نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔

وہ کہیں نہیں تھی۔ ایسے جیسے بھیڑ میں غائب ہوگئی ہو۔

کسی جن کی طرح۔

کسی پری کی طرح۔

اور اگر کبھی تمہیں کوئی کہے

کہ انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا

تو یقین کر لینا

کیونکہ

ہر انتقام کے آخر میں

نئے سرے سے بدلہ لینے کے لئے

اور اس چکر کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے

ایک سروائیور

ضرور باقی بچ جاتا ہے.....

(ختم شد) (اختتام....نمل)